اَلتَّکَشُّف

عَنْ مُهِمَّاتِ التَّصَوُّف

تصوف کے سینکڑوں دقیق مسائل کا قرآن وحدیث سے استنباط

تحقیق وتخریج احادیث

حضرت مولانا محمد عفان منصورپوری مدظلہ

مجموعہ رسائل

اَلتُّقٰی فِیْ اَحْکَامِ الرُّقٰی

اَوْرَادِ رَحْمَانِی

اَلْفُتُوْحُ فِیْمَا یَتَعَلَّقُ بِالرُّوْحِ

حَقِیْقَةُ الطَّرِیْقَةِ مِنَ السُّنَّةِ الْاَنِیْقَةِ

تَائِیْدُ الْحَقِیْقَةِ بِالْآیَاتِ الْعَتِیْقَةِ

عِرْفَانِ حَافِظ

اَلنُّکَتُ الدَّقِیْقَةُ مِمَّا یَتَعَلَّقُ بِالْحَقِیْقَةِ

چھے نایاب رسائل کا مجموعہ پہلی مرتبہ جدید ترتیب وتخریج کے ساتھ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدا و مصلیا اما بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اکابر کی دعاؤں سے ادارہ کو حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی نایاب کتب کی اشاعت کا شرف حاصل رہا ہے اور یہ بھی اللہ ہی کا فضل اور توفیق ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کی وہ کتب جنہیں عام طور پر تجارتی ادارے شائع کرنیکی ہمت نہیں کرتے ادارہ کی طرف سے شائع ہوئیں۔ مثلاً مولانا روم رحمہ اللہ کی مثنوی شریف کی عظیم شرح ''کلید مثنوی'' جو کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ جو غالباً ہندوستان میں مختلف رسائل میں قسط وار شائع ہو کر ایسی نایاب ہوئی کہ حضرت کے اکابر خلفاء بھی اس کے استفادہ کیلئے متمنی رہے۔ اللہ کے فضل سے تلاش بسیار کے بعد اس ضخیم شرح کے دفاتر دستیاب ہوئے اور ان کی اشاعت کی گئی۔ اب بحمد اللہ ''کلید مثنوی'' جدید اسلوب کے ساتھ کمپیوٹر کتابت میں شائع ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں آمین۔

زیر نظر کتاب ''التکشف عن مہمات التصوف'' بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ان نایاب کتب میں سے ہے جو اب تک قدیم نسخہ کا عکس لیکر شائع ہوتی رہی ہے جس میں شریعت میں مطلوب تصوف وطریقت کے مسائل و معارف کو تین سو تیں احادیث سے مستنبط فرمایا گیا ہے۔ ان احادیث پر مزید تہذیب و تخریج کا کام مولانا محمد عثمان منصور پوری مدظلہ (جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد) نے بہت محنت شاقہ سے کیا ہے۔ ان کے کام کی تفصیل آپ ان کے ''عرض حال'' کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے ان جدید خصوصیات و اضافہ جات کے ساتھ التکشف کی پہلی مرتبہ اشاعت کی توفیق بھی ادارہ کے حصہ میں آئی۔ ان شاء اللہ یہ جدید ایڈیشن اہل علم اور اہل دل کیلئے روحانی تحفہ ہے۔ یہ مستند کتاب ان حضرات کیلئے بھی دعوت فکر ہے جو تصوف و طریقت کو شریعت سے علیحدہ یا اس کے مقابل کی چیز سمجھ کر اس عظیم نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کتاب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجددانہ شان کی حامل ہے کہ حضرت نے احادیث صحیحہ سے تصوف و طریقت کے مسائل کو مستنبط فرما کر معترضین کو لاجواب فرما دیا۔ اس سے قبل ''التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف'' بھی عرصہ سے نایاب تھی وہ بھی (کمپیوٹرائیڈیشن) شائع ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اسے ہمارے لئے ذخیرہ آخرت بنائیں آمین۔

والسلام..... محمد اسحق غفرلہ..... ربیع الاول ۱۴۳۰ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۹ء

عرض حال

از صاحب تخریج و تہذیب

سلوک و تصوف یعنی روح شریعت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جس میں اخلاص دینی اعمال قلب کی اصلاح اور معرفت رب کائنات کے گر سکھائے جاتے ہیں یعنی شریعت نام ہے اس دین کا جس کو آنحضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں اور طریقت (سلوک و تصوف) نام ہے اس روحانی عمل کا جس پر چل کر آسانی کے ساتھ دین محمدی کے تمام شعبوں پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

شریعت و طریقت الگ الگ چیز نہیں بلکہ طریقت عین شریعت ہے اس لئے کہ اخلاص کے ساتھ احکام الٰہی کی تعمیل و تکمیل ہی کو طریقت سے موسوم کیا جاتا ہے آخری زمانہ میں ایک ایسے طبقہ نے جنم لیا جو اس طریقت کو روح اسلام کے منافی بدعت کا مجموعہ اور بطلان و ضلالت کا ذخیرہ قرار دیتا ہے دراصل ان کوتاہ بیں ان اسرار و رموز و دقائق شریعت کے ادراک سے قاصر ہیں جو طریقت کے ہر ہر عمل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر رکھ کر مستند ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔

باری تعالیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی قبر کو نور سے معمور فرمائے کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور اس فن کے مسائل کو سب سے پہلے کلام پاک سے مستنبط فرمایا اور ان کے متعلق "مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" اور "تائید الحقیقة بالآیات العتیقة" کے نام سے دو رسالے تالیف فرمائے۔

پھر حدیث صحیحہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ان مسائل سلوک کی تشریح فرمائی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و عمل سے ان کو ثابت کیا اس موضوع پر آپ نے دو کتابیں تصنیف فرمائیں۔

(۱) "التشرف بمعرفة احادیث التصوف" یہ کتاب چار حصوں میں ہے اس میں ان احادیث کی تحقیق ہے جو تصوف کی کتابوں میں یا صوفیوں کے کلام میں آتی ہیں اور یہ لکھا گیا ہے کہ اصول فن حدیث کی رو سے یہ حدیث کس درجے کی ہے اور حدیث کی کس کتاب میں ہے اور جو روایات ان میں دراصل حدیث نہیں بلکہ لوگوں نے غلطی سے ان کو حدیث سمجھ رکھا ہے اور وہ اقوال حکیمانہ کے طور پر کسی دوسری حدیث یا آیت پاک سے ثابت ہیں تو ان احادیث و آیات کو

سے ان قواعد کی صحت کے طریق واستنباط پر گفتگو فرمائی ہے۔

(۲) "حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ" یہ کتاب ۱۳۲۷ھ میں لکھی گئی، یہ مستقل تصنیف ہونے کے ساتھ حضرت کی مشہور کتاب "التکشف عن مہمات التصوف" کا جز بھی ہے، اس میں تین سو سے زائد احادیث ہیں جن سے سلوک وتصوف کے مسائل کو واضح انداز میں مستنبط کیا گیا ہے، ان میں سے اکثر وبیشتر صحاح ستہ کی روایات ہیں، اس کے علاوہ مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی، معجم طبرانی اور رزین وغیرہ کی بھی چند روایات ہیں۔

(۳) "النکت الدقیقۃ مما یتعلق بالحقیقۃ" یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، اس میں بھی تصوف کے دقیق مسائل کو احادیث مبارکہ سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ "حقیقۃ الطریقۃ" کے ذیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت نے عموماً احادیث کا انتخاب "تیسیر الاصول" سے کیا ہے اور کہیں کہیں مشکوۃ شریف سے بھی روایات لی ہیں، کتاب کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیہ کا کوئی ورد و وظیفہ ایسا نہیں ہے جس کو بے اصل کہہ سکیں اور اس کو بدعات کی فہرست میں داخل کر دیا جائے۔

مسائل تصوف کے سلسلے میں شک وشبہ میں مبتلا لوگوں کیلئے ان تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ ان کا ذہن ودماغ بے بنیاد شبہات واعتراضات سے خالی ہو سکے۔

مذکورہ دونوں کتابیں کافی دنوں سے پرانے نسخوں میں ہونے کی وجہ سے عام طور پر دستیاب نہ تھیں جس کی وجہ سے استفادہ مشکل ہو رہا تھا، از سر نو کتاب کو منظر عام پر لانے کیلئے ضروری تھا کہ دو قدیم نسخوں میں متن حدیث میں موجود غلطیوں کی کتب اصلیہ کی طرف مراجعت کرتے ہوئے تصحیح کی جائے، نیز ان احادیث کی اسنادی حیثیت کو واضح کیا جائے۔

نیز حواشی میں موجود فارسی عبارات کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے اور مضمون کتاب تک رسائی کیلئے فہرست مضامین کا اضافہ کیا جائے۔

گزشتہ دنوں حضرت اقدس مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے احقر کو اس کتاب پر کام کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ حتی المقدور اس کی خدمت کی گئی جو آپ کے سامنے ہے۔

باری تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور سب کیلئے نافع بنائے آمین۔

فقط۔ محمد عفان منصور پوری

خادم تدریس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۰/۲/۱۴۲۷ھ

فہرست عنوانات

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ خیر اندیش خلق مظہر مدعا ہے کہ یہ مجموعۂ اوراق کوئی مستقل تصنیف نہیں ۔ بلکہ چند رسائل یا ان کے اجزاء متفرقہ کا جمع اور تالیف ہے ۔۔۔ داعی اس جمع کا یہ ہوا کہ اکثر طالبان حق مختلف طبقات کے ۔۔۔ یعنی عوام بھی خواص بھی وقتاً فوقتاً طریق اصلاح نفس و تربیت باطن کا علماً و عملاً حاصل کرنے کی درخواست کرتے رہتے ۔۔ اور بمقتضائے الدین النصیحۃ ۔۔ باوجود نا اہلی کے محض اپنے بزرگوں کے امتثال امر کے سبب ۔۔ بقدر اپنے علم و فہم کے مشورۂ مفیدہ سے ان کی اعانت و خدمت کی جاتی ۔ اور چونکہ ہر طبقہ کے احوال حسب تفاوت استعداد باہم دگر متفاوت ہیں ۔ اور بوجہ توقف اعمال کے علوم پر بہ تبعیت تنوع اعمال و احوال ان کے علوم بھی متنوع ہیں ۔۔۔ اس لئے ہر طالب کو جداگانہ علوم و اعمال کی تعلیم و تلقین کی حاجت ہوتی ۔۔۔ اور چونکہ یہ تعلیم زبانی ہوتی تھی اس لئے بعض اوقات بوجہ تنگی وقت یا عدم استحضار فی الزمان بعض امور کے بیان و اظہار میں متکلم سے فروگذاشت ہو جاتی اور احیاناً بعض ضروریات کے فہم و ضبط میں سامع سے کوتاہی ہو جاتی ۔ یا بعد فہم و ضبط کے ذہول ہو جاتا ۔۔۔ اور غالباً ایسے اتفاقات ہر معلم و متعلم کو پیش آتے ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اتفاقی اختلافات جو کہ زبانی تعلیم میں محتمل اور واقع ہیں ۔ ان کی تلافی صرف ان مضامین کے مقید بہ کتابت کر دینے سے ہو سکتی ہے ۔ اور گو فن میں کثرت سے کتب موجود ہیں ۔ اور بجز اس کے کہ ان کتب کا دیکھنا ہر شخص کو خالی از صعوبت نہ تھا ۔۔۔ احقر نے ان ضرورتوں پر نظر

کرکے ان کتب سے ملتقط کرکے۔ اپنے مختلف رسالوں میں متفرق مقامات پر اپنے مبہمات سے تعرض بھی کیا ہے۔ مگر ان رسائل کا اول جمع کرنا پھر اول سے آخر تک باحتیاب ان کا مطالعہ کرنا پھر ان کا ذہن میں رکھنا تشتت وتکلف سے خالی نہ تھا۔۔ اس لئے کبھی کبھی خیال آیا کرتا تھا کہ اگر ان رسائل میں سے ہر جلد کے مبہمات علمیہ وعملیہ کو جن کو فن تہذیب نفس۔۔۔ یعنی تصوف سے زائد خصوصیت ہے۔۔ منتخب کرکے جمع کردیا جائے۔۔ اور تیز تسہیل کے لئے ہر طبقہ کے مبہمات کو ایک دوسرے سے ممتاز اور غیر مخلوط رکھا جائے تو امید ہے کہ ضرورت مذکورہ کے رفع میں اس سے کفایت ہوجائے مدت تک یہ خیال دل میں دورہ کرتا رہا۔۔۔ مگر دوسرے مشاغل کی وجہ سے وقت ملنے کا منتظر رہا۔۔۔ اس اثناء میں اپنے اس خیال کو بعض احباب سے بھی مرۃ بعد مرۃ ذکر کیا۔۔ تو بلا اختلاف سب نے پسند فرمایا سب سے اخیر میں مکرم شفیق مخلص مولوی محمد صدیق احمد ساکن بہٹ شرفہ اللہ تعالیٰ بالتوفیق سے جو اس کے ذکر کی نوبت آئی۔۔ تو انہوں نے پسندیدگی کے ساتھ اس کے جمع کا مزید اشتیاق اور بذات خود اس کے طبع کے انتظام واہتمام کی مستعدی اور قصد بھی ظاہر فرمایا۔۔۔ اس لئے وہ خیال کہنہ پھر تازہ ہوا اور وہ حدیث النفس مرتبہ عزم میں آگئی۔ اب بنام خدا اس مجموعہ کو شروع کرتا ہوں اور التکشف عن مہمات التصوف اس کا نام رکھتا ہوں۔ اور اس کے تین حصے کرتا ہوں۔ پہلا حصہ کم استعداد رجال ونساء کے لئے۔ دوسرا حصہ متوسط استعداد والوں کے لئے تیسرا حصہ اہل علم کے لئے اور ہر حصہ میں جو متفرق مضامین رسائل سے لئے ہیں۔ وہ بلفظہا اور بعینہ منقول ہیں البتہ کسی کسی جگہ بضرورت ایک آدھ لفظ میں تغیر کرنا پڑا ہے۔۔ اور جو مستقل رسائل ہیں۔۔۔ موقع ترتیب میں ان کا صرف نام لکھ دیا گیا ہے کہ اس موقع پر ان کا مطالعہ کریں پھر چھاپنے والے اگر چاہیں نام ہی لکھنے پر اکتفا کرکے مجموعہ کو مختصر رکھیں اور اگر مصلحت سمجھیں تو پورا رسالہ نقل کرکے مجموعہ میں شامل کردیں۔ البتہ بعض رسالے جو اب تک شائع نہیں ہوئے تھے بضرورت وہ تمام بھا

(البتہ اشوار الوجود الی قول نفی کر دیا ہے مگر بعد تلخیص کے پاس اس اعتبار سے وہ بھی مشتمل شائع شدہ رسالوں کے ہو گیا ۔ ۱۲ منہ) نقل کئے گئے اور ہر مافوق طبقہ والے ۔ تحت طبقہ والوں کے حصہ کو بھی مطالعہ کر لیں ... تو اور زیادہ انفع واصلح ہے اور اگر سب طبقات والے اپنے اپنے حصہ کو بجائے مطالعہ کے درساً حاصل کر لیں ... تو زیادہ اطمینان کی بات ہے ۔ اور ماخذ اس مجموعہ کا احقر نے صرف اپنی تالیفات کو اس لئے قرار دیا کہ اپنے دوستوں کی مناسبت ان سے معلوم ہو چکی ہے ...... اور مدار نفع کا مناسبت ہی پر ہے اور ضرورت اور اخذ عن السلف کا لحاظ بفضلہ تعالیٰ ان تالیفات میں پہلے سے کیا جا چکا ہے ... جو کہ موقوف ہے تالیفات متفرقہ کے صحیح اور قابل عمل ہونے کا ... اس لئے کلام حضرات متقدمین سے الفاظ کا تتبع کر کے برداشت کرنا ضروری نہ معلوم ہوا ۔ پس صورۃً یہ مجموعہ ہے رسائل جدیدۃ التصنیف کے مضامین کا ... اور حقیقتاً ذخیرہ اور خلاصہ ہے ... منقولات عن ائمۃ السلف کا ۔

اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور ناظرین سے بھی دعا کی استدعا ہے
کہ اللہ تعالیٰ اس کو مؤلف اور مؤلف لہم کے لئے ذریعہ وصول الی المقصود
الحقیقی بنادے آمین وھو الموفق والمعین فی کل امر وحین ۔

کتبہ اشرف علی تھانوی
عاشورا المحرم ۱۳۴۷ھ

حصہ اول از مجموعہ تکشف

برائے کم استعداداں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ اول و دوم و سوم و چہارم و پنجم و ششم و ہفتم بہشتی زیور و حصہ یازدہم یعنی بہشتی گوہر ... ان سب کا مطالعہ کریں اور اگر عقائد و مسائل ضروریہ دوسرے معتبر اور کافی رسالوں سے حاصل کرتے ہوں ..... تو بہشتی زیور کے حصہ اول سے تتمہ ذیل اور حصہ دوم سے مسائل ذیل اور ساتواں حصہ پورا مطالعہ کریں۔

تتمہ در بیان تعلیم زیور خصوصی برائے مستورات از بہشتی زیور حصہ اول

اصلی انسانی زیور

ایک لڑکی نے یہ پوچھا اپنی اماں جان سے — آپ زیور کی کریں تعریف مجھ انجان سے
کون سے زیور ہیں اچھے یہ بتا دیجئے مجھے — اور جو بدزیب ہیں وہ بھی بتا دیجئے مجھے
تا کہ اچھے اور برے میں مجھ کو بھی ہو امتیاز — اور مجھ پر آپ کی برکت سے کھل جائے یہ راز
یوں کہا ماں نے محبت سے کہ اے بیٹی میری — گوش دل سے بات سن لو زیوروں کی تم ذری
سیم و زر کے زیوروں کو لوگ کہتے ہیں بھلا — پر تو میری جان ہونا تم کبھی ان پہ فدا
سونے چاندی کی چمک بس دیکھنے کی بات ہے — چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے
تم کو لازم ہے کہ ہو مرغوب ایسے زیورات — دین و دنیا کی بھلائی جس سے ہاتھ آئے ثبات
سر پہ جھومر عقل کا رکھنا تم اے بیٹی مدام — چلتے ہیں جس کے ذریعے سے ہی سب انسان کے کام
بالیاں ہوں کان میں ایمان گوش ہوش کی — اور نصیحت رکھ تیرے جھمکوں میں ہو بھری
اور آویزے نصائح ہوں کہ دل آویز ہوں — گر کرے ان پر عمل تیرے نصیبے تیز ہوں
کان کے پتے دیا کرتے ہیں کانوں کو عذاب — کان میں رکھو نصیحت دین جو اوراق کتاب

اور زیور گر گلے کے کچھ تجھے درکار ہوں
نیکیاں پیاری مری تیرے گلے کا ہار ہوں

قوت بازو کا حاصل تجھ کو بازو بند ہو
کامیابی سے سدا تو خرم و خورسند ہو

ہیں جو سب بازو کے زیور سب کے سب بیکار ہیں
ہمتیں بازو کی اے بیٹی تری درکار ہیں

ہاتھ کے زیور سے پیاری دستکاری خوب ہے
دستکاری وہ ہنر ہے سب کو جو مرغوب ہے

کیا کروگی اے مری جان زیور خلخال کو
پھینک دینا چاہئے بیٹی بس اس جنجال کو

سب سے اچھا پاؤں کا زیور یہ ہے نور بصر
تم رہو ثابت قدم ہر وقت راہِ نیک پر

سیم و زر کا پاؤں میں زیور نہ ہو تو ڈر نہیں
راستی سے پاؤں پھسلے گر نہ میری جان کہیں

مسائل متعلق نوافل از بہشتی زیور حصہ دوم

بعض نفلوں کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اور نفلوں سے ان کا پڑھنا بہتر ہے کہ تھوڑی سی محنت میں بہت ثواب ملتا ہے وہ یہ ہیں تحیۃ الوضو۔ اشراق، چاشت، اوابین، تہجد..... صلوۃ التسبیح۔

تحیۃ الوضوء: تحیۃ الوضوء اس کو کہتے ہیں کہ جب کبھی وضو کرے تو وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لیا کرے..... حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے..... لیکن جس وقت نفل نماز مکروہ ہے اس وقت نہ پڑھے۔

اشراق: اشراق کی نماز کا یہ طریقہ ہے کہ جب فجر کی نماز پڑھ چکے..... تو جانماز پر سے نہ اٹھے..... اسی جگہ بیٹھے بیٹھے درود شریف کلمہ یا اور کوئی وظیفہ پڑھتا رہے۔ اور اللہ کی یاد میں لگا رہے دنیا کی کوئی بات چیت نہ کرے۔ نہ دنیا کا کوئی کام کرے..... جب سورج نکل آئے اور اونچا ہو جائے۔ تو دو رکعت یا چار رکعت پڑھ لے تو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر فجر کی نماز کے بعد کسی دنیا کے دھندے میں لگ گیا.. پھر سورج اونچا ہو جانے کے بعد اشراق کی نماز پڑھی تو بھی درست ہے۔ لیکن ثواب کم ہو جائے گا۔

چاشت: پھر جب سورج خوب زیادہ اونچا ہو جائے اور دھوپ تیز ہو جائے تب کم سے کم دو رکعت پڑھے یا اس سے زیادہ پڑھے یعنی چار رکعت یا آٹھ رکعت یا بارہ

رکعت پڑھ لے ۔ اس کو چاشت کہتے ہیں ۔ اس کا بھی بہت ثواب ہے۔

اوابین: مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد کم سے کم چھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں پڑھے ۔ اس کو اوابین کہتے ہیں۔

تہجد: آدھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کا بڑا ہی ثواب ہے ۔ اس کو تہجد کہتے ہیں ۔ یہ نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مقبول ہے ۔ اور سب سے زیادہ اس کا ثواب ملتا ہے۔ تہجد کی کم سے کم چار رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں ۔ نہ ہو تو دو ہی رکعتیں سہی اگر پچھلی رات کو ہمت نہ ہو تو عشاء کے بعد پڑھ لے ۔ مگر ویسا ثواب نہ ہوگا ۔ اس کے سوا بھی رات دن میں جتنی چاہے نفلیں پڑھے۔

صلوٰۃ التسبیح: صلوٰۃ التسبیح کا حدیث شریف میں بڑا ثواب آیا ہے ۔ اس کے پڑھنے سے بے انتہا ثواب ملتا ہے ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ نماز سکھائی تھی ۔ اور فرمایا تھا کہ اس کے پڑھنے سے تمہارے سب گناہ اگلے پچھلے نئے پرانے چھوٹے بڑے سب معاف ہو جائیں گے ۔ اور فرمایا تھا کہ اگر ہو سکے تو ہر روز یہ نماز پڑھ لیا کرو ۔ اور ہر روز نہ ہو سکے تو ہفتہ میں ایک دفعہ پڑھ لو ۔ اگر ہر ہفتہ میں نہ ہو سکے تو ہر مہینے میں پڑھ لیا کرو ۔ ہر مہینے میں بھی نہ ہو سکے تو ہر سال میں ایک دفعہ پڑھ لو ۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر میں ایک دفعہ پڑھ لو ۔ اس نماز کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھے اور ۔ سبحانک اللّٰھم اور الحمد اور سورت جب سب پڑھ چکے تو رکوع سے پہلے ہی پندرہ دفعہ یہ پڑھے ۔ سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر پھر رکوع میں جائے ۔ اور سبحان ربی العظیم کہنے کے بعد دس دفعہ پھر یہی پڑھے ۔ پھر رکوع سے اٹھے ۔ اور سمع اللّٰہ لمن حمدہ کے بعد پھر دس دفعہ پڑھے پھر سجدہ میں جائے ۔ اور سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد پھر دس دفعہ پڑھے پھر سجدہ سے اٹھ کے دس دفعہ پڑھے ۔ اس کے بعد دوسرا سجدہ کرے ۔ اس میں بھی دس دفعہ پڑھے پھر سجدہ سے اٹھ کے بیٹھے ۔ اور دس دفعہ پڑھ کے دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو ۔ اسی طرح دوسری رکعت پڑھے ۔ اور جب دوسری رکعت میں تحیات کے لئے بیٹھے تو پہلے اسی طرح

بعد پڑھے۔ تب التحیات پڑھے۔ اسی طرح چاروں رکعتیں پڑھے۔

مسئلہ:- ان چاروں رکعتوں میں جو سورت چاہے پڑھے۔ کوئی سورت مقرر نہیں ہے۔

استخارہ کی نماز کا بیان

جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے۔ تو اللہ میاں سے صلاح لے لے اس صلاح لینے کو استخارہ کہتے ہیں۔ حدیث میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے صلاح نہ لینا اور استخارہ نہ کرنا بدبختی اور کم نصیبی کی بات ہے۔ کہیں منگنی کرے یا بیاہ کرے یا سفر کرے یا اور کوئی کام کرے۔ تو بے استخارہ کئے نہ کرے۔ تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کئے پر پشیمانی نہ ہوگی۔

استخارہ کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ۔ پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھے۔ اس کے بعد خوب دل لگا کے یہ دعا پڑھے۔

اللهم اني استخيرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسئلك من فضلك العظيم فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب اللهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خير لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري فاقدره لي ويسره لي ثم بارك لي فيه وان كنت تعلم ان هذا الامر شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري فاصرفه عني واصرفني عنه واقدر لي الخير حيث كان ثم ارضني به.

اور جب هذا الامر پر پہنچے جس لفظ پر لکیر کی ہے۔ تو اس کے پڑھتے وقت اسی کام کا دھیان کرے۔ جس کے لئے استخارہ کرنا چاہتی ہو۔ اس کے بعد پاک صاف بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کرکے باوضو سو جائے۔ جب سو کر اٹھے اس وقت جو بات دل میں مضبوطی سے آئے وہی بہتر ہے۔ اسی کو کرنا چاہئے۔ مسئلہ اگر ایک دن میں کچھ نہ معلوم ہو اور دل کا خلجان اور تردد نہ جائے۔ تو دوسرے دن پھر ایسا کرے۔ اسی طرح سات دن تک کرے ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور اس کام کی اچھائی برائی معلوم ہو جائے گی۔

مسئلہ اگر حج کے لئے جاتا ہو تو یہ استخارہ نہ کرے کہ۔ میں جاؤں یا نہ جاؤں بلکہ یوں استخارہ کرے کہ فلاں دن جاؤں یا نہ جاؤں۔

نمازِ توبہ کا بیان

اگر کوئی بات خلافِ شرع ہو جائے تو دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے خوب گڑگڑا کر اس سے توبہ کرے اور اپنے کئے پر پچھتائے اور اللہ تعالیٰ سے معاف کرائے ۔۔ ورآئندہ کے لئے پکا ارادہ کرے کہ اب کبھی نہ کروں گا۔ اس سے وہ گناہ بفضلِ خدا معاف ہو جاتا ہے اس کے بعد۔

رسالہ قصد السبیل کا مطالعہ کرے

اس میں سے عالم فارغ کے معمولات کے متعلق جو مضمون ہے وہ مطالعہ سے مستثنیٰ ہے۔

تذنیل قصد السبیل:۔ یہ مضمون بتائے زمانہ ترتیب رسالہ تکشف میں ایک غرض خاص سے مستقل طور پر لکھا گیا تھا وہ غرض یہ تھی کہ اس احقر سے بعض لوگ جو درخواست دخال سلسلہ کی کرتے تھے تو بنظر احتیاط (کہ بعد میں کوئی غرض مذموم حاصل نہ ہونے سے یا کسی امر کے متعلق نصیحت کرنے سے تو حش نہ ہو اس طریق کا مقصود صحیح اور جو کرنا یا چھوڑنا پڑے گا) کچھ ضروری امور ان لوگوں کے گوش گزار کئے جاتے تھے اس میں احیاناً دو کوتاہیاں واقع ہوتی تھیں ۔۔ ایک یہ کہ کبھی تو کوئی ضروری مضمون ذہول کے سبب بیان سے رہ جاتا دوسرے یہ کہ اکثر مخاطب کو تفصیل یاد نہ رہتی اس کا انتظام یہ خیال میں آیا کہ ان مضامین کو منضبط کر لیا جائے پہلے دکھلا دیا اور بعد میں یادداشت کے لئے ان کو دے دیا۔ چونکہ مضمون باوجود اختصار کے جامع اور مفید بہت معلوم ہوا۔ اس لئے بوجہ مناسبت کے قصد السبیل کے ساتھ بھی الحاق کر دینے کو جی چاہا لہٰذا قصد السبیل کے نام کے بعد یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے اگر کوئی صاحب قصد السبیل جدید طبع کریں گے ۔۔ وہ اس کے آخر میں لگا سکتے ہیں۔ وھو ہذا۔

حقیقت طریقت

خلاصۂ سلوک:۔ (۱) نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے

(۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے

(۳) نہ دنیا کی کاربرآری کا وعدہ ہے، کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جائیں ... یا مقدمات دعا سے فتح ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے۔ یا ہونے والی بات بتا دیا کرے۔

(۴) نہ تصرفات لازم ہیں۔ کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آئے۔ خود بخود عبادات کے کام ہوتے رہیں ... مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے یا علم دین و قرآن شریف میں ذہن و حافظہ بڑھ جائے

(۵) نہ ایسے باطنی کیفیات پیدا ہونے کا کوئی وعدہ ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے۔ عبادت میں خطرات ہی نہ آئیں ... خوب رونا آئے ایسی محویت ہو جائے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے۔

(۶) نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے۔

(۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے۔ بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے۔ جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا۔ ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہا اور جیسے نکاح و طلاق و ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارۂ قسم وغیرہا اور جیسے لین دین و جیروی مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ۔ اور جیسے سلام و کلام و طعام و منام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں۔ اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا خدا سے ڈرنا۔ خدا کو یاد رکھنا دنیا سے محبت کم ہونا خدا کی مشیت پر راضی رہنا۔ حرص نہ کرنا عبادت میں دل کا حاضر رکھنا دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا ... کسی کو حقیر نہ سمجھنا خود پسندی نہ ہونا غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آ جاتی ہے جیسے قلت محبت حق سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لیا یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر و غلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہو گیا۔ حقوق تلف ہو گئے

مشکل ذرا کمی اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جائے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی پس نفس کی اصلاح ان وجوہ سے ضروری ٹھہری۔ لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں اور جو سمجھ میں آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے (پیر کامل کی پہچان قصد السبیل کی ہدایت سوم میں لکھی ہے) پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج و تدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدبیرات میں قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے۔ اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری و باطنی کی پابندی ہے دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے۔ اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور قرب اور کثرت ذکر سے زیادت رضا و قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا۔

حقوق طریقت

یہ حقوق سب مسلمانوں کے ذمہ واجب ہیں۔ گو کسی سے بیعت بھی نہ ہوں۔

طریقہ میں داخل ہو کر جو جو کام کرنا پڑیں گے

(۱) بہشتی زیور کے گیارہ (البتہ عورتوں کیلئے گیارہواں حصہ نہیں ہے ۱۲ منہ) حصے اول سے آخر تک ایک ایک حرف کر کے پڑھنے یا سننے پڑیں گے

(۲) اپنی سب حالتیں بہشتی زیور کے موافق رکھنا پڑیں گی

(۳) جو کام کرنا ہو اور اس کا جائز ناجائز ہونا معلوم نہ ہو۔ کرنے سے پہلے علماء اہل حق سے پوچھنا پڑے گا اور ان کے بتلانے کے موافق عمل کرنا ہوگا۔

(۴) نماز پانچوں وقت (مگر عورتوں کے لئے جماعت نہیں ہے ۱۲ منہ) جماعت سے پڑھنا ہوگی البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو تو جماعت معاف ہے اور اگر بلا عذر غفلت

بحث و مباحثہ میں پڑنا یا ہمیشہ وضع نزولوں کو بیچ کی مریدی کی ہوس کرنا یا تعویذ
گنڈوں کا مشغلہ رکھنا یہ ہے فہرست مختصر کر کے ذکر کرنے کے قابل رسموں کی اور تفصیل احقر
کے رسالوں میں بقدر ضرورت ملے گی۔

تحقیق متعلق کرامت از رسالہ کرامات امدادیہ

مقدمہ:۔ مسئلہ اول: جاننا چاہئے کہ خلاصہ کلام محققین کا اس باب میں یہ ہے
کہ کرامت اس امر کو کہتے ہیں جو کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی متبع کامل سے
صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہو۔ پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو کرامت
نہیں ہے۔ ...اور جس شخص سے وہ امر صادر ہوا ہے اگر وہ کسی نبی کا متبع اپنے کو نہیں کہتا وہ
بھی کرامت نہیں ہے۔ جیسے جوگیوں ساحروں وغیرہ سے بعض امور ایسے سرزد ہو جاتے
ہیں... اور اگر وہ شخص مدعی اتباع کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے خواہ اصول میں
خلاف کرتا ہو جس طرح اہل بدعت یا فروع میں جیسے فاسق و فاجر اس سے بھی اگر ایسا امر
صادر ہو وہ بھی کرامت نہیں ہے۔ بلکہ استدراج ہے۔ جس کا ضرر یہ ہے کہ یہ شخص بوجہ
خرق عادت کے اپنے کو کامل سمجھتا ہے اور اس دھوکہ میں کبھی حق کے طلب کرنے اور
اتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتا نعوذ باللہ کس قدر خسران عظیم ہے۔ پس کرامت اس
وقت کہلائے گی جبکہ اس کا محل صدور مومن متبع سنت کامل متقی ہو اب ہمارے زمانہ
میں جس شخص سے کوئی فعل عجیب سرزد ہو جاتا ہے اس کو غوث و قطب قرار دے دیتے ہیں
خواہ اس شخص کے کیسے ہی عقائد ہوں ... ویسے ہی اعمال و اخلاق ہوں یہ بہت
بڑی غلطی ہے۔ بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا یا پانی پر
چلتا ہوا دیکھو مگر وہ شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل ہیچ سمجھو۔

مسئلہ دوم: اور جاننا چاہئے کہ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا
ضروری ہے اور نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور کبھی اس کا علم ہوتا ہے
اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم و قصد دونوں امر ہوتے ہیں اس بنا پر کرامت کی
تین قسمیں ٹھہریں ایک قسم وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی جیسے نیل کا جاری ہونا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک سے ۔ اور دوسری وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل میووں کا آ جانا تیسری قسم وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد ۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا.... کھانا اور کھانے کا دو چند سہ چند ہو جانا... چنانچہ خود حضرت صدیق اکبرؓ کو تعجب ہوا.... جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے ...اور ایک احتمال حصر عقلی میں سے خلاف واقع ہے کہ قصد ہو اور علم نہ ہو کیونکہ بدون علم قصد ممکن نہیں۔ در لفظ تصرف و ہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے قسم ثانی و ثالث کو تصرف نہیں کہتے ...البتہ برکت و کرامت کہلاتی ہے۔

مسئلہ سوم: اور جاننا چاہیے کہ ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسم ہیں ۔ ایک حسی ایک معنوی... عوام لوگ اکثر حسی کو جانتے ہیں .....اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں جیسے مافی الضمیر پر مطلع ہو جانا پانی پر چلنا ہوا پر اڑنا وغیرہا ۔ اور خواص کے نزدیک بڑا کمال کرامت معنوی ہے یعنی شریعت پر مستقیم رہنا مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا۔ نیک کاموں کا پابندی بے تکلفی سے صادر ہونا ... حسد و کینہ و دیگر صفات مذمومہ سے قلب کا طاہر ہو جانا ۔ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرنا یہ کرامت ہے۔ جس میں استدراج کا احتمال نہیں ...بخلاف قسم اول کے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے ۔ اسی واسطے کاملین صدور کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں... کہ یہ استدراج نہ ہو ۔ یا خدانخواستہ اس سے نفس میں عجب نہ پیدا ہو جائے۔ اس کی وجہ سے عوام میں شہرت و امتیاز پیدا ہو کر موجب حجاب نہ ہو ۔ بلکہ بعض نے فرمایا ہے کہ بعض اولیاء نے مرتے وقت تمنا کی ہے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی کرامت صادر نہ ہوتی ۔ تاکہ اس کا عوض و اجر بھی آخرت میں ملتا۔ کیونکہ یہ امر مقرر ہے کہ جس قدر دنیا میں کسی نعمت میں کمی کوئی رہے گی اس کا بدلہ آخرت میں عنایت ہوگا

مسئلہ چہارم: اور جاننا چاہیے کہ بعض علماء نے کرامت کی قوت ایک حد خاص تک معین کی ہے ۔ اور جو امور نہایت عظیم ہیں... جیسے بدون والدین کے اولاد پیدا ہو جانا یا کسی جماد کا حیوان بن جانا [illegible] اس کا صدور کرامت سے ممتنع قرار دیا

ہے۔ مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے واسطے اظہار کرامت و قرب و مقبولیت اس ولی کے سوا اللہ تعالیٰ کے قدرت کی جب کوئی حد نہیں پھر کرامت محدود کیسے ہو سکتی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ معجزہ کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہے کہ میں نبی کا غلام ہوں تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا ہے بہ تبعیت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں۔ جو اس شبہ کی گنجائش ہو البتہ جس خرق عادت کی نسبت نبی کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں ہو سکتے جیسے قرآن مجید کا مثل لانا۔

مسئلہ پنجم: اور جاننا چاہئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے۔ مگر جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و تمیز باقی نہ رہے۔ یا کسی طالب حق و مرید کے یقین کا قوی کرنا مقصود ہو۔ وہاں اظہار جائز ہے۔

مسئلہ ششم: اور جاننا چاہئے کہ بعض اولیاء کاملین کا مقام قلب عبودیت و رضا کا ہوتا ہے۔ اس لئے کسی شے میں وہ تصرف نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی کرامتیں نہیں معلوم ہوتیں۔ اور بعضوں کو قوت تصرف کی عنایت نہیں ہوتی۔ تسلیم و تفویض ہی ان کی کرامت ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا وجود یا ظہور ضروری نہیں۔

مسئلہ ہفتم: اور جاننا چاہئے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔

مسئلہ ہشتم: اور جاننا چاہئے کہ کرامت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ سبب طبعی سے وہ اثر پیدا نہ ہوا ہو خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا خفی اس مقام پر لوگوں کو دو غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں بعض تو مطلق عجیب امور کو کرامت سمجھتے ہیں اور عامل کے معتقد کامل بن جاتے ہیں آج کل اس قسم کے بہت قصے واقع ہو رہے ہیں مسمریزم و قرۃ النفس و حاضرات و تسخیر و کشف عملیات و نقوش و طلسمات و شعبدات

تاثیرات عجیبہ اور بیانات سحر چشم بندی وغیرہ کہ آ ثار بعض کے تو محض خیالی ہیں اور بعض کے واقعی بھی ہوں تو اسباب طبعیہ خفیہ سے مربوط ہیں کرامت ان سب خرافات سے منزہ ہے۔ اور بعض کرامات کو بھی قوت طبعیہ پر محمول کر کے سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں۔ صاحب بصیرت طالب حق کو قرائن قویہ سے بنظر انصاف فرق معلوم ہو جاتا ہے ... کہ اس فعل میں قوی طبعیہ کو دخل ہے ... یا محض قوت قدسیہ ہے۔ یا کسی قوت کو بھی دخل نہیں محض کائن من الغیب ہے۔

مسئلہ ششم: اور جاننا چاہیئے کہ ... جس فعل کا ظاہری قوی سے کرنا ممنوع ہے باطنی قویٰ سے بھی ممنوع ہے ... جیسے کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا کسی کے قلب پر زور ڈال کر اس سے کچھ روپیہ لے لینا ... یا کسی کا راز پنہانی معلوم کرنا ... یا قصداً نامحرم کی طرف التفات کرنا بعض لوگ مطلقاً خرق عادات کو شعبہ ولایت کا سمجھ کر ان سب تصرفات کو حلال اور واقعی کرامت سمجھتے ہیں۔

مسئلہ ہفتم: اور جاننا چاہیئے کہ ولی سے احیاناً کوئی امر ناجائز صادر ہو جانا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو ... اور تنبیہ کے وقت توبہ کر لے ... یا کسی اختلافی مسئلہ میں غلط شق کو اختیار کرنا ... ولایت و کرامت میں قادح نہیں ہے ... یہ کل دس مسئلے ضروری اس باب کے متعلق ہیں۔

از رسالہ التقی فی احکام الرقی

فصل پنجم: قال اللہ تعالیٰ ولا تقف ما لیس لک بہ علم اس آیت سے معلوم ہوا کہ بلا کسی دلیل صحیح کے جس کا صحیح ہونا قواعد شرعیہ سے ثابت ہو ... کسی امر کا خواہ وہ اخبار سے ہو یا انشاءات سے ہو اعتقاد درست نہیں ... اکثر عاملوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ خاص طریقوں سے فال کھولتے ہیں اور گمشدہ یا آئندہ کے متعلق خبر دیتے ہیں یا چور وغیرہ کے معلوم کرنے کو لوٹا گھمانے کا عمل کرتے ہیں اور کسی کا نام بتلا دیتے ہیں اور ان نتائج کا یقین خود بھی کر لیتے ہیں ... اور دوسروں کو بھی یقین دلاتے ہیں یا کوئی عمل جس سے کوئی خواب نظر آئے کر کے جو خواب نظر آئے اس پر پورا وثوق کر لیتے ہیں

ہو جاتی ہے۔ مگر حاصل اسی قدر ہے۔ احقر نے اس راوی سے پوچھا کہ تم نے باوجود
حلف کے کیسے ظاہر کیا۔ جواب دیا کہ اتفاقی بات ہے۔ کہ مجھ سے قسم اس قید کے ساتھ
لی گئی کہ نا اہل پر ظاہر نہ کروں گا۔ حضرت نے پوچھا کہ ایک فری میسن دوسرے سے مل کر پہچان
لیتا ہے۔ کہ یہ بھی فری میسن ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ جواب دیا کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے
کہ ان میں کچھ خاص رموز ہیں۔ اگر ایک شخص نے ان کو ادا کیا۔ اور دوسرے نے بھی
جواب دیا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بھی فری میسن ہے۔ اور اگر جواب نہ دیا تو معلوم نہیں
ہو سکتا۔ بعد اس روایت کے ایک اور معتبر شخص نے بیان کیا۔ کہ ایک فری میسن کے پاس
وہاں کی چھپی ہوئی کتاب ملی۔ جس کو انہوں نے پوشیدہ مطالعہ کیا جو کسی دہری انگریز نے
جھوٹ سے فری میسن ہو کر حلف توڑ کر لکھی ہے۔ سو اس کے مضامین اور یہ روایت مذکورہ بالکل
مطابق پائے گئے۔ اور حکم شرعی اس کا قطع نظر دیگر مفاسد دقیقہ کے یہ ہے۔ اس مقدمہ کے
(کہ اس میں کفار و فجار سے بلا ضرورت دوستی کا عہد والتزام کرتا ہے۔ پھر ہمدردی میں حق و
ناحق کی کچھ تفصیل نہیں۔ خواہ اس میں کسی پر ظلم ہی ہو جائے۔ اور یہ دونوں امر حرام
ہیں۔) بالیقین یہی ہے کہ حرام اور معصیت ہے۔ نیز اپنے بھائی مسلمانوں میں طرح
طرح کے شکوک کی وجہ سے متہم ہوتا ہے۔ اور تہمت سے بچنا واجب ہے۔ پس اس میں
اس واجب کا بھی ترک ہے۔ فقط۔

علاج وساوس از رسالہ خاتمہ بالخیر

خطرہ ہر چند مواخذہ کی چیز نہیں۔ مگر اس کا غلبہ و ہجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا
ہے۔ اور انتہا درجہ کا حزن و الم قلب پر طاری ہو جاتا ہے۔ سو یہ امراض شرعیہ سے تو
نہیں ہے۔ اس حیثیت سے اس کا علاج ضروری نہیں۔ مگر امراض طبعیہ میں سے سخت
درجہ کا مرض ہے۔ اس لئے اس کا علاج سہل و مجرب و مختصر عرض کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ
خطرہ کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بری چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ
بداہت عقل و بہ تسلیم عقلاء و علماء ثابت ہے۔ کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے
دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جب کسی بری چیز کا خیال دل میں آئے۔ تو

اس کے دفعیہ کا قصد نہ کرے نہ اس میں اور نہ اس کے اسباب میں خوض کرے کہ
اس سے زیادہ لپٹتا ہے بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کر دے اس سے
وہ برا خیال خود بخود دفع ہو جائے گا۔ اور اگر وہ پھر خیال میں آئے پھر ایسا ہی کرے
ان شاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر بلکہ خود وہ خطرہ ہی ضعیف سے بالکل نکل جائے گا
علاج کلی اس کا یہی ہے حدیث میں جو اپنے وقت میں بعض اذکار بے مطلق ذکر کی
ترتیب دی گئی ہے۔ اس سے یہ علاج مستنبط ہے۔

باقی معالجات جو مشائخ کے نزدیک معمول ہیں۔ جیسے تصور شیخ یا پاس انفاس یا تخیل
نقش اسم ذات وہ سب اسی کلی کے جزئیات ہیں۔ اور اگر خطرات سے پریشان ہو کر
ضعف قلب یا خفقان یا نحافت جسم یا کسی مرض کے عروض کی نوبت آ گئی ہو تو علاج
مذکور کے ساتھ مقویات و مفرحات قلب و غذائے لطیف اور دوائے مرض عارضی کا استعمال بھی کیا
جانا ضرور ہے۔ چونکہ بعض سالکوں کو یہ عقبہ پیش آتا ہے۔ جس سے ان کے ظاہری
و باطنی انتظام میں خلل پڑ جاتا ہے۔ اس لئے اس کی اصلاح عرض کر دی گئی اس علاج
سہولت و اختصار کی وجہ سے بے قدری کی نظر سے نہ دیکھیں امتحان کر کے اس کا نفع
ملاحظہ فرمائیں۔ (۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ ہجری)

از امداد الفتاویٰ معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ

علاج بعضے اقسام قبض

سوال: صاحب یکھا اپنی تباہی کا حال بیان کرتا ہوں۔ امیدوار ہوں۔ کہ کچھ تدارک
کی بابت ارشاد فرمایا جاوے جس کا یقین کامل ہے حضرت اب تو نوبت باہر
حالت ہے وظیفہ وغیرہ سب ترک ہے اگر کچھ تسبیح لے کر بیٹھتا ہوں جی گھبراتا ہے
نیند شور تسبیح سے جی الجھتا ہے۔ تب خاموش بیٹھ جاتا ہوں اس میں لیٹے لیٹے کچھ
عرصہ تک نیند ہوں یا کیا ہوں خبر نہیں رہتی۔ کہ کہاں ہوں اور کیا ہوں ہاں اتنا ضرور ہے
کہ شغل اشغال قطعاً بند ہیں کیونکہ دل الجھتا ہے لیکن اس کا تدارک ہر دم سوہان روح ہے

کیوں ہوگئی۔ بیرامکرم مطلع فرمایا جاوے۔ بعض وقت ذاتی تصویر مجھ کو اپنے روبرو بیٹھے ہوئے نظر آتی ہے، ہر چند آنکھ بند رہتی ہے، کبھی کبھی آنکھ بند کر لینے سے جو چیز روشن ہو، بالکل رنگ آسمان کے ہو آنکھوں پر ہاتھ رکھ دینے سے بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً ایک تجربہ یہ کہ ایک روز اپنی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا، سامنے دروازہ کے ایک چھجہ تھا اور اس پر کچھ کھلا ہوا مطلع اندر مکان سے نظر پڑتا تھا، آنکھ بند کرکے جو دیکھا تو وہی تختہ نظر آیا پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تب بھی نظر آیا تھا۔

الجواب۔ مشفقم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا حال اچھا معلوم ہوا۔ عبادت کے مختلف طریقے ہیں، فکر بھی عبادت ہے، ذکر یا قیدِ عدد بھی عبادت ہے۔ اپنے کو ذلیل و خوار و قاصر و ناقص سمجھنا بھی عبادت ہے۔ غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے ہاں مذموم حالت دو ہیں، ایک معصیت دوسرے غفلت۔ سو بحمد اللہ تعالیٰ نہیں ہے رہا تنا اور شوق یہ حالات عارضی میں سے ہے۔ اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت ہمیشہ تک محمود یا مقصود رہ سکتی ہے۔ جن حجابات کا آپ کو شبہ ہوگیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ بلا دلیل محض تقلید سے میری تحریر پر مطمئن رہئے اور اپنے کام میں صحت اور راحت سے لگے رہئے۔ پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہوجاتا ہے۔ جس میں مضر ہونے کا احتمال ہے۔ غرض نہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج ابتدائی کے نہ پوچھنے سے صحت کی خبر نہیں۔ سو یہ بھی کوئی ضرر کی بات نہیں۔ اس میں ذیل جواب ہے اس عبارت کا جس میں سائل نے لکھا تھا کہ الوان آسمانی وغیرہ کا آنکھ بند کرنے سے نظر آتا ہے (۱۲:۱۲) جو تحریر فرمایا ہے وہ تصرف قوت متخیلہ کا ہے کہ جو حس مشترک میں الوان و انوار مرئی کے رہ جاتے ہیں جو آنکھ بند کرنے سے بھی نظر آتے ہیں۔ چند کم ہے نہ مذموم نہ محمود فرمائیں۔ فقط۔

تدبیر مبدل شدن عشق مجازی بعشق حقیقی

سوال۔ راقم الحروف نے اپنے مرشد کی حیات ظاہری میں قریب پانچ سال کی ریاضت شاقہ کرکے کسی قدر دل کی صفائی حاصل کی تھی اور امید تھی کہ قرب الٰہی

دل پر منقش ہو جائے گا ۔۔۔ مگر بقول شخصے

کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را	تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل

مولانا رحمہ اللہ کی عمر نے وفا نہ کی ۔۔۔ سب بنا بنایا کھیل بگڑ گیا ۔۔۔ نفس اور شیطان جو انسان کے حقیقی دشمن ہیں ۔۔۔ ان کا قابو چل گیا۔ قافلہ سالار آگے چل دیا ۔۔۔ جنگل قافلہ میں ٹھکراتا رہا ۔۔۔ کچھ عرصہ تک تو ذوق و شوق رہا ۔۔۔ آخر کو اس میں کمی شروع ہوئی ۔۔۔ غرضیکہ اب حالت ناگفتہ بہ تک پہنچ گئی ۔۔۔ نہ کہتے بن پڑتی ہے نہ چھپانے سے کام چلتا ہے ۔۔۔ طبیب حاذق سے مرض چھپانا گویا کہ اپنی موت کا سامان کر لینا ہے ۔۔۔ چونکہ عرصہ سے احقر کا میلان خاطر حضور پر نور کی طرف ہے ۔۔۔ اس لئے آپ سے زیادہ کوئی اپنا معالج نہیں سمجھ سکتا ۔۔۔ اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ بہت جلد اصلاح اور درستی ہو جائے گی ۔۔۔ مفصل حالات تحریر کرنے کے واسطے تو ایک دفتر چاہئے ۔۔۔ مگر کسی قدر مجملاً حضور کی اطلاع کے واسطے تحریر کرتا ہوں ۔۔۔ چھ ماہ کا عرصہ ہوا ۔۔۔ کہ ایک عورت جس کا چال چلن اچھا نہیں ہے خواہ مخواہ میری طرف رجوع ہو گئی ۔۔۔ اول تو اپنے ناز و انداز سے میرے دل کو لبھایا ۔۔۔ اور جب اپنے اوپر اس نے مجھ کو فریفتہ کر لیا تو خود بخود کشش کر بیٹھی ۔۔۔ بس اس کا کھنچنا میرے لئے قیامت کا آ جانا ہو گیا ۔۔۔ عشق بازی کا مزہ درد فراق کی لذت ۔۔۔ ہجر کی کیفیت وصل کی طلب کا پورا پورا ذائقہ ہو گیا ۔۔۔ قصہ حضرت شیخ صنعان کا جو منطق الطیر میں پڑھا تھا وہ ہو بہو مجھ پر صادق آ گیا ۔۔۔ جو جو کچھ نہ کرنا تھا کیا۔ مصرع

کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

درود وظائف تو درکنار نماز تک چھوٹ گئی ۔۔۔ اس کے ہی نام کا وظیفہ اور باتیں ورد زبان ہونے لگیں ۔۔۔ اور اسی کے روئے کتابی کا مطالعہ کرنے لگا۔

عشق کے مکتب میں آیا ہوں دبستاں چھوڑ کر
اب پڑھا کرتا ہوں حسن و عشق قرآن چھوڑ کر

غرضیکہ اس جنون کا اس وقت پورا شباب ہے ۔۔۔ اس کے وصل کی تدبیر میں ہوں مگر کبھی کبھی خیال آ جاتا ہے ۔۔۔ افسوس کیا حال ہو گیا۔ مصرع

بتوں کو پوجتا ہوں اور پھر سیدھا مسلمان ہوں

اسی خیال میں تھا کہ آج حضور کو خط تحریر کیا۔ اگرچہ بہت روز سے چاہتا تھا کہ آپ کو تحریر کروں۔ مگر وقت نہیں آیا تھا۔ اب اس کا وقت آ گیا۔ اور خدا تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اب اصلاح ہو جاوے گی۔ اس لئے عجز و انکسار کے ساتھ عرض ہے کہ اس احقر کو اس ہلاکت سے نکالئے۔ اور للہ میرے واسطے دعا فرمائیے۔ آپ پر میرا حق ہے آپ مجھ کو اپنا غلام تصور کریں۔ اور دعا کریں یہ امر کی تاثیر تو ہے کہ میری محبت بالکل پھر جائے۔ اور یکسوئی ہو جائے۔ پیشتر اس سے کہ وہ مجھ سے کشش کرے ورنہ میرے لئے قیامت ہو جاوے گی۔ گستاخی معاف فرمائیں۔ ضروری امر تھا جس کی وجہ سے تحریر کیا گیا۔ یہ سب امور لغویات میں سے ہیں۔ اصل اصول عشق خداوندی ہے۔ حق تعالیٰ اپنا عشق اور اپنے حبیب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت عطا فرمادے۔ آمین۔

جواب: مشفقم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اول یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بدون ہمت کئے آسان سے آسان کام بھی نہیں ہوتا۔ دیکھئے امراض ظاہری میں علاج کے لئے دوائے تلخ گوارا کرنا پڑتی ہے۔ چونکہ صحت مطلوب ہوتی ہے۔ اس لئے ہمت کر کے پی جاتے ہیں اور امراض باطنی میں تو زیادہ اس کی ضرورت ہوگی۔ جب یہ امر معلوم ہوا تو اب اس کا علاج سنئے۔ اور ہمت کر کے بنام خدا اس کا استعمال کیجئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ شفائے کامل حاصل ہوگی۔ علاج اس کا مرکب ہے چند اجزاء سے۔ اول اس مردار سے قطعاً تعلق ترک کر دیجئے۔ یعنی اس سے بولنا چالنا اس کو دیکھنا بھالنا ترک کیا جاتا۔ حتیٰ کہ دوسرا شخص بھی اگر اس کا تذکرہ کرے قطعاً روک دیا جائے۔ بلکہ قصداً بتکلف کسی بہانہ سے اس کو خوب برا بھلا کہہ کر اس سے مخالفت و خصومت کر لی جائے۔ اس طور پر کہ اس کو اچھی نفرت ہو جائے کہ اصل اس کی بابت خیالات بھی تو سب زائل ہونے کی ہی بات ہے۔ اور اس سے ظاہراً اس قدر دوری اختیار کی جائے کہ کسی غلطی سے بھی اس پر نظر نہ پڑے غرض اس سے انقطاع کلی ہو جائے۔

دوم: ایک وقت خلوت کا مقرر کر کے غسل تازہ کر کے صاف کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر تنہائی میں قبلہ رو بیٹھ کر اول دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے روبرو خوب استغفار اور توبہ کی جائے۔ اور اس بلا سے نجات بخشنے کی دعا و التجا کی جائے۔ پھر پانچ

جواب۔ عزیزم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے۔۔۔ آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ نور بیلگوں وغیرہ بعض اہل طریقت کے نزدیک انوار لطائف کے ہیں۔ جو ذکر سے منور ہو جاتے ہیں گو یہ مقصود نہیں مگر علامت محمود ہے۔۔ انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز ثمرات نیک مرتب ہوتے رہینگے حتیٰ کہ مقصود حقیقی تک وصول میسر ہو جائیگا۔۔ اپنے کام میں لگے رہیں ان حالات میں غور و فکر نہ کریں کہ یہ کیا چیز ہے۔ کیا بات ہے۔ سب سے قطع نظر کرکے ذکر کو مقصود سمجھنا چاہئے۔۔۔ اگر فرصت ہو تو چھ ہزار اسم ذات اور بڑھا دیں۔۔ اور توجہ کی حقیقت اور اس کے اقسام اور حاضر و غائب سے اس کا اثر ہونا یہ بات زبانی بیان کرنے کے قابل ہے تحریر سے سمجھ میں نہ آئیگی۔ فقط ۲۵ شعبان ۱۳۴۱ھ۔

علاج بعض اقسام وحشت وسوزش قلبی

سوال۔ یہاں ایک حافظ صاحب ہیں۔۔۔ پیشہ نعل بندی کا کرتے ہیں اور درویش دوست اور ذاکر و شاغل آدمی ہیں۔ کل انہوں نے بندہ سے کہا اپنے حالات لکھ کر اور اصلاح چاہی۔ بندہ نے عذر کیا کہ میں طفل مکتب ہوں۔ اصلاح و علاج سے کیا علاقہ اور حضور کا پتہ بتا دیا۔۔ انہوں نے اصرار کیا کہ تو ہی ایک عریضہ لکھ حال یہ ہے کہ یہ صاحب ایک پنجابی درویش صاحب خاموش صاحب نامی کے پاس کسی وقت میں حاضر ہوتے تھے۔ طبیعت کے نہایت غبی ہیں۔۔۔۔ لیکن قرآن شریف حفظ کرنے کا شوق بے حد تھا درویش صاحب نے دعا کی جس سے بالکل خلاف امید اسی سال میں قرآن شریف حفظ ہو گیا۔ تب انہوں نے نہیں کی صحبت چند روز اختیار کی۔ بیعت تو نہیں ہوئے مگر کچھ سیکھ لیا۔ جب سے ان کی یہ حالت تھی کہ صرف اپنی ضرورت کی مقدار پیشہ نعل بندی میں کما لیتے اور جب اتنا مل گیا تو نعل باندھنے سے بھی انکار کر دیتا۔ ان کے بیوی بچے بھی مر چکے مگر ان کو مطلق پرواہ نہیں۔ نعل باندھتے ہیں اور جماعت قضا نہیں ہوتی۔ اگر کوئی اہل اللہ مل جاتا ہے تو نعل بندی کی بھی پرواہ نہیں۔ قرآن شریف نہایت اچھا پڑھتے ہیں۔ اب چند روز ہوئے کہ ایک فقیر صاحب یکنور میں آئے تھے۔

پابند شریعت تھے ــــ بہت لوگ ان کی طرف رجوع تھے ــــ چند اشخاص نے ان سے بھی کہا کہ مل لو ــــ انہوں نے اول انکار کیا مگر لوگوں کے اصرار سے چلے گئے ــــ فقیر صاحب نے ان کو پاس بلا کر دو زانو بٹھایا ــــ اور کہا آنکھیں بند کرو ــــ اور زبان کو تالو سے لگا کر سانس میں خیال کرو کیا آواز معلوم ہوتی ہے ــــ انہوں نے اسی طرح کیا معلوم ہوا کہ نیچے اوپر دونوں سانسوں میں اللہ اللہ نکلتا ہے ــــ فقیر صاحب نے فرمایا اسی طرح روز ذکر کیا کرو ــــ انہوں نے چند روز کیا ــــ اب کہتے ہیں کہ میرے سینہ میں سوزش ہے ــــ اور قلب میں وحشت اس قدر ہو گئی ہے ــــ کہ کسی کام میں دل نہیں لگتا ــــ حتیٰ کہ نماز و تلاوت میں بھی دل گھبراتا ہے ــــ کہتے ہیں کہ قریب ہے کہ نماز چھوڑ دوں ــــ احقر نے ہر چند عذر کیا ــــ مگر انہوں نے کہا ضرور کچھ بتادو ــــ اب حضور کوئی علاج ارشاد فرمائیں۔

جواب۔ ان صاحب سے کہہ دیجئے کہ گھبرائیں نہیں ــــ اور وہ ذکر اگر اب بھی کیا کرتے ہوں تو ان سے کہہ دیجئے کہ اس کو بالکل چھوڑ دیں ــــ اور بجائے اس کے اتنا وقت تلاوت قرآن یا درود شریف میں صرف کریں ...... اور چلتے پھرتے بھی درود شریف پڑھیں اور ہر نماز کے بعد اور رمضان شریف میں صرف مغرب وعشا کے بعد ــــ اور سحر کھا کر درود شریف گیارہ مرتبہ پانی پر دم کر کے پیا کریں ــــ اور خلوت میں بیٹھ کر اپنے قلب پر چاند کا تصور کیا کریں ــــ اور آب تازہ یا آب گرم سے جو موافق مزاج ہو روزانہ غسل کر لیا کریں ــــ اور تین چار روز کے بعد اپنے حالات سے پھر اطلاع دیں ...... انشاء اللہ تعالیٰ بالکل سکون ہو جائے گا ــــ اور آئندہ سے اس کا خیال رکھیں ــــ کہ ہر شخص کی تعلیم پر خصوصاً سیاحوں کی ہرگز عمل نہ کریں ــــ کسی شیخ محقق کو اپنا عروۂ وثقیٰ بنالیں والسلام۔ ۲۵ شعبان ۱۳۳۱ھ

خط ہدایۃ نمط نزد عزیزے کہ از ہجوم وساوس وخطرات عاجز ومغلوب آمدہ قصد خودکشی کردہ بود

از اشرف علی عفی عنہ بخدمت مومن کامل مجاہد النفس بارک اللہ تعالیٰ فی ایمانکم ــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــــ کئی روز ہوئے آپ کا خط آیا حالات معلوم ہوئے ــــ ماشاء اللہ آپ کا ایمان بالکل کامل ہے ــــ اس میں کسی طرح کا نقصان وخلل نہیں ہے ــــ جو حالت آپ

فضول ہے — یہ تو تحقیق ہے وسوسہ کی برے یا بھلے ہونے کی — رہا اس کا علاج بس سب معالجات سے بہتر علاج جس کو اکسیر اعظم کہنا چاہئے — یہی ہے کہ اس کا کچھ علاج نہ کیا جائے — بلکہ جرأت ودلیری کے ساتھ اور یقین وعزم کے ساتھ یہ سمجھے — اور دل میں خیال کرے کہ جب یہ عند اللہ گناہ نہیں — اور شرعاً کوئی مرض نہیں — پھر کیا غم بلکہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ دلیل ایمان ہے — تو اس پر الٹا اور خوش ہونا چاہئے — جب یہ شخص خوش ہوگا تو شیطان نے وہ وسوسہ تو خاص اسی لئے القا کیا تھا کہ یہ شخص محزون ہوگا۔

جب وہ دیکھے گا کہ یہ شخص تو خوش ہوتا ہے — اور اس کا خوش ہونا اس کو پسند نہیں — پس وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا — اور بہت آسانی سے اس شخص کو اس سے نجات ہوجائے گی — اور اگر نجات نہ بھی ہو تو بھی پروا نہیں — کیونکہ جب یہ معصیت نہیں تو اس سے نجات کی ضرورت کیا ہے — اور جیسا بے پروائی ودلیری اور بے توجہی سے یہ قطع ہوجاتا ہے — اسی طرح اگر اس سے ڈرا کرے اور اس کے غم میں پڑ جائے — اور یہی فکر و ذکر رکھے اور سوچا کرے تو یہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے — گو اس کے بڑھنے سے گناہ تو نہیں ہوتا — مگر خواہ مخواہ ایک واہیات پریشانی ہوتی ہے — پس عمدہ علاج یہ ہے اور ہر وسوسہ کا بالتفصیل جواب سوچنا یا کسی سے پوچھنا — یہ طریقہ مضر ہے اس میں اگر فوری تسلی بھی ہوجاتی ہے — تو دو چار روز کے بعد پھر اس جواب میں کوئی خدشہ ہوجاتا ہے — پھر وسوسہ ستانے لگتا ہے اور نفس میں اچھا خاصا ایک مناظرہ کا میدان گرم ہوجاتا ہے — اس لئے اس طریق کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہئے — بلکہ بجائے اس سوچ بچار کے ذکر اللہ کا شغل رکھے — کہ وہ قاطع وسوسہ بھی ہے — جیسا حدیث میں آیا ہے — اور اس سے قلب میں بھی قوت پیدا ہوتی ہے — جس سے وہ ایسے خرافات سے متاثر نہیں ہوتا — پس خلاصہ تمام تر تقریر کا تین امر ہوئے — (۱) ایسے وساوس کی کچھ پرواہ نہ کریں نہ ان کے دفع کی فکر کریں — (۲) اس کا جواب نہ سوچیں نہ کسی سے وجہ پوچھیں — کتاب وسنت کو بلا دلیل حق سمجھیں — اور اس کے خلاف کو اعتقاداً باطل سمجھیں — گو کسی بات کی وجہ سمجھ میں نہ آئے گو قلب میں اس کا خطرہ آئے — (۳) ادھر سے اعراض کرکے اللہ کے ذکر میں

متوجہ رہیں۔۔۔۔ خواہ درود شریف خواہ استغفار یا اور کچھ اسی میں خیال لگائے رہیں۔۔۔۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو ایک ہی روز میں بلکہ ایک ہی منٹ میں پوری تسکین و راحت حاصل ہو جائے گی۔۔۔۔ اور پھر کبھی عمر بھر بھی تشویش نہ ہوگی۔۔۔۔ اگر اور کوئی بات پوچھنا ہو تو بے تکلف ظاہر کر دیں۔۔ والسلام از تھانہ بھون یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ۔

معالجۂ صدمہ مفرط

سوال۔ میرے مولانا مرشدنا۔۔۔۔ السلام علیکم۔ مجھ پر اس وقت ایک حادثہ بہت بڑا گزرا ہے۔۔۔۔ کہ جس کے بارگران کا متحمل میرا قلب نہیں ہوتا ہے۔۔۔۔ میرا فرزند جگر بند عمر ۱۹ سال کہ اس نے اپنی ذاتی لیاقت سے انٹرنس پاس بھی کر لیا تھا۔۔۔۔ اب زمانہ اس کے پھل پھول کا آیا تھا۔۔۔۔ یک لخت بمرض ہیضہ مبتلا ہو کر راہی ملک عدم ہوا۔۔۔۔ چونکہ وہ میرا ایک ہی لڑکا تھا۔۔۔۔ دنیا میں میرا قصہ ختم ہو گیا۔۔۔۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زمیں چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا	بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

لہٰذا آپ میرے واسطے دعائے صبر فرمایئے گا۔۔۔۔ ورنہ مجھ کو وحشت ہوا چاہتی ہے۔۔۔۔ یا کچھ پڑھنے کو بتایئے گا فقط۔

جواب۔ مجمع اخلاق والطاف دام لطفہم۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ صاحبزادہ کے انتقال سے رنج ہوا۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں۔۔۔۔ اور آپ کو صبر جمیل بخشیں۔۔۔۔ آپ کیمیائے سعادت یا اس کے ترجمہ اکسیر ہدایت کا باب صبر نکال کر بکثرت مطالعہ کیجئے۔۔۔۔ اور لاحول اٹھتے بیٹھتے کثرت سے پڑھئے۔۔۔۔ اور اولیاء میں جس کے ساتھ زیادہ عقیدت ہو۔۔۔۔ اس کی صورت کا بکثرت خیال رکھئے۔۔۔۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سکون ہو جائے گا۔۔۔۔ میں بھی دعائے خیر کرتا ہوں۔۔۔۔ چونکہ آپ کو میرے ساتھ دینی تعلق ہے۔۔۔۔ جس سے خیر خواہی میں تکلف کی اجازت نہیں۔۔۔۔ اس لئے یہ بھی لکھنا ضرور ہوا کہ اس انتقال کے رنج سے زیادہ اس بات کا رنج ہے۔۔۔۔ کہ آپ نے وجہ تاسف میں اقتضائے طبعی سے تجاوز کر کے وجہ عقلی اس کی یہ لکھی ہے کہ انٹرنس پاس کر لیا تھا۔۔۔۔ اور اب زمانہ اس کے پھل پھول کا آیا تھا۔۔۔۔ دنیا میں اب میرا قصہ ختم ہو گیا۔۔۔۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ زیادہ تاسف کی وجہ

حظوظ دنیا کا فوت ہو جاتا ہے ۔۔۔۔ تو گویا اعظم مقصود دنیا ہے طالب حق کی زبان وقلم سے ایسے کلمات نکلنا ۔۔۔۔ ایسا ہے جیسا موحد کی زبان سے کلمات شرک نکلنا ۔۔۔۔ اس مصیبت سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ قلب ایسا کیوں ہے ۔۔۔۔ جس کی یہ آرزو نہیں میں اس کی اصلاح ضروری ہے ۔ ۷ا جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ ۔

پند سود مند در عشق نفسانی

سوال ۔ حضرت مخدومی ومعظمی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب ۔۔۔۔ تسلیم باعث تحریر آنکہ میں ایک بلا میں مبتلا ہوں ایک دوست کی خفگی وناراضی نے مجھے تباہ کر دیا ۔ لِلّٰہ میری دستگیری فرمایئے ۔۔۔۔ توجہ خاص کے ساتھ دعا فرمایئے ۔۔۔۔ کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائے ۔۔۔۔ اس بارہ میں اگر کوئی وظیفہ وعمل مجرب مرحمت ہو تو عین بندہ نوازی ہے ۔۔۔۔ میرا تعلق اس کے ساتھ اضطراری ہے ۔۔۔۔ اختیاری نہیں ۔۔۔۔ فسق وفجور کا وہاں خیال نہیں ۔۔۔۔ محض میری اوقات گزاری کے لئے واسطہ وذریعہ ہے ۔۔۔۔ اگر یہی حال رہا تو خدا معلوم میرا کیا حال ہوگا ۔۔۔۔ اور میرے حال پر نظر فرمایئے اور جلد جواب سے سرفراز فرمایئے ۔۔۔۔ زیادہ والسلام ۔

جواب ۔ عنایت فرمایئے بندہ ۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ چونکہ آپ سے تعلق پیر بھائی ہونے کا ہے ۔۔۔۔ اس لئے گستاخانہ مگر خیر خواہانہ عرض ہے ۔

عشقہائے کز پئے رنگے بود	عشق نبود عاقبت ننگے بود
عشق با مردہ نباشد پائدار	عشق را با حیّ و با قیوم دار
غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں	عشقہائے اولین و آخرین
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیا	یافتند از عشق او کار وکیا

طلب حق اور غیر پر نظر اللہ سے ڈریئے اور شرمایئے ۔۔۔۔ مانا کہ تعلق اضطراری ہے لیکن نظر اور تخیل اور اکتساب تدابیر قرب یہ تو سب اختیاری اور شرعاً معصیت ہے معصیت کے ساتھ قرب حق ورضائے حق کہاں ۔۔۔۔ اور اوقات گزاری سے مراد اگر لذت نظر وقرب ہے ۔۔۔۔ تو معصیت شریعت ہے ۔۔۔۔ اور اگر کفالت رزق ومصارف ہے تو خلق پر نظر معصیت طریقت وخلاف توکل ہے ۔۔۔۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ کیا حال ہوگا سو

دوسری روایت کعب بن مالکؓ کی ہے کہ غزوۂ تبوک کے تخلف کے سبب آپ ان سے منقبض ہو گئے۔ مگر ان کا اعتقاد درست رہا۔ پس پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ بیعت واپس نہ کرے لیکن مرید کا اعتقاد جاتا رہا ہے۔ تو بیعت ٹوٹ جاتی ہے۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ ناراض ہو جائے۔ لیکن مرید کا اعتقاد باقی اور قائم رہے۔ تو بیعت باقی رہتی ہے۔ اور ویسے بھی ظاہر ہے کہ مدار اعظم بیعت کا ارادت پر ہے۔ سو یہ صفت مرید کی ہے۔ نہ کہ شیخ کی۔ پس اس کے بقاء و زوال کا دوران ارادت کے عدم و وجود پر ہے۔ واللہ اعلم۔

عدم انحصار وصول فی الاوراد والریاضۃ الشدیدۃ

سوال۔ حضور مولانا مرشدنا مولوی محمد اشرف علی صاحب قبلہ دام برکاتہم ... السلام علیکم۔۔ بحمد اللہ بخیریت ہوں۔ اور صحت وری ذات والا مدام درگاہ خدا سے متمنی۔۔ حضور والا درجہ تم کہ سرانجام باچہ خواہد بود۔۔ اس مرتبہ بعد علالت کیفیت یہ ہوئی ہے ... کہ جب دو تین روز جم کر نماز تہجد و دوازدہ تسبیح کا شغل شروع کرتا ہوں۔ طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ ... اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر شغل ذکر چھوٹ جاتا ہے۔۔ رمضان شریف میں ہر چند چاہا کہ حسب معمول ورد و وظائف کو شروع کروں۔ لیکن وہی حالت پیش آئی۔ جو عرض کر چکا ہوں۔ اخیر عشرہ رمضان میں نہایت مستعدی سے چاہا کہ ۲۱ ماہ مذکور سے اعتکاف کروں ... اور تلافی مافات کروں۔۔ لیکن ۲۰ ماہ مذکور سے طبیعت خراب ہوئی۔ اور ۸ شوال تک اسی علالت کا سلسلہ رہا۔ ۹ شوال سے پھر نماز تہجد کو اٹھا تین روز تک محنت کی تھی کہ کل ۱۱ شوال کو پھر حرارت پیدا ہوگئی۔ معلوم نہیں کہ کیا منظور خدا ہے۔ تعلقات دنیوی سے قطع کر کے چاہا تھا کہ اللہ اللہ کروں۔ لیکن میری بدقسمتی یہ بھی کرنے نہیں دیتی۔ ان واقعات سے طبیعت ایسی متوحش اور پریشان ہے کہ کیا عرض کروں۔ وہی شکل ہوئی کہ نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے۔ آج طبیعت کو بے حد قلق اور افسوس ہوا۔ لہذا خدمت بابرکت میں عرض کیا گیا اگرچہ شکایت تنفس تا بعد اُدُو عرصے سے ہے۔ لیکن باوصف اسی شکایت کے ورد و وظائف کو انجام دیتا تھا۔ دوسرے قوا اس قدر پست ہوگئی ہے کہ ذکر جہر

نہیں کر سکتا۔ البتہ اتنی آواز سے کہ خود ہی سنے جب اتفاق ہوتا ہے کرتا ہوں۔ اور
بحالت نادرستی طبیعت کے یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ باقی خیریت ہے اور حالت بدستور ہے۔

جواب۔ مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بزرگان دین کا ارشاد ہے: طرق
الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق۔ یعنی جس قدر مخلوقات کے سانس ہیں خدا تعالیٰ تک
پہنچنے کے راستے رہتے ہیں۔ اور اصل مقصود وصول الی اللہ ہے۔ یعنی خصوصی نسبت مع
الخالق و لایت نسبت مع الخالق خواہ کسی طریق سے ہو۔ یعنی جس طرح اوراد و اشغال کی کثرت
اس کا ایک رستہ ہے۔ اسی طرح مرض اور حزن اور انقباض و ضیق قلب اور احساس ندامت و
خجلت و شکستگی بھی ایک رستہ بلکہ اقرب رستہ ہے۔ یعنی حالت مرقومہ سے معاملی میں تو
نقصانی اور جسمانی کلفت و صعوبت ہے۔ لیکن روحانی ترقی و نفع ہے۔ بلکہ اطمینان رہے
اور جس قدر ہو سکا اور جس طرح ہو سکا کر لیجئے۔ اور جو نہ ہو سکے نہ کیا کیجئے۔

ہر طریقت جو پیش سالک آید خیر اوست	بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

البتہ نفس یوں چاہتا ہے کہ مجھ کو ذکر و شغل کا ثمرہ عاجل دنیا میں مل جائے۔ سو یہ
خطائے عظیم ہے۔ اصل موقع مخصوص ثمرہ کا آخرت ہے۔ جس نے یہ نکتہ سمجھ لیا اس
کو تمام تشویش کی حالت سے نجات نصیب ہوئی۔ اور جو اس نکتہ سے غافل ہے۔ عمر بھر مغموم
رہے گا۔ مخدوما جو کچھ میں نے لکھا ہے مختصر ہے۔ مگر نہایت پکی اور سچی بات
ہے۔ آپ تسلی رکھئے۔ والسلام۔

خرد جس سے کر دے نہ کوئی بت تراشی
کہ ہو اول و آخر کی حقیقت کا تلاشی
مرے نزدیک سوا اس کے ہے سب بت تراشی

نہ بُدی خلق تو بودی نہ بود خلق تو باشی
نہ تو جزئی نہ جسمی نہ تو کاہی نہ فزونی

رہیں مصروف ثنا میں ترے سب چند خلائق
نہ ادا ہو وہ ثنا جو ثنا ہے ترے لائق
کہ وہ فوق اور ہے جس فوق سے ہے سب تو فائق

نہ سپہری نہ کواکب نہ بروجی نہ دقائق
نہ مقامی نہ مکانی نہ جہتی نہ بیانی

ہو توصیف تری کیسی نہایت سے ہے برتری
نہ لگے ہاتھ یہ کچھ تری سب ہے بعد و دوری
نہ چھپے سب حقیقت میں تری نکتہ مرزی

بری از چون و چرائی بری از عجز و نیازی
بری از صورت و رنگی بری از عیب و خطائی

نہ تجھے دوست کی حاجت ہے نہ اندیشۂ دشمن
نہ تجھے کام ہے عشرت سے نہ شیوہ ترا شیون
نہ تجھے چاہئے ماوی نہ تجھے چاہئے مسکن

بری از خوردن و خفتن بری از تہمت مردن
بری از غم و امیدی بری از رنج و بلائی

حصہ دوم از مجموعہ تکشف

برائے متوسط الاستعدادان

قصد السبیل[1] اس میں سے عالم خارج کے معمولات کے
متعلق جو مضمون ہے وہ مطالعہ سے مستثنیٰ ہے۔
تعلیم الدین پانچواں باب... حق السماع تمام
کمالات[2] امدادیہ تمام... بوضاحت مثنوی تمام

از امداد الفتاویٰ معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ
تعلیم ذکر زنان را و معنی انا الحق

سوال: حضرت اقدس مولانا صاحب... بعد سلام مسنون آنکہ نامہ نامی رسید قبول بیعت مشکور بندہ معلوم گردید خرسندگی لانہایت حاصل گردید وظیفہ مرقومہ حسب فرمان جناب تعلیم یافت و بافضل آن خادمہ جناب امیدوار است از ذکر اذکار نیز ارشاد فرمایند زیادہ از طرف او سلام و امید دعا است ثانیاً اینکہ در پنجاب چند مردمان لفظ انا الحق می گویند و بعض مولویان این دیار اوشان را کافر گویند لہٰذا امید دارم معنی انا الحق چیست و نزد صوفیہ کرام جائز است یا نہ تحریر فرمایند۔

جواب: عزیز من! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ زنان را اوراد و وظائف بس است

---

[1] اس کے بعد وہ مضمون مطالعہ کیا جائے جو حصہ اول میں قصد السبیل کے نام کے بعد بعنوان تذکیل قصد السبیل تحریر کیا گیا ہے۔ [2] بالخصوص اس کے آخر میں جو نظم الحق ہے اس کو کھول کر پڑھنے سے قول طلب میں اشتعال [illegible] ہے۔

شیرازی علیہ الرحمۃ نے اسی کو دوسرے عنوان سے ذکر کیا ہے..

وگرنہ برو عافیت پیش گیر	اگر مرد عشقی کم خویش گیر

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ

تشخیص سبب زہوق روح بعضے
اہل حال از سماع و تحقیق اختلاف در مسئلہ سماع

سوال: ایک امر قابل گزارش ہے اس کا جواب مرحمت فرمایا جائے حضور اور مولانا احمد حسن صاحب مرحوم اور مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی حضرت حاجی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والمغفرۃ ان کے مرید ہیں باوصف اتحاد بیعت حالت علیحدہ علیحدہ نظر آتی حضور کو سماع سے نفرت اور مولانا احمد حسن صاحب کو نہ اقبال اور نہ انکار اور مولانا محمد حسین صاحب مرحوم کو بغیر سماع تسکین نہ تھی اس میں کیا اسرار تھا اور غالباً جب انتقال جناب مولانا محمد حسین صاحب مرحوم حضور نے بھی سماعت فرمائی ہوگی اس واقعہ سے مجوزان سماع کے دست ایک بہت بڑا موقع ان کے جواز کا مل گیا اگر براہ کرم تحریر فرمایا جاوے کہ ایسا کون قوی سبب ہوا کہ عین حالت سماع میں مولانا صاحب ممدوح مغفور نے رحلت فرمائی تو باعث تسکین خاطر خاکسار حضور ہو۔

جواب: کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ثابت نہیں کہ کسی حالت پر موت ہونا اس حالت کے محمود ہونے کی علامت ہے .. بعض لوگوں کو عین معصیت میں موت آگئی ہے ... چنانچہ پانچ چھ سال ہوئے کہ سہارنپور میں ایک بوڑھا آدمی .... ایک بازاری عورت سے عین مشغولی کی حالت میں مرگیا تھا .... اور شدت لذت سے اس کی روح فنا ہوگئی تھی .. اسی طرح سکر شدید کہ منجملہ مسکرات ہے .. تا قابل ہے تو اگر کوئی شخص جو غنا و مزامیر کو بدلیل شرعی معصیت کہتا ہے جواب میں بطور احتمال یہ کہے .. کہ ممکن ہے کہ اس معصیت میں اس وقت لذت ایسی شدید ہوئی ہو .. یا سکر ایسا قوی ہوا ہو .. کہ اس سے روح فنا ہوگئی ہو... یا تو اس وجہ سے کہ روح فی نفسہ ضعیف تھی جس کا سبب ممکن ہے کہ کوئی بیماری ہو جیسا کہ کلام میں اختلاج قلب کا مرض پہلے سے عارض تھا .. یا یہ کہ سکر ولذت اس سے بھی زیادہ قوی ہو .. کہ اس کی قوت کے اعتبار سے روح قوی بھی ضعیف ہوگئی کیونکہ

قوت وضعف امور اضافیہ سے ہے۔ تو استدلال کرنے والے کے پاس اس احتمال کا کیا جواب ہے۔۔۔ اس سے کوئی بزرگوار یہ نہ سمجھیں کہ یہ احقر مولانا مرحوم کی نسبت ایسا خیال رکھتا ہے حاشا وکلا یہ صرف جواب ہے اہل غلو کا۔ جو دلیل شرعیہ کے معارضہ میں واقعہ محتملہ سے استدلال کرتے ہیں۔ باقی خود احقر کا مشرب تو اس سب کے ساتھ حتی الامکان حسن ظن رکھنا ہے۔۔۔۔ خصوصاً ایک عالم اور صاحب سلسلہ کے ساتھ۔۔ پھر خاص کر بعد وفات کے اس لئے میرے نزدیک اس واقعہ کی توجیہ بظن غالب یہ ہے (اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) کہ مختلفین فی حکم السماع میں سے مولانا مرحوم کا مذاق یہ تھا کہ سماع فی نفسہ اہل کے لئے جائز ہے۔۔۔ اور آلات میں حرمت لغیرہ ہے اور وہ غیر قوت شہوانیہ ہے اور اپنے کو اس قوت کا مغلوب نہ پاتے تھے۔ اس سے تو جائز سمجھتے تھے۔۔ اور اس جائز کو وجدان مسئلہ وحدت وجود نے جس کا سبب واللہ اعلم کثرت مطالعہ و استماع اقوال موحدین سے بہ شدت تخیل تھا راجح کر دیا تھا کیونکہ سماع کے وقت بوجہ یکسوئی کے اس وجدان میں ایک خاص قوت و لذت ہو جاتی ہے۔۔ یہ سبب ہو گیا تھا اس عمل میں منہمک ہونے کا۔۔۔ جب ایک مجمع میں کہ وہاں سب مولانا مرحوم کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے۔ جو سبب اعظم ہے اجتماع خاطر و انبساط کا اور کوئی سبب انقباض و تشتت کا وہاں نہ تھا ۔۔۔۔ وہ مضمون نظم میں پڑھا گیا۔۔ مضمون حسب مذاق نظم دلکش کلام ایک صاحب حال کا پھر معتقد فیہ کا قول خوش آواز۔۔۔ یہ خصوصیت تو قائل کی جانب میں کچھ اشتیاق کے دوران سے قلب میں ضعف کچھ تقلیل طعام سے روح میں لطافت۔۔۔ یہ خصوصیات منفعل کی جانب میں لغمات والحان سے کچھ ایسا سماں بندھا کر بے خود ہو گئے۔۔۔ اور اس بے خودی میں اس مضمون سے مظہر برنگ ظاہر یا یوں کہئے کہ ظاہر برنگ مظہر وجداناً متخیل ہوا اور اس تخیل کے جزم اور جانب مقابل کی طرف اصلا التفات نہ ہونے نے۔۔ شوق من الشاہد یا شوق الی المشاہدہ کو ایسا غالب اور قوی کر دیا کہ دفعۃً روح نے تن کو چھوڑ دیا۔

سو اس تقریر پر اس واقعہ میں کئی جز مختلف فیہ ہیں۔۔۔ مثلاً سماع کے باب میں تحقیق مذکور کا صحیح ہونا۔۔۔ یا نہ ہونا دوسرے وحدۃ الوجود کے یہ معنی ہونا۔ یا نہ ہونا یا خود وحدۃ الوجود کا مطابق واقع کے ہونا یا نہ ہونا۔۔۔ اور ایک جزو بلا اختلاف قابل نظر ہے۔۔۔ کہ

خواص کا فعل گو وہ کسی وجہ سے ان کے لئے مباح ہو ــــ اگر عوام کے لئے موجب مفسدہ ہو جائے ــــ تو خواص کے لئے بھی واجب الترک ہو جاتا ہے ــــ لیکن احقر اجزاء مختلف فیہا میں خود اختلاف کو اور جزو غیر مختلف فیہ میں ــــ عدم تحقق یا عدم اطلاع وعدم التفات الی المفاسد کو موجب عذر سمجھتا ہے ــــ بہر حال صاحب حال سے اگر کوئی امر موہم خلاف صادر ہو ــــ تو مقتضائے حسن ظن یہ ہے کہ خواص کے فعل میں تاویل مناسب کر کے اس کو قواعد شرعیہ کے تابع بنادے ــــ نہ یہ کہ شریعت میں تبدیل کر کے شریعت کو اس کے تابع بنادے ــــ یہ جواب ہے سوال ثانی کا ــــ اور اسی تقریر میں جو ایک قول یہ ہے (مختلفین فی حکم السماع میں الی قولہ منہمک ہونا ــــ) اور دوسرا قول یہ ہے (ایک جزو بلا اختلاف الی قولہ واجب الترک ہو جاتا ہے) ان قولوں سے سوال اول کا جواب بھی نکل آیا ــــ کہ جو شخص مانع اور خود ممتنع ہے وہ یا تو آلات کو فی نفسہ محرم سمجھتا ہے ــــ یا اپنے کو قوت بہیمیہ کا مغلوب پاتا ہے ــــ یا اپنے فعل کو موجب مفسدہ عوام کہتا ہے اور جو شخص نہ انکار کرتا ہے ــــ نہ اہتمام کرتا ہے ــــ وہ ان امور کو جائز اور اپنے کو قوت بہیمیہ پر غالب سمجھتا ہوگا ــــ اور مفاسد عوام کی طرف ملتفت یا ان پر مطلع نہ ہوگا ــــ یہ وجہ عدم انکار کی ہے اور وجدان مرجح مثل تخییل وحدۃ الوجود ــــ وتحو ذلک اس پر غالب نہ ہوگا ــــ یہ وجہ عدم اہتمام کی ہے ــــ اور انہماک کی وجہ ان اقوال میں مصرحاً مذکور ہے ــــ رہا یہ شبہ کہ ایک پیر کے مرید ہو کر عمل مختلف کیوں ہے ــــ سو ایسے امور نہ مریدی کے ارکان ہیں ــــ نہ شرائط یا لوازم تاکہ اتحاد سلسلہ کے ہوتے ہوئے ان میں اختلاف ہونا موجب شبہ ہو ــــ یہ اپنا اپنا مذاق اور تحقیق اور نظر ہے ــــ جس میں خود پیر اور مرید کا باہم دگر مختلف ہونا بھی محل استعجاب نہیں ــــ فقط واللہ اعلم۔ ۲۳۔

معنی ذکر وفکر وتصور شیخ ورابطہ وفنا وثمرات آنہا

• سوال: خاندان نقشبندیہ میں ــــ (۱) جو اول ذکر فکر کے ساتھ بتایا جاتا ہے ــــ اور (۲) تصور شیخ اور پھر (۳) رابطہ اور (۴) فنا اور پھر (۵) گم شدنی اس کی تفصیل کی

مجھے خاص ضرورت ہے جس سے میں ہر ایک بات کو اچھی طرح سمجھ لوں اور پھر ان سے کیا کیا نفع مرتب ہوتے ہیں۔

جواب: یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا۔ البتہ جو ذکر اول بتایا جاتا ہے وہ اسم ذات ہے۔ لیکن اس قید کے ساتھ جو سوال کیا گیا ہے کہ فکر کے ساتھ اس کی تحقیق نہیں اور یوں ہر ذکر کے ساتھ فکر واحضار قلب ضروری ہے۔ البتہ متاخرین مشائخ نے اسم ذات کے ساتھ ہی شغل لطائف کا معمول رکھا ہے۔ متقدمین کے یہاں یہ طریقہ نہ تھا یہ تو اس کی حقیقت ہے۔ باقی نفع ذکر کا ظاہر ہے بلکہ تمام منافع اسی کے ثمرات ہیں جس میں اصل نفع وہ ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے فاذکرونی اذکرکم الآیۃ۔

نمبر ۲ و نمبر ۳۔ تصور شیخ کا مفہوم عام ہے۔ رابطہ کے مفہوم سے کیونکہ رابطہ خاص ایک شغل کا نام ہے جس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کر کے نظر قلب سے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر اور خیال کو سادہ کر کے دیکھا جاتا ہے لیعرض کانہ حاضر ناظر لکن تصورا فقط لا اعتقادا فانہ شرک والذی یمنع منہ العوام وھذا ھو المراد فی کلام بعض الاکابر حیث ادخل ھذا فی عموم قولہ تعالٰی ھذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون یہ تو حقیقت ہے اس کی اور فائدہ اس کا تعلق ہے شیخ کے ساتھ جس سے بے تکلف اس کا اتباع اخلاق و عادات میں ہونے لگتا ہے۔ چونکہ یہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے اس لئے وہ احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں لکن لما کان ضررہ للعوام اکثر من ھذا النفع المذکور لم یعتبر ھذا النفع فی منعھم منہ اور تصور شیخ کوئی خاص شغل نہیں بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو لفظ سے مفہوم ہوتی ہے مگر اس کا وہ وقت ہے کہ ذکر سے ہجوم خطرات فاسدہ کا ہجوم ہو اور دفع کرنے سے مندفع نہ ہوتے ہوں تو شیخ اس کا علاج زیادت توجہ الی المذکور سے کرتا ہے اور مقصود زیادت توجہ الی المذکور ہے کیونکہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہو جاوے گی حسب قاعدہ فلسفیہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد دوسری طرف نہ ہوگی اور مبتدی چونکہ غائب لیکن مذکور کی طرف

زیادت توجہ کا خوگر نہیں ــــ اور ذکر گو امر حسی مشاہد و مسموع ہے ــــ اور توجہ دشوار نہیں لیکن اس کے ساتھ انجذاب طبعی نہیں ــــ اس لئے وہ جمتا نہیں اس سبب سے اس کے لئے تصور شیخ کو نافع سمجھا گیا ہے ــــ کہ وہ محسوس بھی ہے ــــ اور محبوب بھی ہے ــــ اس کا خیال جلدی جم جاتا ہے ــــ اور خیال جمنے سے خطرات مندفع ہو جاتے ہیں ــــ مگر بعد اندفاع پھر اس تصور کو نہیں جماتے ــــ کہ اشتغال بغیر المقصود تخل اشتغال بالمقصود ہے ــــ اور اس تقریر سے حقیقت کے ساتھ ان دونوں کا نفع بھی معلوم ہو گیا۔

نمبر ۴ نمبر ۵۔ یہ دونوں لفظ بھی متقارب المعنی ہیں ــــ صرف عموم وخصوص ہی کا فرق ہے ــــ فنا عام ہے گم شدن خاص کیونکہ فنا دو قسم ہے فنائے واقعی اور فنائے علمی ــــ فنائے واقعی یہ کہ افعال ذمیمہ ملکات ردیہ زائل ہو جائیں ــــ مثلاً ظاہری معاصی چھوٹ جائیں ــــ قلب سے حب غیر اللہ حرص وطول امل وکبر وعجب وریا وغیرہ سب نکل جائیں ــــ اس کو فنائے واقعی اس لئے کہتے ہیں ــــ کہ اس میں جو چیز زائل ہوئی ہے ــــ یعنی افعال وملکات ردیہ وہ واقع میں بھی فنا ہو گئے ــــ بخلاف دوسری قسم کے جیسا عنقریب آتا ہے ــــ اور اس کو بعضے اصطلاحاً فنائے حسی بعضے فنائے جسمی بھی کہتے ہیں ــــ اور فنائے علمی یہ کہ غیر اللہ اس کے قلب سے مرتبہ علم میں نکل گیا ــــ یعنی اس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق علمی نہیں رہا ــــ بایں معنی کہ جیسا التفات واستحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا ــــ بلکہ ملکہ یادداشت کا راسخ ہو گیا ــــ اور غیر سے ذہول ہو گیا ــــ جیسا محبت مجازیہ میں بھی غلبہ کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے ــــ کہ محبوب دل میں زیادہ بسا رہتا ہے ــــ غیر کی طرف کسی بڑی ہی ضرورت سے توجہ ہوتی ہے ــــ ورنہ گنجائش نہیں ہوتی ــــ پھر اس کے مراتب حسب استعداد سالک مختلف ہوتے ہیں ــــ حتیٰ کہ کسی کو استغراق محض ہو جاتا ہے ــــ کسی پر سکر غالب ہوتا ہے کوئی مجذوب محض ہو جاتا ہے ــــ کوئی پھر بعض احوال کی تکمیل کے لئے یا دوسروں کی تکمیل کے علم بالاشیاء کی طرف عود کرایا جاتا ہے ــــ مگر ابتداء کے علم بالاشیاء سے یہ علم بالاشیاء کماً وکیفاً وغایۃً مختلف ہوتا ہے اس حالت کو بقاء کہتے ہیں ــــ جیسا کہ قسم اول میں بھی عین فنا کے وقت فانی کے اضداد کے حصول کا نام بقاء ہے ــــ اس قسم ثانی کو فنا علمی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جو

چونکہ اس سے تعلق نفس سے خارج ہوگئی۔ وہ واقع میں فانی و مفقود نہیں ہوئی۔ مثلاً عمرو کو
زید کا خیال نہ آیا تو واقع میں زید معدوم تو نہیں ہوا۔ فنا کی اس دوسری قسم کا نام فنا شہودی
ہے جس کا مطلق فنا مقسم اور عام ہے۔ اور فنا شہودی اس کی ایک قسم اور خاص ہے
فائدہ قسم اول کا ظاہر ہے کہ ترک ہے منکرات شرعیہ کا جس کو تقویٰ کہنا چاہیے۔ اور قسم
ثانی کا فائدہ یہ ہے کہ یہی علم بالاشیاء بعض اوقات مفضی الی المعاصی ہو جاتا ہے۔ غرض
اسباب بعیدہ سے بچنا کمال ہے تقویٰ کا۔ اختصار میں نے کسی خاص جگہ سے نقل نہیں کیا
بلکہ کچھ کتابی نظر سے کچھ صحبت شیخ سے کچھ ذوق سے لکھ دیا ہے۔ شاید کسی جگہ اس
سے کافی تسلی ہو جائے فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ ہجری۔

حل بعض اشعار مثنوی

سوال: اشعار ذیل کا مطلب تحریر فرمایا جائے۔

حملہ بر قرآن بست ای قطع سبب	عزو درویش و ہلاک بولہب
حجتی ترا اعجاز قرآن تا تمام	رفض اسباب است دست والسلام

جواب: اولاً باید دانست کہ مراد در اشعار مسئول عنہا رفض و قطع اسباب مطلقاً نیست
و چگونہ آنحضرت کی توان بست ہرگاہ خود در قرآن امر بعض اسباب وارد شدہ لقولہ تعالیٰ فی
الاسباب الاخرویۃ اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ و بر این اعمال کشش را مرتب فرمودہ
یدخلکم جنت تجری من تحتہا الانہار وغیر ذلک من الآیات وفی
الاسباب الدنیویۃ ولیاخذوا اسلحتہم و در علتش فرمودہ ودّ الذین کفروا
لو تغفلون الخ کہ مشعر است بودن اخذ سلاح سبب حفظ از حملۂ اعدا پس نفی مطلق مراد نیست
بلکہ مراد اسبابے ہست کہ مزاحم و معارض مشیت یا رضائے الٰہی باشد ہرگاہ این مقدمہ ممہد
شد پس معنی اشعار ہمین است کہ مقصود افادہ این امر است کہ اے نبی ہر چند تو را اسباب
طبعیہ و تدابیر تراشیدہ فیصلے اعتماد و اعتنا نیست کہ ابولہب چہ تدابیر و سامان در اضرار و کسر شوکت
درویشان و ساکین ملل اسلام فراہم نیاورد و در خود چہ قدر اسباب از اموال و حشم مہیا داشت
لیکن چون تدبیرش خلاف مشیت حق بود چگونہ معاملہ منقلب شد و آن بیچارہ چہ سامان رسے

زشتی را و ذکر قصد و این اسباب در خاک ساختن قطعیہ نیست بیہوشی ہست ہرگز بہر اے تدبیر خود
بمقابلہ مشیت ایزدی نظر نمی کنی و ہمہ کار را از تغیر و تطہیر خود معلوم نمی داند لیکن آنکہ تدبیر سے کہ
ماذون فیہ یا مامور بہ در شرع باشد چون آن معارض برضاء حق نباشد و معارض بمشیت غیر
معلوم ہم کہ اگر این تدبیر را اختیار کنی بر تو ملامت نبود اگر مامور بہ باشد بر تو واجب است بہر ذکر
مصلحت در صدد تقدیم انقیاد باشد خود تمام خواہند فرمود و اگر مصلحت در عدم انقیاد باشد تمام
نخواہد شد و ترا در این صورت ہم منافع گوناگون ظاہری و باطنی بدست خواہد آمد فقط تدبیر تدبیران
محمود و مذموم فالمحمی ہو الشافی والمطبب ہو اللہ و لی فاتح الحق فقط ۱۳ رمضان ۱۳۲۲ ہجری۔

فرق درمیان دعوے و تحدیث بالنعمۃ

سوال۔ زید کہتا ہے کہ انا خیر منہ مطلقاً تکبر نہیں ہے۔۔ نمازی کو اس نیت سے اپنے کو بہتر سمجھنا۔۔ اور بے نمازی کو ترجیح دینا کہ بے نمازی تو نعمت خداوندی ہے۔۔ جو مجھے دی گئی ہے۔۔ اور اس شخص سے روک لی گئی ہے۔۔ موقوف ترک ہو محمود بلکہ مقصود و مامور بہ ہے۔ غرض کسی نعمت پر نعمت من اللہ سمجھ کر اپنا اس شخص سے بہتر سمجھنا۔۔ جو اس نعمت سے محروم ہے تکبر نہیں ہے۔۔ البتہ اس سے قطع نظر کر کے یا نماز کو اپنا فعل ذاتی اور کارگزاری سمجھ کر دوسرے سے بہتر سمجھنا تکبر ہے۔۔ بلکہ دوسرے کی جانب نسبت نہ بھی ہو تب بھی مذموم و منہی عنہ ہے۔۔ جس کا نام عجب و خودستائی ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط۔

جواب۔ زید نے جو تفصیل کی ہے صحیح ہے۔ لیکن جبکہ صرف مرتبہ عنوان میں نہ ہو۔ بلکہ معنون کا مرتبہ بھی اس کو حاصل ہو۔ جس میں اکثر دھوکہ ہو جاتا بالخصوص مبتدیوں کو اس کی باطنی پہچان جو وجدان سے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ ہے کہ اگر اپنے قلب میں اپنے دوسرے عیوب سے ذہول اور خود اس کمال کے زوال سے بے فکر ہے۔ اور دوسرے کے کمالات سے بھی ذہول۔ اور اسی کمال کے پیدا ہو جانے سے بے اتفاقی اور نیز اس حالت کے عدم قبول کے احتمال سے اور اس کی معصیت کے وقوع کے احتمال سے بے فکری ہو۔ تو مرتبہ معنون کا حاصل نہیں ہے۔ اور اگر سب امور پیش نظر ہوں اور لرزاں و ترساں ہو تو معنون حاصل ہے فقط واللہ اعلم۔

تذکیر موت از رسالہ فروع الایمان

ضمیمہ مفیدہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا ذکر ھاذم اللذات یعنی الموت رواہ الترمذی۔ چونکہ تکمیل ایمان کی اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ سے ہوتی ہے...... اور تحصیل ان اعمال و اخلاق کو بوجہ نسیان آخرت وحب دنیا کے دشوار ہو رہی ہے...... اس لئے اس مرض کا علاج حدیث مذکور میں یہ فرمایا گیا کہ تم موت کو زیادہ یاد کیا کرو... اس سے سب کام بن جاتے ہیں۔ . . اور ظاہر ہے کہ موت کی یاد وہی ہے کہ اس کے سب اگلے پچھلے حالات متعلقہ پیش نظر کئے جائیں... اس لئے اس مضمون کا ایک قصیدہ سلیس حضرت شیخ سعدی کے کلام سے نقل کرتے ہیں [1] کہ اس کو گاہ گاہ مطالعہ کر کے سفر آخرت میں چست و چالاک ہوں۔

---

[1] یہ مضمون اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ گاہ گاہ اس کو پڑھ لینے سے موت نصیب [illegible] ممکن رہے گی [illegible] جامع
[illegible]

قصیدہ

روزے کہ زیر خاک تن ما نہان شود — آنہا کہ کردہ ایم یکایک عیان شود

یا رب بہ فضل خویش ببخشائے بندہ را — آن دم کہ عازم سفر آن جہان شود

بیچارہ آدمی کہ اگر خود ہزار سال — مہلت بیابد از اجل و کامران شود

ہم عاقبت چو نوبت رفتن بدو رسد — با صد ہزار حسرت از اینجا روان شود

فرزندان آن زمان کہ تن ما زمین با — بر بستر ہوا ان فتد تا توان شود

اصحاب راچو واقعہ باخبر کنند — ہر دم کسے بہ عیادت روان شود

ہر کس کہ مشفق ست بپرسی بہ ران ماست — در جستن دوا ہمہ این و آن شود

وانگہ کہ چشم بر رخ ما افگند طبیب — در حال ما چو فکر کند بدگمان شود

گوید فلان شرب طلب کن کہ سودمند ست — ما را بدان امید بسے در زیان شود

شاید کہ یک دو روز دگر ماند عمر ما — وان یک دو روز ہم بسر سود و زیان شود

یاران و دوستان ہمہ در فکر عاقبت — کاحوال ما چگونہ دعائی از جہان شود

تا آن زمان کہ چہرہ گردد زحال خویش — وان رنگ ارغوانی ما زعفران شود

وان رنج در وجود عنوے اثر کند — گر نا خوری بہ جان بسے رہ سمان شود

در وقت جان کند کشتی وجود — خجز از عمل بماند و بے بادبان شود

گہ شد ملائکہ در وقت قبض روح — چون نیم بسمل دیدۂ ما خون فشان شود

بیند کہ در چشیدن آن جرعہ زہر ناک — تیغ فی شہادت ۔ در زبان شود

یا رب چہ دہد بہ بخشش کہ ما در آن زمان — قول زبان موافق قول جنان شود

ایمان ز شر شیطان نگاہدار — تا از عذاب دوزخ تو جان در امان شود

فی الجملہ روح و جسم ز ہم مفترق شوند — مرغ از قفس برآید و در آشیان شود

بلقمہ باز بر سر دوزخ پل صراط — ہر کس از آن گذشت مقیم جنان شود

واں کس کہ از صراط بلرزید پائے او — در خواری و عذاب ابد جاودان شود

اخیار را اجازت در رش کند قبول — وابرار را عنایت حق سایبان شود

بس روئے چون ماہ ز ظلمت شود سیاہ — بس قد چون تیر ز حیرت کمان شود

بس شخص بینوا کہ ورا از عمو قصور — عشرت سرائے جنت اعلیٰ مکان شود

بس پیر مستمند کہ در گلشن مراد — برے بہشت بخسپد و نوجوان شود

مسکین اسیر نفس و ہوا کاندران مقام — با صد ہزار غصہ قرین ہوان شود

مرگے کہ از برائے مخیران کشد خدائے — عاصی چگونہ ہمرہ آن بدگمان شود

خرم دلے کہ در حرم پاک آن دو شیخ — حق را بخوان ز لطف و کرم میہمان شود

این کار دولت است ندانم کہ یقین — سعدی یقین بجت خلعت چنان شود

فائدہ: حصہ سوم تکشف کے آخر میں جو رسالہ حقیقت الطریقہ کا ہے ہرچند کہ باعتبار علو مضامین کے اس کا مطالعہ اہل استعداد کے لئے تجویز کیا گیا ہے لیکن چونکہ احادیث کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔ اور خود ان احادیث کے مضامین بوجہ ان کے مجتہد فیہ نہ ہونے کے کچھ زیادہ غامض نہیں ہے اس لئے اگر متوسط الاستعداد والے بھی جن کے لئے یہ حصہ دوم لکھا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ کر لیں تو امید نفع کی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ فقط۔

فائدہ متعلقہ اشعار تذکیر موت کہ عنقریب بالا گذشت از شوق وطن

دو اشعار تو ترہیب من الموت کے لئے تھے اور ذیل کے اشعار ترغیب[1] وتشویق موت کیلئے ہیں۔

قال العارف الشیرازیؒ

خرم آن روز کزین منزل ویران بروم	راحت جان طلبم واز پے جانان بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر این غم روزے	تا در میکدہ شادان وغزل خوان بروم

قال العارف الجامیؒ

دلا تا کے درین کاخ مجازی	کنی مانند طفلان خاکبازی
توئی آن دست پرور مرغ گستاخ	کہ بودت آشیان بیرون ازین کاخ
چرا زان آشیان بیگانہ گشتی	چو دونان چغد این ویرانہ گشتی
بیفشان بال و پر ز آمیزش خاک	بپر تا کنگرہ ایوان افلاک

قال العارف الرومیؒ

گر بریزد خون من آن دوست رو	پائے کوبان جان برافشانم برو
آزمودم مرگ من در زندگی است	چون رہم زین زندگی پایندگی است
اقتلونی اقتلونی یا ثقات	ان فی قتلی حیوة فی حیات

[1] ان اشعار کے پڑھنے سے حب آخرت وشوق لقاء حق کا اشتعال ہوگا۔۱۲ منہ

والتدلى + وهذا هو المعنى بالبعد والفراق + الذى يترنم به اهل الاشواق + الذى محصله غلبة احكام مابه الامتياز والافتراق + على مابه الاتحاد والاتفاق + كالاشخاص والظلال + والاعيان والمثال + ولا دليل على استحالة هذا المعنى فى ذات الحق + والوجود المطلق + ومعنى الاطلاق اطلاقه عن مثل هذه التعينات لا عن التعين الذى هو عين الذات + فافهم حتى لاتقع فى الزلات + ولا تهجر بالمفوات + ومرتبة الواحدية + هو تنزل ثان لمستحق الماجدية+ ويقال لهذه المراتب الثلثة المراتب الآلية + لانها مندرجة ومند مجة فى الذات الغير المتناهية + ولم تشم رائحة من التباين العينى + وان حصل بينها الامتياز العلمى + على خلاف المراتب الثلثة الكونية والمرتبة الجامعة فانها مباينة عن الذات وان كانت العينية فيها لامعة + واعلم ان التقدم والتاخر ذاتى فيما بين هذه المراتب + لئلا يلزم الخلوعن الكمالات بالفعل لذات الواجب + سبحانه و تعالى عما يقولون علوا كبيرا + والاربعة الاخيرة التى ظهورها عيانى + التقدم والتاخر فيما بينها زمانى + واما فيما بين الثلثة والاربعة فلوا عتبرفى الترتب الزمانى وجود السابق + فى زمان لايوجد فيه اللاحق + واعتبر الزمان موجودا محققا + فليس بينها ترتب زمانى مطلقا + وان وسع فى الزمان مفهوما + او قدرمو هوما + فالترتب بينها بالزمان + والترتب بالذات محفوظ فى كل اوان + واما الروح + فهو تنزل ثالث للقدوس السبوح + وعالم المثال + هو تنزل رابع لحضرة الجلال + وعالم الاجسام + هو تنزل خامس لحضرة الاكرام + والانسان هو سادس التنزلات = لذات الحق + فهو مظهر اتم للوجود المطلق + وهذا هو المعنى الصحيح عند المحققين + لحديث خير المرسلين ان الله خلق آدم على صورته + ومن هنا قيل من عرف نفسه فقد عرف ربه + والعلم بهذه المسئلة يسمى عند الصوفية الخيار + بعلم الوحدة وحقائق الاسرار + والى هذا اشار العارف الرومى فى مفتتح المثنوى المعنوى ـــ

بشنو ازنی چون حکایت میکند	وز جدائیها شکایت میکند
کز نیستان تا مرا ببریده اند	از نفیرم مرد وزن نالیده اند

وفسر هذا الاشعار + المولوى الجامى بشرح لم يات احد با حسن منه عند اولى الابصار + ولنسمعک بعضها ـــ

بجداء الکمالات + والکمالات الالٰہیة من غیر المتناھیات + الا ان الاصول هذه الاسماء تسعة وتسعون اسماء من احصاھا دخل الجنة حتما + واصول هذه الاسماء التسعة والتسعین اسماء ثمانیة وعشرون + التی ھی مربیات للاکوان الکلیة الشاملة لجمیع الجزئیات مما کانت فی الوجود او تکون + واصول هذه الاسماء الثمانیة والعشرین ھی الصفات السبع + الحیوٰة والعلم والقدرة والارادة والکلام والبصر والسمع + اذا تمهدت المقدمة فالتقریر الاجمالی للجامعیة ان الحق ذا لاکرام والجلال + جعل الانسان مظهر الهذه الصفات السبع علی وجه الکمال + واشیر الیه اجمالا فی قوله علیه السلام ان الله خلق آدم علی صورته وتفصیلا فی حکایته علیه السلام عن الله تعالےٰ بی یسمع وبی یبصر الحدیث ومن لم ظهر غلط من حکم علی الانسان بانه هو الله الحق + نعم یصح له ان یقال انه صورته ای ظهوره المطلق + فاذا کان الانسان جامعا لهذه الصفات + کان بالضرورة جامعا الجمیع الاسماء والکونیات + اذھی فروع لهذه الصفات بلاواسطة اوبالواسطة + والمتبوع یستلزم التابع لما یکون بینهما من الرابطة + وان اشتهیت شیئا من التقریر المفصل + فاعلم ان ارباب الاکوان الکلیة الثمانیة والعشرین ھی الاسماء الثمانیة والعشرون کما سیتضح من هذا الجدول + فتجلی هذه الاسماء فی الانسان + کما علم اجمالا فیما مر من البیان + وسیعلم تفصیلا عما قلیل من الزمان + مستلزم لوجود جمیع المربوبات الکلیة + فی البنیة البشریة + والکلیات لاتوجد الا فی ضمن الجزئیات + فلزم وجود الاسماء والاکوان جزئیا جزئیا فی اشرف المخلوقات + والجدول الموعود هذا الذی یستطر + مستخرج من الفتوحات المکیة للشیخ الاکبر +

عدد	اسم الٰہی	اسم عین	اسم حرف	منزل قمر	—	یوم
۱	بدیع	عقل اول	ء	شرطین	—	—
۲	باعث	لوح محفوظ	ہ	بطین ([illegible])	—	—
۳	باطن	طبیعت	ع	ثریا	—	—
۴	آخر	جوہر ہبا	ح	دبران ([illegible])	—	—
۵	ظاہر	جسم کل	غ	ہقعہ	—	—

۴۷	جامع	انسان	م	فرح موخر	----	----
۴۸	رفیع الدرجات	تعیین مراتب	و	رشاۃ	----	

ولواردت تفصیلا ازید منه فاسمع تبین لک تجلی الاسماء التسعة والتسعین وبعض الکونیات الحریة العظیمة فی الانسان ولتقدم الاسماء علی الاکوان + اعلم ان تجلی الاسماء علی قسمین تکوینی وتشریعی + وان شئت سمیتهما بالتعلق والتخلق + ومعناهما سیاتی + ولما کان التجلی التکوینی ارفع من العقول المتوسطة طوینا الکشح عن اظهار سره + واقتصرنا علی بیان التجلی التشریعی وذکره + ولنذکر مع کل اسم طریق تجلیه + ولنسمه بلفظ الفیض فتفکر فیه + وهذا ماخوذ من کلام الشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی + فی شرح حدیث رواه الامام الترمذی + عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله تسعة وتسعین اسما من احصاها دخل الجنة . هو الله الذی لا اله الا هو فالله علم للذات المستجمع لجمیع الصفات والکمالات فیضه ان لایشاهد غیر المسمی ولا یثبت له الوجود الرحمن الرحیم فیضهما ان یرحم عباد الله سیما المحادیج والمساکین منهم الملک فیضه ان یکون حاکما علی نفسه وقلبه القدوس فیضه ان یتقدس مما سواه السلام فیضه ان یسلم من الذنوب والمظالم المومن فیضه ان یومن الناس من لسانه ویده المهیمن فیضه ان یحفظ ظاهره وباطنه من المعاصی والاوصاف الذمیمة العزیز فیضه ان یغلب علی نفسه ولا یذل بالطمع من اهل الدنیا الجبار فیضه ان یجبر نقائصه بتحصیل الکمالات المتکبر فیضه ان یحقر الدنیا وما فیها الخالق البارئ المصور فیضهما ان یحصل فی نفسه الکمالات والعلوم الغفار فیضه ان یصفح عن زلات الناس القهار فیضه ان یقهرا عداء الدین من النفس والشیاطین الوهاب فیضه ان یبذل بنفسه وماله فی الله الرزاق فیضه ان ینفق علی عیاله ویفیض علی الطالبین من المعارف الفتاح فیضه ان لا یغلق باب العلم والنفع ویقضی بین الخصماء العلیم فیضه ان یعلم ماینفعه القابض الباسط فیضهما ان یضیق علی نفسه اذا طغی ویوسع علیه اذامل الخافض الرافع فیضهما ان یخفض الباطل ویرفع الحق المعز المذل فیضهما ان یعز الاخیار ویذل الاشرار

---

۱ واسم الجامع ہو اللہ ۱۲

۲ یعنی اسمائے کونی ذاتی ۱۲ ف لیعلم ان مع کل سماء فلکها وکوکبها ونبیها وملکها ۱۲ منه

السميع البصير فحظهما ان لايسمع ولا يبصر مالا يرضى الله تعالى الحكم
فحظه ان يحكم على نفسه ويراعي العدل في الحكم العدل فحظه ان يراعي
العدل والاستقامة في كل امر * اللطيف فحظه ان يرفق بعباد الله في
المعاملات والموعظة والارشاد الخبير فحظه ان يكون خبيرا بمكائد النفس
ويخبر الغافلين الحليم فحظه ان يتخلق متصفا بالحلم والعفو العظيم فحظه ان
يعظم همته ولا يصغر للدنيا واتباع ابليس الغفور فحظه ان يغفر ذنوب الناس
الشكور فحظه ان يشكر النعمة والواسطة فيها العلي فحظه ان لايستخفي
للشيطان واهل الدنيا الكبير فحظه قريب من اسم العلي الحفيظ فحظه ان
يحافظ على حدود الشرع المقيت فحظه ان يطعم الجائعين الحسيب فحظه
ان يكفي الناس في حاجاتهم ويحاسب نفسه الجليل فحظه ان يجلي نفسه
بصفات الكمالات الكريم فحظه ان يختار صفات الكرم الرقيب فحظه ان
يراقب نفسه ولا يدع النفس والشيطان يغلبانه المجيب فحظه ان يجيب
ربه بالاطاعة والناس بقضاء حاجاتهم الواسع فحظه ان يكتسب العلوم
والمعارف الوسيعة ولا يبخل على الناس في المعاملات الحكيم فحظه ان
يكتسب الحكمة في العلوم والاعمال الودود فحظه ان يود اهل الدين وينصح
الناس اجمعين المجيد فحظه ان يتصف بالمجد بتهذيب اخلاقه الباعث فحظه
ان يحيي قلبه الميت ويبعث وسول الروح الى النفس الشهيد فحظه ان يشهد
الخير وخدمة الدين ويتصف بما يجعله اهلا للشهادة يوم القيامة الحق فحظه
ان يستغرق في وجوده بحيث ينسى غيره الوكيل فحظه ان يصلح امور الناس
خصوصا المتعلقة منهم القوي المتين فحظهما ان يقوى على نفسه ويثبت في
الدين الولي فحظه ان ينصر الدين واهله الحميد فحظه ان يكون حامدا لله
تعالى ومحمودا للناس المحصي فحظه ان يواظب على احصاء اعماله
والذنوب ولا يغفل المبدئ المعيد فحظهما ان يبدأ بالخير ويعيد ما فات منه
المحيي المميت فحظهما ان يحيي قلبه ويميت نفسه الحي فحظه ان يحصل
حيوة دائمة بالمجاهدة القيوم فحظه ان يقوم في الطاعة وقضاء حاجات الناس
الواجد فحظه ان يوجد الكمالات في نفسه ويستغني عما سوى الله الماجد
فحظه ان يطلب المجد بتحصيل الكمال الواحد فحظه ان يجتهد في كمالات
العبودية ويتوحد فيها ويتفرد الصمد فحظه ان يكون مرجعا للناس بتحصيل
الكمالات القادر المقتدر فحظهما ان يقدر على الشهوات النفسانية المقدم
المؤخر فحظهما ان يقدم نفسه في الطاعات ويؤخرها عن المحظورات

الاول الآخر فيضهما ان يكون اول الناس في الدين وآخرهم في الدنيا الظاهر الباطن فيضهما ان يحلى ظاهره بالشريعة وباطنه بالحقيقة الولى فيضه ان ينصر الروح بمقابلة النفس والشيطان ويحكم عليهما المتعالي فيضه ان يتعالى على النفس والشيطان الرقيضه ان يحسن الى المخلوق التواب فيضه ان يقبل معذرة الناس المنتقم فيضه ان لايداهن في الشرع وينتقم من اعداء الدين العفو فيضه ان يعفوعن الناس الرؤف فيضه ان يكون بالناس رؤفا مالك الملك ذوالجلال والاكرام فيضه ان يملك ملك وجوده ويجل نفسه ويكرم عباد الله المقسط فيضه ان يقسط الجامع فيضه ان يجمع في نفسه الكمالات العلمية والعملية الغنى والمغنى فيضهما ان يستغنى عن الناس ويغنى اهل الفقر المعطى المانع فيضهما ان يعطى المستحقين ويمنع الفساق والظالمين الضار النافع فيضهما ان يضرا عداء الدين وينفع المطيعين النور فيضه ان يتنور بالايمان والعرفان الهادى فيضه ان يهدى الضالين والجاهلين البديع فيضه ان يكون وحيداً في الكمال ويبدعماينفع الخلق الباقى فيضه ان يعمل مايبقى نفعه بعد موته ويبقى بالله بعد فنائه فيه الوارث فيضه ان يرث الانبياء في العلوم والمعارف الرشيد فيضه ان يثبت على الرشد ويهدى اليه غيره الصبور فيضه ان يصبر في كل حال وقدتم بحمدالله تعالى ههنا بيان التجلي الاسمائي مع التخلق بها + وانه كيف يكون الانسان جامعاً لها + فالآن نسمعك انه كيف يكون جامع للاكوان + وله ثلث طرق من البيان فالادنى ماذكره الحكماء المحبوس نظرهم في هذه الارض والسماء + وهو ان الاجسام في العالم السفلى قسمان بسائط و مركبات + فالبسائط هي العناصر والمركبات ما عداها من الجمادات والنباتات والحيوانات + والبسائط محفوظة عند محققيهم في حالة التركيب بالماهيات + فكان كل مركب جامعام للاسطقسات + ثم ادنى درجات التركيب ان تفيض على المركب الصورة النوعية الحافظة للتركيب + ولا يكون فيه شيء من النمود والشعور والنطق والفكر والترتيب + ويسمى هذا المركب بالجماد + ففيه شيئان البسائط والصورة الحافظة لتركيب المواد + ثم اذا فاضت عليه النفس النباتية ويحدث فيه النمودون الشعور + يسمى بالنبات وتجتمع فيه ثلثة امور + البسائط والصورة الحافظة الحامية + والثالث هي النفس النباتية اى القوة النامية + ثم اذا فاضت النفس الحيوانية ووجدت فيه الحس والحركة + يسمى بالحيوان وفيه امور اربعة ء البسائط والصورة الحافظة +

من الانسان الصفراء وروحه القوة الهاضمة ثم في العالم فلک الهواء وروحه
الحرارة والرطوبة وينظر اليهما من الانسان الدم وروحه القوة الجاذبة ثم في
العالم فلک الماء وروحه البرودة والرطوبة ينظر اليهما من الانسان البلغم
وروحه القوة الدافعة ثم في العالم فلک التراب وروحه البرودة واليبوسة ينظر
اليهما من الانسان السوداء وروحها القوة الماسكة + واما الارض فسبع
طبقات سوداء وغبراء وحمراء وصفراء وبيضاء وزرقاء وخضراء ينظر اليها من
الانسان طبقات الجسم من الجلد والشحم واللحم والعروق والعصب
والعضلات والعظام واما عالم عمارة الامكنة فمنه الروحانيون ينظر اليهم من
الانسان القوى التي فيه ثم في العالم الحيوان ينظر اليه ما يحس من الانسان ثم
في العالم النبات ينظر اليه من الانسان ما ينمو ثم في العالم الجماد ينظر اليه من
الانسان مالا يحس واما عالم النسب فمنه العرض وينظر اليه من الانسان اسود
وابيض وما اشبه ذلک ثم في العالم الكيف ينظر اليه من الانسان صحيح
وسقيم ثم في العالم الكم ينظر اليه من الانسان ستة عشر اعوام وطوله خمسة
اذرع ثم في العالم الاين ينظر اليه من الانسان الاصبع موضعه الكف والذراع
موضعه المفصل ثم في العالم الزمان ينظر اليه من الانسان تحرک وجهي وقت
تحرک راسي ثم في العالم الاضافة ينظر اليه من الانسان هذا اعلاه وهذا
اسفله ثم في العالم الموضع ينظر اليه من الانسان قامه وقعوده واستلقاؤه
واضطجاعه وفي العالم الملک ينظر اليه من الانسان لبسه وزينته ثم في العالم
ان يفعل ينظر من الانسان اكله ثم في العالم ان ينفعل ينظر اليه من الانسان ذبح
فمات وشرب فروی واكل فشبع ثم في العالم اختلاف الصور في الامهات
كالفيل والحمار والاسد والصرصر ينظر اليه من الانسان القوة التي يقبل الصور
المعنوية من مذموم ومحمود هذا فطن فهو فيل وهذا بليد فهو حمار وهذا
شجاع فهو اسد وهذا جبان فهو صرصر فهذه مضاهاة الانسان بالعالم الكبير
مستوفى مختصراً انتهى كلامه رضي الله عنه بعبارته اخذته من حاشية
عبدالحكيم على تفسير البيضاوي يقول العبد الضعيف وكذلک الآثار
والاخلاق والافعال المحمودة في الانسان مثال الجنان + والمذمومة منها
مثال لعقوبة النيران + وسمى في الحديث حلق الذكر رياض الجنة وسبحان
الله والحمدلله غراس الجنة وسمى في القران اكل مال اليتيم اكل النار وقال
تعالى وان جهنم لمحيطة بالكفرين وقال تعالى واحاطت به خطيئته فثبت ان
الخطايا هي جهنم والبلايا قال العارف الرومي رحمه الله

چون سجودی یا رکوعی مرد کشت	شد دران عالم سجود او بہشت
چونکہ پرید از دہانت حمد حق	مرغ جنت ساختش رب الفلق
حمد و تسبیحت نماند مرغ را	ہمچو نطفہ مرغ بادست وہوا
چون زدستت رفت ایثار وزکوۃ	گشت این دست آنطرف نخل ونبات
آب صبرت آب جوئی خلد شد	جوئی شیر خلد مہر تست وود
ذوق طاعت گشت جوئے انگبین	مستی و شوق توجوئے خمر بین
این سببہا آن اثرہا رانماند	کس نداند چونش جائے آن نشاند
این سببہا چون بفرمان تو بود	چار جو ہم مرترا فرمان نمود
ہر طرف خواہی روانش میکنی	آن صفت چون بدچنانش میکنی
چون منی تو کہ درفرمان تست	نسل تو در امر تو آیند چست
میدود در امر تو فرزند تو	کہ منم جزوت کہ کردیش گرو
آن صفت درامر تو بود این جہان	ہم در امر تست آن جوہا روان
آن درختان مرترا فرمان برند	کان درختان از صفاتت بابرند
چون بامرتست اینجا این صفات	پس در امر تست آنجا آن جزات
چون زدستت زخم برمظلوم رست	آن درختے گشت ازان زقوم رست
چون زخشم آتش تو در دلہا زدی	مایۂ نار جہنم آمدی
آتشت اینجا چو آدم سوز بود	آنچہ ازوے زاد مردافروز بود
آتش تو قصد مردم می کند	نار کزوے زاد برمردم زند
آن سخنہائے چومارو کژدمت	ماروکژدم گشت ومیگیرد دمت

ووجود الايمانيات والكفريات بهذا الطريق + هو المراد بقوله تعالى هو الذى خلقكم فمنكم كافر ومنكم مومن الاية عند اهل التحقيق + وكذلك الاعضاء الانسانيه + خلقت كمافى بحر الحيوة على اشكال البروج الفلكيه + واكثرها على شكل حروف الهجا وبعضها على صورة اسم الجلالة + ولو لعدت تلك الصور لولا خوف الملامة والاطالة + وهذا الذى ذكر كان المقصود منه التمثيل + دون لاحاطة والتفصيل + ومن تامل بالامعان + وجد جميع كائنات

العالم اجمالا فی الانسان + واما الاعلی من طرق البیان + لهذا المطلب الجلیل الشان + فیحتاج الی کشف وعیان + ولا یفی به اللسان + ولا الرقم بالبنان + نعم یمکن ان یفهم بقدران الانسان لما کان جامعاً للاسماء + کما ذکر تفصیلا متوسطاً فی شرح حدیث الاحصار + وهذه الاسماء العالیات + هی حقائق الکائنات + فکان الانسان لحقائق الاکون جامعاً + والکون کله ظلاً له تابعاً + فکان وجود الانسان بهذا لاعتبار بالذات + ووجود الکون بالنسبة الیه بالعرض کالفرعیات + فای جامعیة اکمل من کون الانسان اصل الاکوان+ والاکوان فرع الانسان فتامل ولا تغفل + قال العارف الرومی۔

صوفیئے درباغ از بہر کشاد	صوفیانہ روی برزانو نہاد
پس فرورفت او بخود اندر فضول	شد ملول از صورت خوابش فضول
کز چہ خسپی آخر اندر رزنگر	این درختان بین وآثار خضر
امرحق بشنو کہ گفت است انظروا	سوئے این آثار رحمت آررو
گفت آثارش دل است ای بوالہوس	آن برون آثار آثار ست وبس
باغ ہاؤ میوہ ہا اندر دل است	عکس لطف او برین آب وگل است

واما الانکشاف الزائد علی المذکور + فیحتاج الی الجلاء والنور + کما علمه العارف الرومی۔

پنبہ اندر گوش حس دون کنید	بند حس از چشم خود بیرون کنید
پنبۂ آن گوش سرگوش سرست	تانگردد این کر آن باطن کرست
بے حس وبے گوش وبے فکرت شوید	تا خطاب ارجعی رابشنوید
تا بگفت وگوے بیدار اندری	تو زگفت خوب کے بوئے بری
سیر بیرونی است فعل وقول ما	سیر باطن ہست بالائے سما
حس خشکی دید کز خشکی بزاد	موسی جان پاے در دریا نہاد سیر جسم خشک
چونکہ عمر اندر رہ خشکی گذشت	گاہ کوہ وگاہ صحرا گاہ دشت
آب حیوان را کجا خواہی تو یافت	موج دریا را کجا خواہی شگافت
موج خاکی فہم و وہم وفکر ماست	موج آبی محو سکرست وفناست

تا درین فکری ازان سکری تو دور	تا ازین مستی ازان جائی نفور
گفتگوے ظاہر آمد چون غبار	مدتے خاموش کن این ہوش دار
چشم بند و لب بہ بند و گوش بند	گر نہ بینی نور حق بر من بخند
اے برادر عقل یک دم با خود آر	دمبدم در تو خزان ست و بہار

فاذا رزقت الصفاء من المقدر الملک + لرایت الکل فیک + کما قیل۔

ہمت اگر بدوست کشد کہ بسیر سرو من درآ	تو ز غنچہ کم ندمیدہ در دل کشا بچمن درآ
دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار	جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی
کر غور ذرا دل میں کچھ جلوہ گری ہوگی	یہ شیشہ نہیں خالی دیکھو اس میں پری ہوگی

فهل علمت ان الانسان ای شیء من العالم + ومن ثم شرفه الله تعالی و کرم + قال تعالی ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا هم فی البر والبحر ورزقنا هم من الطیبات وفضلنا هم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا وقال تعالی وصورکم فاحسن صورکم وقال تعالی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم فیاحسرة علیه الالم یعرف قدره ولم یتفکر فی من عرف نفسه فقد عرف ربه + نسی حقیقة ولم یتامل + وبقی محبوسا فی العالم الاسفل۔

آمد آئینہ جملہ کون ولے	ہمچو این آئینہ کہ رو جلی
بے نمودند درو بوجہ کمال	صورت ذوالجلال والافضال
زانکہ بود این تفرق عددی	مانع از سر جامع احدی
گشت آدم جلای این مرآت	شد عیان ذات او بجملہ صفات
مظہرے گشت کلی و جامع	سر ذات و صفات از و لامع
شد تفاصیل کون را مجمل	بر مثال التعین اول
بو کہ این دائرہ مکمل سد	آخرین نقطہ عین اول شد
بدرون تست مصرے کہ تو ئی شکرستانش	چہ غم است گر ز بیرون مدد شکر نداری
شدہ غلام صورت بمثال بت پرستان	تو چو یوسفی ولیکن بسوے خود نظر نداری
بخدا جمال خود را چو در آئینہ بہ بینی	بت خویش ہم تو باشی بکسے گزر نداری

وها ان التدارک بعد مقدور + فلینج نفسه من دار الغرور + والیعرف حقیقة نفسه + ثم لیشاهد جمال ربه + ولیبذل فی رضاه مهجته وماله + والافلعله سمع ماله + قال الله تعالیٰ ومن کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الآخرة اعمی واضل سبیلاً + فان قیل اذا کان الانسان جامعالحقائق الاسماء کما حقق فیما مضی + یلزم ان یتجلی علی ابی جهل اسم الهادی وکذا علی المقبولین اسم المضل وهذا کما تری + اجیب من هذا الاعضال + بان وجود الحقائق لایستلزم صدور الآثار والافعال + اماتری ان صفات الحق تعالی قدیمة بالبرهان + ثم بعض آثارها حادث بالزمان + فیمکن ان یظهر فی البعض اسم الهادی ویبطن اسم المضل مع وجود حقیقة فیه + ولا یبعدان یکون قوله علیه السلام نعم معی شیطان ولکنه اسلم اشارة الی هذا التوجیه + ویظهر فی البعض اسم المضل ویخفی اسم الهادی + ولا یظهر اثر منه فی النظر البادی + ولو لم یکن حقیقة اسم الهادی فی ابی جهل وغیره من اهل الطغیان + لما خوطبوا بالایمان + واشیرالی هذه المرتبة فی قوله علیه السلام + کل مولودیولد علی الفطرة ای الاسلام + والجواب الآخران التجلی له صورتان + مثلاً اذا اراد الحاکم اظهار حکمومته فله طریقان + احدهما ان یؤمر احداً علےٰ مامور + وثانیهما ان یامر علی مقهور + بل التجلی الاول اکمل من الثانی + کما هو ذوقی ووجدانی + فتجلی الاسماء الجلالیة علی الانبیاء والاولیاء یکون بالطریق الاول + وکلما کان الاتصاف اتم کان شانهم اکمل + والاکملیة المطلقة اعطیها سیدنا محمدٌ خیر البریة + علیه وعلی آله اکمل السلام والتحیة فان اول مراتب ظهور الحق هی الحقیقة المحمدیة + ولنعم ماقیل ؎

یا صاحب الجمال ویا سید البشر	من وجهک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقہ	بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

فالانسان الکامل کلی مشکک اکمل افراده هو علیه السلام جامع الجلال والجمال ثم علی قدر مناسبة اعطی الآخرون الکمال + ومن ثم علم ان تخصیص الصوفیة الانسان الکامل بالجامعیة مع ان هذا الحکم لکل بشر شامل + مبناه هو الاتصاف المذکور الذی لایشارک فیه احد الانسان الکامل + هذا الذی ذکر کان بیانا لتجلی اسماء الجلال + علی المقبولین فی حضرة الکبیر المتعال + واما تجلیها علی الکفار فبالمعنی الثانی + ای ضلوا باسم المضل وضاع عمرهم الفانی + فارتفع الاشکال + عن تجلی اسماء الجلال + علی اهل الجمال واما تجلی اسماء الجمال کالهادی مثلا علی ابی جهل واحزابه + فقد فرغنا عن جوابه + وجواب آخرانه لایلزم الهدایة فی امور المعاد بل یقال ان ذکاء ه ودهاء ه فی المعاش کان بتجلی اسم الهاد+ وبهذا المعنی عمم الهدایة فی القرآن لکل

الورى فقال تعالى اعطى كل شيء خلقه ثم هدى + فائدة اعلم ان تجلي الاسماء على قسمين اضطراري يسمى التكويني + ولا يترتب عليه الثواب والعقاب الشرعي فمن تجلت عليه اسماء الجمال + حصل له شيء من الكمال + عاجلا كان مرضيا لايزال + ومن تجلت عليه اسماء الجلال + اتصف بالنقص والزوال + والقسم الثاني الاختياري ويسمى التشريعي في الكلام + والامر والنهي يتعلقان بهذا المقام + فمن اورد على نفسه التجليات الجمالية يسمى مطيعا + ويستحق ثوابا ومقاما رفيعا + ومن ثم ظهرت عظمة الاحكام الشرعية + حيث ان كل من عمل بها هو ابو الوقت من الصوفية + فاذا شاء ان يتجلي عليه صفة المعبود يصلي ويقوم واذا شاء تجلي اسم الصمدي يصوم + وهذا هو المراد بقوله تعالى فاذكروني اذكركم ولما كان عشق طالبي الجمال متزايداً غير زائل + شرع لبقائه وزيادته النوافل + ومن اورد على نفسه الصفات القهرية بان باشر ما يوجب غضب الحق تعالى يوم الحساب + يسمى عاصيا ويستحق العقاب ومتى غلب الضلال والعصيان + خرج حينئذ عن حقيقة الانسان + ولحق بسائر الحيوان + لكن الصورة لاتتغير في هذه الامة ببركة سيد الانس والجان + ومن قبلنا كانوا يمسخون للذل والهوان + نعم يظهر هذه الصورة بمناسبة الصفات يوم القيامة كما قاله الثعلبي في تفسير القرآن + واليه الاشارة في قوله تعالى اولئك كالانعام بل هم اضل الآية وهذا الحكم الشرعي الذي هو العصيان + مظهر للاسماء الكثيرة عند اهل العرفان + كما يظهر بالطاعة والايمان + ومن عجائب الصنع الالهي انه اراد احيانا ان يتجلى على عبد صفة التواب والرحيم + وانه يتوقف على صدور خطاء صغيرا او عظيما + فيصدر منه الخطاء ولو بالتاويل + وقد يطلع العبد على حقيقة الارادة بالاشارة او الدليل + كآدم عليه السلام لما قيل له يرحمك الله في جواب العطاس + استدل به على الخطر والباس + وقد لا يطلع فيخطي جاهلا + ويذنب غافلا + ثم اذا صدر منه الخطاء تجلي عليه اسم التواب فيتوب + ثم صفة الرحمة فيرحم برفع درجاته ومغفرة الذنوب + وهذا هو السر في زلات الانبياء + ومشاجرات الصحابة وخطيئات الاولياء + فلاتلمهم وكن من البصراء + ولا تخبط خبط عشواء + وقد ينعكس الامر فيوفق للعبادة ثم تورث عجبا + فيهلك كما وقع لابليس قهرا وغضبا + ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب + فيا اهل النظر اعتبروا من قدرته وحكمته العجيب . كيف اختفى القهر في اللطف واللطف في الغضب + تم التلخيص في ثالث شهر رمضان المبارك ۱۳۳۴ھ بعد مضي خمسة عشر سنة من الاصل + ولهذا نفصل حكم الوصل

الفتوح فیما یتعلق بالروح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد و صلوٰۃ جاننا چاہئے کہ روح انسانی کے باب میں ایک قول تو حکماء و صوفیہ
مکاشفین کا ہے کہ وہ ایک جوہر مجرد مدبر بدن ہے اور دوسرا قول اکثر اہل کلام و علماء ظاہر کا
ہے کہ وہ ایک جسم لطیف ہے جو تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے اور اسی سے حیات ہے اور
تیسرا قول اطباء کا ہے کہ وہ ایک بخار ہے جو غذا سے پیدا ہوتا ہے اور باختلاف محل افعال
مختلفہ کا مصدر ہوتا ہے چنانچہ قلب میں اس کے متعلق ابقاء حیات ہے اور اسی اعتبار سے وہ
روح حیوانی سے مسمّی ہے اور کبد میں اس کے متعلق ہضم ہے اور اس اعتبار سے اس کا نام
روح طبعی ہے اور دماغ میں اس کے متعلق احساس و ادراک ہے اور اس مرتبہ میں اس کا
لقب روح نفسانی ہے پھر خود حکماء و صوفیہ میں باہم یہ اختلاف ہے کہ صوفیاء اس کو حادث قبل
حدوث البدن مانتے ہیں اور قدماء حکماء اس کو قدیم مانتے ہیں اور متاخرین حکماء اس کو حادث
بعد حدوث البدن سمجھتے ہیں اور حکماء اپنی اصطلاح میں اس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں اسی طرح
قول دوم و سوم میں گو جسم ماننا دونوں میں مشترک ہے لیکن قول دوم میں اکثر نے تو اس جسم
کے عنصری و غیر عنصری ہونے سے سکوت کیا ہے اور بعض نے تصریح کردی ہے کہ وہ جسم
عنصری نہیں ہے چنانچہ ہمارے علماء میں سے حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے سورہ الم سجدہ
کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے انسان کی جان غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں بنی الخ اور قول
سوم میں اس کا جسم عنصری ہونا مصرح ہے کیونکہ بخار مرکب عنصری ہے پس یہ کل مذاہب
پانچ ہوئے ایک حکماء متقدمین کا کہ جوہر مجرد قدیم ہے دوسرا حکماء متاخرین کا کہ جوہر مجرد
حادث بعد البدن ہے تیسرا صوفیہ مکاشفین کا کہ جوہر مجرد حادث قبل البدن ہے چوتھا علماء
متکلمین کا کہ جسم غیر عنصری ہے پانچواں اطباء کا کہ جسم عنصری ہے اور گو اقوال اور بہت سے

ہیں مگر قابل بحث یہی پانچ ہیں منجملہ ان کے قول اول ودوم کا مبنی محض دلائل عقلیہ ہیں۔ سو اولاً سب ممنوع ومخدوش ہیں جیسا کتب کلامیہ میں مبسوط ہے اور ثانیاً مذہب اول اس لئے باطل ہے کہ قدم خود دلیل نقلی سے باطل ہے جس کی تقریر بوجوہ شتی ہوسکتی ہے یہاں ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ اگر ارواح یا باصطلاح مشہور نفوس قدیم ہوں تو کسی خاص ایسے مسئلہ عقلیہ یا نقلیہ کے اعتبار سے جس کا علم اس کو بعد تعلق بدن کے اکتسابا حادث ہوا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ قبل تعلق بدن اس روح کو اس مسئلہ کا علم قدیم تھا یا اس کا جہل قدیم تھا یا دونوں حادث تھے اس طرح سے کہ ہر علم سے پہلے جہل تھا اور اس جہل سے پہلے علم شق اول پر جب وہ علم قدیم تھا اور قدیم پر طریان زوال وعدم کا محال ہے تو بعد تعلق بدن کے وہ علم کیسے زائل ہوگیا جس میں اکتساب جدید کی احتیاج ہوئی اور شق ثانی پر جہل قدیم ہے اور قدیم پر طریان زوال کا محال ہے تو اس اکتساب جدید سے وہ جہل کیسے منعدم ہوگیا اور شق ثالث پر جب ہر ہر فرد علم اور جہل سے حادث ہے تو مجموعہ علوم وجہالات بھی حادث ہے کیونکہ اس مجموعہ کے اجزاء یہی افراد ہیں اور حدوث اجزاء مستلزم حدوث مجموع کو ہے جب دونوں مجموعے حادث ہیں اور حادث مسبوق بالعدم ہوتا ہے تو جبکہ دونوں مجموعے معدوم تھے وہ روح اس مسئلہ کے علم اور جہل دونوں سے خالی تھی اور یہ ارتفاع نقیضین[1] ہے اور محال۔ پس قدم ارواح جو مستلزم محال کو ہوا وہ باطل ہے پس حدوث حق ہے پس مذہب اول یقیناً باطل ہوا اور مذہب دوم میں حدوث کا حکم تو صحیح ہے اور اس حدوث کا بعد البدن ہونا فی نفسہ ممکن تھا لیکن وقوع یا عدم وقوع اس کا محتاج دلیل ہے سو وقوع جو مدعا ہے حکماء کا اس پر گو انہوں نے دلیل عقلی قائم کی ہے لیکن اس کے مقدمات محض مخدوش ہیں جیسا ورایۃ العصمۃ میں مذکور ہے اور عدم وقوع پر گو کوئی عقلی دلیل قائم نہیں لیکن دلیل نقلی اس حدوث بعد البدن

---

[1] وسمي العلم والجهل نقيضين مجازا انما هما عدم وملكة سميا بهما لتشبيهما بهما لان النقيضين كما يستحيل رفعهما مطلقا كذلك يستحيل رفع العدم والملكة عن المحل القابل الموجود والمحل ههنا موجود يستحيل رفعهما عنه فافهم وان شئت فقصرت المسافة وقلت ان الروح لو كان قديما استحال كون شيء من العلوم الحاصلة له حادثا وقد فرض حادثا وجه الملازمة انه لو كان شيء من العلوم الحاصلة له حادثا لزم كون القديم محلا للحادث وهو محال لان محل الحادث حادث كما تقرر في محله فقط ۱۲ منه)

کے وقوع کا ابطال کرتی ہے چنانچہ حدیث مرفوع میں ہے الارواح جنود مجندۃ رواہ البخاری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حالت میں سب مجتمع تھیں اور ظاہر ہے کہ بعد تعلق بالبدن کے یہ اجتماع جمیع ارواح کا کسی موطن میں اب تک واقع نہیں ہوا پس لامحالہ یہ اجتماع قبل تعلق بالابدان تھا جس سے ثابت ہوا کہ قبل تعلق بالابدان کے موجود ہو چکی تھیں پس حدوث بعد البدن باطل ہوا چنانچہ حاشیہ لمعات میں بھی اس حدیث سے حدوث قبل البدن پر استدلال کیا ہے غرض مذہب اول و ثانی باطل ٹھہرے اب باقی رہ گئے تین مذہب اخیر یعنی تیسرا اور چوتھا اور پانچواں سو تیسرے مذہب کی دلیل کشف ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی دلیل شرعی کے مخالف نہ ہو تو صحت کو محتمل ہے ورنہ نہیں اور یہ کشف مخالف نہیں ہے کسی دلیل شرعی کے جیسا عنقریب واضح ہوتا ہے پس محتمل صحت ہوا اور پانچویں مذہب کی دلیل مشاہدہ ہے جو کہ شرعاً حجت ہے اور اگر وہ کسی دلیل شرعی کے ظاہراً مخالف ہو تو دلیل شرعی میں تاویل واجب ہوتی ہے لیکن یہاں یہ مخالفت نہیں ہے جیسا عنقریب نیز واضح ہوتا ہے اور چوتھے مذہب کی دلیل ظاہر نصوص شرعیہ ہیں چنانچہ سورہ سجدہ میں ہے ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ اس سے معلوم ہوا کہ روح منفوخ ہے اور منفوخ کا جسم ہونا ضروری ہے لیکن وہ غیر ہے مسوی کا اور مسوی جسم عنصری ہے پس جسم عنصری کا غیر ہوا اور جسم ہونا منفوخ ہونے سے ابھی ثابت ہوا پس جسم غیر عنصری ہوا اور یہ معنی مغایرت کے ظاہری ہیں ورنہ فی نفسہ احتمال یہ بھی ہے کہ باوجود عنصری ہونے کے مغایرت محض مصداق میں ہو مگر ظاہر ہونا اس کا اس وجہ سے ہے کہ اگر یہ عنصری ہوتا تو تسویہ کا متعلق اس کو بھی ٹھہرانا ظاہراً مناسب تھا پس آیت اس مدعا میں ظنی الدلالۃ ہوئی جو مسئلہ ظنیہ میں دلیل کافی ہے اور سورہ مومنون میں بعد علقہ و مضغہ و کسوۃ عظام باللحم کے فرمایا ثم انشاناہ خلقا آخر جس سے مراد یقیناً نفخ روح ہے اور علقہ وغیرہ عنصری ہوگا اور جسم ہونا اوپر ثابت ہو چکا پس جسم غیر عنصری ہونا ثابت ہو گیا اور نیز دوسری مخلوقات کے بارے میں ارشاد ہوا ہے واللہ خلق کل دابۃ من ماء اور فرمایا ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین اور فرمایا خلق الجان من مارج من نار اور ملائکہ کو حدیث میں مخلوق من النور فرمایا رواہ مسلم پس ان نصوص میں ان مخلوقات کا مادہ

سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے مظنون یہ ہے کہ بدن انسانی کے ساتھ تینوں متعلق ہیں اس طرح سے کہ روح بمعنی جوہر مجرد کا تعلق بدن سے بواسطہ روح بمعنی جسم غیر عنصری کے ہے اور روح بمعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بواسطہ روح طبی بمعنی جسم عنصری کے ہے اول کا فعل بدن میں بواسطہ ثانی کے ہے اور ثانی کا فعل بواسطہ ثالث کے ہے موت کے وقت جب ثالث کا تعلق منقطع ہوتا ہے اور وہ بدن سے نکل جاتی ہے ثانی بھی نکل جاتی ہے اور اس ثانی کے نکلنے سے اول کا فعل اور تصرف بھی مفارق ہو جاتا ہے اور بعد خروج یہ ثالث عناصر میں مل جاتی ہے جیسا کہ اصل میں جزء عناصر ہے اور ثانی عالم برزخ میں باقی رہتی ہے جو کہ ایک مکان ہے جس کا بیان آگے آتا ہے جیسا قبل تعلق بدن بھی وہاں ہی تھی اور اول چونکہ مجرد ہے اس لئے وہ کسی مکان میں نہیں کیونکہ مکان خواص مادہ و مادیات سے ہے اور قبل تعلق بالبدن بھی اسی طرح وہ مکان میں نہ تھی اس لئے اس کو لا مکانی کہتے ہیں اور مجازاً یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ لا مکان میں رہتی ہے اور صوفیہ نے لطائف کی بحث میں اس کی نسبت اسی معنی کو کہا ہے کہ فوق العرش ہے جس کے معنی یہ نہیں کہ عرش کے اوپر رہتی ہے بلکہ چونکہ عرش منتہی ہے امکنہ ثابتہ بالدلیل کا اور یہ امکنہ سے مجرد ہے اس لئے فوق العرش کنایہ ہے غیر مکانی ہونے سے اور اسی لامکان کا لقب حدیثوں سے عماء بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس سوال پر کہ این کان ربنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فی عماء فرمایا اور یہ ظاہر ہے کہ مکان ذات باری تعالیٰ سے منفی ہے پس عماء لامکان[1] ہی کو فرمایا پس معنی جواب کے یہ ہوئے کہ وہ قبل خلق خلق بھی منزہ مکان سے تھا جیسا کہ اب منزہ ہے فہو الآن کما کان پس سوال ہی این سے باعتبار معنی ظاہری کے صحیح[2] نہیں اور یہ معنی نہیں کہ لامکان کسی مکان کا نام ہے جیسا

---

[1] فی القاموس عماہ تعمیۃ صیرہ اعمیٰ ومعنی البیت اخفاہ والعماء الغوایۃ واللجاج والاعما الجہال جمع اعمی واغفال الارض التی لا عمارۃ بہا والعماء السحاب المرتفع والکثیف او الممطر او الرقیق او الاسود او الابیض اہ قلت والقدر المشترک بین الابنیۃ وھو اصل معنی المادۃ الستر والخفاء فصح ارادۃ اللامکان بہ وفی اللمعات وروی عمی بالکسر ومعناہ لیس معہ شیء ۱۲ منہ

[2] اور یہ صحابہ چونکہ فقیہ تھے اس لئے یہ جواب دیا گیا اور ایک جاریہ سے آپ نے خود پوچھا ہے این اللہ کیونکہ وہ مخفی عالی تھی ۱۲ منہ

عوام سمجھتے ہیں اور چونکہ محدود ہونا خواص مکان سے ہے اور اس لئے لامکان محدود نہیں ہوسکتا لہٰذا اس کے غیر محدود ہونے کو مافوقہ ہواء وماتحتہ ہواء سے تعبیر فرمایا یہاں ہواء بمعنی خلاء کے ہے جیسا قرآن میں ہے افئدتھم ھواء تو یہ لفظ بھی عماء سے متقارب المعنی ہے پس یہ کلام اس قوت میں ہوا فی لامکان فوقہ لامکان وتحتہ لامکان لا بمعنی ان اللا مکان اسم شئی موجود بل بمعنی ان لیس فوقہ مکان ولاتحتہ[1] مکان اور اس کو فوق اور تحت کہنا باعتبار صورت عنوان کے مجازاً ہے جیسا عماء کا ظرف ہونا بھی جو کہ مدلول فی کا ہے ایسا ہی ہے اور باعتبار حقیقت معنون کے معنے مقصود نفی ہے فوق وتحت[2] کی اور ہر چند کہ اکثر متکلمین نے ممکنات میں مجرد کے پائے جانے سے انکار کیا ہے بلکہ بعض نے قائلین بوجود المجرد کی تکفیر تک کی ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ نفس تجرد کے ابطال پر کوئی دلیل نہیں البتہ مجرد کا قدم یہ بیشک باطل ہے عقلاً بھی نقلاً بھی اور تجرد کے ابطال کی دلیل جو انہوں نے بیان کی ہے کہ تجرد اخص صفات باری تعالیٰ سے ہے اس لئے اس میں دوسرا مشارک نہیں ہوسکتا اور اسی بنا پر تکفیر بھی کی ہے سو خود یہ مقدمہ ممنوع ہے بلکہ ممکن ہے اور واقع میں صحیح بھی ہے کہ اخص صفات صرف وجوب بالذات اور قدم مطلق ہے پس اگر کوئی کسی ایسے مجرد کا قائل ہو جو ممکن اور حادث بمعنی مسبوق بالعدم الواقعی ہو تو اس میں کیا حرج ہے پس معلوم ہوا کہ ان تینوں مذاہب میں تعارض ثابت نہیں اور اگر کوئی حکیم یا طبیب تعارض کا قائل ہو اگر مدلول نصوص کی نفی کرے تو اس پر واجب ہوگا کہ تعارض یا نفی پر دلیل قائم کرے جس پر قیامت تک بھی قادر نہ ہوگا رہی یہ بات کہ ثواب وعقاب کس روح کو ہوگا قبر میں بھی اور آخرت میں بھی سو روح طبی تو اوپر معلوم ہوچکا کہ وہ عناصر میں مل گئی اور اس پر عقاب وثواب گو ممکن ہے مگر کہیں مذکور نہیں اس واسطے قائل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ مورد ثواب وعقاب نہیں کیونکہ ممکن

---

[1] وفی اللمعات قوله وما تحته هواء كناية عن مانه ليس معه شيء لو قيل هو تتميم لدفع توهم المكان فان الغمام المتعارف يستحيل وجوده بدون مكان ۱۲ [2] لان الهواء بمعنى اللامكان نفي للمكان وقيد بالفوق والتحت وظاهر ان اللامكان لكونه مفهوما عدميا لا يوصف بالفوق والتحت فكان معنى قوله فوقه لامكان اي ليس فوقه مكان بانتفاء القيد والمقيد كليهما اي لامكان ولا فوق ۱۲ منه

ہے کہ وہ مستحیل ہو کر پھر غذا بنے پھر اس غذا سے کسی دوسرے متغذی کے بدن میں بخار لطیف پیدا ہو اور اس شخص کے اعمال پہلے شخص کے خلاف ہوں پھر یہ مرجائے تو لازم آئے گا روح واحد کا معذب و متنعم ہونا اور یہ باطل ہے نیز اس روح کا ہمیشہ گھٹنا بڑھنا حرکت سے تحلیل ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے اور روح مذکور فی الشرح کا (جس پر عذاب وثواب کا ذکر آیا ہے) بقا نصوص سے معلوم ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ بخار مورد ہے عذاب نہیں ثواب نیز یہ بخار یہاں ہی رہ جاتا ہے اور روح شرعی کو ملائکہ کا لے جانا وارد ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے گو یہ احتمال بعید باقی ہے کہ اس بخار میں کا کوئی ذرہ یا چند ذرات اول سے آخر تک بدن انسانی میں باقی رہتے ہوں اور روح غیر عنصری کے ساتھ ملائکہ اس کو بھی لے جاتے ہوں اور اس وجہ سے یہ ذرات دوسرے بدن میں نہ پہنچ سکتے ہوں لیکن بلا دلیل ہم نہ اس کے معتقد ہوں گے اور نہ اس نفی کو مدلول شرعی قطعی کہیں گے واللہ اعلم البتہ ظاہر یہ ہے کہ یہ مورد نہیں اب دو روحیں باقی رہ گئیں ایک غیر عنصری دوسری مجرد سوایسا مظنون ہوتا ہے کہ دونوں مثاب و معاقب ہیں لیکن غیر عنصری کو تو ثواب وعقاب حسی ہوتا ہے اور مجرد کو ثواب و عقاب عقلی ہوتا ہے قبر میں بھی اور آخرت میں بھی اور غالباً اب یعنی دنیا میں بھی کسی راحت وکلفت پہنچنے کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ دونوں متالم و متنعم ہوتی ہیں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اب رہی یہ بات کہ ان دونوں روحوں کا تالم وتنعم بواسطہ تعلق بدن کے ہے یا بلا واسطہ سو ممکن تو دونوں امر ہیں لیکن نصوص سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد موت کے اس روح بمعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے اب یہ کہ وہ کونسا بدن ہے آیا یہی بدن دنیوی یا اور کوئی بدن تو اس کی کوئی ایسی تصریح وارد نہیں جس میں احتمال مخالف کا نہ رہے لیکن مظنون یہ ہے کہ وہ دوسرا بدن ہے جیسا حدیثوں میں اجواف طیر خضر وغیرہ آیا ہے اس بدن کو اہل کشف بدن مثالی[1] کہتے یعنی وہ بدن اسی بدن کی مثل یعنی خاص خاص صفات وکیفیات میں اس کے مشابہ ہے اور بعض حدیثوں سے اس کا زیادہ پتہ لگتا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے

[1] اس مثال سے وہ مراد نہیں جو لفظ عالم مثال میں مثال سے مراد ہے جس کی تحقیق کلید مثنوی میں کسی قدر کی گئی ہے ۱۲ منہ

کہ آدم علیہ السلام کو ان کے پیدا کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ نے مٹھی کھول کر دکھا دی فاذا فیہا آدم و ذریتہ[1] رواہ الترمذی اور ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام عالم جس میں موجود تھے پھر مٹھی میں کون سے آدم تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس بدن کے علاوہ کوئی دوسری چیز بھی ہے اور اس دوسری چیز کو آدم کہہ جس سے مراد بدن مع الروح ہے سو بدن تو یقیناً متعدد ہوا رہی روح سو ممکن ہے کہ ایک ہی روح دونوں بدن سے متعلق ہو چنانچہ حدیث معراج سے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو آپ نے متعدد جگہ دیکھا ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابدان مختلف تھے اور ایک روح سب کی مربی تھی اسی وجہ سے دوسرے بدن کو بھی اسی نام سے مسمی کیا گیا رہا یہ کہ ایک روح دو بدن کے ساتھ کس طرح متعلق تھی سو اس کے چند طرق ہو سکتے ہیں ممکن ہے کہ ایک میں ساری ہو نافذ ہو اور دوسرے میں روحانی قوت سے متصرف ہو اور ممکن ہے کہ دونوں میں روح غیر عنصری کے کچھ کچھ اجزا ہوں اور ان دونوں میں روح مجرد تصرف کرتی ہو کہ کبھی ان کو جمع کر دے کبھی متفرق نیز بعض اولیاء کو ایسے واقعات حیات دنیا میں بھی پیش آ گئے ہیں پس جب بدن متعدد ہوا بدن مثالی کا وجود ثابت ہو گیا اور کیا عجب کہ میثاق کے وقت یہی ابدان ہوں البتہ بعض احادیث میں رد روح الی الارض و عود فی الجسد آیا ہے جس سے اسی بدن دنیوی کے ساتھ تعلق اور بدن مثالی سے عدم تعلق متبادر ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ سوال کے وقت وہ روح بدن مثالی کے اندر ہو کر ارض کی طرف بھیجی جاتی ہو اور اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ کو ایک گونہ متعلق کر کے سوال اسی روح و بدن مثالی سے ہوتا ہو مگر یہ تعلق عادۃً کسی حکمت سے اسی وقت مشروط ہو جبکہ جسد عنصری باقی ہو اور اگر وہ متفرق و متلاشی ہو گیا ہو تو سوال وغیرہ اسی مجموعہ روح و بدن مثالی سے ہو جاتا ہو خواہ ارض میں یا غیر ارض میں پھر بعد سوال اس روح کا پھر آسمان کی طرف لے جایا جانا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سب ارواح مطلق ہے کیونکہ آخر ان سے بھی یقیناً کبھی سوال ہوا تھا اور برزخ مومنین کا یہی مکان ہے چونکہ آسمان پر ہے کہ یہ علیین جیسا کہ برزخ کفار کا ارض سفلی میں

---

[1] و بتامہ ما قلت ب فی بعض الحواشی علی قولہ لقد فیہا آدم و ذریتہ ای مثال آدم و مثال ذریتہ علی ما قال حسب ۱۲ منہ

متمثل کہلاتا ہے جیسے ملائکہ کو ہوتا ہے جبکہ اس عالم میں نظر آتے ہیں قال اللہ تعالیٰ فتمثل لہا بشرا سویا اور تناسخ گو عقلاً قصاری الوجود عدم ہے کیونکہ اس کے وجوب پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں نہ اس کے امتناع پر لیکن نقلاً ممتنع ہے لقولہ تعالیٰ قالوا ربنا امتنا اثنتین الخ فلو صح التناسخ لما صح کون الاماتۃ اثنتین والا الاحیاء اثنتین فافہم۔

خلاصہ مجموعہ تقریر کا یہ امور ہوئے بعض قطعاً بعض ظناً بعض احتمالاً۔

امر اول: مذاہب روح کے بارہ میں پانچ ہیں نمبر ۱۔ قول حکما متقدمین کا کہ جوہر مجرد قدیم ہے نمبر ۲۔ قول حکما متاخرین کا کہ جوہر مجرد حادث بعد البدن ہے۔ نمبر ۳۔ قول صوفیہ محققین کا کہ جوہر مجرد حادث قبل البدن ہے۔ نمبر ۴۔ قول علماء متکلمین کا کہ جسم غیر عنصری ہے۔ نمبر ۵۔ قول اطباء کا کہ جسم عنصری ہے۔

امر دوم: باطل ان مذاہب میں سے ہیں قول نمبر ۱ قول نمبر ۲۔

امر سوم: حق ان مذاہب میں سے ہیں قول نمبر ۳ قول نمبر ۴ قول نمبر ۵

امر چہارم: اقوال نمبر ۳ و نمبر ۴ و نمبر ۵ میں روح کے جو معنی مصداق ہیں تینوں حادث ہیں۔

امر پنجم: یہ تینوں بدن متعلق سے متعلق ہیں نمبر ۳ بواسطہ نمبر ۴ کے اور نمبر ۴ بواسطہ نمبر ۵ کے۔

امر ششم: نمبر ۴ و نمبر ۵ جسم اور مکانی ہیں اور نمبر ۳ مجرد اور غیر مکانی ہے۔

امر ہفتم: بعد موت کے نمبر ۵ عناصر میں مل جاتی ہے اور نمبر ۴ برزخ میں رہتی ہے اور نمبر ۳ بحالہ غیر متمکن ہے۔

امر ہشتم: ثواب و عقاب برزخ میں نمبر ۳ و نمبر ۴ کو ہوتا ہے۔

امر نہم: ان کا تالم و تلذذ برزخ میں بواسطہ بدن مثالی کے ہوتا ہے۔

امر دہم: آخرت میں پھر یہ روحیں یعنی نمبر ۳ نمبر ۴ نمبر ۵ بدن عنصری سے متعلق ہو جاویں گی۔ واللہ اعلم۔

الحمد للہ کہ تحریر رسالہ ہذا کی ۲۳ محرم ۱۳۳۰ ہجری کو مقام گلاؤٹھی میں
ختم ہوئی اور تسوید اس کی رسالہ قصد السبیل کے ساتھ ہوئی تھی
اتفاق وقت سے تبییض میں اس قدر توقف ہوا والخیر فیما وقع۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

عرفان حافظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ خاکپائے طالبان خدا و سالکان راہ ہدیٰ مظہر مدعا ہے کہ کتاب لطیف دیوان حافظ کو جو اکثر عوام و خواص میں ایک خاص مقبولیت حاصل ہے ظاہر ہے میرے دل میں خود بھی خیال تھا اور بعض احباب کے اشارہ سے وہ خیال اور زیادہ مؤکد ہوگیا کہ اس کے جو اشعار متضمن تحقیقات یا حالات باطنی میں ان کی مختصر اور سہل طور پر توضیح کردی جائے اور جو اشعار محض شاعرانہ نکات و لطائف پر مبنی ہیں ان کا حل غرض خاص کی تکمیل و تحصیل میں دخیل نہیں سمجھا گیا الا نادراً لفائدۃ ما اور چونکہ حافظ قدس سرہ بوجہ صاحب حال ہونے کے ان اشعار خاصہ میں بیشتر حقائق و معارف بیان فرماتے ہیں اس لئے اس مجموعہ پریشان کا نام عرفان حافظ رکھنا زیادہ موزوں معلوم ہوا۔

یہ امر بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ دیوان کے اشعار اجزاء غزل ہیں لہٰذا ان میں باہم ارتباط و تناسب مضمون ضروری نہیں فباللہ احول و بقتہ یا قول۔

قال الحافظؒ ۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا	کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ساقی شراب پلانے والا مراد محبوب حقیقی ۔کاس پیالہ شراب مراد جذب عشقی یعنی ادھر متوجہ ہو کر اے محبوب حقیقی دور دیجئے پیالہ (جذب عشقی) کو اور (اس دور میں) وہ پیالہ مجھ کو بھی دے دیجئے یعنی مجھ کو اپنی طرف متجذب کرلیجئے) کیونکہ (راہ) عشق (کا سلوک) اول اول آسان معلوم ہوا تھا (چونکہ اس کے عقبات نہ دیکھی تھیں) لیکن (سلوک کے وقت) بڑی بڑی مشکلیں واقع ہوئیں (جن سے راہ قطع ہونا دشوار ہوگیا سو آپ کے جذب سے یہ سب مشکلیں سہل ہو جائیں گی۔

توقف وصول بر جذب

اس شعر میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ سلوک محض بلا جذب کے وصول الی المقصود میں کافی نہیں ہوتا۔ اور سلوک اور جذب کے معنی کوئی شخص ہوش اور بیہوشی سے نہ سمجھ جاوے بلکہ سلوک کہتے ہیں مقامات یعنی اخلاق باطنہ کی اصلاح کو مع پابندی اعمال ظاہرہ کے اس سے نسبت باطنی کے حاصل ہو جانے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہوتی ہے لیکن نسبت باطنی کا بالفعل حاصل ہو جانا یہ باختیار سالک نہیں ہے محض فضل الٰہی پر موقوف ہے پس وہ فیض غیبی و عنایت حق جس سے یہ نسبت حاصل ہو جائے جذب کہلاتا ہے اور اسی نسبت کو وصول الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ غرض سلوک اختیاری ہے اور جذب غیر اختیاری خوب سمجھ لو اسی مضمون کو کسی نے اس طرح تعبیر کیا ہے ؎

کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا	نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا

قال ؎

ز تاب جعد مشکینش چہ خون افتاد در دلہا	بوئے نافہ کآخر صبا زاں طرہ بکشاید

(بوئے امید۔ طرہ کھلے ہوتے بال۔ جعد گندھے ہوئے بال۔ لفظی مدلول یہ ہے کہ) بامید اس نافہ (یعنی خوشبو) کے جس کو آخر (کبھی نہ کبھی تو) باد صبا اس طرہ سے کھولے (اور پھیلائے) گی (اس امید پر) محبوب کے جعد مشکین کے پیچ و تاب کی وجہ سے کیسے کیسے خون قلوب میں پڑے ہیں (اور عشاق ان کو اس خوشبو کی امید پر کہ وہ بھی ایک گونہ قرب و وصال ہے جھیل رہے ہیں)

قبض و بسط

اور بعض اہل اشارہ جعد سے مراد واردات سالک کا بند ہونا جس کو قبض کہتے ہیں اور طرہ سے مراد ان واردات کا نازل ہونا جس کو بسط کہتے ہیں اور ان واردات و مرتبہ قبض میں جعد سے اور مرتبہ بسط میں طرہ سے تعبیر کرنا نہایت لطافت و رعایت شاعرانہ بھی ہے۔ اور صبا سے مراد فیض مرشد ہے جو واسطہ ہے ایصال واردات و برکات الہیہ کا۔ پس اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ قبض میں سالک کو ناامید و دل شکستہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں ایک ظاہر مصلحت جو ہر قبض میں مشترک ہے یہ ہے کہ قبض

سے سالک کو ایک خاص انکسار اور شکستگی اور اپنے کو محض ہیچ اور ناچیز اور ذلیل اور حقیر سمجھنا اور عجب و پندار کمال کا قطعاً نظر اور التفات سے اٹھ جانا یہ امور بلا مجاہدہ حاصل ہو جاتے ہیں سو یہ خود حقیقی بڑی دولت ہے اسی لئے بعض محققین کا قول ہے کہ قبض ارفع ہے بسط سے یعنی اس وجہ خاص سے پس اس حالت میں نا امید اور پریشان نہ ہو بلکہ اس پر صبر کرے اور راضی رہے اور امید رکھے کہ جب میرے لئے مصلحت ہوگی بسط ہو جائے گا کہ وہ بھی قرب کی ایک خاص صورت ہے جیسا کہ قبض بھی من وجہ قرب ہے۔ اور نسبت الی الصبا میں اشارہ ہے کہ قبض میں مرشد کی طرف رجوع کرے کیونکہ قبض کے علل و آثار و مصالح و طرق بسط یا اس قبض کا عین بسط یعنی حکمت میں مثل بسط ہونا یہ سب مراتب مرشد سے حل ہوتے ہیں۔ نیز اس سے لازم آ گیا کہ سالک قبض میں اپنی رائے پر ہرگز عمل نہ کرے ورنہ بہت سے اسمیں صورۃً یا معنیً ہلاک ہو چکے ہیں۔ قبض کے باب میں یہ مضمون مولانا کے کلام میں زیادہ مصرح ہے۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو	آن صلاح تست آئیس دل مشو
چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بین	تازہ باش و چین میفگن بر جبین

قالؒ

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید	کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

(مے شراب مراد وہ امر مباح جو طریقت کے خلاف معلوم ہو اور قابل احتراز ہو باوجود مباح شرعی ہونے کے طریقۃً مستر زعنہ ہونے کے وصف کے سبب شراب سے تشبیہ دے دی مطلب یہ ہے کہ) مے میں سجادہ رنگین کرنا گو سخت امر منکر ہے لیکن) اگر تجھ کو پیر مغان (یعنی مرشد) بتلاوے تو عمل کیجئے کیونکہ جو شخص راہ چلا ہوا (اور راہ دیکھا ہوا) ہے وہ منازل کے طرق اور آثار سے بے خبر نہیں ہوتا (طرق رستہ اور رسم جو راہ پر نشان بنے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر راستہ چلتے ہیں)

اطاعت شیخ در سلوک

اسی طرح اگر مرشد مستر شد کو کوئی ایسا امر بتلا دیں جو شرعاً تو جائز تھا لیکن بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے تو سالک کو چاہئے کہ اس کو مضر سلوک نہ سمجھے بلکہ اس

پر عمل کرے کہ وہ واقع میں مضرت نہ ہوگا بلکہ مفید ہوگا کیونکہ شیخ کو اس کے نشیب و فراز کا زیادہ تجربہ ہے۔ تفہیم کے لئے ایک مثال عرض کرتا ہوں مثلاً کسی سالک کو قبض ہوا اور شیخ نے اپنی بصیرت و تجربہ سے پہچان لیا کہ تکثیر اشغال اور ضعف و ملال طبیعت کا اس کا سبب ہوا ہے شیخ نے امر فرمایا کہ برائے چندے شغل بالکل چھوڑ دو اور طبیعت کو راحت دو اور احباب میں بیٹھ کر مزاح و مطائبہ سے فرحت حاصل کرو اور اکثر حصہ شب کا سوؤ اور خوب لذیذ کھانے کھاؤ تو بظاہر یہ امور خلاف طریقت معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں عین طریقت ہیں کیونکہ علت قبض کا اس میں علاج بالضد ہے کہ ملال اور ضعف کا علاج نشاط و تقویت ہے اس علاج سے بسط ہو جائے گا اور ذکر و شغل اطمینان سے ہوگا تو درحقیقت شیخ نے شغل ترک نہیں کرایا بلکہ شغل کے دوام کا سامان کیا ہے۔ تنبیہ۔ یاد رکھو کہ بمی سجادہ رنگین کن میں تشبیہ المفرد بالمرکب ہے اجزاء مرکب کے جدا جدا مشبہ بہ نہیں۔ اور مغان لغت میں آتش پرستوں کو کہتے ہیں چونکہ اہل فارس اصل میں آتش پرست تھے اس لئے فارسی زبان میں وہی محاورے آگئیں گے لیکن مراد محض معنی مجازی ہوں گے اور سالک جو شیخ کو کہہ دیا ہے اس کے معنی آتک سلوک میکدہ نہیں بلکہ آتک سلوک کردہ و فارغ شدہ باشد ہیں۔ اور احقر نے جو تفسیر بمی سجادہ رنگین کن کی کی ہے قرینہ اس کا ظاہر ہے کہ جس فن کا یہ مضمون ہے اسی فن کے اعتبار سے جو امر متکرر ہو وہ متعین الارادہ ہے معنی لغوی لینا بالکل فن سے خارج ہو جاتا ہے خوب سمجھ لو۔ قال"

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم	جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا

(منزل جاناں مقام و حال باطن۔ جرس اثر ارشاد عرفاء اور شوق قلب مراد ہے کہ) مجھ کو کسی مقام یا حال باطنی میں امن وعیش (یعنی استقرار و سکون) کیونکر حاصل ہو جبکہ ہر وقت قلب میں جو عارفین کے (اس) ارشاد کا اثر ہے (کہ سالک کو کہیں توقف نہ کرنا چاہئے) اور شوق قلب بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہاں محمل (کجاوہ) لادو اور سفر کرو۔

طلب ترقی در باطن

اس میں تعلیم ہے کہ کسی خاص حالت باطنی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر دم طالب مزید ہو عمل وسعی سے بھی توجہ اور ارادہ سے بھی اور دعا و التجا سے بھی مولانا نے بھی اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے۔

اے برادر بے نہایت درگہی است	ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

تنبیہ۔ عادت تھی کہ کوچ کے وقت جرس بجاتے تھے جیسے اسٹیشن پر گھنٹی بجتے دیکھی ہوگی۔ قال"

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں ہائل	کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

(اس میں بیان ہے حال حیرت کا اور شکایت ہے مع ایک گونہ عذر معترضین اور ملامت گروں کے) یعنی ہماری حالت (حیرت میں) ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ورطہ ہولناک (میں کشتی آ گئی) ہو تو ہمارے (اس) حال کی ان لوگوں کو کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارہ پر کھڑے ہیں (جنہوں نے دریا میں قدم بھی نہیں رکھا)

حالت حیرت

مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی عقبۂ باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ جائے تو اس کے افعال واقوال پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں مگر یہ اعتراض خود دلیل اس کی ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گزری پس ان کے ناواقف ہونے کا اور مبتلائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر نہ ہونے کا جتلانا مقصود ہے۔ رہے واقف اور عارف لوگ وہ اس پر رحم کرتے ہیں اور اس کی دستگیری کرتے ہیں۔
تنبیہ اس میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے۔ قال"

ہمہ کارم زخود کامی بہ بدنامی کشید آخر	نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(خود کامی استعجال وصل) یعنی جلدی کامیاب ہو جانے کے تقاضے کی بدولت میرے کام کا انجام یہ ہوا کہ تمام میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدبیریں پوچھنے لگا جس میں اظہار راز محبت کرنا پڑا اب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لئے مجمع کیا جائے (جیسے میں نے مجمع کر لیا)

ضرر استعجال در حصول مقصود

اس میں یہ جتلا دیا کہ سالک کو استعجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے

کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت وطمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل کی تخصیص بھی نہیں رکھتا ہر کس وناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اس کا مخفی حال معلوم ہو جاتا ہے اور مخفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی سے مذموم ہے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہرجائی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ وشفقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی اور شیخ کی عنایت ولطف بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس سے پریشانی اور بدحقی ہے غرض ظاہرا اور باطنا ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز تقاضا اور جلدی نہ مچائے اور غیر مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔ قالؒ

حضوری گرہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ	متی ماتلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

یعنی اگر تم (محبوب حقیقی کے دربار میں) حضوری (اور قرب وقبول) چاہتے ہو تو اس سے غائب (یعنی دل سے غافل) مت ہو (بلکہ اس کی طرف متوجہ رہو) اور جب ملاقات کرو اپنے محبوب سے (یعنی اس کے طرق لقاء میں کہ عبارت ہے عبادت سے مشغول ہو) تو دنیا کو چھوڑ دیا کرو (یعنی قصداً دنیا ومافیہا کی طرف اس وقت التفات مت کیا کرو)

طریق وشرط نفع ذکر وعبادت

اس میں تعلیم ہے ذکر وعبادت پر دوام کرنے کی اور اس ذکر وعبادت کے نفع کی شرط کی کہ اس وقت قصداً غیر اللہ کو مستحضر نہ کرے کہ مفوت نفع ہے اور بلا قصد اگر آئے تو اصلاً مضر نہیں اور بکر ذکر کی طرف متوجہ ہو جانے سے وہ آیا ہوا خیال از خود دفع ہو جاتا ہے قصداً دفع کرنے کی ضرورت نہیں اور دفع بھی نہیں ہوتا اور اگر توجہ ذکر سے بھی دفع نہ ہو تو اصلاً پرواہ نہ کرے کیونکہ امر غیر مضر قابل اہتمام نہیں ہوتا ورنہ اس کے درپے ہو جانے سے پھر وہ پورا وبال جان ہو جاتا ہے۔

غزل ۔ قالؒ

ای فروغ ماہ حسن از روی رخشان شما	آبروی خوبی از چاہ زنخدان شما

فروغ وآبرو بمعنی رونق متقارب۔ حسن وخوبی مترادف۔ روی رخشان وچاہ زنخدان عبارت از ذات باعتبار اتصاف بکمالات۔ ماہ حسن باضافۃ مشبہ بہ سوی مشبہ مثل لجین الماء۔

مطلب ظاہر ہے کہ حسن جو مشابہ چاند کے ہے اور خوبصورتی ان کی رونق اے محبوب تمہارے روئے رخشان اور چاہ زنخدان کی بدولت ہے یعنی تمہارا رخ اور زنخ حسن کا محتاج نہیں بلکہ خود حسن تمہارے رخ اور زنخ کا محتاج ہے۔

تحقیق ارتباط بین الذات والصفات

احقر کے ذوق میں یہ شعر اشارہ ہے ایک مسئلہ متعلقہ ذات وصفات کی تحقیق کی طرف اس کی تقریر سے پہلے ایک مقدمہ سمجھ لینا چاہئے وہ یہ کہ ذات وصفات کے درمیان وجہ ارتباط کے باب میں چند اقوال ہیں۔ عینیت محضہ کل میں اور عینیت بعض میں اور غیریت بعض میں۔ اور لاعینیت۔ اور لاغیریت کل میں اور یہی مذہب اخیر منسوب ہے عامہ اہل سنت کی طرف جس کا حاصل یہ ہے کہ صفات کا قیام ذات کے ساتھ اس طور پر ہے کہ وہ زائد علی الذات ہیں لیکن لازم و ممتنع الانفکاک ہیں زیادۃ علی الذات کو لاعینیۃ سے تعبیر کیا گیا اور لزوم کو اصطلاحاً لاغیریت کہہ دیا گیا اور ظاہر صیغ واردہ فی النصوص سے زیادہ ہی مفہوم ہوتی ہے اور لزوم خود امر عقلی ہے لہٰذا مذہب منصور یہی ہے اور صوفیہ کا عین کہہ دینا چونکہ مبنی بر اصطلاح ہے اس قول کے منافی نہیں۔ جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا تو اب سمجھو کہ اس قول پر ظاہراً ایک اشکال واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ اس قول پر دو امر لازم آتے ہیں ایک یہ کہ صفات محتاج ہوں ذات کی طرف اپنے قیام میں سو اس کا تو کوئی مضائقہ نہیں اور دوسرے یہ کہ ذات محتاج ہو صفات کی طرف اپنے متصف بالکمال ہونے میں مثلاً **لولا صفة العلم لما كان الذات عالما موصوفا بالكمال العلمي** وقس علیہ سائر الکمالات اور احتیاج ذات کی کسی دوسری شیء کی طرف محال ہے کیونکہ احتیاج مستلزم ہے امکان وحدوث کو جو کہ واجب میں محال ہے جب قول بزیادۃ الصفات مستلزم ہوئی احتیاج ذات الی غیرہا کو اور مستلزم محال کو محال ہے پس قول بالزیادۃ محال ہے اس اشکال کا بعض اکابر نے یہ جواب دیا ہے کہ مطلق احتیاج کا استحالہ غیر مسلم ہے البتہ احتیاج الذات الی غیر صفاتہا محال ہے سو وہ لازم نہیں آیا اور جو لازم آیا وہ محال نہیں لیکن اس سے اقرب اور اصوب جواب وہ ہے جس

کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ ہم اسی کو نہیں مانتے کہ اس سے ذات میں احتیاج لازم آتی ہے جیسا کہ تقریر مطلب میں لکھا گیا ہے کہ تمہارا رخ اور زنخ (یعنی ذات) حسن کا (یعنی صفات کا) محتاج نہیں بلکہ خود حسن تمہارے رخ اور زنخ کا محتاج ہے یعنی صفات کو تو ذات کی طرف اپنے قیام میں احتیاج ہے لیکن ذات کو صفات کی طرف احتیاج نہیں اور اس کی دلیل میں یہ کہنا کہ **لو لا صفة العلم** الخ سو اس سے احتیاج لازم نہیں آتی کیونکہ احتیاج کے لئے تقدم محتاج الیہ کا لازم ہے اور یہاں تحقق صفت علم کا تقدم اتصاف بالکمال العلمی پر غیر مسلم ہے کیونکہ تقدم وتاخر کے لئے متقدم ومتاخر کا متغائر بالمفہوم ہونا لازم ہے اور یہاں تغائر نہیں ہے کیونکہ تحقق صفۃ علم خود اتصاف بالکمال العلمی ہی ہے جیسا کہ بدیہی ہے پس دونوں عین ہوئے اور عینیت کے بعد تقدم کے قائل ہونے سے تقدم الشی علی نفسہ لازم آئے گا جو کہ محال ہے پس تقدم تحقق صفۃ علم کا اتصاف بالکمال العلمی پر محال ہوا جو بناء تھی احتیاج کی پس احتیاج لازم نہ آئی وہو المطلوب بلکہ خود یہ کہنا **لو لاصفة العلم** الخ اگر بناء علی الاطلاق العرفی توسعاً وتناولاً ہے تو اصطلاح میں مناقشہ نہیں اور اگر تحقیقاً ہے تو غلط ہے کیونکہ ایک شئے اور اس کے عین میں لولاہ لامتنع کا حکم باطل ہے بخلاف کمالات ممکنات کے کہ وہاں گو احتیاج کی حقیقت یہ نہیں ہے لیکن خود اصل صفات ان کی مستفاد ہیں غیر سے اور حق تعالیٰ کی صفات میں یہ احتمال ہی نہیں اور اگر اس اطلاق عرفی ہی کے مرتبہ میں صحت حکم کو احتیاج کہا جائے تو اس اصطلاح میں کوئی ضرر ومحذور لازم نہیں آتا مقصود تو نفی کرنا ہے احتیاج کی حقیقت میں اور نفی حقیقتاً اور اثبات اصطلاحاً میں کوئی تعارض نہیں۔ اور بعض اکابر کے جواب مذکور کو اگر اسی جواب کی طرف مجمل ومفصل کیا جائے تو بعد توجیہ ممکن ہے۔ نکتہ ماہ کے مقابلہ میں رخشان جو اکثر خورشید میں مستعمل ہوتا ہے اور چاہ کے مقابلہ میں آپ لانے میں لطافت شعری ظاہر ہے۔ التماس چونکہ مضمون ہی مشکل تھا اس لئے میں اس کو آسان نہ کر سکا۔ قالؒ

عزم دیدار تو دارد جان برلب آمدہ	باز گردد یا برآید چیست فرمان شما

اے محبوب یہ عاشق تیرے دیدار کا عزم رکھتا ہے اور (اس اشتیاق میں) لبوں تک جان آچکی ہے سو اب کہو تمہارا کیا حکم ہے وہ جان واپس ہو جائے یا نکل آئے یعنی واپس ہونے میں تو اور چند روز مصیبت کے جھگڑے پڑیں گے اور نکل جانے میں اس سے نجات ہو جائے گی سو جس میں تمہاری رضا ہو اس پر راضی ہوں۔

حکمت عروج ونزول سالک

اور بلسان اشارۃ اس کی شرح یہ ہے کہ جان برلب آمدن کنایہ ہے فناء سے جو آخر سلوک میں پیش آتا ہے اور منتہاء عروج ہے اور دیدار عبارت ہے مشاہدہ تجلیات مکشوفہ طریق سے اور باز گردد سے مراد ہے حصول بقاء بعد الفناء جو منتہا نزول ہے اور برآید سے مراد ہے ترقی احوال فنا کی اور انشاء استفہامی بمعنی اخبار ہے پس مقصود مقام یہ مسئلہ بتاتا ہے کہ سالک جب مراتب سلوک میں عروج کرتا ہوا مرتبہ فنا تک پہنچتا ہے اور ہر مرتبہ میں تجلیات اسمائی و صفاتی کا انکشاف و مشاہدہ وغلبہ کے ساتھ ہوتا ہے جو اصطلاح میں عروج کہلاتا ہے تو غایت سکر سے منتہی ترقی احوال فنا کا ہوتا ہے لیکن محبوب حقیقی کا معاملہ اس مرتبہ کے بعد ہر سالک کے ساتھ جداگانہ ہوتا ہے بعض کو تو حسب تمنا ان کے ان ہی احوال فنا میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور ان کو مستغرق کر دیتے ہیں اور ان لوگوں سے آئندہ سلسلہ افاضہ کا جاری نہیں ہوتا اور بعض کو اس سکر وفنا سے افاقہ بخشتے ہیں اور یہ بقاء ونزول کہلاتا ہے اور ایسے لوگ مسند ارشاد پر متمکن ہو کر خلق اللہ کو فیض پہنچاتے ہیں اور وہ تجلیات اسمائی وصفاتی ان سے بھی منقطع و مختفی نہیں ہوتیں بلکہ ان کی معرفت ان اہل فنا سے اقوی ہوتی ہے لیکن یہ حضرات ان تجلیات میں مغلوب نہیں ہوتے اور چونکہ اشتیاق ان کا مقتضی ہوتا ہے تجرد توجہ الی الحق کو اور شان ارشاد کے لوازم سے ہے توجہ الی الخلق بھی گو ان کے لئے یہ توجہ اس توجہ سے مانع نہیں بلکہ معین بلکہ عین ہے لیکن تاہم تجرد تو نہیں لہٰذا ایک گونہ کلفت برداشت کرنا پڑتی ہے جس کو تقریر ترجمہ میں مصیبت جھگڑنے سے تعبیر کیا گیا ہے پس حافظ گویہ بات بتانا مقصود ہے کہ اس عروج ونزول کا مدار سالک کی تمنا پر نہیں ہے بلکہ مرضی حق پر ہے کما قال ایضاً

کان شاہد بازاری وین پردہ نشین باشد	در کار گلاب و گل حکم ازلی این بود

اور جاننا چاہیئے کہ فنا کی کئی قسمیں ہیں یہاں فنا علمی مراد ہے جس میں فانی واقع میں منتفی الوجود نہیں ہوتا البتہ غیر ملتفت الیہ بحسب العلم ہو جاتا ہے اور بقا اسی کا مقابلہ ہے یعنی ملتفت الیہ بحسب العلم ہو جانا۔ اور مشاہدہ سے مراد رویت نہیں بلکہ غلبۂ استحضار علمی مراد ہے۔ قال

خاطر مجموع ما زلف پریشان شما	کے دہد دست این غرض یارب کہ ہمدستان شوند

ہمدستان موافق۔ مطلب یہ کہ خدا جانے یہ مقصود کب حاصل ہوگا کہ تمہارے زلف پریشان کا وصال اس طرح حاصل ہو کہ ہمارے دل کو اس وقت جمعیت نصیب ہو (یعنی اطمینان خاطر سے وصال میسر ہو اور مجموع اور پریشان کے تقابل میں جو لطافت شاعری ہے ظاہر ہے۔

حجاب نبودن خلق منتہی را از حق

اور بلسان اشارت زلف سے مراد عالم کثرت وجہ تشبیہ چار امر ہیں اول زلف میں بھی بالوں کی کثرت ہوتی ہے۔ دوم زلف ساتر ہوتی ہے روئے محبوب کی اسی طرح عالم کثرت حجاب ہے مشاہدہ وحدت سے۔ سوم زلف مظہر جمال محبوب ہوتی ہے اور عین محبوب نہیں اسی طرح عالم کثرت مظہر صفات الہیہ ہے اور عین ذات وصفات نہیں۔ چہارم زلف محبوب سیاہ ہوتی ہے اسی طرح عالم کثرت بہ نسبت انوار الہیہ کے مظلم ہے اور وجہ دوم وسوم میں ظاہرا تعارض کا توہم نہ کیا جائے کہ ساتر ہونا اور مظہر ہونا کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ دفع اس توہم کا یہ ہے کہ ساتر ہونا باعتبار محجوبین کے ہے اور مظہر ہونا باعتبار عارفین کے یا عارف ہی کے حق میں ساتر بھی ہے اور مظہر بھی ساتر تو ذات ہے اور مظہر صفات کا پس بعنوان آرزو اس میں یہ مسئلہ بتانا منظور ہے کہ سالک کو بالخصوص منتہی کو جو توجہ عالم کثرت کی طرف ہوتی ہے اس کی توجہ اور عوام کی توجہ میں فرق ہے وہ یہ کہ عوام کی نظر میں تو وہ محدثات کثیرہ ہی خود مقصود ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ہمیشہ پریشان رہتے ہیں کیونکہ اکثر حصول میں کہ وہ بھی غیر اختیاری ہے باہم متزاحم ہوتے ہیں بخلاف خواص کے کہ ان کو ان محدثات کثیرہ سے بھی مقصود توجہ الی الحق ہوتی ہے اور اس کثرت کو وہ آئینہ مشاہدہ وحدت سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو ہمیشہ جمعیت رہتی

ہے کیونکہ علاوہ اس توجہ مقصود کی اختیاریت کے خود اس توجہ میں کوئی جزو عالم مزاحم نہیں ہو سکتا بلکہ مراٰت و معین ہے اور چونکہ اس توجہ میں عالم کثرت کا واسطہ ہونا متضمن ہوتا ہے بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کو اس لئے اس کو توجہ مذکور کا مراٰۃ بنایا جاتا ہے۔ پس حاصل کلام یہ ہوا کہ عالم کثرت کی طرف مطلقاً توجہ کرنے کی مذموم مت سمجھو بلکہ جب یہ توجہ جمعیت قلب کے ساتھ ہو جو فرع ہے ملاحظہ وحدت کی تو مضر نہیں پس تمنا کے طور پر کہتے ہیں کہ یا اللہ وہ کونسا وقت ہوگا کہ عالم کثرت کی طرف جو مجھ کو پریشانی کے ساتھ اور من حیث الکثرۃ توجہ ہے وہ زائل ہو جائے اور اگر توجہ رہے تو جمعیت خاطر اور ملاحظہ وحدت کے ساتھ ہو اور محط فائدہ یہی قید ہے پس اگر مصلحت الٰہیہ اصلاً عدم توجہ الی الخلق کو مقتضی ہو تو یہ آرزو اس کی نافی نہیں کیونکہ نفس توجہ الی الخلق محط فائدہ نہیں بلکہ قید ملاحظہ وحدت بر تقدیر توجہ متکلم کا قصد ہے واللہ اعلم۔ قال:

کس بدور نرگست طرفے نہ بست از عافیت	بہ کہ بفروشند مستوری بمستان شما

دور نوبت نرگس چشم و بمعنی مستان اے چشمان مست۔ طرف بستن حاصل نمودن بفروشند حوالہ کنند۔ مستوری گوشہ نشینی متقارب عافیت۔ مطلب یہ کہ اے محبوب تمہارے چشمان مست کے دور ے اور زمانہ میں کوئی شخص آج تک عافیت حاصل نہیں کر سکا (کیونکہ سب اس سے گھائل اور زخمی رہے اس لئے) بہتر یہی ہے کہ عشاق اپنی عافیت (کی فکر جانے دیں اور اس کو) تمہارے چشمان مست کے حوالہ کر دیں (کہ وہ چشمان مست جو تصرف ان کے بارے میں کریں اس پر راضی رہیں اور اس کو تسلیم کریں)

منع طلب سالک حالت خاصہ را

اس میں تعلیم ہے سالک کو کہ طریق سلوک میں اپنے لئے کسی خاص حالت کو جو اس کے مذاق کے موافق ہو اور اس میں اپنی منفعت یا لذت سمجھتا ہو مثل شوق یا انس یا وجد یا اور کوئی تجلی خاص ہرگز تجویز نہ کرے اور اسماء متقابلہ کی تجلیات سے جو اس کی حالت میں تلوین ہو کہ بعض اس میں سے اس کی مراد اور مذاق کے خلاف بھی ہے اس سے دل تنگ نہ ہو کیونکہ مقصود اس سب سے اس کی تربیت ہوتی ہے اور تربیت کا طریق خود مربی زیادہ جانتا ہے

پس حافظؒ اس تجویز مراد کی لم بتلا کر اس کی اصلاح کرتے ہیں یعنی اصل سبب اس تجویز کا طلب عافیت اور راحت ہے جس میں نفس کا ایک کید خفی ہے کہ طلب حق میں بھی اپنے مرغوبات ومشتہیات کو نہیں چھوڑتا اور مشقت سے بھاگتا ہے اس لئے سالک کو چاہئے کہ سمجھ لے کہ عافیت کہ مقتضائے نفس ہے طریق میں مطلوب نہیں بلکہ باقتضائے حکمت الٰہیہ حاصل بھی نہیں ہوا کرتی اس لئے اپنے کو ان تجلیات وواردات کے تابع کر دینا چاہئے حتی کہ جس حالت پر قرار دینا حسب استعداد وطالب مرضی محبوب ہوگا اس پر تمکین عطا فرمائیں گے۔

چونکہ برکنند بہ بندوبستہ باش	چون کشاید چابک وبرجستہ باش

قالؒ

بخت خواب آلود ما بیدار خواہد شد مگر	زانکہ زد بر دیدہ آبے روے رخشان شما

(یعنی اب امید ہے کہ) شاید ہمارا بخت خفتہ (جس سے ہم فراق میں مبتلا ہیں) بیدار ہو جائے (اور ہم کو وصال میسر ہو جائے) کیونکہ تمہارے روے رخشان نے اب (ہماری) آنکھوں پر پانی کا چھینٹا دیا ہے (یعنی تمہارے روے رخشان کی شعاع حسن کو دیکھ کر آنکھوں سے پانی بہنے لگا جیسا آفتاب کی طرف نظر کرنے سے واقع ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ سوتے کی آنکھوں پر پانی چھڑکنے سے وہ جاگ اٹھتا ہے یہ کنایہ ہے رونے سے کہ اکثر محبوب کو اس سے رحم آ جاتا ہے رعایت شاعرانہ سے اس عنوان خاص سے تعبیر کیا)

ف۔ بلسان اشارت تعلیم ہے اس مسئلہ کی جب طالب کی بیقراری اور گریہ وزاری بڑھتی ہے تو محبوب حقیقی کا فضل اس کے حال پر متوجہ ہوتا ہے۔

تانہ گرید ابر کے خندد چمن	تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

اور وجہ اس بیقراری کی تنگی اور حیرت ہوتی ہے اور یہ علامات کامیابی سے ہے لہذا تنگی کو گران نہ سمجھے اپنے کام میں لگا رہے اور جب یہ کیفیت پیش آئے امید کو قوی کرے۔ قالؒ

با صبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستہ	بو کہ بوے بشنویم از خاک بستان شما

یعنی اپنے رخ سے ایک گلدستہ باد صبا کے ہمراہ بھیج دیجئے تاکہ ہم آپ کے خاک

بوستان کی ایک خوشبو سونگھ لیں ف صبا سے مراد ذکر وشغل بوجہ واسطہ فیض ہونے کے۔گلدستہ سے مراد فیوض غیبیہ جو قلب پر وارد ہوتے ہیں۔بستان سے مراد ذات وصفات۔حاصل مضمون یہ کہ اے محبوب ذکر وشغل کے واسطے سے فیوض غیبیہ قلب پر نازل فرمائیے تاکہ قدرے ذات و صفات کی معرفت نصیب ہو جس سے آگے اور طلب اور شوق میں زیادتی ہو۔اشارہ ہے واردات غیبیہ کی حکمت کی طرف کہ اس سے ذوق وشوق بڑھتا ہے تو وہ ثمرۂ اصلی ذکر وشغل کا نہیں بلکہ طریقہ تربیت کا ہے جس سے طالب کو آسانی ہوتی ہے سو اگر یہ واردات قلب پر نہ آئیں تو اصلی ثمرہ سے کہ وہ رضا وقرب ہے اپنے کو محروم نہ سمجھنا چاہئے اور ہمت سے کام میں لگا رہنا چاہئے بلکہ بعض اوقات واردات کے منکشف نہ ہونے سے یا بعد انکشاف کے بند ہو جانے سے قلب میں ضیق ہوتا ہے اور یہی ضیق سبب توجہ رحمت کا ہو جاتا ہے جیسا اوپر کے شعر میں مذکور ہوا۔غرض بسط میں بھی حکمت ہے اور قبض میں بھی مصلحت ہے۔قالؒ

دل خرابی میکند دلدار را آگہ کنید	زینہار اے دوستان جان من وجان شما

یعنی (میرا) دل خرابی کر رہا ہے (کسی طرح درست نہیں ہوتا) دلدار کو آگاہ کردو (کہ مجھ پر عنایت کرے) ضرور اے دوستو (ایسا کرو) میری جان اور تمہاری جان تو ایک ہی ہے (میرے ساتھ ہمدردی کرنا چاہئے)

ف:بلسان اشارت تعلیم ہے اس امر کی کہ مجاہدہ وریاضت حصول مقصود کی علت تامہ نہیں بعض اوقات اس سے کشود کار نہیں ہوتا اس وقت اہل اللہ کی دعا سے استعانت کرنا چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ سے عرض کریں جس سے باطن کی درستی ہو پس دلدار کو آگاہ کرنا مجازاً کنایہ ہے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کرنے سے اگرچہ وہ پہلے سے بھی آگاہ ہیں اور جان من وجان شما میں اثبات ہے اتحاد کا طالبان حق کے درمیان میں کہ ان میں طالبان دنیا کی طرح تنازع نہیں ہوتا۔اور اس جملہ اخیرہ کی ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پس میری جان ہے اور تمہاری جان ہے یعنی اب میں ہوں اور تم ہو میں تم کو چھوڑوں گا نہیں۔ قالؒ

عمرتان باد و راز اے ساقیان بزم جم	گرچہ جام ما نشد پر مے بدوران شما

یعنی اے بزم جم کے ساقیو تم تادیر سلامت رہیو اگرچہ تمہارے دور میں ہمارا جام

مسئلوں میں یہ امر قابل سمجھنے کے ہے کہ مقبولین کے ساتھ محبت اور ان کا ممنون ہونا منافی کمال توحید و اخلاص کے نہیں کیونکہ توحید و اخلاص جس کا حق ہے یہ اسی کے امر سے ہے اور اسی کے واسطے ہے اور اسی کی توحید کی تکمیل کے لئے ہے کیونکہ تعلیم اس کی ان ہی حضرات کے وسائط سے ہے بخلاف قول اہل شرک کے مانعبد ھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی کیونکہ عبادات حق میں عبادت غیر کے واسطے کی تو حاجت نہیں پس وہ اشراک ہے اور تعلیم غیر کی حاجت ہے پس وہ آلہ ادراک ہے فافہم۔ قال

دور دار از خاک وخون دامن چو بر ما بگذری	کاندرین رہ کشتہ بسیار ند قربان شما

یعنی اے محبوب جب تمہارا ہم پر گزر ہو تو اپنا دامن (ہمارے) خاک وخون سے بچانا (کبھی آلودہ نہ ہو جائے) کیونکہ اس راہ میں بہت لوگ تم پر قربان ہو چکے ہیں (اور خاک و خون میں آغشتہ ہو رہے ہیں اپنا دامن سب سے دور رکھنا چاہئے۔

عدم مواخذہ بر اہل شکر

بلسان اشارت خاک وخون سے مراد وہ امور ہیں جو غلبۂ حالت سکر وفنا میں خلاف ظاہر شرع صادر ہو جاتے ہیں کہ باوجودیکہ ان میں عذر مسموع ہے لیکن فی نفسہٖ تو ان میں آلودگی ونقصان ہے اس لئے خاک وخون سے تشبیہ دی گئی اور دامن سے مراد نظر والتفات ہے مطلب یہ کہ ایسے امور پر نظر نہ فرمایئے بلکہ ان کو معاف کر دیجئے کیونکہ اوروں پر بھی ایسے حالت گزری ہے اور ان کے ساتھ معاملہ عفو کا کیا گیا ہے مجھ کو بھی امید ہے۔ خطاب کے پیرایہ میں یہ مسئلہ بتانا منظور ہے کہ مغلوب الحال کی لغزشیں معاف ہوتی ہیں جیسا کہ مجنون شرعاً غیر مکلف ہے پس اہل ظاہر کو ان پر اعتراض کرنے میں مبادرت نہ چاہئے۔ قال

ای شہنشاہ بلند اختر خدارا ہمتے	تا ببوسم ہمچو گردون خاک ایوان شما

یعنی اے بادشاہ بلند اقبال خدا کے لئے ایک توجہ فرمایئے تاکہ (اس کی برکت سے) آپ کے ایوان کی خاک کو بوسہ دوں جس طرح آسمان اس کو بوسہ دیتا ہے ف شہنشاہ سے مراد یا محبوب حقیقی ہے اور بلند اختر مجازاً بمعنی عالی صفات لے لیا اور خدارا میں وضع مظہر موضع مضمر ہے یعنی برای خود۔ اور یا مراد مرشد ہے مجموعہ ہر دو توجیہ کا حاصل یہ تعلیم ہے کہ

مجاہدہ مقصود بالذات وصول الی المطلوب کے لئے کافی نہیں بلکہ عنایت حق موجب اصل ہے اس میں زیادہ موثر دخیل ہے سو مجاہدہ پر مغرور نہ ہو۔

بے عنایات حق و خاصان حق	گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

قالؒ

میکند حافظ دعائے بشنو آمین بگو	روزی ما باد لعل شکر افشان شما

یعنی حافظ ایک دعا کرتا ہے تم آمین کہو وہ دعا یہ ہے کہ خدا کرے ہم کو تمہارا لب شکر افشاں نصیب ہو۔ خطاب ہے مطلوب حقیقی کی طرف اور آمین کہنے کو کہنا استجابت سے کنایہ ہے استجابت سے مطلب یہ کہ آپ کا وصل میری تمنا ودعا ہے آپ اس کو مستجاب فرما دیں۔ اس میں یہ تعلیم ہے کہ اپنے مجاہدہ پر مغرور نہ ہو بلکہ جناب باری تعالیٰ سے التجا وتضرع کرتا رہے فقط۔ غزل۔ قالؒ

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدا را	دردا کہ راز پنہان خواہد شد آشکارا

یعنی میرے ہاتھ سے دل نکلا جاتا ہے اے صاحبدلو خدا کے واسطے (سنبھالو) ہائے افسوس کہ (اب راز نہانی (دل کا) ظاہر ہو جائے گا (حالانکہ اس کا پوشیدہ رکھنا مصلحت ہے)

ف: اس میں اشارہ ہے کہ احوال باطنی کا ضبط واخفا زیادہ بہتر ہے اس میں چند مصلحتیں ہیں اول اس صورت میں ترقی زیادہ ہوتی ہے دوم اظہار میں احتمال ہے کہ مدح و اعتقاد عوام سے عجب وپندار پیدا ہو جائے۔ سوم بعض امور کا اظہار موجب فتنہ عوام یعنی ان کی بے عملی کے ہو جاتا ہے اور نیز اس سے لازم آیا کہ مغلوب الحال ہونے سے غالب علی الحال ہونا زیادہ افضل واکمل ہے جیسا مفہوم ظاہر ہے کہ مغلوب الحال اخفا پر کم قادر ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی حالت غالب ہو جس کے سبب ضبط سے عاجز ہو جائے تو شیوخ کاملین کی توجہ سے ضبط آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہوتا ہے پس اس سے اس کی تعلیم بھی لازم آئی کہ ایسے وقت اس کی خدمت میں رجوع اور عرض کرے۔ قالؒ

دہ روزہ مہر گردوں افسانہ است و افسوں	نیکی بجائے یاران فرصت شمار یارا

یعنی یہ چند روزہ مہربانی آسمان کی (یعنی مساعدت زمانہ کی جس سے تم صاحب

اصلی حالت روح کی مشاہدہ حق تھا ـــــ مگر تعلقات کی ظلمت حجاب شہود ہو گیا تھا ـــــ ریاضت اور سلوک سے پھر مشاہدہ اصلیہ عود کرآتا ہے ـــــ مگر اتنا فرق ہے کہ مشاہدہ اولی ناقص اور ناقابل ترتب اجر وقرب ہے۔ لیکن نفس مشاہدہ امر مشترک ہے ـــــ اس لئے باز کہہ دیا ـــــ اور یہ بھی ایک محمل ہے منجملہ محامل قول مشہور کے ـــــ النہایۃ ہو الرجوع الی البدایۃ اور دوسرا محمل باعتبار ظاہری حالت کے ہے کہ منتہی کا حال بوجہ تمکن کے ظاہراً مثل مبتدی خالی عن الاحوال کے ہو جاتا ہے ـــــ تیسرا محمل باعتبار کیفیت معرفت کے ہے کہ جس طرح ابتداء میں معرفت ساذج ہوتی ہے ـــــ الوان وقیود سے اسی طرح انتہا میں بوجہ کمال تحقیق وحذف قیود وخیالیہ کے ہو جاتی ہے ـــــ البتہ توسط میں بسبب تلوین کے ہمیشہ خیالات وتصورات بدلتے رہتے ہیں من لم یذق لم یدر و العاقل تکفیہ الاشارۃ۔ قال

در حلقۂ گل ومل خوش خواند دوش بلبل	ہات الصبوح ہبوا یا ایہا السکارا

یعنی گل اور شراب کے مجمع میں (مراد یہ کہ محبوب اور محبت کی مجلس میں) شب گزشتہ میں بلبل نے (مراد یہ کہ عاشق نے) خوب بات کہی کہ (اے ساقی) صبوحی (یعنی شراب صبح یا مطلق شراب) دے (اور) اے مستو! (اور جو شراب ملے پیو)

طلب مزید۔ اشارہ اس طرف ہے کہ سالک کو چاہئے کہ ہمیشہ مزید کا طالب رہے ـــــ اور جو حال باطنی بھی حاصل ہو اس پر قناعت نہ کرے ـــــ چنانچہ ہات الصبوح اس طرف مشیر ہے ـــــ اور نیز یہ اشعار ہے کہ دوسرے سالکوں کی حالت محمودہ دیکھ کر خوش ہو اور ان کی مزید نعمت میں راغب ہو۔

مسرت بر دولت طالبان۔ ہبوا یا ایہا السکارا اس کا مشعر ہے ایسا نہ کرے ـــــ جیسے بعض نوآموز جاہل ہوتے ہیں ـــــ کہ اگر کسی کی اچھی حالت دیکھ لیتے ہیں ـــــ تو حسد کرنے لگتے ہیں یا خود ذرا قلب میں گداز پاتے ہیں ـــــ تو مغرور ہو کر اسی کو انتہائی کمال سمجھنے لگتے ہیں ـــــ پس ہبوا یا ایہا السکارا بلسان حال ہے اور یہ مراد نہیں کہ لسان قال سے لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا پھرے ـــــ کیونکہ یہ عمل مبتدی کے لئے موجب شہرت ومضر ہے ـــــ خوب یاد رکھو۔ قال

ای صاحب کرامت شکرانۂ سلامت روزی تفقدی کن ـــــ درویش بینوا را قول شکرانہ

عدمِ اعتراض بر طبق ترتیب

ترجمہ ظاہر ہے اور اشکال بھی ظاہری معنی پر قوی ہے۔ لیکن حقیقت کلام سمجھنے کے بعد کچھ اشکال نہیں۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ طالبین میں ہر ایک کی استعداد فطری جدا ہوتی ہے۔ اور اسی استعداد کے موافق ہر ایک کی تربیت علیحدہ علیحدہ ضروری جاتی ہے مثلاً کسی پر بے خودی غالب کرتے ہیں۔ کسی کو افاقہ دیتے ہیں۔ اور ان ہی احوال کے اختلاف سے ہر ایک سے بعضے افعال بھی مختلف صادر ہوتے ہیں۔ اور گو وہ افعال سب ہوتے ہیں دائرہ اباحت شرعیہ کے اندر۔ لیکن ان میں بعض شان اہلِ تحمل کے خلاف ہوتے ہیں جن کو غیر معتقد سے صادر ہونا معتبر عامۂ خلق بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ان کے لئے نہ بالذات ممنوع ہیں نہ بالغیر مثلاً نماز کے اندر غلبہ حال سے آواز گریہ کی نکل جانا کہ بے اختیاری کی حالت میں مباح ہے۔ لیکن نماز کی ہیئت جس ادب کو مقتضی ہے اس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ظاہر نظر میں قابلِ ملامت ہے۔ سو ممکن ہے کہ کسی شخص کی استعداد اسی کو مقتضی ہو کہ ملامت سے اس کو باطنی نفع ہوگا۔ بوجہ اس کے کہ تذلیل معالجہ ہے کبر نفس کا۔ مثلاً پس جو شخص فنِ تربیت کے اصول سے ناواقف ہے وہ بعض اوقات ان امور پر۔ باوجود ان کے انطباق علی الشرع کے اعتراض کرنے لگتا ہے۔ اس شعر میں اسی شخص کی تعلیم ہے کہ قضائے الٰہی جو ہماری تربیت باطنی کے ساتھ متعلق ہوئی ہے۔ اس میں ہمارے لئے بدنامی کے کچھ افعال مقدر ہیں۔ تو مدعی کے تئیں سوائے معترض۔ اگر تو اس کو پسند نہیں کرتا تو اس قضا کو مبدل کر دے جس سے تو عاجز ہے۔ جب عاجز ہے تو اعتراض ترک کر دے۔ پس اس شعر میں جبر کا ہرگز کوئی شائبہ نہیں کیونکہ قضا سے مراد جبر قضا نہیں۔ باقی مطلق قضا کے اعتبار سے اگر کوئی شخص خود اپنی طرف سے کوئی تقریر کرے۔ تو وہ ایک مسئلہ مستقلہ ہے جس کے حل کا یہ مقام نہیں۔ قال

آئینہ سکندر جام جم است بنگر	تا بر تو عرضہ دارد احوالِ ملک دارا

منقول ہے کہ دارا دو شخص ہوئے ہیں۔ ایک دارائے اکبر جو جمشید کا مقابل تھا

...... دوسرا دارائے اصغر جو سکندر واضع آئینہ کا مقابل تھا جمشید نے ایک جام طلسمی بنایا تھا ...... جس میں دور کی چیزیں منکشف ہوتی تھیں ...... اور غرض اس سے دارائے اکبر کی تدبیرات و سامان وغیرہ کا دریافت کرنا تھا ...... تا کہ ہر تدبیر کے مقابل مناسب تدبیر کرلے ...... پس ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ آئینہ سکندری بمنزلہ جام جم کے ہے ...... اس کو دیکھا کرو تا کہ تم کو دارا کے ملک کا سارا حال بتلا دیا کرے ...... اور بلسان اشارت آئینہ سکندر سے مراد سالک کا قلب جو باعتبار انکشاف علوم و معارف کے ...... آئینہ سکندر و جام جم کے مشابہ ہے ...... اور دارا سے مراد سلطان عشق جو بوجہ تسلط و استیلاء کے ایک بادشاہ سے تشبیہ دیا گیا ...... اور بوجہ عافیت سوز ہونے کے اس تشبیہ میں خصوصیت دارا کا لحاظ کیا گیا ...... وجہ شبہ مطلق ضرر رسانی ہے ...... قطع نظر حقیقی وصوری ضرر سے ...... اور اس دارا کا ملک خود اس عشق کے افعال اور تصرفات اور احوال سے مراد جو ان افعال سے آثار و ثمرات پیدا ہوتے ہیں ...... خلاصہ یہ کہ قلب میں دو شعبے ہیں ...... ایک معرفت کا دوسرا عشق کا ...... پس فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کی برکت و اثر سے قلب پر جو علوم و معارف وارد ہوتے ہیں ...... ان میں مراقب ہوا کرو تا کہ عشق کے تصرفات سے قلب میں جو ثمرات حالیہ پیدا ہوتے ہیں ...... وہ تم کو مشاہد ہوں تا کہ ان نعمتوں کا شکر موجب ترقی ہو ...... ف اس میں یہ بتلا دیا کہ واردات علمیہ کا مشاہدہ واردات حالیہ کی تقویت کا سبب ہوتا ہے۔ قال

سرکش مشو کہ چون شمع از غیرتت بسوزد	دلبر کہ در کف او موم ست سنگ خارا

دلبر فاعل ہے بسوزد کا ...... اور جملہ در کف او الخ صفت ہے دلبر کی ...... مطلب یہ کہ سرکشی اور کبر مت کرو ...... کبھی تم کو محبوب حقیقی (جس کی یہ صفت ہے کہ ...... اس کی ہیبت سے سنگ خارا بھی موم ہو جاتا ہے) غیرت کی وجہ سے ...... جو کہ معاصی عباد پر ظاہر ہوتی ہے سوختہ کردے ...... جس طرح شمع سرکشی کرتی ہے ...... اور سوختہ ہوتی ہے ...... غرض کبر کی مذمت ظاہر ہوئی ...... اور شمع کی مثال محض تنظیر ہے تمثیل نہیں ...... کیونکہ شمع کا جلنا کسی معصیت سے نہیں ...... اور بلسان معنوی سالک کو عجب و پندار سے منع فرماتے ہیں ...... یا واصل کو ناز بیجا سے کہ طالبین کے ساتھ کیا جائے روکتے ہیں ...... اور اس معنی میں بسوزد سے

اشارہ ہوگا۔ انشکال یاسب احوال کی طرف نعوذ باللہ اور جو اعتراض یا انکار یا تشدد طالب کی اصلاح یا امتحان کی غرض سے بقدر ضرورت ہو۔ ۔ وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ قال

گر مطرب حریفان ایں پارسی بخواند	در وجد و حالت آرد پیران پارسا را

حریفان یاران۔ ۔ ۔ ایں پارسی یعنی کلام حافظ کہ مشتمل مضامین عشق است۔ ۔ ۔ مراد مطلق مضامین عشقیہ۔ ۔ ۔ مطلب ظاہر ہے کہ گر مطرب اس کلام عشق کو پڑھ کر سنائے۔ تو بڑے بڑے پارساؤں کو جو بڑے خود دار ہیں۔ ۔ وجد میں لے آئے یعنی اپنے موثر ہونے کے۔ ۔ ۔ اور معنی مقصود اشارہ کرتا ہے۔ ۔ مضامین عشق کے موثر ہونے کی طرف جو کہ مرشد کے منہ سے نکلتے ہیں۔ ۔ ۔ کہ اس سے زاہد خشک جس میں دعویٰ و پندار ہوتا رہتا ہے۔ ۔ ۔ اس ضمن میں تعلیم ہے اہل عرفان کے پاس آنے جانے۔ ۔ اور ان کے کلام سننے کی تاکہ اپنے اندر بھی جذبہ عشق پیدا ہو جائے۔ قال

آں تلخ وش کہ صوفی ام الخبائث خواند	اشھیٰ لنا واحلیٰ من قبلۃ العذاری

ترجمہ لفظی تو یہ ہے کہ وہ شراب تیز کہ صوفی اس کو ام الخبائث کہتا ہے۔ ۔ ہم کو دو شیزہ لڑکیوں کے بوسے سے بھی زیادہ مرغوب اور شیریں معلوم ہوتی ہے۔ ۔ ۔ اور باطنی معنوی تلخ وش سے مراد مجاہدہ و نفس کشی ہے۔ ۔ ۔ جو نفس پر گراں و تلخ گزرتا ہے اور صوفی سے مراد زاہد خشک مدعی تقویٰ۔ ۔ اور ام الخبائث سے مراد مطلق معصیت۔ مطلب یہ کہ مجاہدہ و نفس کشی کو زاہد اہل ظاہر معصیت کہتا ہے یعنی اس کے کرنا ہر اتہلکہ ہے۔ جس کی ممانعت آئی ہے۔ ۔ ۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ الآیہ لیکن ہم کو اس میں بوجہ غلبہ محبت کے یا بامید وصول الی المقصود کے لذت آتی ہے۔ ۔ ۔ اس عنوان میں ظاہر پرست کے استدلال کا جواب بھی ہو گیا۔ ۔ ۔ کہ ممنوع ہونے کی علت تہلکہ ہے۔ اور جس کو اس میں لذت آتی ہو۔ ۔ اس کے لئے تہلکہ کہاں ہوگا پس ممنوع بھی نہ ہوگا تحقیق اس میں یہ ہے کہ مجاہدہ بمعنی تکثیر عبادات و تقلیل لذات اگر اس مرتبہ تک ہے کہ حقوق واجبہ نفس سے بھی فوت ہو جائیں۔ یا ترک لذات کو قربت مقصودہ سمجھنے لگے تب تو معصیت و بدعت ہے جیسا حدیث میں ہے۔ ان لجسدک علیک حقا وان لعینک

علیک حقا الحدیث اور قرآن میں ہے ...... لاتعتدوا الآیہ اور یہ واقعی تہلکہ میں داخل ہے ...... اور جس میں صرف حظوظ فوت ہوں ...... اور اس کو معالجہ سمجھے وہ خود مقاصد شرع سے ہے ...... اور اس میں لذت آنا اور زیادہ سلامت قلب وانشراح صدر ونورانیت روح کی دلیل ہے ...... کہ سنن شرعیہ مثل مرغوبات طبعیہ کے ہوگئے ...... کم فہم دونوں میں خلط کردیتا ہے ...... اس شعر میں اس کی اصلاح ہے۔ قالؒ

ہنگام تنگدستی در عیش کوش و مستی	کاین کیمیای ہستی قارون کند گدارا

ترجمہ لفظی تو ظاہر ہے کہ تنگدستی کے وقت مغموم مت ہو ...... بلکہ عیش ومستی میں کوشش کرو یعنی خوش رہو ...... کیونکہ یہ خوشدلی جس کو کیمیائے ہستی تشبیہا کہہ دیا گدا و مفلس کو بھی غنی کردیتی ہے ...... کیونکہ اصل غنا غنائے قلب ہے ...... اگر یہ فقر میں بھی حاصل ہے تو غنا ہے اور اگر غنائے ظاہری میں یہ نہ ہو تو وہ فقر ہے ...... اور بلسان معنوی تنگدستی سے اشارہ ہے ...... قلت واردات قلبیہ کی طرف ...... جس کو قبض کہتے ہیں ...... اور عیش ومستی سے مراد بسط اس کا وہ مطلب ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں۔

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بین	تازہ باش و چین میفگن برجبین
چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو	آن صلاح تست آیس دل مشو

آگے اس کی علت فرماتے ہیں کہ یہ عیش ومستی ...... یعنی حالت قبض میں بھی خوش رہنا ...... اور دلگیر نہ ہونا فقیر صاحب واردات کو قرب الٰہی میں مثل صاحب واردات کے بنادیتا ہے ...... یعنی اصل مقصود قرب الٰہی ہے ...... اور وہ واردات پر موقوف نہیں ...... بلکہ صاحب واردات کا قرب بوجہ تعلق ونسبت مع اللہ کے ہے ...... پس اگر صاحب قبض اپنی حالت پر صابر شاکر رہا ...... اور اس میں مصلحت وحکمت سمجھ کر راضی رہا ...... اور اللہ تعالیٰ کی قضا سے تنگ نہ ہوا ...... تو اس کو بھی قرب حاصل رہا ...... بخلاف اس کے کہ راضی بقضا نہ ہوا ...... اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شکوہ وشکایت کرنے لگا تو بعید ہوجائے گا ...... جیسا کہ صاحب بسط اگر عجب میں مبتلا ہوگیا ...... تو وہ بھی بعید ہوجائے گا ...... بلکہ بوجہ اس کے کہ قبض میں انکسار واضمحلال وجود زیادہ ہے ...... اور یہ خود مقاصد طریق سے ہے ...... من وجہ بسط سے بھی ارفع وانفع ہے۔ قالؒ

خوبان پارسی گو بخشندگان عمرند	ساقی بدہ بشارت پیران پارسا را

مطلب ظاہری تو یہ ہے کہ فارس کے معشوقوں کو بخشندگان عمر کہنا چاہئے کیونکہ ان کے دیکھنے سے فرحت ہوتی ہے اور فرحت سے عمر کا لطف بڑھتا ہے۔ اے ساقی فارس کے بڑے بوڑھوں کو جن کی عمر کا زمانہ قریب ختم ہے۔ بشارت دو کہ تمہارے پاس ہر وقت دیکھنے کے واسطے ایسے محبوب موجود ہیں۔ ان کو دیکھنے سے تمہاری عمر بھی بڑھ جائے گی۔ اور پیران فارس کی تخصیص اسی قرب کی وجہ سے کی گئی۔ اور باطن اشارت خوبان سے مراد تجلیات جو سالک کے قلب پر ہوتی ہے۔ اور پیران فارس سے مراد سالکین اور عمر بخشی انشراح و سرور اور ساقی سے مراد شیخ مبشر... مطلب یہ کہ تجلیات سے سالک کو بڑی فرحت ہوتی ہے۔ اور اس سے قلب کو تقویت ہوتی ہے۔ بالخصوص پیر واصل کو کہ اس سے بجوش سرگرم ہو کر شرف بہ ترقی ہوتا ہے... کما قال الجنید فی بعض ہذہ الواردات تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ گو وہ مقصود نہ ہوں۔ جیسا اس کے قبل شعر میں بیان ہوا ہے... لیکن محمود ضرور ہیں اگر خلاف کتاب وسنت نہ ہوں گویا اس شعر میں بسط کی حکمت کا بیان ہے جیسا اوپر قبض کے متعلق بیان تھا پس مجموعہ میں تعلیم ہو گئی کہ اگر بسط ہو اس میں بھی خوش رہو۔ کہ اس میں خاص حکمتیں ہیں اور اگر قبض ہو اس میں بھی راضی رہو کہ وہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اور جاننا چاہئے کہ اوپر بھی ایک شعر کے قافیہ میں پارسا آیا ہے۔ لزوم تکرار قافیہ سے بچنے کے لئے بعض نے وہاں فارس کے اور یہاں پارسا کے معنی لئے ہیں۔ لیکن میں نے عکس مناسب سمجھا۔ کیونکہ مضمون عشق سب کو عام ہے۔ اور یہاں قرب مخصوص ہے۔ قال

حافظ بخود نپوشید این خرقۂ مے آلود	ای شیخ پاکدامن معذور دار ما را

مطلب ظاہری یہ کہ یہ شراب آلود خرقہ میں نے خود نہیں پہنا بلکہ مقدر ہی تھا ہم کو معذور سمجھو یعنی مثل معذور کے ہمارے ساتھ معاملہ کرو۔ اس باب میں کہ اپنا ترفع اور تقویٰ جتلا کر ہم کو بد و حقیر مت سمجھو... اس تقریر سے شبہ جبر دفع ہو گیا اور جو انکار بطور اصلاح ہو وہ اس سے خارج ہو گیا۔ کہ وہ ضروری اور سنت انبیاء علیہم السلام

ہے ...... اور بلسان معنوی خرقہ می آلود اشارہ ہے مشرب ملامتی کی طرف نہ بایں معنی کہ خلاف شرع امور کے مرتکب ہوں ...... بلکہ خلاف وضع اور خلاف شان امور اختیار کریں بعض کے لئے شیخ کامل اس کو بعض مصالح سے تجویز کرتا ہے ...... مثلاً ایک شخص میں کبر دیکھا اس کے لئے یہ تجویز کیا ...... یا ایک شخص کو ہجوم خلق سے ضرر ہوگا ...... یا تنگ مزاجی کی وجہ سے ہجوم میں خلق کو اس سے ضرر ہوگا ...... یا کسی کی استعداد و نور بصیرت سے معلوم ہوگئی کہ تذلل سے وہ واصل الی المقصود ہوگا ...... یا ایسی ہی اور کوئی حکمت ہو ...... اس لئے اس کے واسطے یہ مشرب تجویز کیا جاتا ہے ...... پس فرماتے ہیں کہ یہ طریق میں نے اپنی رائے سے اختیار نہیں کیا ...... بلکہ میری استعداد کا مقتضا یہی ہے کہ میری یہ حالت رہے ...... اس لئے ہم کو معذور رکھو ...... کوئی یوں نہ سمجھے کہ ملامت سے تو خوش ہونا چاہئے ...... معذور رکھنے کی درخواست کیوں کرتے ہیں ...... اصل یہ ہے کہ یہاں معترض کی غلطی کا بتلانا ہے ...... اور یہ تو یہ بھی جانتے ہیں کہ معترض بھی معذور نہ رکھے گا ...... اس غلطی بتلانے سے طالبان حق کو نفع علم حقیقت کا ہوجاتا ہے ...... اور پاکدامن باعتبار دعویٰ اس شخص کے کہہ دیا جو مشیخت اور تقدس کا مدعی ہے ...... گو واقع میں نہ ہو۔ قال"

غزل

مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما	ساقی بنور بادہ برا فروز جام ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے کہ ...... اے ساقی نور شراب سے ہمارا پیالہ روشن کردے ...... یعنی شراب تابان بھردے کہ پیالہ روشن ہوجائے ...... اور اے مطرب (خوشی کا یہ نغمہ) کہہ دے ...... کہ دہر کا تصرف ہمارے مقصود کے موافق ہوگیا ...... یعنی ہم کامیاب ہوگئے۔ اور بلسان اشارت مصرع اولیٰ میں مرشد سے درخواست کرتے ہیں ...... کہ شراب محبت و عشق سے ہمارا قلب لبریز کردے ...... یعنی عشق حقیقی عطا فرما ...... اور مصرع ثانیہ میں اس طلب کی کامیابی پر خوشی ظاہر کرتے ہیں ...... خلاصہ یہ کہ ہدایت کے مرتبہ ابتدائی کے حصول پر مسرور ہیں ...... اور اس کے مرتبہ انتہائی کے وصول کے متمنی ہیں ...... واللہ اعلم مقصود ترغیب ہے ...... دوام طلب پر اور تعلیم شکر ہے حصول مقصود پر۔ قال"

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم	ای بے خبر ز لذت شرب مدام ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے ۔ کہ شراب خواری پر ملامت کرنے والے کو جواب ہے کہ پیالہ شراب میں روئے محبوب کا عکس ہم کو نظر آیا تھا ۔ اس لئے شراب پیتے ہیں تو کیا جانے ۔ اور بلسان اشارت پیالہ سے مراد قلب جیسا شعر بالا میں تھا ۔ حاصل یہ کہ اے وہ شخص جو آثار عشق سے بے خبر ہے ہم کو جو غلبہ سکر کی حالت میں بعض امور غیر قابل اظہار کے اظہار پر ملامت کرتا ہے ۔ تجھ کو اس کی خبر نہیں کہ ہمارے قلب پر بعض تجلیات الہیہ و واردات غیبیہ کا غلبہ ہوا ۔۔۔۔۔ اس نے ہم کو مضطرب کر دیا ۔ اور راز اظہار راز ہو گیا اگر تجھ کو خبر ہوتی تو ہم کو معذور سمجھتا ۔ مقصود ارشاد ہے کہ اہل حال کے ایسے اقوال و افعال کی ۔۔۔۔۔ جو گاہے صادر ہو جاتے ہیں ۔۔۔۔۔ تاویل مناسب ہے ۔ قال

چندان بود کرشمہ و ناز سہی قدان	کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

مطلب لفظی تو یہ ہے کہ ۔ اور محبوبوں کا کرشمہ و ناز ہمارے محبوب کے جلوہ گری شروع کرنے تک ہے ۔۔۔۔۔ جس وقت وہ جلوہ افروز ہو جائے گا ۔ سب کے ناز و کرشمہ ختم اور بے قدر اور گم ہو جائیں گے اور مطلب معنوی یہ ہے کہ محبوبان مجازی اسی وقت تک محبوب اور دلربا معلوم ہوتے ہیں ۔ ۔ کہ محبوب حقیقی کا جمال کسی کے قلب پر متجلی نہیں ہوتا ۔ اور جس وقت اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے ۔ پھر سب کا حسن و جمال لاشی معلوم ہونے لگتا ہے ۔ پس اس میں تعلیم ہے کہ عشق حقیقی حاصل کرو ۔ تا کہ مجازی کی طرف التفات نہ رہے ۔ قال

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مطلب لفظی تو بہت ظاہر ہے کہ ۔ عاشق کا ذکر خیر مرور دہور تک قائم رہتا ہے ۔ اور مطلب معنوی بھی زیادہ مخفی نہیں ۔ ۔۔۔ یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی حیات حاصل ہو گئی ۔۔۔ وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اس کے کہ لذت قرب تبعی وجہ انکمال ۔ ۔ اس کو حاصل ہو جاتی ہے ۔ اس لئے اس کو زندہ کہنا چاہئے ۔ اور یوں تو مرنے کے بعد عوام مومنین بھی بایں معنی زندہ ہوتے ہیں ۔۔۔ لیکن زیادہ تقرب کی وجہ سے اس عاشق کو ترجیح ہے ۔۔۔۔۔ اس مرتبہ میں تخصیص کی گئی اور کفار بھی زندہ رہتے ہیں ۔ لیکن چونکہ وہ حیات مقرون

بالعذاب موت سے بھی بدتر ہے ...... لہٰذا قابل شمار نہیں ...... مقصود ترغیب ہے ...... محبوب حقیقی کی محبت کی تحصیل کی۔ قالؒ

مستی بچشم شاہد دلبند ماخوش ست	زان رو سپردہ اند بمستی زمام ما

مراد لفظی تو یہ ہے کہ مستی ہمارے محبوب کی چشم کے لئے زیبا ہے ...... اس لئے ہم کو اس مستی کے حوالہ اور اس کا مسخر کیا گیا ...... کہ وہ مست و مستغنی رہے ...... اور ہم پست اور اسکے محتاج رہیں ...... اور مراد معنوی میں مستی سے اشارہ صفت غنا کی طرف ...... اور چشم سے اشارہ ذات کی طرف ...... اطلاقاً للجزء علی الکل مراد یہ کہ غنا محبوب حقیقی کو زیبا ہے ...... اور عبد کے لئے تو احتیاج اس کے لوازم ذات سے ہے ...... اس لئے ہم اس کی صفت غنا کے محتاج اور اس کے ساتھ وابستہ کئے گئے ...... مقصود تعلیم ہے کہ عبد کو گا ہے آثار عبدیت کا چھوڑنا اور خواص الوہیہ کا دعوٰی کرنا ...... جیسا کہ مدعیان کاذب یا صوفیان خام کا شیوہ ہے طریق وصول کے موانع سے ہے ...... اور جاننا چاہیے کہ غنائے ذات کے معنی بعضے یہ سمجھتے ہیں ...... کہ حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ خلق کی طرف توجہ اور ان پر نظر نہیں ...... اس معنی کو آیات و احادیث رحمت و رافت تصریحاً رد کرتی ہیں ...... نعوذ باللہ منہ بلکہ غنا مقابل احتیاج کے ہے ...... حاصل اس کا یہ ہے کہ وہ کسی کے محتاج نہیں ...... پس اس صفت سے تو عنایت کی زیادہ امید ہوتی ہے ...... کیونکہ وہ جب کسی کے محتاج نہیں تو ہمارے اعمال سے نہ ان کا نفع ...... نہ ان کا ضرر اور رحمت ان کی ثابت ...... پس امید ہے کہ ہماری تقصیرات زیادہ معاف ہو جائیں ...... بخلاف اس شخص کے جو کہ متضرر ہوتا ہو ...... وہاں احتمال ہوتا ہے کہ ہمارے افعال سے اس کو مضرت پہنچے ...... اس لئے معافی کی امید نہیں ...... اسی طرح طاعات کے قبول ہونے کے زیادہ امید ہے ...... گو وہ زیادہ خالص نہ ہوں ...... بخلاف اس شخص کے جو ہماری خدمت سے منتفع ہوتا ہو ...... چونکہ اعمال غیر کاملہ سے اس کو کم نفع پہنچتا ...... اس لئے عوض بھی ہم کو کم ملتا۔ قالؒ

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز باز خواست	نان حلال شیخ ز آب حرام ما

صرفہ بردن بصلہ از بمعنی غلبہ بردن ...... روز باز خواست ...... قیامت کہ دران از اعمال پرسش ...... وسوال واقع شود ...... معنی یہ ہیں کہ گو ہم گنہگار ہیں ...... اور شیخ یعنی عابد اہل

ظاہر متحقق ہے ــ لیکن ہم میں چونکہ عجز و مسکنت اور اعتراف بالتقصیر ــ اور اس عابد میں ریا و دعویٰ و تکبر اور دوسروں کی تحقیر پائی جاتی ہے ــ اس لئے مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ شاید شیخ کا تقویٰ ــ ہماری معصیت پر ذریعہ نجات ہونے میں غالب نہ آسکے ــ بلکہ مغلوب ہو جائے اور اس پر دارو گیر ہونے لگے ــ اور ہماری تقصیرات سے درگزر ہو جائے ...... مقصود منع ہے پندار سے نہ کہ گناہ پر جرأت دلانا ...... قال

ای باد اگر بگلشن احباب بگذری	زنہار عرضہ دہ برجانان پیام ما
کو نام ماز یاد بعمدا چہ می بری	خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما

مدلول لفظی تو یہ ہے کہ ہوا کو خطاب فرضی کر کے کہتے ہیں ــ کہ اگر تیرا گزر گلشن احباب تک ہو جائے ــ جس کا سر مجلس محبوب ہے تو ضرور محبوب سے میرا پیام کہہ دینا ...... کہ میرا نام قصداً اپنی یاد سے کیوں دور کرتے ہو ...... یعنی مجھ کو قصداً کیوں فراموش کرتے ہو خود وہ وقت عنقریب آجائے گا ــ کہ میں مرجاؤں گا اس وقت میرا نام بھی یاد نہ کرو گے ــ پھر ابھی سے کیوں بھلا دیا ...... اور مدلول معنوی یہ ہوسکتا ہے کہ قائل پر حالت قبض غالب ہے ...... اور وہ توجہ مرشد سے احیاناً اور تعلیم مرشد سے اکثر ...... بلکہ دواماً دفع ہو جاتا ہے اس لئے حالت قبض میں تنگ ہو کر ــ مضطربانہ مرشد سے بعنوان شکایت عرض ہے ــ کہ حضرت میرے حال پر توجہ اور میری خبر گیری کیجئے ــ کیونکہ ابھی تک تو مرا نہیں جب مرجاؤں گا ...... جب ہی رخ پھیر لیجئے ...... چونکہ قبض شدید میں گونہ معذور ہوتا ہے ...... اس لئے ایسے امور معاف ہیں ...... اور اس میں تعلیم بھی ہے ...... قبض میں رجوع الی المرشد کی۔ قال

بگرفت ہمچو لالہ دلم در ہوای سرو	ای مرغ بخت کے شوی آخر تو رام ما

مطلب لفظی تو ظاہر ہے ــ کہ جیسا لالہ خون ہوتا ہے اسی طرح میرا دل ایک سرو قامت کے عشق اور فراق میں ــ منقبض اور گرفتہ ہو گیا ــ اے طالع تو میرے موافق کب ہو گا ــ یعنی وصل محبوب کب میسر ہو گا ــ اور مدلول معنوی یہ ہے کہ حالت قبض میں تنگ ہو کر کہہ رہے ہیں کہ محبوب کے عشق میں بالکل خون در خون ہو گیا ...... خدا جانے وصول کب میسر ہو گا۔ قال

دریای اخضر فلک و کشتی ہلال	ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

شراح نے لکھا ہے کہ حاجی قوام کوئی وزیر تھا ..... اس کے یہاں خواجہ حافظ کی دعوت تھی ..... کسی شوربا وغیرہ کے پیالہ میں آسمان اور ہلال کا عکس نظر آیا ..... تو بطریق مطائبہ کے خواجہ نے یہ مضمون فرمایا ..... جو ترجمہ سے ظاہر ہے ..... اور میرے نزدیک اس میں معنوی مراد ڈھونڈنا تکلف ہے ..... گو یہ کہہ سکتے ہیں کہ حاجی قوام کنایہ مرشد سے ہے ..... اور مطلب یہ ہے کہ ہمارے مرشد کے فیوض باطنہ کے سامنے ظاہر عالم کے بڑے بڑے اجرام ہیچ ہیں ..... کیونکہ یہ فانی ہیں اور وہ باقی ہے ..... اور مقصود ترغیب ہو تحصیل کمال باطنی کی اور تعلیم ہو ترک التفات کائنات جسم کی ..... کہ اشتغال ان کا مانع توجہ الی الحق سے ہے۔ قالؒ

حافظ ز دیدہ دانۂ اشکے ہمے فشان	باشد کہ مرغ وصل کند قصد دام ما

یعنی اے سالک ..... ہمیشہ گریہ وزاری وطلب وبیقراری میں رہا کر ..... امید ہے کہ وصل محبوب میسر آجائے ..... اس میں تعلیم ہے کہ راہ نیاز اختیار کرنا چاہئے ..... کہ وصول کا موقوف علیہ ہے ..... ناز اور دعویٰ استحقاق اور عجب وخود بینی منجملہ مہلکات عظیمہ در جزن طریق ہے واللہ اعلم۔ قالؒ　　غزل

صلاح کار کجا و من خراب کجا	ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مدلول الفاظ تو ظاہر ہے ..... اور معنی مقصود یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اعمال صالحہ و ذکر وشغل سے جو اکثر کم ظرف ..... مبتدیوں کو عجب وپندار پیدا ہو جاتا ہے ..... اس کا معالجہ بتلاتے ہیں ..... حاصل یہ ہے کہ اس شخص کو چاہئے کہ صلاح کار کا تو اعلیٰ درجہ ..... جو کہ مطلوب ہے پیش نظر رکھے ..... اور پھر غور کر کے اپنی خرابیوں اور عیبوں اور ظاہری باطنی لغزشوں کو عجب کے وقت دیکھا کرے ..... اس سے پھر گمان بزرگی اور کمال کا اپنی نسبت پیدا نہ ہوگا ..... پس اس شعر میں تعلیم ہے ..... سلوک کی۔ قالؒ

چہ نسبت است برندی صلاح وتقوی را	سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا

اس کا مقصود بھی قریب مقصود شعر سابق کے ہے ..... کہ بعضے لوگ تھوڑے سے

اعمال حسنہ اختیار کرکے ــــ باوجود ارتکاب قبائح کے مغرور ہوجاتے ہیں ــــ حالانکہ صلاح و تقویٰ و سماع وعظ کو جس پر وہ نازاں ہیں ــــ رندی اور نغمہ رباب سے کہ وہ اس میں بھی مبتلا ہوتے ہیں ــــ کیا نسبت کہ ان قبائح کے ہوتے ہوئے ان طاعات کا دعویٰ بے جا ہے۔ قالؒ

دلم ز صومعہ بگرفت و خرقۂ سالوس	کجاست دیر مغان و شراب ناب کجا

صومعہ معبد یہود ــــ مراد مطلق معبد ــــ سالوس مکر ــــ مغان آتش پرستان ــــ ناب خالص ــــ یہاں اس عبادت ریائی کی مذمت ہے جس میں اخلاص نہ ہو ــــ اور ترغیب ہے صحبت اہل محبت اور تحصیل محبت وطاعت خالصہ کی ــــ تقریر شعر کی ظاہر ہے۔ قالؒ

بشد زیاد خوشش یاد روزگار وصال	خود آن کرشمہ کجا رفت و آن عتاب کجا

یہ شعر حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے ــــ از یاد شدن فراموشی و نسیان کہ باعتبار معنی مجازی کنایت ــــ از ترک کما صرح بہ المفسرون ــــ فی قولہ تعالیٰ نسیناھم۔ کرشمہ ادائے محبت عبارت از تجلی جمالی ــــ عتاب عبارت از تجلی جلالی ــــ حالت بسط میں جو کہ وصال کی ایک خاص صورت ہے ــــ جو قلب پر واردات ہوتے ہیں ــــ ان میں بعض تجلیات جمالیہ ہوتی ہیں ــــ بعض تجلیات جلالیہ ــــ اور ہر ایک میں سالک کو ایک خاص حظ ہوتا ہے ــــ اور دونوں آثار اس قرب و وصال خاص کے ہیں ــــ پس قبض میں وہ واردات جو منقطع ہوگئے اس لئے تنگ ہوکر کہتے ہیں ــــ کہ اس وصال وبسط کی حالت میں جو تجلیات وواردات ہوتے تھے کہاں گئے ــــ جاننا چاہئے کہ یہ تنگی طبعی و اضطراری ہے ــــ ورنہ قبض میں ایک حالت رفیعہ اور ایک گونہ قرب و وصل ہے ــــ کما بین فی محلہ اور کامل جو قبض جیسے تنگ ظاہر کرتا ہے ــــ مقصود وہ اظہار افتقار و انکسار ہوتا ہے ــــ نہ کہ شکوہ و شکایت کما قال العارف الرومی۔

دل ہمی گوید ازو رنجیدہ ام	وز نفاق ست او خندیدہ ام۔ فافہم

قالؒ

ز روی دوست دل دشمنان چہ دریابد	چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

مدلول الفاظ ظاہر ہے کہ ــــ مخالفین کا قلب محبوب کے حسن و جمال کو کیا ادراک

کرے گا... جیسا بجھے ہوئے چراغ کو شمع آفتاب یعنی آفتاب سے کوئی نسبت نہیں ..... اسی طرح مدرَک و مدرِک مذکور میں کوئی نسبت نہیں..... شاید اس میں یہ مسئلہ حقیقت کا جتانا منظور ہے کہ ..... محبوب حقیقی کی ذات یا صفات مشہور ہو یا غیر مشہور ہو کے جو مخفی معلوم ہوتے ہیں ... واقع میں نقصان ادراک ان ہی کی جانب ہے ۔ ورنہ وہ شمع اپنی ذات و صفات و کمالات کے اظہر من الشمس ہیں کسی نے خوب کہا ہے

شد نهفت پردهٔ چشم اینا نهفت پردهٔ چشم	بے پردہ ورنہ ما بے چون آفتاب دارم

بلکہ محققین نے کہا ہے کہ ۔ غایت ظہور ہی سبب غایت بطون کا ہو گیا ہے

و تفسیر فی محمد ثانی

ببین بہ سیب زنخدان کہ چاہ در راہ است	کجا ہمی روی ای دل بدین شتاب کجا

لفظی مطلب تو ظاہر ہے کہ اے دل تو کہاں جلدی جلدی جا رہا ہے... راہ میں زنخدان بھی ہے ۔ کبھی تو اس میں نہ پھنس جائے پھر نکلنا مشکل ہو جائے ۔ اس لئے حسن پرستی سے دوری رہنا مناسب ہے ۔ اور اصطلاح قوم میں سیب زنخدان عبارت ہے محبوب کے لطف قہر آمیز سے ..... جس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات باوجود معصیت ظاہری کے نعمت ظاہری سلب نہیں ہوتی... اور اسی طرح باوجود معصیت باطنی مثل بدعت یا عجب وغیرہ کے نعمت باطنی..... مثل واردات و مکاشفات و خوارق وغیرہا کے مسلوب نہیں ہوتی ۔ جس سے سالک کو دھوکہ مقبولیت کا رہتا ہے... اور اس معصیت پر تنبہ یا اس سے توبہ کا عزم نہیں ہوتا ۔ تو ظاہر میں تو یہ لطف ہے..... مگر واقع میں قہر غضب اور ایک نوع کا استدراج ہے ... پس حاصل شعر کا یہ ہوا کہ اے سالک تو جو باوجود صدور معاصی کے ... اپنی حالت پر جما ہوا چلا جا رہا ہے ... اور اس میں تبدل نہیں ہوا ... ذرا دیکھ تو یہ لطف قہر آمیز ہے ۔ کبھی اس عقبہ میں تو پھنسا رہے ... اور ترقی و عروج قرب سے رک جائے ۔ ذرا سنبھل اور غور سے کام لے ... اور قواعد شریعت و طریقت کو معیار بنا کر اپنی اصلاح کر لے۔

چو کحل دیدۂ ما خاک آستان شماست	کجا رویم بفرما ازین جناب کجا

قرار وخواب ز حافظ طمع مدار اے دوست	قرار چیست صبوری کدام و خواب کجا

ان دونوں کا ظاہری مطلب تو ظاہر ہے ۔ اور بلسان معنی اس میں تعلیم ہے سالک کو کہ خواہ طریق طلب میں کچھ ہی پیش آئے ۔۔۔ ناکامی و نامرادی و تنگی وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ محبوب حقیقی کے سوا اور کوئی مقصود نہیں اس کو چھوڑنا نہ چاہئے طلب میں لگا رہے ۔۔ ورنہ دوسرا ٹھکانہ کہاں ہے یہ تو عدم حصول مراد کی حالت میں ہے اور شعر ثانی میں حصول مراد کی حالت کے متعلق تعلیم ہے کہ خواہ کیسا ہی کمال یا حال یا مقام حاصل ہو جائے ۔۔ لیکن پھر بھی طلب ہی میں سرگرم رہے ۔۔۔ قناعت اور توقف نہ کرے آگے بڑھتا رہے خوب کہا ہے ۔

اے برادر بے نہایت درگہیست	ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

غزل

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا	بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

معنی ظاہری ظاہر ہیں ۔ کہ اگر وہ محبوب شیراز کا رہنے والا جہان کے محبوب حسن و عنائی میں مشہور ہیں ۔ ہماری دلداری کرے ۔ یعنی ہم کو اپنے دیدار سے کامیاب کرے تو میں صرف اس کے ایک سیاہ تل (دیکھئے) کے عوض اور شکریہ میں ۔ سمرقند اور بخارا کو جہان کے حسین ترین شہر مشہور ہیں دے ڈالوں اور نثار کر دوں اور معنی باطنی یہ ہیں کہ اگر محبوب حقیقی اپنی تجلیات سے مشرف فرما دے ۔ تو اس کی ادنیٰ تجلی کے مقابلہ میں دونوں عالم کو فدا کر دوں ۔۔ کیونکہ مقصود بالذات کے سامنے مقصود بالعرض کی طرف التفات نہیں ہوا کرتا ۔ قال

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت	کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلیٰ را

رکنا باد ایک چشمہ ہے شیراز میں اور مصلیٰ عیدگاہ کو کہتے ہیں ۔ وہاں اکثر عوام بطور تفریح و سیر کے جاتے تھے اور بعض اکثر خواص و اہل ریاضت وہاں رہ کر عبادات میں لاتے تھے ۔ معنی ظاہری یہ ہیں کہ اے ساقی شراب زندگی بخش ان دلکشا مقامات میں مجلس آراستہ کر کے دے دے ۔۔ کیونکہ جنت میں یہ چیزیں نہیں ملیں گی اور معنی باطنی

یہ ہیں کہ اے مرشد شراب محبت یہاں عطا کر دیجئے ...... اس طرح سے کہ اذکار و اشغال جو موورث محبت ہوں تعلیم فرما دیجئے ...... کیونکہ جنت میں پھر ریاضت اور مشقت جن پہ مدار ترقی مراتب ہے میسر نہ ہوگا ...... چنانچہ معلوم و مسلم ہے کہ جنت میں اعمال وطاعات موجب ترقی قرب نہ ہوں گے ...... اس لئے دنیا ہی میں ان اعمال کا طریقہ بتلا دیجئے ...... تاکہ محنت مشقت کرکے اس کے ثمرات سے ...... ابداً آباد متمتع ہوں۔ قال

فغان کین لولیاں شوخ شیریں کار شہر آشوب	چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغمارا

معنی ظاہری تو یہ ہیں کہ ...... میں ان شاہدان شوخ شیریں حرکات شہر آشوب کے ہاتھ سے فریاد کرتا ہوں ...... کہ انہوں نے متاع صبر و قرار اس طرح غارت کر دیا ...... جس طرح ترک خوان یغما کو لوٹ بھاگتے ہیں ...... اور معنی باطنی یہ ہیں کہ اذکار و اشغال میں جو انوار وغیرہ منکشف ہوتے ہیں ...... اور اپنی دل کشی سے سالک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں ...... اے مرشد میں ان سے فغان کرتا ہوں جلدی اس کی طرف مشغول ہونے سے بچنے کا طریقہ بتلایئے ...... کیونکہ ان میں مشغول ہونا مانع وصول الی المقصود الحقیقی ہے ...... چنانچہ اسی مضمون کو حضرت حافظ نے دوسری جگہ اس طرح فرمایا ہے۔

دلبران گر دلبری زینسان کنند	زاہدان را رخنہ در ایمان کنند

احقر نے حضرت پیر و مرشد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے کہ ...... حجب نورانیہ اشد ہیں حجب ظلمانیہ سے ...... قال

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است	بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبا را

اس میں اصلاح ہے ایک غلطی کی ...... جو اکثر اہل طریق کو ایک مشہور مسئلہ ...... کنت کنز امخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق سے اور اس کی شرح میں جو بعض کلمات اس قسم کے مشہور و منقول ہیں۔

نکورو تاب مستوری ندارد	چو در بندی سر از روزن برآرد

اور جیسے کہا جاتا ہے کہ ...... جمال الٰہی مقتضی ظہور کا ہوا تاکہ مرآۃ خلق میں اپنا مشاہدہ

کرے... اور خلق بھی اس جمال کا مشاہدہ کرے و امثال ذلک اپنے کلمات سے عدم صحی
واقع ہو جاتی ہے۔ اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ غایت ظہور کی یہی مشاہدہ و معرفت ہے جو
موقوف ہے ہمارے وجود پر... تو گویا بدون ہمارے اس غایت کا اکمال نہ ہو سکتا تھا
...اور پھر حق سے جمال اس ظہور کو مستلزم ہے جس سے ایک گونہ ابہام اضطرار کا ہوتا
ہے ...سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون سو اس شعر میں اس کی اصلاح ہے... کہ خود ہمارا
عشق اور عرفان ہی ناتمام ہے اور ذات جمیلہ محبوب حقیقی کی خود موصوف ایسے کمال تام
کے ساتھ ہے... کہ وہاں اکمال بالغیر محال ہے خصوص جبکہ وہ غیر محض ناقص ہو... جیسا
فرض کرو کوئی شخص نہایت زیبا صورت ہو... تو اس کو دیگر مستحسنات عارضیہ کی کوئی احتیاج نہیں
اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ ہر احتیاج سے منزہ ہیں اور وہاں احتیاج محال ہے۔ اور
مشاہدہ مذکورہ کو غایت ظہور ہونا اسی طرح کمال و جمال کو مستلزم ظہور ہونا یہ دونوں امر
مستلزم احتیاج ہیں جو محال ہی اور مستلزم محال خود محال ہے... پس غایت مذکورہ اور استلزام
مذکور کا حکم محال ہوگا... بلکہ یہ سب کچھ ہمارے ہی حال پر عنایت فرمانے کے لئے اور
ہمارے اکمال کے لئے ہے... وہ کسی ہمارا دوا تغییر جیسا کہ مولانا رومی کا بھی ارشاد ہے

من نہ کردم خلق تا سودے کنم	بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

باقی ایک وقت تک عدم رہا... پھر وجود عطا ہوا اس کی تحقیق راز اور حکمت خدا ہی کو
معلوم... اور کلمات مشہورہ جو اس کے خلاف کے موہم ہیں وہ بوجہ اس کے کہ مقال
اہل حال ہے... ماول ہوگا کیونکہ ہماری تحقیق مذکور قرآن و حدیث کا منطوق ہے اور
محکم۔ خوب سمجھ لو۔ قولہ

من از آن حسن روز افزون کہ یوسف داشت دانستم	کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را

عصمت سے مراد خودداری جو اکثر زاہدان خشک میں ہوتی ہے جس کی وجہ
واردات قلبیہ سے بے بہرہ ہوتا ہے... اور جب کسی کامل کی توجہ اور تعلیم سے ان واردات
کا ورود ہوتا ہے بیچارہ کی ساری خودداری خاک میں مل جاتی ہے اس تقریر کے
بعد مطلب ظاہر ہے کہ یوسف یعنی محبوب حقیقی کے حسن روز افزوں سے یعنی ان

واردات سے جو سالک کے قلب پر علی سبیل التزائد متجلی ہوتے ہیں۔۔۔۔ مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا اثر کہ عشق و معرفت ہے۔۔۔۔ اس سالک کو اس کی قدیم خودداری کے دائرہ سے ضرور نکال دے گا۔۔۔۔ چنانچہ انکسار و شکستگی کا ترتب اس پر مشاہد ہے۔۔۔۔ قال"

حدیث از مطرب ومی گو و راز دہر کمتر جو	کہ کس نکشود و نہ کشاید بحکمت این معما را

اس میں اصلاح ہے۔۔۔۔ ان لوگوں کی جنہوں نے شب وروز اپنا بڑا شغل۔۔۔۔ اور بڑا مقصود مسائل تصوف و اسرار حقیقت کی تحقیق کو بنا رکھا ہے۔۔۔۔ اور جو اصل مقصود ہے ذکر و شغل اس میں کمی کرتے ہیں۔۔۔۔ ان کو غیر مقصود کی طرف التفات سے روک کر ۔۔۔۔ مقصود کی طرف کہ محبت و معرفت ہے۔۔۔۔ اور جن اعمال سے محبت و معرفت پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔ ان کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ قال"

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست دارند	جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

یہ شعر اوپر کے شعر سے متعلق ہے۔۔۔۔ چونکہ اس میں مسائل تصوف کی تحقیق سے منع کیا تھا۔۔۔۔ اور اس کا غیر نافع بلکہ مضر ہونا مبتدی کی سمجھ میں آتا نہیں۔۔۔۔ اس لئے شاید وہ اس کے ماننے میں پس و پیش کرتا۔۔۔۔ لہٰذا نہایت شفقت سے اس کو اس مضمون کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔۔۔۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستقل نصیحت ہو۔۔۔۔ کہ اگر مبتدی کی سمجھ میں مرشد کے کسی امر بالمباح کی حکمت نہ آئے تب بھی اطاعت کرنا چاہئے۔ قال"

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی	جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خا را

اس میں تعلیم ہے۔۔۔۔ مسترشد کی کہ اگر مرشد کبھی تلخ و درشت کہے تو اس میں اپنی اصلاح سمجھ کر۔۔۔۔ بزبان حال اس کو اس شعر کا مخاطب قرار دے کر دلگیر نہ ہو۔۔۔۔ مولانا روم کا ارشاد ہے۔

صبر کن در کار خضر ای بے نفاق	تا نگوید خضر رو ہٰذا فراق

اور جب مرشد کے ساتھ ایسا معاملہ رکھنا ضروری ہے۔۔۔۔ تو اگر احیانا محبوب حقیقی کی جانب سے۔۔۔۔ کسی ایسے خطاب و عتاب کا انکشاف واقع ہو۔۔۔۔ تو اس کو حکمت پر مبنی سمجھ کر مکدر و معطل نہ ہو۔ قال"

غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخوان حافظ	کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

چونکہ غزل مذکور میں بہت مفید مضامین ہیں ـــــ اس لئے اس شعر میں اس غزل کی ثنا کرتے ہیں ـــــ ترجمہ ظاہر ہے۔

غزل

دوش از مسجد سوی میخانہ آمد پیر ما	چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما
در خرابات مغان مانیز ہم منزل شویم	کاین چنیں رفت است در عہد ازل تقدیر ما
ما مریدان روبسوی کعبہ چون آریم چون	روبسوی خانۂ خمار دارد پیر ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے ـــــ معنی معنوی یہ ہے کہ مسجد اور کعبہ سے مراد طریق کثرت عبادت ـــــ اور میخانہ اور خرابات مغان اور خانۂ خمار سے مراد طریق عشق و محبت اور یہ دونوں طریق وصول الی اللہ کے مملوک ہیں ـــــ ہر شخص کی جیسی استعداد ہوتی ہے ـــــ اسی طرح اس کو تربیت کیا جاتا ہے ـــــ اور طریق محبت کے معنی یہ نہ سمجھے جائیں کہ اس میں عبادت نہیں ہوتی ـــــ کہ یہ تو الحاد محض ہے بلکہ کثرت عبادت نہیں ہوتی ـــــ یعنی نوافل وغیرہ کا اہتمام زیادہ نہیں ہوتا ـــــ پس وہ طریق بھی خلاف شرع نہیں ہے ـــــ اور یہ تعیین طریق تربیت کی کبھی شیخ کی فراست سے ہوتی ہے ـــــ اور کبھی غیبی طور پر اس پر ویسے ہی واردات ہونے لگتے ہیں ـــــ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابتدا ایک طریق سے ہوئی تھی ـــــ اور تکمیل دوسرے طریق سے ہوتی ہے ـــــ کبھی کامل کے حال میں بھی تبدل ہو جاتا ہے ـــــ گو وہ تبدل مبتدی کا سا نہیں ہوتا ـــــ جب یہ سب مقدمات سمجھ میں آ گئے ـــــ اب مطلب اشعار کا سمجھنا چاہئے ـــــ شعر اول سوال ہے ـــــ دوسرا شعر جواب ہے ـــــ تیسرا شعر اس جواب کی دلیل ہے ـــــ پس فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کی حالت غیبی طور پر کچھ بدلی ہے ـــــ کہ پہلے ان پر طریق کثرت عبادت کا غلبہ تھا ـــــ اب طریق عشق کا غلبہ ہو گیا گو جامعیت دونوں حالتوں میں پائی ہے ـــــ اب سوال کے طور پر کہتے ہیں کہ اس حالت میں ہمارے لئے کیا تدبیر مناسب ہے ـــــ آیا اس تبدل سے دوسرے شیخ کو بدلنا چاہئے ـــــ یا اسی شیخ کا اتباع

اس طریق میں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس وقت تعلیم میں بھی اثر اسی کا غالب ہوگا
.. پھر خود جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ہم کو بھی شیخ کے ساتھ ہم مشرب ہونا چاہیے
یعنی اسی طریق میں شیخ کا اتباع چاہیے کیونکہ ظاہرا ہماری تربیت اسی طرح مقدر ہے
.. اس ظاہری دلیل یہ ہے کہ ایسے اسباب جمع ہو گئے کہ اس شیخ سے ہمارا تعلق ہو گیا
. یہ علامت باہمی تناسب کی ہے جو مدار فیض و افادہ ہے۔ جیسا حدیث میں ہے
الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف آگے
اس کی دلیل فرماتے ہیں کہ جب ہمارا شیخ ایک طریق پر ہے... تو ہم دوسرے طریق پر
کیسے ہو سکتے ہیں۔ حاصل دلیل کا یہ ہوا کہ افادہ و استفادہ میں اتحاد مشرب شرط ہے
اگر ہم نے دوسرا طریق اختیار کیا تو شرط فیض ہو جائے گی .. پھر فیض بھی نہ ہوگا اور یہ
احتمال کہ دوسرے سے فیض ہو جس کا دل میں قطع ہو چکا ہے۔ کہ ظاہرا فیض اسی شیخ سے
مقدر ہے اور چونکہ بحث باب ظنیات سے ہے ظنیات میں خطابیات احتجاج کے
لئے کافی ہیں .. اس واسطے اس تقریر پر کوئی غبار نہیں۔ حاصل مقام کا یہ ہوا کہ جیسے بعض
خام طبع ذرا ذرا سی بات میں کہ ان کے خلاف طبع ہو گو خلاف شرع نہ ہو پیر سے بدگمان
اور منحرف ہو جاتے ہیں یہ دلیل اس کی ہے کہ ایسے سبب سے قطع تعلق کرنا نہ چاہیے
. بلکہ اس کا اتباع بوقت عدم ترک ضروری ہے کہ ممکن ہے کہ اسی حال میں ترقی
ہوئی ہو ... اور یہ تبدیل اس کا اثر ہو اور ممکن ہے کہ تمہاری تربیت اسی تبدیل سے وابستہ
ہو ... کہ تمہارا تبدیل مقصود ہو۔ واللہ اعلم ... قال

عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما	عقل گرداند کہ ایں بند عشق چوں خوش است

یعنی جو طریق سلوک میں کیفیات عشقیہ مثل آہ و نالہ و فریاد و زاری و درد و غم وغیرہ
کو عقلاء ظاہری سمجھتے ہوں گے کہ یہ لوگ بڑی مصیبت میں ہیں۔ لیکن ہماری
روحانی مسرت و نشاط کی اگر ان کو خبر ہو جائے تو اس زنجیر زلف و قید عشق کی طلب اور تمنا
اور اشتیاق میں وہ خود دیوانوں کی طرح پھرنے لگیں اور خود بھی ان کیفیات کے جویان و
خواہاں ہو جائیں۔ مطلب یہ کہ لذت عشق پر ہزاروں راحت قربان ہیں۔ قال

روئ خوبت آیتے از لطف بر ما کشف کرد	زاں سبب جز لطف وخوبی نیست در تفسیر ما

یہ شعر تجلی جمالی... یعنی اس درجہ کے غلبہ کی حالت کا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی میری
تفسیر و بیان میں جو رجا و رحمت کے مضامین زیادہ معلوم ہوتے ہیں... اس کی وجہ یہ ہے کہ
محبوب کے روئ خوب یعنی تجلی جمالی نے لطف و رحمت کی صفت...... مجھ پر منکشف کر دی
اس لئے جس کیفیت کا قلب پر غلبہ ہے زبان سے بھی اسی کا صدور ہوتا ہے..... اس
سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ... ظاہری اقوال و احوال بھی جبکہ بے ساختہ صادر ہوتے
معلوم ہوں۔ علامت ہوتی ہے اس شخص کی کیفیت باطنی کی ---- جب پیر کی تلاش کرنے
والے کو اس سے استمداد ہو جیے۔ اور آیت و تفسیر کا جمع کرنا لطف شاعری ہے۔ قال

با دل سنگینت آیا ہیچ درگیرد شبے	آہ آتشبار و سوز نالۂ شبگیر ما

لفظ سنگین مجاز از صفت غنا و لفظی بے ادبی در غلبۂ عشق گفتہ است۔ شبگیر آخر
شب... لفظ آیا برائے تمنا..... درگیرد یعنی اثر کند و مقرون رحم آرد بدون اعتبار انفعالی... حاصل یہ کہ تمنا
کرتے ہیں کہ ہماری مناجات سحری جس کا منشا عشق ہے۔ آپ کی صفت غنا کو ہمارے
حال پر مصدر رحمت کر دے.... یعنی ہم پر رحمت فرمانے میں گو کوئی آپ کو حاجت نہیں ہے
.....اور یہی معنی ہیں غنا کے۔ مگر ہماری حاجت کی وجہ سے ہم پر رحمت فرمائیے۔ خلاصہ
یہ کہ تمنائے رحمت کر رہے ہیں... اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے... کہ سالک اپنے
مجاہدات و ریاضات پر نظر کر کے اپنے کو مستحق فیضان کا نہ سمجھے ... بلکہ انکسار و افتقار و تذلل و
عرض حاجت کرتا رہے... تنبیہ بعضے کم فہم غنا کے معنی بے التفاتی کے سمجھتے ہیں.. جو غلط
ہے بلکہ اس کے معنی بے احتیاجی کے ہیں جو مقتضی ہے زیادت التفات و عنایت کو
کیونکہ مخلوق جو التفات میں کمی کرتے ہیں تو سبب اس کے کہ بعض منافع کے محتاج ہوتے ہیں
...جس سے وہ منفعت حاصل ہوتی ہے اس کی طرف التفات کرتے ہیں۔ جس سے وہ
منفعت حاصل نہیں ہوتی اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ پس عدم التفات کی
علت احتیاج ہے... اور یہ وہاں مفقود ہے لہٰذا التفات زیادہ متوقع ہے۔ ہاں اگر عبد ہی
کی طرف سے کوئی امر مانع ہو مثل غرور و ترفع وغیرہ کے تو وہ اور بات ہے تو وہ سمجھ لو۔ قال

مرغ دل را صید جمعیت بدام افتادہ بود	زلف بکشادی و باز از دست شد نخچیر ما

زلف کنایہ از صفت قابض بمناسبت آنکہ زلف پریشانی دارد ...... ودر حالت قبض ہم پریشانی رود ہد ...... پس ہر دو را تعلقے است با پریشانی ...... ونیز چنانچہ زلف ساتر رخ است ...... ہمچنان قبض ساتر واردات جمالیہ است ...... ودر مجاز ہمیں قدر مناسبت کافی است ......
یعنی ہمارے قلب میں کیفیت سکون کی ہوگئی تھی ...... مگر قابض کی تجلی سے قبض ہوا ...... اور پھر آشفتگی اور پریشانی ہوگئی ...... اس میں تحقیق ہے تعاقب بسط وقبض کی ...... اور تعلیم ہے کہ کسی حالت مرغوبہ پر عجب نہ کرے ...... کہ ورود ضد سے ہر وقت زوال محتمل ہے۔ قال

باد بر زلف تو آمد شد جہان بر من سیاہ	نیست از سودای زلفت بیش ازین توفیر ما

باد سبب پریشانی زلف می باشد ...... کنایہ از صفت ارادہ کہ سبب تعلق صفت قابض باشد ...... باحوال قلبیۂ سالک جہان سیاہ شدن پریشان شدن ...... توفیر زیادت و حاصل ...... سودا خیال عشق ...... مطلب یہ کہ آپ نے جب ارادہ فرمایا کہ ...... میرے قلب پر کیفیت قبض کی وارد کریں ...... تو اس کے ورود سے میری پریشانی بڑھ گئی ...... جو کہ لازمۂ قبض ہے ...... آگے کہتے ہیں کہ واقعی تجلی اسم قابض کا یہی فیض ہے اور لفظ سودا بڑھانے میں اشارہ ہے ...... ایک تحقیق کی طرف وہ یہ کہ صفات الٰہیہ سب جمیل اور محبوب ہیں ...... اور عاشق کو واجب ہے کہ ہر صفت کے فیض کو ...... خواہ جمالی ہو یا جلالی ہو دل وجان سے قبول کرے ...... اور اس میں اپنی تربیت سمجھے ...... پس قبض سے بھی دلگیر نہ ہو۔ اور سودا اور زلف میں لطف شاعری بھی ہے۔ قال

تیر آہ ما ز گردون بگذرد وجان عزیز	رحم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما

اگر اس کا مخاطب ظاہر پرستوں کو کہا جائے ...... جو کہ عشاق کے حالات سے بے خبر ہوتے ہیں ...... اور ان کو ایذائیں پہنچاتے ہیں تب تو معنی بے تکلف ہیں ...... کہ ہمارا تیر آہ کہ آہ مظلوم ہے آسمان سے گزر کر پایۂ سریر سلطانی تک پہنچتا ہے ...... اور مقبول ہوتا ہے تو اے جان عزیز (یہ شفقتہ کہہ دیا) ہم کو ایذامت پہنچاؤ ...... اپنے اوپر رحم کرو اس صورت میں اس

ز زلف و رخ نمودی عکس روی را خطا است۔ چه دیجور صفت شب واقع شود... نہ آنکہ دیجور مطلق شب سیاہ را گویند... و سبب این غلطی نسخہ است صحیح چنین ست ع ز زلف و رخ نمودی شمس و ضحی یا للعجب یعنی سایہ در یں صورت مقابلہ شمس و ضحی بمعنا بہت زلف و رخ درست می شود... پس روی را کشف دیجور فہمیدن موجب عدم فہم است۔ بہ مند عظمہ العالی) تو انیب حوادث سلطنت ملک ...... اس پوری غزل کے اشعار بطور قطعہ بند کے ہیں ... سب میں ایک ہی مضمون ہے...... یعنی اسرار حقیقیہ و حقائق عرفانیہ کی تفہیم پانے پر مسرت اور شیخ تفہیم کنندہ کا شکریہ۔ خلاصہ یہ کہ شب گذشتہ میں میں نے شیخ سے کہ خدا تعالیٰ ان کو خوش رکھے ... اسرار عشق سے جو کہ جانسوز تھے ان مضامین کے سوز نے ... میرے اندر ایسا اثر کیا کہ کسی شے کو میں نے رقت سے خالی نہ پایا ...... اس وجہ سے کہ اپنے اندر جو کیفیت ہوتی ہے اس کا اثر ہر شے میں محسوس ہوا کرتا ہے ... اس توجیہ پر تو رقت صفت ہر شے کی ہوگی...... اور یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ رقت صفت متکلم کی ہو ۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ میں نے ہر شے کو اس طور پر دیکھا کہ اس کو دیکھ کر مجھ کو رقت ہوتی تھی ... وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شے نظر معرفت میں آئینہ جمال الٰہی ہے ...... جب اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں ...... تو ہر شے کو اسی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور اس نظر کے لئے تاثر و رقت لازم ہے ...... آگے پھر شیخ کے بیان اسرار کا بیان ہے ...... کہ ایسا ہمراہی اور رفیق میرا ساقی تھا یعنی ایسا شیخ ان معارف کو بیان کر رہا تھا۔ ۔ کہ واردات جلالیہ و جمالیہ کے بیان سے شمس اور دیجور کا نقشہ دکھلا رہا تھا... یا یوں کہا جائے کہ ان واردات کو اپنے تصرف سے قلب پر القا قصد کر رہا تھا۔ ۔ جب اس نے میرا شوق دیکھا تو پیالہ میں شراب اور چڑھا دی یعنی میرے قلب میں تعلیماً یا القاءً وہ اسرار و واردات اور القا فرمائیے ...... اس وقت میں نے خوش ہو کر ساقی فرخندہ پے سے کہا کہ آپ نے مجھ کو ان اسرار کے القا کی بدولت ہستی موہوم کے شر و رو آفات سے ۔ یعنی آثار ظلمانیہ و کدورات نفسانیہ سے چھڑا دیا ۔ جبکہ علی التواتر وہ اسرار مجھ پر القا فرمائے ...... پس اللہ تعالیٰ آپ کو تمام حوادث کے شر سے محفوظ رکھے ... اور دونوں جہان میں اس کی جزائے خیر دے۔ اور جب میں ان اسرار سے بے خود ہو گیا تو تمام سلاطین کے ملک و دولت کی ایک جو کی برابر بھی ۔ میری آنکھ

میں قدر نہ رہی ...... چنانچہ ظاہر ہے کہ دولت باطنی کے سامنے دولت ظاہری لاشی محض ہے۔

غزل۔ قال

صوفی بیا کہ آئینہ صاف است جام را	تا بنگری صفائے مے لعل فام را

صوفی کا اطلاق کبھی صوفی حقیقی پر آتا ہے ...... کبھی مدعی پر یہاں معنی ثانی مراد ہیں ...... اور جام سے مراد قلب اس کو آئینہ سے تشبیہ دی باعتبار انجلاء کے مجاہدہ و ریاضت سے ...... اور مے سرخ رنگ سے مراد عشق و محبت باعتبار سکر و بیخودی کے ...... مطلب یہ کہ اے مدعی تم اپنے کمالات پر کیا دعویٰ کرتے ہو ...... ادھر طریق اہل صدق کی طرف آؤ ...... اور صدق اختیار کرو ...... کہ آئینہ قلب فی نفسہ صاف ہے ...... صرف اوصاف ذمیمہ کا اس پر حجاب پڑا ہے ...... صدق کی برکت سے یہ اٹھ جائے گا ...... پھر اس وقت اس میں تجلیات ذات وصفات کی منعکس ہوکر محبوب حقیقی کی معرفت ہوگی ...... اور معرفت سے محبت و عشق کا غلبہ ہوگا ...... اس وقت نور محبت کا ادراک ہوگا ...... حاصل شعر کا ترغیب دینا ہے ...... تصفیہ و تزکیہ میں ...... کہ ذریعہ وصول الی المحبوب ہے۔ قال

راز درون پردہ ز رندان مست پرس	کاین حال نیست صوفی عالیمقام را

یہاں بھی صوفی سے وہی معنی ثانی مراد ہیں ...... جو شعر بالا میں مذکور ہوئے ...... اور عالیمقام باعتبار شان وشوکت ظاہری کے کہا۔ مطلب یہ کہ اسرار حقیقت عشاق وتارکان تعلقات ...... مستغرقان محبت سے دریافت کرنا چاہئے ...... کہ مدعیوں پر احوال باطنی ہی طاری نہیں ہوئے ...... تاکہ ان سے قلب پر واردات حالیہ یا علمیہ فائض ہوتے ...... اس میں بھی مذمت ہے دعویٰ کی ...... اور ترغیب ہے صدق و ترک ماسوی کی۔ قال

عنقا شکار کس نشود دام باز چین	کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

باد بدست یعنی لاحاصل ...... عنقا کنایہ از ذات باعتبار اختفائے دائم ...... مطلب یہ کہ جس طرح عنقا کو کوئی شکار نہیں کرسکتا ...... بس دام پھیلانا اور کوشش کرنا لاحاصل ہے ...... اسی طرح کنہ ذات بحت کو کوئی ادراک نہیں کرسکتا ...... اس لئے فکر اور سوچ بیکار ہے ...... اس

میں سالک کو یہ بتاتا ہے کہ ــــ انکشاف ذات کی فکر میں پڑ کر پریشان نہ ہو ــــ اور اپنا وقت صرف نہ کرے ــــ پس اس شعر میں علم وعمل یعنی حقیقت وطریقت دونوں کی تعلیم ہے۔ قالؒ

من آن زمان طمع ببریدم ز عافیت	کاین دل نہاد در کف عشقت زمام را

یعنی میں نے تو اسی وقت عافیت سے امید قطع کر دی تھی ــــ جبکہ میرا دل تیرے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا ــــ اس میں تعلیم ہے کہ عاشق حق کو عافیت اور بے فکری کی طلب عبث ہے ــــ جو حالت شدیدہ سے شدید عشق میں پیش آئے ــــ اس کو برداشت کرے ــــ یہ مضمون ان لوگوں کے یاد رکھنے کا ہے ــــ جو بعض احوال باطنی سے تنگ آ کر دوسرے احوال مرغوبہ کی تمنا کیا کرتے ہیں ــــ ممکن ہے کہ یہ ناگوار حالت اس گوارا حالت سے انفع ہو۔ قالؒ

مارا بر آستان تو بس حق خدمت است	اے خواجہ باز بین بترحم غلام را

ہر چند کہ شان محبوب کے لائق کسی سے بھی خدمت نہیں ہو سکتی ــــ مگر اپنی طاقت سے زیادہ جوش محبت وعشق میں ــــ اس کا صدور ہو جاتا ہے ــــ اور ثمرہ وکامیابی میں دیر ہونے سے ولولہ میں وہ طاعات زبان پر بھی آ جاتی ہیں ــــ یعنی مدت ہوئی طلب وخدمت میں سرگرم ہوں ــــ اب تو کامیاب فرما دیجئے ــــ یہ ایک حالت ہے جس میں عاشق معذور ہے ــــ اور اگر مقصود افتقار ہو تو ماجور ہے کقول یعقوب علیہ السلام انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ وکتوسل اهل الغار باعمالهم الصالحة فی الخروج عن الغار۔ قالؒ

در عیش نقد کوش کہ چون آبخور نماند	آدم بہشت روضۂ دار السلام را

عیش نقد سے مراد اعمال وطاعات ومجاہدہ ــــ جس کو سر دست عمل میں لے آئے ــــ اور اگلے وقت پر نہ رکھے ــــ مطلب یہ کہ جو کچھ ذخیرہ آخرت جمع ہو سکے جمع کر لو ــــ اور نفس کی تسویلات وتسویفات میں مت رہو کہ کل کر لیں گے پرسوں کر لیں گے ــــ حتیٰ کہ عمریوں ہی ختم ہو جاتی ہے ــــ بلکہ جو کچھ کرنا ہو فوراً کر لو ــــ کیونکہ جب آدم علیہ السلام کا حصہ جنت میں قیام کرنے کا علم الٰہی میں ختم ہو گیا ــــ تو ان کو ایسے اسباب پیش آئے کہ بہشت چھوڑنا پڑی ــــ پس جب بہشت جو کہ فی نفسہ دار اقامت ہے ــــ اجل معین

گزرنے پہ چھوٹ گئی تو دنیا جو کہ دارالزوال ہے۔۔ اس کو تو اجل موعود پہ تم کو بدرجہ اولےٰ
چھوڑنا پڑے گا۔۔۔ پھر کس کے بھروسے ٹال رہے ہو۔ تاق

در بزم دور یک دو قدح درکش و برو	یعنی طمع مدار وصال دوام را

یہاں وصال سے مراد تجلی ذاتی ہے۔۔ جس کے معنی اصطلاح میں یہ ہیں کہ ذات
بحت کی طرف توجہ میں ایسا استغراق ہو کہ غیر ذات کی طرف اصلا التفات نہ رہے۔۔ اور
ممکن ہے کہ مطلق تجلی مراد ہو عام تجلی ذات وصفات سے۔۔ مگر وہی جس میں استغراق
تام ہو۔۔۔ حاصل شعر کا یہ ہے کہ بعض سالکین ایسے بعض احوال کے طاری ہونے کے بعد
اس کا دوام چاہتے ہیں۔ اور عادۃ اللہ یہ ہے کہ اکثر اس کا دوام نہیں ہوتا۔۔ اور اسی میں
نفع بھی ہے۔۔۔ کیونکہ حسب تصریح ائمہ فن استغراق میں ترقی نہیں ہوتی۔۔ کیونکہ ترقی
ہوتی ہے عمل سے۔۔۔ اور اس میں عمل نہیں ہوتا۔۔ دوسرے تعطل بھی ہو جاتا ہے۔ اور
مقصود بالذات طاعت ہے۔۔ تیسرے بدن کی تدبیر بھی مختل ہو جاتی ہے۔ اور قوام بدنی
کا اعتدال موقوف علیہ ہے طاعت کا۔ ان حکمتوں سے یہ تجلیات دائم نہیں ہوتیں۔۔ اس
لئے فرماتے ہیں کہ۔۔۔ جو کچھ احیانا ان تجلیات سے مشرف ہو جاؤ غنیمت سمجھو اور پھر سلوک
میں لگ جاؤ۔ برو سے اسی طرف اشارہ ہے۔۔ کیونکہ رفتن ترجمہ ہے سلوک کا۔ تاق

ای دل شباب رفت ونچیدی گلے زعمر	پیرانہ سر مکن ہنر ننگ و نام را

یعنی جوانی کی عمر جو کہ مجاہدہ و ریاضت کا وقت تھا گزر گئی۔۔ اور افسوس ہے تو نے کوئی
کام نہ کیا اب بڑھاپا آیا۔۔۔ تو علاوہ ضعف جسمانی و روحانی کے اب زیادہ ہوس رہتی ہے
جاہ کی۔۔۔ اور اسی کو ہنر سمجھتے ہیں۔ خواہ جاہ دنیوی یا جاہ دینی۔ جیسا اہل علم ظاہری کو
پیش آتی ہے۔۔۔ اور وہ جاہ بہت سے اعمال و قربات و طلب مقصود سے مانع ہوتی ہے
اس لئے نصیحت کرتے ہیں کہ اس ننگ و نام کے ہنر کو پیش مت کرو۔ کہ اب تو ہم خود
صاحب شان یا صاحب کمال مشہور ہیں۔ اب کیا کسی سے رجوع کریں۔ یا مبتدیوں
کے احوال و اشغال کو کیا اختیار کریں۔ یا خلاف کمال کا کیا اعتراف کریں۔ کہ شیخی
میں خلل پڑتا ہے۔ اللّٰھم احفظنا بلکہ اس بڑھاپے ہی کے حصہ میں جو کچھ ہو سکے اس میں

دریغ نہ کرے ...... پس ممکن میں جعل بسیط ہے ...... ایک ہی مفعول پر تمام ہوجاتا ہے ...... یعنی لاتجعل الانفۃ یعنی لاتستکف واللہ اعلم۔ قالؒ

حافظ مرید جام جم است ای صبا برو	وز بندہ بندگی برسان شیخ جام را

جام جم قلب پیر شیخ جام پیر یک ایں چنیں قلب دارد۔ ترجمہ تو ظاہر ہے شاید مقصود اس سے تنبیہ ہو ...... حقوق شیخ پر کہ مرید کتنا ہی کامل ہوجائے ...... جیسے کہ حافظ شیرازی تھے مگر تب بھی شیخ کا ادب اور احترام اور اعتراف اس کے ولی نعمت ہونے کا ...... بلکہ حسب موقع اس کا اظہار بھی کرتا رہے ...... حتی کہ اس کی حالت غیوبت میں بھی اس کے حقوق میں تساہل وتغافل نہ کرے ...... پس اس تقریر پر اس شعر میں تعلیم ہوگی آداب شیخ وحقوق صحبت کی ...... واللہ اعلم۔

غزل۔ قالؒ

رونق عہد شباب است دگر بستان را	میرسد مژدہ گل بلبل خوش الحان را

یہ شعر زمان بسط کا معلوم ہوتا ہے ...... کہتے ہیں کہ بستان یعنی قلب میں پھر عہد شباب یعنی زمانہ بسط کی رونق ...... یعنی شگفتگی حاصل ہوئی ہے اور گل یعنی محبوب حقیقی کا مژدہ ...... یعنی تجلیات جمالیہ بلبل خوش الحان یعنی عاشق پر وارد ہے ...... اور معنی ظاہری ظاہر ہیں۔

ای صبا گر بجوانان چمن باز رسی	خدمت ما برسان سرو وگل وریحان را

سرو گل وریحان سے مراد ...... وہی جوانان چمن بطور وضع مظہر موضع مضمر کے ...... مراد اس سے یاران طریقت مثل پیر بھائیوں کے ...... اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ صاحب طریقہ کو اپنے اصحاب واحباب کا خادم اور نیاز مند رہنا چاہئے ...... کہ اس میں علاوہ ادائے حق واختیار تواضع کے ان کی دعا وہمت وتعلیب قلب سے باطنی نفع بھی ہے۔

ای کہ برمہ کشی از عنبر سارا چوگان	مضطرب حال مگردان من سرگردان را

سارا بالف زائدہ بمعنی مثل چون خاکسار ای مثل عنبر ...... یا سارا بمعنی جا چون تمک سارو ہر دو تقدیر ...... مراد زلف وچوگان ...... ہم کنایہ از زلف بمناسبت امتداد وطول ...... وگلہ از برائے بیان ...... یا عنبر سارا صفت وچوگان موصوف ومفعول کشی محذوف اے

پردہ ... وسمہ مراد بید ورخ .. مطلب یہ ہے کہ زلف عنبر سار ... یعنی تجلی جلالی سے کہ اس
کے لوازم سے قبض ہے ماہ کو .. یعنی تجلی جمالی کو مستور نہ کیجئے ..... اور مجھ کو مضطرب حال نہ
کیجئے ... ہر چند کہ تجلی جلالی بھی تجلی محبوب ہی ہے .... لیکن اس کے عدم تحمل کے بیان سے
اپنے ضعف کا اظہار ہے ..... کہ شکستگی و انکساری مطلوب ہے۔ قال

در سر کار خرابات کنند ایمان را	ترسم آن قوم کہ بر دُرد کشان می‌خندند

سر خیال۔ کار خرابات سے نوشی .. مطلب یہ ہے کہ جو ظاہر پرست مدعی زہد و تقوی
عشاق پر ہنستے ہیں ... جو کہ شراب محبت سے بے خود ہیں .. اور اس وجہ سے بعض امور غلبہ
عشق سے ان سے ایسے سرزد ہو جاتے ہیں .. جو ظاہر پرستوں کی سمجھ میں نہیں آتے مجھ کو
یہ اندیشہ ہے ... کہ اس تحقیر و استکبار کی نحوست سے یہ کسی ایسی حالت میں مبتلا نہ ہوں
...... کہ پھر یہ بھی ایمان و تقوی میں خلل انداز ہو مثلاً کسی مخلوق ہی کے ناجائز عشق میں مبتلا
ہو جائیں ..... اس میں تعلیم ہے کہ کسی پر ہنسنا اور طعن کرنا نہ چاہئے ... ہاں اصلاح کے
موقع پر اصلاح کے طریقہ سے اصلاح کرنا ضروری ہے۔ قال

ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفان را	یار مردان خدا باش کہ در کشتی نوح

کشتی نوح طریقہ یا صحبت اہل حق .. مردان خدا اہل حق۔ خاک قناعت۔ طوفان
جاہ و ثروت ... آب بمعنی حصہ از ان۔ یعنی اے طالب حق .... تو اہل اللہ کی معیت و خدمت کو
مت چھوڑ ... کیونکہ اہل اللہ کے طریقہ علم و عمل یا صحبت میں ایسی قناعت و ترک ماسوی کی
تعلیم اور تحصیل ہے ..... کہ تم جاہ و سلطنت کو ذرہ برابر بھی نہیں سمجھتے ...... اس میں تعلیم ہے
ترک ماسوی کی .. اور ایسے تارکین کے ساتھ لگے لپٹے رہنے کی .. بھی اثبات ہے
برکت صحبت کا بھی۔ قال

کاین سیہ کاسہ در آخر بکشد مہمان را	برو از خانہ گردون بدر و نان مطلب

برو امر از رفتن ..... بدر بمعنی بیرون ... خانہ گردون دنیا۔ نان تعلقات .. سیہ کاسہ
بخیل .. یعنی اس دنیا سے بے تعلق رہو اور تعلقات کا طالب مت ہو ... کیونکہ یہ گردون

یعنی اہل دنیا کہ زیر گردون آباد ہیں...... آخرکار مہمان کو یعنی تجھ کو کہ مہمان چند روزہ ہے ہلاک کریں گے...... یعنی تعلقات دنیویہ سے کسی کو فلاح نہیں ہوتی...... بلکہ خسران وحرمان ہی ہاتھ آتا ہے۔ قالؒ

گر چنیں جلوہ کند مغ بچۂ بادہ فروش	خاک روب در میخانہ کنم مژگان را

مغ آتش پرست کنایہ از طالب نور حقیقی...... وگاہے کنایہ از پیر باشد مغ بچہ بچۂ مغ مراد از خلیفہ...... ارشاد کہ نائب پیر باشد...... یعنی اگر خلیفہ ارشاد...... کہ قاسم محبت ہے...... اسی طرح مظہر کمالات ہو تو میں پلکوں سے اس کے در پر جھاڑو دوں...... اس میں تعلیم ہے کہ خلیفہ ارشاد گو پیر بھائی ہو...... لیکن جب وہ بانابت شیخ افاضہ کرے تو اس کو مخدوم سمجھنا چاہئے...... مساوات کا دعویٰ اور حسد موجب حرمان ہے۔ قالؒ

نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود	گر تو سرگشتہ شوی دائرہ امکان را

اگر وجود سے مراد وجود حقیقی واجب ہے...... جیسا کہ امکان کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے...... تب تو اسرار سے مراد کنہ اور حقیقت ہے یعنی اگر وجود ممکن کے کل حقائق کو بھی محیط ہو جاؤ...... تب بھی واجب کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی...... اور اگر وجود سے مراد وجود ممکن ہو تو اسرار سے مراد حکمتیں ہیں...... یعنی اگر تمام عالم میں پھر جاؤ تب بھی حدوث اشیا کی حکمتیں معلوم نہیں ہو سکتیں...... کہ یہ عالم کیوں پیدا ہوا...... دونوں تقدیروں پر اس میں تعلیم ہے کہ جو امور احاطہ ادراک میں بھی نہ آسکیں...... طالب حق کو چاہئے کہ اس کے ادراک میں اپنا وقت صرف نہ کرے...... جیسے بہت لوگ اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ قالؒ

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشت خاک است	گو چہ حاجت کہ بر افلاک کشد ایوان را

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود تعلیم ہے...... ترک تعلقات وطول امل کی...... کہ لازمۂ طلب مقصود حقیقی ہے۔ قالؒ

ماہ کنعانی من مسند مصر آن تو شد	وقت آن است کہ پدرود کنی زندان را

یعنی اے روح یا قلب کہ مشابہ یوسف علیہ السلام کے ہے...... مسند یعنی مقام عشق تجھ

کو بفضلہ تعالیٰ میسر ہو گیا۔۔ اب دنیا کو کہ محبت موہن ہے ترک کر دو۔ مقصود اس میں بھی ارشاد ہے ترک تعلقات دنیویہ کا۔ قال

در سرِ زلف ندانم کہ چہ سودا داری
کہ بہم بر زدۂ گیسوی مشک افشان را

زلف کنایہ از عالم کثرت کہ ساتر وحدت است ... چنانکہ زلف ساتر رخ است

۔ چونکہ سالک کو بعد عروج کے نزول اور بعد فنا کے بقا ہوتا ہے۔۔۔ اور اس کے لوازم سے ہے توجہ الی الخلق ۔۔۔ اگرچہ وہ لطیف ہوتی ہے۔۔۔۔اس لئے بعنوان استفہام کہ مقصود اس سے تقریر ہے۔۔۔۔ کہتے ہیں کہ خدا جانے اس عالم کثرت کی طرف متوجہ کرنے میں کیا راز ہے کہ مجھ کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔۔۔۔ یعنی بڑا راز ہے اور وہ راز تربیت خلق ہے اس مسئلہ کا حق ہونا تو ظاہر ہے۔۔۔اور فن سلوک کے اعتبار سے تعلیم ہے۔ اس امر کی کہ اگر بعد بقا کے یہ حالت عطا ہو۔۔۔۔ تو اس کو حاجب عن الحق نہ سمجھے۔۔۔ کہ یہ بھی موجب قرب الی اللہ ہے۔ قال

ملک آزادگی و کنج قناعت گنجیست
کہ بشمشیر میسر نشود سلطان را

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود تعلیم ہے قناعت کی۔۔۔ کہ شرط طریق ہے۔ قال

حافظا می خور و رندی کن و خوش باش ولے
دام تزویر مکن چون دگران قرآن را

مے و رندی میرے نزدیک معنی ظاہری پر محمول ہیں۔۔۔ کیونکہ لفظ ولے بمعنی ولیکن ۔ ان الفاظ کو معنی محمودہ کے ساتھ ملائم کرنے سے آبی ہے چنانچہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے اجازت و اباحت نہیں۔۔ بلکہ مبالغہ ہے تزویر کی تقبیح میں۔ ۔۔۔جیسے ہمارے محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ زہر کھا لینا۔ مگر فلانے شخص کے گھر کا کھانا مت کھانا یعنی وہ زہر سے بھی بدتر ہے یہی اسی طریق پر اس کا مطلب ہے۔۔ کہ ظاہری گناہ کا کام کر لینا مگر دین کو ذریعہ تزویر مت کرنا۔ یعنی یہ عمل سب معاصی سے بدتر ہے وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اور معاصی میں کسی کو ضرر اور دین کا ضرر نہیں پہنچتا بخلاف تزویر بالدین کے۔ غزل۔ قال

دولت فرمان سلطان کہ رساند این دعا را
کہ بشکر پادشاہی ز نظر مران گدا را

چہ قیامت است جاناں کہ بعاشقاں نمودی	رخ ہمچو ماہ تاباں دل ہمچو سنگ خارا
ز رقیب دیو سیرت بخدائے خود پناہم	مگر آں شہاب ثاقب مددی کند خدا را
دل عالمی بسوزی چو عذار برفروزی	تو ازیں چہ سود داری کہ نمی کنی مدارا
مژہ سیاہت ار کرد بخون ما اشارت	ز فریب او بیندیش و غلط مکن نگارا
ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیم صبحگاہی	بہ پیام آشنائے بنوازد آشنا را
خدا را کہ جرعہ دہ تو بحافظ سحر خیز	کہ دعای صبحگاہی اثرے کند شمارا

ان اشعار میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے...... کہ بے تکلف مرشد کے خطاب پر ان کا انطباق ہو سکتا ہے۔ .. محبوب حقیقی کو خطاب ہے...... بعض اشعار میں قریب ناممکن کے ہے... ان سب کا حاصل مرشد سے توجہ کی درخواست کرنا ہے۔ ...اور چونکہ سکر طلب میں مغلوب ہیں ..... اس لئے بعض الفاظ موہم سوء ادب صادر ہو گئے ہیں ..... چونکہ بعض اوقات طالب کو اپنی حالت ... اور خرابی کے ساتھ یہ گمان ہوتا ہے..... کہ مرشد کی توجہ و ہمت کی کمی اس کا سبب ہے ... اور بعض اوقات اس خیال میں کسی قدر صحت بھی ہوتی ہے ..اس لئے بلسان طالب فرماتے ہیں..... کہ پادشاہ طریقت یعنی مرشد کی خدمت میں کوئی شخص یہ التماس پہنچا دے ..... کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو شان ارشاد عطا کیا ہے..... اس کا شکریہ ہے کہ مسترشدین کو اپنی نظر توجہ سے دور نہ کیجئے ..... بلکہ ان کے حال پر ہمیشہ توجہ مبذول رکھئے کہ ان کو نفع کامل ہو..... اور یہ کیا غضب کی بات ہے کہ جو آپ نے طالبوں کے ساتھ برتاؤ کر رکھا ہے۔ کہ کمالات تو ماشاء اللہ ایسے ہیں مگر قلب میں ایسا استغنا ہے کہ طالبین کی طرف سے کم توجہی فرمائی جاتی ہے..... یہ تو شان ارشاد کا مقتضا نہیں ہے .میں دشمن شیطان خصلت سے ... یعنی نفس امارہ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں ...... یعنی اس کے شر سے ترساں و لرزاں ہوں . کیا عجب ہے کہ نظر مرشد کہ مثل شہاب ثاقب کے دفعیہ شر نفس فی میں ہے .. کچھ خدا واسطے مجھ کو امداد فرمائیے جس وقت آپ کے کمالات کا ظہور ہوتا ہے تو ایک عالم کے قلب میں اضطراب طلب پیدا ہو جاتا ہے پھر

جو آپ ان کی دلجوئی اور ان کی طرف توجہ نہیں فرماتے ــــ اور وہ یوں ہی تڑپ کر رہ جاتے
ہیں ــــ اس سے کیا فائدہ بلکہ آپ کے منصب ارشاد کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے حال پر توجہ
فرمائیں ــــ اور اگر آپ کی مژگان سیاہ ــــ یعنی صفت استغناء نے ہمارے خون یعنی
ہمارے ساتھ سختی و بے توجہی کرنے کا اشارہ کیا ہے ــــ تو اسکے مقتضا پر عمل نہ کیجئے ــــ کبھی
اس باب میں غلطی نہ ہو جائے ــــ غلطی یہی کہ توجہ ضروری کو غیر ضروری سمجھ لیا جائے
میں تمام شب یعنی تمام اوقات انقباض میں اس کا منتظر رہتا ہوں ــــ کہ شاید ادھر سے
کچھ لطف وعنایت ہو جائے ــــ کہ میرا کام بن جائے ــــ سو خدا کے واسطے آپ اپنی توجہ کا
کچھ حصہ حافظ سحر خیز کو دے دیں ــــ کہ شاید اس کی دعا سے آپ کو اور زیادہ نفع ہو جائے
کیونکہ اصاغر کی دعا سے بھی اکابر کی ترقی ہوتی ہے۔ قال؎

صبا بلطف بگو آن غزال رعنا را	کہ سر بکوہ وبیابان تو دادۂ مارا
شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا	تفقدی نہ کند طوطی شکر خارا
غرور حسن اجازت مگر نداد ای گل	کہ پرسشے نہ کنی عندلیب شیدارا
بحسن خلق توان کرد صید اہل نظر	بہ بند و دام نگیرند مرغ دانارا
چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی	بیاد آر حریفان بادہ پیمارا
ندانم از چہ سبب رنگ آشنائی نیست	سہی قدان سیہ چشم ماہ سیمارا
جز این نتوان گفت در جمال تو عیب	کہ خال مہر و وفا نیست روی زیبارا
در آسمان چہ عجب گر زگفتۂ حافظ	سماع زہرہ برقص آورد مسیحارا

اس غزل کا مضمون بھی بعینہ مثل غزل سابق کے معلوم ہوتا ہے ــــ کہتے ہیں کہ اے
[illegible] سے میرے مرشد سے جو کہ غزال رعنا کی طرح مجھ سے نفور ہیں
[illegible] کہنا کہ آپ نے تمام کوہ وبیابان میں مجھ کو پریشان کر رکھا ہے ــــ یعنی بے توجہی
سے کچھ محرومی ہے ــــ اور اس سے میں پریشان ہوں ــــ اور معلوم نہیں کیا بات ہے کہ یہ
مرشد [illegible] اوائی ــــ اور تقسیم فیوض کی قابلیت میں شکر فروش کے مشابہ ہیں ــــ طالبین

کی خبر گیری کیوں نہیں کرتے... چونکہ مرشد بے طمع ہیں طالب شکر... یعنی فیض کے ہیں
... معلوم ہوتا ہے کہ ناز کمال اس کا باعث ہوگیا ہے... کہ عشاق کی بات نہیں پوچھتے
... سو ایسا مناسب نہیں بلکہ خوش اخلاقی وعنایت ضروری ہے کہ طالبین آپ سے مائل ہوں
گے... اور ان کے مستفید ہونے سے آپ کو بھی ثواب ہوگا... اور یہ لوگ دوسرے
اسباب سے مثل لذات وتعلقات مقید نہیں ہوتے... اور اے مرشد جب آپ حق تعالیٰ
کے قرب اور اختصاص سے خاص طور پر مشرف ہوں... یعنی آپ کی توجہ اور دعا کا وقت ہو
... تو طالبین کو بھی یاد فرمالیا کیجئے... یعنی جس طرح ہمت کی آپ سے درخواست ہے
... اسی طرح دعا کی بھی کہ یہ اس سے زیادہ نافع ہے... اور معلوم نہیں کہ ان اہل کمال کو جو
کہ مجمع فضائل ہوتے ہیں... بے توجہی کی عادت کیوں ہو جاتی ہے... آپ میں ماشاء
اللہ تعالیٰ ساری خوبیاں ہیں...... مگر اتنی کسر ہے کہ توجہ وعنایت جیسی ہونا چاہئے وہ نہیں
ہے... آگے مقطع کا شاعرانہ مضمون ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے۔ ف توجیہ الفاظ
موہم سو ادب کی غزل سابق کی تمہید میں مذکور ہو چکی۔ غزل۔ قال

ساقیا برخیز و در دہ جام را	خاک بر سر کن غم ایام را

یعنی اے مرشد مجھ کو جام عشق الٰہی دے دیجئے...... جس سے دنیوی غم واندیشہ کے سر
پر خاک ڈال دوں۔ قال

ساغر می بر کفم نہ تا ز سر	بر کشم این دلق ازرق فام را

ازرق بتقدیم زائے معجمہ بمعنائے نیلگوں مراد ازو دلق مستعار... یعنی شراب محبت مجھ
کو دے دیجئے... تا کہ ان تعلقات فانیہ کو برطرف کر دوں۔ قال

گرچہ بدنامی است نزد عاقلان	ما نمی خواہیم ننگ و نام را

یعنی اگرچہ عشق موجب بدنامی ہے... کیونکہ جاہ وضع داری بھی اس میں
برباد ہو جاتی ہے... عقلاء میں جو اہل دنیا ہیں ان کے نزدیک تو بدنامی کا سبب ہے
... اور ان میں جو اہل دین ہیں اور درد دل سے نا آشنا ہیں ان کے نزدیک عجیب ہے

کہ بعض امور غلبہ عشق میں ایسے صادر ہو جاتے ہیں ----- جو ظاہراً قواعد شرعیہ پر بلا تاویل منطبق نہیں ہوتے ----- وہ اس لئے برا بھلا کہتے ہیں ----- لیکن ہم کو ننگ و نام نہ چاہئے ----- رضائے الٰہی کافی ہے۔ قالؒ

باده درده چند ازین باد غرور	خاک برسر نفس نافرجام را

عامل در قول او چند ازین باد غرور مقدر ----- یعنی بخن رانم ----- مطلب یہ کہ اس باد غرور ----- یعنی دعوی ہستی و تعلقات فانیہ کا کہاں تک چرچا کرتا رہوں ----- اور کب تک اس میں مبتلا رہوں ----- مجھ کو شراب محبت دے دیجئے کہ یہ سب رخصت ہو ----- اور گو نفس پر یہ شاق ہے مگر اس نفس نافرجام کی ایسی تیسی۔ قالؒ

دود آه سینہ سوزان من	سوخت این افسردگان خام را

اس میں عشق کی تاثیر بتلاتے ہیں ----- کہ میرے سینہ سے جو آہ سوزان نکلی اس کا یہ اثر ہوا ----- کہ جو لوگ عشق سے مناسبت نہ رکھتے تھے ----- ان میں بھی سوزش اور شورش پیدا ہو گئی۔ قالؒ

محرم رازدل شیدای من	کس نمی بینم زخاص و عام را

یعنی چونکہ دنیا میں عشاق کم ہیں ----- اور بدون عشاق کے عاشق کا حال کوئی سمجھ نہیں سکتا ----- اس لئے میں کسی شخص کو اپنا محرم اور راز فہم نہیں دیکھتا۔ قالؒ

یادلارامی مرا خاطر خوش است	کز دلم یکبارہ برد ارام را

اس میں بیان ہے ----- قوت عشق محبوب حقیقی کا ----- اور ترجمہ ظاہر ہے۔ قالؒ

ننگرد دیگر بسرو اندر چمن	ہر کہ دید آن سرو سیم اندام را

اس میں بیان ہے ----- محبوب حقیقی کے احسن و اجمل و اکمل ہونے کا ----- کہ اس کے مشاہدہ کے بعد پھر محبوبان مجازی کی طرف التفات نہیں رہتا۔ قالؒ

از سر دنیا گذشتی غم مخور	خوش بخور ہم خوش بدارا یام را

اس میں تعلیم شکر ہے ----- تعلقات دنیا سے دل سرد ہو جانے پر ----- کہ منجملہ اثمار قبول ذکر و ثمرات رضائے حق کے ہے ----- کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی کی زیادہ امید ہے۔ قالؒ

عاقبت روزے بیابی کام را	صبر کن حافظ بسختی روز و شب

اس میں تعلیم ہے۔۔۔۔صعوبات مجاہدہ کی برداشت کی۔۔۔۔ترجمہ ظاہر ہے۔غزل۔قال

بخت بدتا کجائی برد آبشخور ما	ما بر فتیم تو دانی و دل غم خور ما

معلوم ہوتا ہے کسی اتفاق سے ان میں اور مرشد میں مفارقت ہوئی ہے۔۔۔۔خواہ ان کو سفر پیش آیا ہو۔۔۔۔یا مرشد کو یا دونوں کو چنانچہ بعض اشعار اول احتمال پر دال ہیں۔۔۔۔بعض ثانی پر اور دونوں کا مجموعہ ثالث پر۔۔۔۔آبشخور بمعنی قسمت وحصہ۔۔۔۔مطلب ظاہر ہے کہ ہم جدا ہوتے ہیں۔۔۔۔آپ کو میرے دل غمزدہ کا حال معلوم ہے۔۔۔۔دیکھئے مرا طالع واژگون اس جدائی کے حصہ کو کہاں تک امتداد دیتا ہے۔قال

قاصدے کز تو سلامی برساند برما	از نثار مژہ چون زلف شوذر گیرم

نثار مژہ اشک ومیم مضاف الیہ مژہ۔۔۔۔ دور گیر بمعنی پر گوہر۔۔۔۔یعنی اگر کوئی قاصد آپ کی طرف سے اس حالت مفارقت میں کچھ سلام وپیغام لائے۔۔۔۔تو اس قدر اشک نثار کروں۔۔۔۔اور اس کے سامنے آپ کی یاد اور محبت میں روؤں۔۔۔۔کہ وہ پر گوہر ہو جائے۔۔۔۔جس طرح آپ کی زلف پر گوہر ہے۔۔۔۔اکثر محبوبوں کی عادت ہے کہ زلف میں موتی پروتے ہیں۔۔۔۔اور اشک کو اکثر شعرا گوہر سے تشبیہ دیتے ہیں۔قال

کہ وفا با تو قرین باد و خدایا ور ما	بدعا آمدہ ام ہم بدعا دست برآر

یعنی رخصت کے وقت میں بھی دعا کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں۔۔۔۔آپ بھی دعا فرمایئے۔۔۔۔کہ آپ کی توجہ وعنایت ہمیشہ میرے حال پر رہے۔۔۔۔اور خدا تعالیٰ ہمارا یاور رہے۔۔۔۔یاوری سے یہی مراد ہے کہ مرشد کی عنایت ہمیشہ ہمارے حال پر مبذول رکھے۔۔۔۔چونکہ طالب زیادہ محتاج ہوتا ہے۔۔۔۔اس لئے دعا میں اپنی ہی تخصیص کی۔قال

بکشد از ہمہ انصاف ستم داور ما	گر ہمہ خلق جہان بر من وتو حیف خورند

حیف خورند رشک برند۔۔۔۔یعنی اگر حساد آپ کی اور میری محبت کو ناگوار سمجھیں۔۔۔۔تو ہمارا حاکم حقیقی اس ظلم کا انصاف کرے گا۔غالباً اس میں تعریض ہے۔۔۔۔حاسد پیر بھائیوں

کی طرف یا دنیا دار نادان دوستوں کی طرف ــــ جو سمجھا کرتے ہیں ــــ کہ فلاں بزرگ کے پاس آنے جانے سے ہمارا عزیز دنیا سے جاتا رہا۔ قال

بسرت گر ہمہ عالم بسرم بجوشند	نتوان برد ہوائے تو برون از سرِ ما

بسرت قسم بسر تو ــــ مطلب ظاہر ہے کہ گو خلقت مجھ کو ملامت کیا کرے ــــ مگر آپ کی محبت ہرگز زائل نہیں ہو سکتی۔ قال

فلک آوارہ بہر سو کندم میدانی	رشک می آیدش از صحبت جان پرورِ ما

اس میں تاسف ہے ــــ ایسے اتفاقات کے پیش آ جانے پر ــــ کہ مرشد کی صحبت نصیب نہیں ہوتی ــــ باقی اس کی نسبت کرنا فلک کی طرف ــــ اور اس کو رشک سے تعبیر کرنا ــــ یہ شاعرانہ طرز ہے ــــ اصل مقصود تاسف مذکور ہے۔ قال

دردمندیم خبر میدہد از سوز درون	دہن خشک و لب تشنہ و چشم ترِ ما

اس میں مقصود اظہار ہے ــــ اپنی دردمندی کا ــــ کہ از مغلوبِ عشق ہے ــــ ترجمہ ظاہر ہے۔ قال

ما ز وصف رخ زیبای تو تادم زدہ ایم	ورق گل خجل است از ورقِ دفترِ ما

اس میں مقصود وصف ہے ــــ محبوب کے جمال و کمال کا بطور کنایہ کے ــــ جس کی تقریر ظاہر ہے۔ قال

زود باشد کہ بیاید بسلامت یارم	اے خوش آں روز کہ آید بسلامت برِ ما

برما بمعنی نزد ما ــــ اس میں تسلی دیتے ہیں اپنے دل کو ــــ کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ زمانہ مفارقت کا جلدی مبدل بہ وصل ہوگا ــــ دوسرے مصرع میں اس کی تمنا ہے ــــ اور ترجمہ ظاہر ہے۔ قال

ہر کہ گوید کہ کجا رفت خدارا حافظ	گو بزاری سفرے کرد و برفت از برِ ما

اس میں اظہار ہے اپنے رنج اور زاری کا ــــ وقت مفارقت کے بعنوان خاص ــــ یعنی اے مرشد اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ خدا واسطے بتا دیجئے ــــ کہ حافظ کہاں گیا تو آپ کہہ دیجئے کہ گریہ وزاری کرتا ہوا ہمارے پاس سے سفر میں گیا ــــ ف غالباً ایسے مضامین سے تنبیہ مقصود ہو طالبین کو ــــ کہ مفارقت شیخ کو امر ناگوار سمجھنا چاہئے ــــ اور بے ضرورت

اس سے جدا نہ ہونا چاہئے ...... واللہ اعلم ۔غزل ۔قالؒ

لطف باشد گر نپوشی از گدایاں روت را	تا بکام دل نہ بیند دیدۂ ماروت را

روت را اور ہر دو مصرعہ بمعنی روی ترا و درین ایہام ست ...... باسم ہاروت و ماروت ...... اس میں تمنا ہے مشاہدہ دائمہ کی ...... کہ جب تک ہم جی بھر کر آپ کی تجلی کا مشاہدہ نہ کرلیں ...... کیا خوب ہو کہ وہ مستتر نہ ہو ...... اور جی بھرنا باقتضائے عشق ممتنع ...... پس تمنائے دوام مشاہدہ اس سے حاصل ہوگئی ۔قالؒ

ہمچو ہاروتیم دائم در بلائے عشق زار	کاشکے ہرگز نہ دیدے دیدۂ ماروت را

ہاروت در مصرعہ اول بمعنی متعارف ...... وماروت در مصرعہ دوم بمعنی مرکب از ضمیر جمع متکلم ...... وروی مضاف بضمیر خطاب وتشبیہ در ابتلائی عشق بہ ہاروت بنا بر مشہور ...... ترجمہ ظاہر ہے البتہ بظاہر یہ اشکال ہے کہ عاشق ہو کر ...... اس تمنا کے کیا معنی ...... کہ کاش میں محبوب کو نہ دیکھتا ...... حل اس کا یہ ہے کہ ایسا دیکھنا جس کے بعد استتار و فراق ہوگیا ملزوم ہے ...... اور غم و پریشانی لازم ہے ...... پس یہاں ملزوم سے مقصود و لازم ہے ...... اور اس کی تمنا میں کچھ مضائقہ نہیں ۔قالؒ

کے شدی ہاروت و چاہ زنخدانش اسیر	گر نگفتے شمۂ از حسن او ماروت را

ہاروت و ماروت در ہر دو مصرعہ ...... بمعنی متبادر و ضمیر شین ...... واو در حسن اور راجع بسوئے زہرہ بقرینہ مقام ...... ور اور ماروت را متصل بلفظ شمہ ...... یعنی اگر ماروت شمہ را از حسن زہرہ بہ ہاروت نگفتے الخ ...... واین ہم مبنی است ...... بر قصہ مشہور کہ بعضے گویند کہ اول ماروت آنرا دیدہ بہ ہاروت گفت ...... مطلب ظاہر ہے غالباً مقصود اس سے یہ بتلانا ہے کہ عشق حقیقی کا سلسلہ چلنے میں ...... مرشد کے بیان معارف کو بھی بڑا دخل ہے ...... کہ مسترشد سن سن کر معرفت حاصل کرتا ہے ...... اور معرفت سے محبت بڑھتی ہے ...... جیسا مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد	بسا کیں دولت از گفتار خیزد

قالؒ

بوی گل برخاست گوئی در چمن ہاروت بود	بلبلاں مستند گوئی دیدہ چون ماروت را

انچہ جان عاشقان از دست ہجرت میکشد	کس ندیدہ در جہان جز کشتگان کربلا

اس میں بیان کرنا مقصود ہے ...... شدائد عشق و ہجران کا ...... کہ عبارت ہے قبض سے جو عادۃً لوازم اکثریہ عشق سے ہے ...... شاید مقصود اس سے بھی پہلے سے بتلا دینا ہو ...... طالب کو تاکہ وقوع کے وقت بددل اور کم ہمت نہ ہو۔ قال

ترک ما گر میکند رندی و مستی جان من	ترک مستوری و زہدت کردباید اولا

ترک در مصرعہ اول بضم تا ...... مراد معشوق و در مصرعہ ثانی بفتح تا کنداشتن ...... و جان من منادی خطاب بنفس خود یا مسترشد و رندی و مستی مراد غالب کردن آثار عشق ...... و مستوری و زہد مراد وضع داری و تحفظ از ملامت ...... مطلب یہ کہ اگر محبوب حقیقی کی جانب سے ایسے واردات عشقیہ کا غلبہ ہو ...... جس سے ظاہرداری منہدم اور وضعداری منعدم ہوتی ہو ...... تو اس میں یہ پس و پیش نہ کرے ...... کہ خلق ملامت کرے گی ...... یا ریاکار کہے گی بلکہ ان آثار کے تابع ہو جانا چاہئے ...... بلا سے کوئی برا بھلا کہے ...... حاصل یہ کہ شرع کا پاس ضروری ہے وضع کا ضروری نہیں۔ قال

بزم عیش و موسم شادی و ہنگام طرب	پنجروز ایام عشرت را غنیمت دان ولا

اس میں طالب کو تضیع اوقات سے منع کرنا مقصود ہے ...... یعنی مجمع صلحا و ذاکرین اور اوقات ...... ذکر و طاعت اور زمانۂ جوانی و قوت کو کہ یہ چندروزہ عمر تک میسر ہے ...... غنیمت سمجھو ...... اور کچھ ذخیرہ جمع کرلو۔ قال

حافظا گر پای بوس شاہ دستت مید ہد	یافتی در ہر دو عالم زینت عز و علا

مقصود اس سے تہوین و تسہیل ہے امر مجاہدہ کی ...... یعنی مجاہدات سے مت گھبراؤ ...... کیونکہ اگر اس سے قرب محبوب حقیقی کا میسر ہو گیا ...... جیسا کہ غالب امید بلکہ وعدہ واثق ہے ...... تو تم کو تمام تر عزت و علو اور سب کچھ دولت میسر ہو گئی ...... یہ ایسا مضمون ہے جیسا کسی نے کہا ہے ع متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے ...... واللہ اعلم۔ تمام شد ردیف الف

ردیف الباء

غزل

میدمد صبح کلہ بست سحاب	الصبوح الصبوح یا اصحاب
میچکد ژالہ بر رخ لالہ	المدام المدام یا احباب
می وزد از چمن نسیم بہشت	خوش بنوشید دامادمی ناب
تخت زرین زدست گل تمکن	راح چون لعل آتشین دریاب

کلہ پردہ تنک کہ جہت دفع مگس و پشہ وغیرہ کشند — صبوح شراب صبح — مدام وراح بمعنی شراب — ژالہ مراد شبنم — وسحاب فاعل بست ای سحاب کلہ رابستہ وکشیدہ است — وراح مفعول دریاب — ان اشعار میں صبح اور سحاب اور ژالہ اور لالہ وغیرہا مفردات کو جدا جدا امور باطنیہ پر منطبق کرنا — جیسا عام شراح نے کیا ہے۔ — تکلف محض ہے — بلکہ سہل یہ ہے کہ کہا جائے کہ چونکہ عادۃً ایسے وقتوں میں شراب پیا کرتے ہیں کہ صبح کا وقت ہو ابر ہو رہا ہو پھولوں پر شبنم کے قطروں کا ترشح ہوا ہو — پھول شگفتہ ہوں — اس لئے یہ مجموعہ کنایہ ہے — شراب پینے کے موقع اور وقت سے — حاصل یہ ہوا کہ اب شراب پینے کا موقع ہے — خوب شراب پیو۔ مطلب معنوی یہ کہ عمر ہے مہلت ہے۔ فراغت ہے ذکر وطاعت ومعرفت کو غنیمت سمجھو — جیسا حدیث میں ہے۔

اغتنم خمسا قبل خمس — صحتک قبل سقمک — وحیاتک قبل موتک — وفراغک قبل شغلک — وشبابک قبل ھرمک — الخ او کما قال واللہ اعلم

لب و دندان تو حقوق نمک	داشت بر جان وسینہا می کباب

مدلول ظاہری تو یہ ہے کہ ...... کباب کی گردن پر محبوب کے لب و دندان اپنا حق نمک رکھتے ہیں ---- یعنی کباب میں جو چاشنی اور لذت ہے ---- وہ محبوب کے لب و دندان کی چاشنی ولذت سے مستفاد ہے...... اور مدلول معنوی یہ ہے کہ جس ممکن میں جو صفت دلکشی و دلربائی کی موجب ہے ---- وہ محبوب حقیقی کے افاضہ اور افادہ کی بدولت ہے ---- پس طالب حقیقت کو چاہیے ---- کہ اس کو اپنا قبلہ توجہ بنادے ماوشما میں دل نہ پھنسائے۔

در میخانہ بستہ اند دگر	افتح یا مفتح الابواب

میخانہ سے مراد عالم قبض ---- یعنی پھر قبض ہو گیا ہے بسط عنایت کیجئے ---- گو قبض اور بسط عارف کے نزدیک یکساں ہے...... لیکن بعض اوقات طلب بسط میں اظہار عبدیت و افتقار و احتیاج وضعف ہے ---- اور یہ خود بھی اعلیٰ مطالب سے ہے ---- اور ایک دقیق کمال ہے اور بعض نسخوں میں دگر کی جگہ مگر ہے ---- خواہ تحقیق کے لئے یا بمعنی شاید ---- کیونکہ قبض کبھی محقق ہوتا ہے کبھی مشتبہ ہوتا ہے۔

در چنیں موسم عجب نہ بود	کہ بہ بندند میکدہ بشتاب

اور بعض نسخوں میں ہے ---- عجب باشد...... پس نسخہ اولے پر بہتر ہے کہ میکدہ سے مراد محل ذکر وطاعت لیا جائے ---- اور یہ شعر علت ہو گی اشعار چارگانہ ابتدائی غزل کی ---- یعنی میں اس لئے ذکر وطاعت کی ترغیب دیتا ہوں ---- کہ کہیں اس کا محل (کہ عمر و دنیا ہے) مسدود اور ختم نہ ہو جائے ---- پھر دار الجزاء میں عمل معتبر نہیں ---- اور نسخہ ثانیہ پر میکدہ سے عالم قبض مراد لیا جائے ---- جیسا کہ اس سے اوپر کے شعر میں میخانہ سے یہی مراد تھا ---- یعنی ایسے موسم میں کہ انبساط مطلوب ہو...... فیوض واردات کا بند ہونا تعجب کی بات ہے ---- اور اس تعجب کی یہ وجہ نہیں کہ یہ امر نامناسب ہے ---- کیونکہ عارف تو اس کو نامناسب ہرگز نہیں سمجھتا ---- بلکہ عقائد حکمیہ میں سے یہی امر ہے کہ ایسے حوادث وبلیات موجب رحمت ہیں ---- بلکہ مقصود تعجب سے تاسف طبعی یا بنا بر اظہار افتقار ہے ---- جس کی شرح اوپر ہو گئی

ہے — چونکہ یہ قبض خلاف توقع ہوا — اور تعجب خلاف مزعوم امر پر ہوتا ہے — اس لئے
اس تاسف کو تعجب سے تعبیر کر دیا گیا — واللہ اعلم۔

زاہد اے ہوش رندانہ	فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

رندی سے مراد مطلق بے تکلفی تصنعات سے — نہ کہ آزادی حدود شرعیہ سے
— یعنی ذکر و طاعت میں ریا و تصنع مت کرو کہ حابط عمل ہے — اور اس بارے میں خدا
سے ڈرو کہ مقتضائے عقل ہے۔

گرنشان ز آب زندگی جوئی	مے نوشین بخور بہ بانگ رباب

بانگ رباب سے چونکہ حرکت اور رغبت ہوتی ہے شراب پینے کی طرف — مراد اس
سے محرکات ذکر و طاعت ہیں — یعنی تعلیم انبیاء و اولیاء کی — مطلب یہ کہ اگر حیات ابدیہ
مطلوب ہو — تو حسب ارشاد ہادیان طریق ذکر و طاعت اختیار کرو — جیسا دوسری جگہ کہا
ہے — ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

چون سکندر حیات اگر طلبی	لب لعل نگار را دریاب

لب لعل نگار سے مراد یہی ذکر محبوب ہے — اس کا مطلب بھی مثل شعر بالا کے ہے۔

بر رخ ساقی پری پیکر	موسم گل بنوش بادہ ناب

عادت ہے کہ محبوب کے جمال کو دیکھتے جاتے ہیں — اور مستی میں شراب پیتے جاتے
ہیں — حاصل یہ کہ ذکر و طاعت میں محض ظاہری اقوال و افعال پر اقتصار مت کرو — بلکہ حضور
قلب و اقبال علی اللہ کے ساتھ کرو — جیسا حدیث میں ہے ان تعبداللہ کانک تراہ اور حدیث
میں ہے من صلی رکعتین مقبلا بقلبہ علیہما اور قرآن میں ہے فی صلاتھم خاشعون۔

حافظا غم مخور کہ شاہد بخت	عاقبت بر کشد ز چہرہ نقاب

اس میں تسلی ہے سالک کی — کہ مجاہدات و ریاضات یا اور واردات شاقہ سے
— اور حصول ثمرات مطلوبہ میں توقف ہونے سے دلگیر اور مایوس نہ ہونا چاہئے — حسب
وعدہ صادق و الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ضرور واصل الی المطلوب ہوگا

۔۔۔ جیسا دوسری جگہ کہا ہے ۔۔۔ عاقبت روزی بیابی کام را۔

غزل

گفتمش ای سلطان خوبان رحم کن براین غریب	گفت در دنبال دل رہ گم کند مسکین غریب
گفتمش بگذر زمانے گفت معذورم بدار	خانہ پرورد ے چہ تاب آرد غم چندین غریب
خفتہ برسنجاب شاہی نازنینے راچہ غم	گرز خارہ وخارہ سازد بستر و بالین غریب
ایکہ در زنجیر زلفت جاے چندین آشناست	خوش فتاد آن خال مشکین بر رخ رنگین غریب
بس غریب افتادہ است آن مور خط گرد رخت	گرچہ نبود در نگارستان خط مشکین غریب
مینماید عکس مے در رنگ روے مہوشت	ہمچو برگ ارغوان بر صفحۂ نسرین غریب
گفتمش ای شام غریبان طرۂ شبرنگ تو	در سحرگاہان حذر کن چون بنالد این غریب
باز گفتم ماہ من آن عارض گلگون مپوش	ورنہ خواہی ساخت مارا خستہ و مسکین غریب
گفت حافظ آشنایان در مقام حیرت اند	دور نبود گر نشیند خستہ و مسکین غریب

غریب در شعر چہارم وپنجم وششم ۔۔۔ بمعنی عجیب وزیبا وخوش ۔۔۔ مور خط موی سیاہ و خورد مثل مور ۔۔۔ چنانچہ سعدی گفتہ است ۔

سوال کردم و گفتم جمال روے ترا	چہ شد کہ مور چہ برگرد ماہ جوشیدہ است

اس مجموعہ غزل میں بیان ہے مخاطبات ومعاملات کا ۔۔۔ درمیان مسترشد مغلوب الحال ومرشد ہادی طریق وصاحب کمال کے ۔۔۔ جاننا چاہئے کہ طالب حریص بوجہ صاحب غرض ہونے کے مثل مجنون کے ہوتا ہے ۔۔۔ اور یہ معلوم ہے کہ مدار فیض کا مرشد کی توجہ پر ہے ۔۔۔ کہ تعلیم وہمت ودعا سب اسی توجہ کے فروع ہیں ۔۔۔ اور بعض اوقات اپنے زعم میں مسترشد اپنے کسی حال میں کمی پاتا ہے تو اس کو وہم ہوتا ہے ۔۔۔ مرشد کی کم توجہی کا جس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اولاً مرشد پر ہجوم ہوتا ہے مسترشدین کا ۔۔۔ اب وہ ایک ہی کو کس طرح لے

کر بیٹھ جائے ـــــ پھر احوال وواردات کے باب میں اس کو پوری بصیرت وخبرت ہوتی ہے ـــــ جانتا ہے کہ اختلاف استعداد کی وجہ سے بعض ثمرات میں ضعف یا توقف بھی ہوتا ہے ـــــ بعض تغیرات عادۃً لازمہ طریق ہوتے ہیں ـــــ اور مسترشد ان امور میں محض ناتجربہ کار ہوتا ہے ـــــ ادنیٰ ادنیٰ تبدل اور تخیل سے وہ پریشان ہوجاتا ہے ـــــ اور مرشد اس کو معمولی بات سمجھتا ہے ـــــ اس لئے وہ بقدر ضرورت توجہ کو کافی سمجھتا ہے ـــــ اور مسترشد توجہ میں غلو کا طالب ہوتا ہے ـــــ اور مرشد پر بوجہ اس کے کہ وہ متبوع ہے اتباع رائے مسترشد کا واجب نہیں ہوتا ـــــ ایسے وقت میں طبعاً مسترشد تنگ ہوتا ہے ـــــ اور مرشد کی بے توجہی کے اس کو وساوس آتے ہیں بس اس غزل میں ان وساوس کو اور مرشد کے تمکین و معاملہ وعدم غلو فی التوجہ کو بصورت مقاولات بیان کرتے ہیں ـــــ کہ میں نے رحم کی درخواست کی تو جواب ملا کہ اپنے دل کے کہنے سے یعنی اپنے قصد واختیار سے تو گم گشتہ اور سرگشتہ ہوا ہے ـــــ یعنی سلوک قصداً اختیار کیا ہے ـــــ تو سلوک میں تو ایسی گم گشتگی اور تحیر لازم ہے ـــــ پھر اتنا شوروغل کاہے کے واسطے ـــــ یہ شعر اول ہوا ـــــ میں نے درخواست کی کہ میرے پاس کو تو کسی وقت گزرنا چاہئے ـــــ یعنی زیادہ معمول سے ـــــ جواب ملا کہ میں اس سے معذور ہوں ـــــ کیونکہ صد ہا طالب ہیں ـــــ میں تنہا (کہ خود خانہ پرور ولطیف المزاج ہوں) سب کی برداشت ہر ایک کی مرضی کے موافق کیسے کرسکتا ہوں ـــــ یہ دوسرا شعر ہوا۔ اور صاحب تمکین صاحب تکوین کی پریشانی سے متاثر نہیں ہوا کرتا ـــــ یہ تیسرا شعر ہوا ـــــ اور آپ خلائق کے مرجع ہیں آپ کے کمالات میں یہ بے توجہی واستغنا کا خیال بھی بہت ہی خوشنما ہے ـــــ کیونکہ مرشد محبوب ہوتا ہے اور محبوب کی ہر ادا اچھی معلوم ہوتی ہے گو محب کو اس سے تکلیف ہی کیوں نہ ہو یہ چوتھا شعر ہوا ـــــ اور گو نگارستان کمالات میں یہ بے توجہی کی صفت فی نفسہ محمود نہیں ـــــ کیونکہ کمال تو توجہ کرنا حال طالب پر ہے ـــــ لیکن آپ کے رخ زیبا نے کمالات کے ساتھ یہ خط سیاہ ـــــ بے توجہی کا خوشنما معلوم ہوتا ہے ـــــ بالوجہ الذی ذکر ـــــ یہ شعر پنجم ہوا۔ اور آپ کے چہرہ پر آثار محبت ومعرفت الہیہ کے نمودار ہیں ـــــ جس طرح صفحہ نسرین پر برگ سرخ خوشنما معلوم ہوتا ہے ـــــ یعنی آپ

دوم کنایہ از محبوب حقیقی ۔ و بے مہری کنایہ از استغناء ذاتی و در اختیار این عنوان رعایت
تجنیس است ۔۔ و چون مصرع اول بنا بر جزا بودن رتبہ مؤخر خواست مرجح تدوین آن را
بے مہر توان شد ۔ مطلب اس کا بھی مثل شعر اول کے ہے کہ محبوب حقیقی سب محبوبان
مجازی کو اپنی تجلی سے عاجز اور مغلوب کر دیتا ہے ۔ قال

از خیالم باز نشناسد کسے	گر در آغوشش بہ چشم شب بخواب

اس میں اشارہ ہے محویت سالک کی طرف وقت غلبہ تجلی کے ۔۔۔ حاصل یہ کہ اگر
میں اس کو کسی شب کو خواب میں اپنی آغوش میں دیکھ لوں ۔۔ چونکہ غلبہ تجلی کی حالت مشابہ
منام کے ہوتی ہے ۔۔۔ اس لئے اس کو شب سے تشبیہ دے دی اور آغوش کنایہ ہے
قرب سے یعنی اگر ایسی حالت ہو جائے تو میں ایسا محو ہو جاؤں کہ مجھ میں اور خیال
میں تمایز باقی نہ رہے یہ محمول ہے مبالغہ پر اور خواب و خیال کے اجتماع میں جو صنعت
اور لطافت ہے ظاہر ہے ۔ قال

شاہدان مستور و مستان بے شکیب	خانقہ معمور و درویشان خراب

شاہدان تجلیات محبوب حقیقی مستان عاشقان دعویٰ ہیں ۔ درویشان سالکان
و عارفان ۔۔ خانقہ عبادت خانہ زاہدان مطلب یہ کہ محبوب حقیقی کی محبت کا شغف رنگوں
میں سب ہی جگہ پہنچا ہے کیونکہ وہ تو منبع اپنی تجلیات کے مستور ہے ۔ اور سب ہیں
اسی کے طالب ۔۔۔ لیکن ان طالبوں میں جو مشرب عشق رکھتے ہیں وہ تو شب میں بے
صبر ہیں جو کہ لازم عشق سے ہے و جو سالک و عارف ہیں کہ کسی قدر انکشاف
مطلب کا ان کو ہوا ہے وہ اس کے اثر سے خراب یعنی فنا و محو ہو چکے ہیں ۔۔ اور جو
زاہد ہیں کثرت عبادت کے طریقہ سے وصول چاہتے ہیں اور ان پر عشق کا غلبہ نہیں
وہ عبادت خانوں میں مشغول طاعات ہو رہے ہیں اور عبادت خانے ان سے آباد
ہو رہے ہیں اور مستوری اور مستی میں اور معموری اور خرابی میں جو صنعت تقابل ہے ظاہر
ہے اس میں محبوب حقیقی کے وصول کے طرق کے تنوع اور طالبین کے اقسام کی تعداد کی

طرف بھی مجملاً اشارہ ہے۔۔۔۔۔ جیسا کہا گیا ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق۔۔۔۔ اور اس پر یہ بھی متفرع ہوتا ہے۔۔۔۔ کہ جب تک کسی طالب حق کی حالت کا حد شرعی کے اندر رکھنا تاویل سے ممکن ہو خروج کا حکم نہ لگا دینا چاہئے۔ قالؒ

آبرو بر باد دادم از شراب	خون دل در جام دیدم از سرشک

از سرشک بیان است مر خون دل را۔۔۔۔ و مراد از شراب عشق۔۔۔۔ اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا۔۔۔۔ یعنی آنسوؤں سے جو خون دل نکلا جام میں شراب کو دیکھنا گویا اس کو دیکھنا ہے۔۔۔۔ دونوں سرخ وارغوانی ہیں۔۔۔۔ اور شراب محبت ایسی پی کہ اس سے ننگ و ناموس سب جاتا رہا۔۔۔۔ اس میں من وجہ یہ بھی اشارہ ہے کہ عاشق کو ایسے حال میں تحمل چاہئے۔۔۔۔ کہ یہ حال لوازم عشق سے ہے۔ قالؒ

محتسب را حد بیحد و حساب	از برائے بادہ مے باید زدن

مے شراب عشق۔۔۔۔ محتسب ظاہر پرست و کلام محمول است بر مطائبہ۔۔۔۔ یعنی محتسب جو کہ ترک می نوشی کی غرض سے حد لگا رہا ہے لوگوں کو چاہئے کہ اسکو بھی نوشی کی غرض سے بے حساب حد لگا دیں۔۔۔۔ یعنی اہل ظاہر طریق عشق سے کیا منع کرتے ہیں خود انہی کے لئے اس طریق میں لانے کی کوشش مناسب ہے۔۔۔۔ حد اور بے حد میں صنعت تقابل ظاہر ہے۔ قالؒ

ور دوم از می نشان زند بر آتش آب	سوز ستان گر بداند محتسب

اس کا مضمون مثل تتمہ شعر سابق کے ہے۔۔۔۔ یعنی اہل ظاہر جو مانع طریق عشق سے ہیں۔۔۔۔ وجہ یہ ہے کہ وہ سوز عشاق سے بے خبر ہیں۔۔۔۔ ورنہ اگر ان کو اس کی خبر ہو جائے تو فی الفوران کی آتش پر جو پانی چھڑکیں وہ بھی شراب ہی ہو۔۔۔۔ یعنی اگر ان کے سوز کی حقیقت سے آگاہ ہوں۔۔۔۔ تو بجائے اس کے کہ اس کا علاج منع عن العشق کو کہتے ہیں۔۔۔۔ خود عشق ہی سے اس کا علاج تجویز کریں کیونکہ عشق میں سوز ہوتا ہے۔۔۔۔ فراق محبوب سے۔۔۔۔ اور فراق کا علاج وصل ہے۔۔۔۔ اور وہ وصل چونکہ بوجہ غیر متناہی ہونے کمالات محبوب کے منتہی و صالات کا نہیں ہے۔۔۔۔ اس لئے خود اس وصل کے لئے عشق اس کے اوپر کے درجہ وصل کا

لازم ہے ـــــ اس لئے وصل کے علاج ہونے کو عشق کے علاج ہونے سے تعبیر کر دیا پس شعر بالا میں محتسب کے منع عن العشق کے امر کا بیان تھا ـــــ اور اس میں منع مذکور کے موثر اور علت یعنی بے خبری کا بیان ہے ـــــ وردوم بمعنی فی الفور ازی بیان متقدم آب ۔ قالؒ

حافظا وعظ و نصیحت گو مکن	ترک ترکان خطا نبود صواب

اس میں بھی تعریض ہے محتسب پر ـــــ یعنی اس محتسب سے کہہ دو کہ تم نصیحت مت کرو کیونکہ شہر خطا کے ترکوں یعنی محبوبوں کو ترک کرنا ـــــ مطلب یہ کہ طریق عشق سے تجلیات محبوب حقیقی کا طالب نہ ہونا) قرین صواب نہیں ہے ـــــ کیونکہ استعداد طالبین کی مختلف ہے پھر کیسے ترک کر دیا جائے ـــــ ترک بالفتح اور ترک بالضم اور خطا اور صواب میں جو صنعتیں ہیں ظاہر ہیں ۔ غزل ۔ قالؒ

تعالے اللہ چہ دولت دارم امشب	کہ آمد ناگہان دلدارم امشب
چو دیدم روی خویش سجدہ کردم	بحمد اللہ نکو کردارم امشب
نہال عیشم از وصلش برآورد	ز بخت خویش بر خوردارم امشب
کشد نقش انا الحق بر زمین خون	چو منصور ار کشی بردارم امشب
برات لیلۃ القدرے بدستم	رسید از طالع بیدارم امشب
برآن عزمم کہ گر خودمی رود سر	کہ سر پوش از طبق بردارم امشب
تو صاحب نعمتی من مستحقم	زکوۃ حسن دہ حق دارم امشب
ہمی ترسم کہ حافظ محو گردد	از این شوری کہ در سر دارم امشب

یہ غزل حالت بسط کی معلوم ہوتی ہے ـــــ اسی لئے اس میں بعض مضامین شکر بشمین متبعہ کے ـــــ اور بعض مضامین سکر بسمین مہملہ کے ـــــ اور بعض مضامین طلب مزید و احتیاج اور بعضے ابتہاج کے ہیں ـــــ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر آج مجھ کو کیا دولت حاصل ہے کہ دفعۃً قبض رفع ہو کر تجلی بسط کی ہو گئی ـــــ اور جب مجھ کو اس تجلی کا مشاہدہ ہوا تو میں نے سجدہ شکر

ادا کیا ...... اور بفضلہ تعالے اچھا کام کیا کیونکہ شکر خود محبوب کو مطلوب ہے ...... اور میرے نہال زندگی کو اس کے وصل کا ثمر لگا ...... پس بر بمعنی ثمر وازو صلش بیان مقدم او آج اپنے نصیب سے میں خوب فیضیاب ہو رہا ہوں ...... اور آج تو مجھ کو وہ جوش ہے ...... کہ مجھ کو محبوب حقیقی منصور کی طرح قتل بھی کر دے تو میرا ہر قطرہ خون نقش انا الحق بنانے لگے ...... جیسا منصور کا قصہ اسی طرح مشہور ہے ...... اور آج طالع بیدار سے مجھ کو ایسی چیز ملی جو مایہ مسرت ہونے میں مشابہ ہے ...... برات لیلۃ القدر کے ...... برات وہ پروانہ ہے جس میں کوئی شاہی حکم جاگیر یا انعام وغیرہ کا لکھا جائے شب قدر کی طرف ...... اس لئے نسبت کی جاتی ہے کہ اس میں کتابت اقدار وارد ہے ...... اور وہ مکتوب برات ہے۔ اور مجھ کو وہ جوش نشاط ہے ...... کہ اگر سر بھی جاتا رہے کچھ پروا نہیں پکا ارادہ کر لیا ہے کہ آج طبق اسرار کا سرپوش اٹھائے دیتا ہوں ...... اور اے محبوب حقیقی آپ مالک نعمت ہیں ...... اور میں مستحق نعمت ہوں ...... یعنی با استحقاق فضل پس آج مجھ کو حقدار ہونے کی وجہ سے زکوۃ حسن دے دیجئے ...... یعنی خوب انکشاف تجلیات فرمائیے ...... پھر مقطع میں ہے کہ اگر یہی جوش وخروش رہا تو خدا خیر کرے مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں فنا واستہلاک نہ ہو جائے ...... خواہ عقل وحواس کا یا نفس وروح کا جس کا حاصل جنون ہے ...... یا موت کیونکہ وارد کے قوی اور مورد کے ضعیف ہونے کا یہی انجام ہے۔

غزل

صبح دولت میدمد کو جام ہمچون آفتاب	فرصتے بہ زین کجا باشد بدہ جام شراب
خانہ بے تشویش وساقی یار مطرب بذلہ گو	موسم عیش ست و دور ساغر وعہد شباب
شاہد وساقی بدست افشان ومطرب پائے کوب	غمزہ ساقی زچشم می پرستان بردہ خواب
خلوت خاص است وجائے امن وزہت گاہ انس	اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب

یہ اشعار بھی حالت بسط کے معلوم ہوتے ہیں ...... اور مقصود ان سے بھی طلب مزید اور شکر علی الحصل ہے ...... یعنی اس وقت استعداد وصل ترقی پر ہے ...... اور دولت وصل کی قوت قریبہ حاصل ہے ...... جیسے صبح نور بخش وسرور افزا قریب ہوتی ہے ...... سو ایسے میں محبوب حقیقی

سے غرض ہے کہ وہ جام نورانی فیوض و تجلیات کا عطا فرمادیجئے ۔ ۔۔ اس سے بہتر اور کیا موقع ہوگا ۔ کیونکہ بحمداللہ استعداد کے سب شرائط مجتمع ہیں ۔ چنانچہ عالم میں کوئی مزاحم نہیں جس کی مزاحمت موثر ہو ۔۔ ۔ اور معطی فیوض خود محبوب حقیقی اور شیوخ کا ملین تعلیم کنندہ ۔۔۔ اور وقت بھی بسط اور عیش کا جس میں شوق ترقی پر ہوتا ہے ۔ اور دور تقسیم ساغر کا کہ ایسے وقت فیض کی قابلیت خوب ہوتی ہے ۔۔ ۔ اور عہد شباب اور ہمت و عزم کا اور شاہد و ساقی کی معشوق واحد کے دو عنوان ہیں ۔۔ ۔ وہ محرک شوق ہے اور مطرب یعنی مرشد کامل اس شوق کا معین ہے ۔ ۔۔۔ اور جو مشاہدہ اس بسط میں ہو چکا ہے جو مثل پختہ زدہ کے ہے وہ غفلت اور سستی زائل کرچکا ہے ۔ ۔۔۔ اور دل تعلق اغیار سے خالی ہے ۔۔۔ مثل خلوت قدس کے اور امن کا مقام ہے کہ اس وقت کسی کا خوف بھی قلب پر مستولی نہیں ۔ ۔ اور جو وحشت قبض میں تھی جس سے بعض اوقات بعض سالکوں کو بعض کام مشکل ہو جاتے ہیں ۔ ۔ وہ بھی مبدل بانس ہے اور یہ اجتماع غایت عجیب ہونے کے سبب محل حیرت ہے ۔ ۔ جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیداری میں ہے یا خواب میں ۔ ۔ پس ایسے میں خوب مشاہدات و فیوض عطا فرمادیجئے ۔ قال

از خیال لطف می مشاطهٔ چالاک طبع	در ضمیر برگ گل خوش می‌کند پنہان گلاب

اول اس کا حل لفظی کہ کسی قدر صعب ہے ۔۔ قابل تحقیق ہے ۔۔ ۔ توضیح یہ ہے کہ شراب کو لطیف کرنے کے لئے اس میں خوش عیش لوگ گلاب ملا کر پیتے ہیں ۔۔ ۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ گلاب باطن برگ گل میں بالقوہ مضمر ہوتی ہے ۔ ۔۔ اور یہ بھی طبعیات کا مسئلہ ہے کہ نباتات اور اسی طرح حیوانات کے آثار ۔ اور قوت کا صدور ہیں نباتات یا حیوان کی قوت طبعیہ سے باذن خالقہا ہوتا ہے ۔ ان امور سہ گانہ کے محقق ہو جانے کے بعد ترجمہ سننا چاہئے ۔ ۔ یعنی شراب کی لطافت بڑھ جانے کے خیال اور غرض سے قوت طبعیہ نباتیہ نے (کہ مشابہ مشاطہ چالاک کے ہے ۔ جس کا کام ہوتا ہے عروس کو لطیف بنانا) باطن برگ گل میں کیسی اچھی طرح گلاب کو مخفی کیا ہے کہ اس سے یہ گلاب نکلے گا اور پھر شراب میں ملے گا اور شراب کی لطافت بڑھ جائے گی ۔ ۔ ۔ اب حل معنوی سمجھنا چاہئے وہ اس طرح ہے کہ ۔ ۔ جیسے شراب ظاہری کہ سرور نشاط نفسانی کے مجموعہ کا جز و اعظم ہے ۔ ۔ بحیثیت بے لطف تجلی

میں ایسی چیز کی جو صاحب نشاط کے اختیار سے خارج ہے۔ یعنی فعل طبعی اسی طرح شراب
باطنی و مجموعہ صفات استعداد و حصول فیض۔ جو اوپر مذکور ہیں موقوف ہیں اس پر کہ فعل حقیقی
ان کو جمع کر دے۔ مطلب یہ کہ بسط میں سالک مغرور نہ ہو جائے۔ جیسا کہ بعض اوقات
بسط میں عجب ہو جاتا ہے بلکہ یہ تو سرمایہ و اسباب حقیقی کا جمع کیا ہوا ہے پس اختیار
اسی کی طرف رکھے اور اسی سے استمداد کرے جیسے ہم اوپر کر چکے ہیں بدہ جام
شراب اور اس اجتماع کو اپنی سعی و طاعت کا ثمرہ نہ سمجھے ورنہ اس کا مستحق نہ سمجھے بلکہ اپنے
کو محض نا قابل سمجھے۔ جیسا ہم سمجھ رہے ہیں جو اس مصرع سے ظاہر ہو رہا ہے اینکہ می
بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب..... کیونکہ اپنے کو مستحق اور قابل سمجھنے والا اس
طرح استبعاد و تحیر سے نہیں پوچھتا اور یہ تقریر حل معنوی کی خود حضرت حافظ کے ایک ارشاد
سے مفہوم ہوئی۔۔۔۔ جو بعض شروح میں ان سے اسی شعر کے معنی میں منقول ہے۔۔ تا کہ
مطلوب طالب را بخود نخواند طالب بمطلوب نرسد انتہیٰ قال

از پے تفریح طبع و زیور حسن و طرب	خوش بود ترکیب زرین جام با لعل مذاب

زیور بمعنی آرائش اطلاق المسبب علی السبب ..... زرین جام موصوف و صفت مراد
قلب کہ کاسہ شراب محبت بود۔ مذاب گداختہ مراد شراب کہ در سرخی بالعل تشبیہ داده
کہ گداختہ شدہ باشد۔ اس میں بھی مثل اشعار بالا کے مطلب ہے۔ مزید مشاہدہ و عرفان
کی یعنی تفریح طبع و حسن طرب کی آمادگی کے واسطے بہت مناسب ہے۔ کہ قلب اور مزید
محبت و معرفت میں اقتران کر دیا جائے۔ قال

تا شدہ ان مشتری در ہای حافظ را بگوش	می رسد ہر دم بگوش زہرہ گلبانگ رباب

چونکہ غزل کے اشعار متضمن ہیں مضامین حسنہ کو اس لئے مدح کے طور پر کہتے
ہیں۔ کہ جب سے حافظ کا کلام محبوب حقیقی کے نزدیک مقبول ہوا ہے (التعبیر بالمشتری
وامثالہ) جب سے ملکوت علی میں اس کا غلغلہ پڑ گیا ہے جیسا ایک حدیث میں ہے کہ
عبد مقبول کی مقبولیت ملائکہ میں مشتہر کر دی جاتی ہے۔ اور مشتری اور زہرہ کے اجتماع
میں جو صنعت ہے مخفی نہیں۔

غزل ۔ قالؒ

ز باغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب	ز تاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب
چو چشم من ہمہ شب جو یبار باغ بہشت	خیال نرگس مست تو بیند اندر خواب
بحسن عارض و قدّ تو بردہ اند پناہ	بہشت و طوبی طوبی لہم و حسن مآب
بہار شرح جمال تو دادہ در ہر فصل	بہشت ذکر جمیل تو کردہ در ہر باب

ان چاروں شعروں میں محبوب حقیقی کا کمالات کے ساتھ بالذات و یا باصالت متصف ہونا .. اور جمیع ممکنات کا ان کمالات کا محتاج و مفتقر ہونا مذکور ہے جس کو مستند عینیت و مظہریت سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں۔ یعنی ریاض جنت کو خود اپنی تازگی میں آپ کے انتساب کی احتیاج ہے۔ اور شرار دوزخ میں جو یہ حرارت ہے وہ ایک مظہر آپ کے قہر و غضب کا ہے۔ اسی طرح خود جو یبار باغ بہشت شب بیدار یعنی ہر وقت آپ کے نرگس مست کے خیال میں رہتی ہے۔ جس طرح میری آنکھیں شب کے وقت خواب میں آپ کے نرگس مست کے خیال کو دیکھتی رہتی ہیں شب اور خواب چشم کی رعایت سے لے آئے ... اور جو نہار میں ہمیشہ ان کا تحقق ضروری نہیں مگر تاولا ان کا اعتبار کافی ہے . اور اکثر جو یبار کے اطراف میں نرگس لگا دیتے ہیں کہ جو یبار میں ان کا عکس پڑے اس عکس کو خیال کہتے ہیں اس میں اس عادت کی طرف بھی تلمیح ہے جو کہ رعایت شاعرانہ ہے اور آپ کے عارض و قد کا وہ حسن ہے کہ خود بہشت اور طوبی بھی اسی کی پناہ لیتا ہے .. اور ان چیزوں کی بڑی خوش قسمتی اور نیک انجامی ہے کہ ایسا مستند ان کو ملا اور بہار جو ہر فصل میں گل اور ثمر لاتی ہے یہ گویا آپ کے جمال کی شرح ہے۔ اور بہشت میں جو ہر باب کے نعم ہیں .. یہ بھی آپ کے اوصاف جمیلہ کا ذکر ہیں ان عنوانات کا انطباق مضمون مذکور پر محتاج تقریر و تصریح نہیں ۔ قالؒ

لب و دہان ترا اے بسا حقوق نمک	کہ ہست بر جگر ریش و سینہ ہائے کباب

بسوخت این دل خام و بکام دل نرسید	بکام اگر برسیدے فرشتے خون ناب

اس میں بیان ہے وارد و قبض کا ...... جس کو سخن تلخ نمک ریز سے تعبیر کیا کرتے ہیں ...... یعنی اگر آپ کے لب و دہان سے سخن نمک ریز نکلا ...... جس کا اثر جگر اور سینہ سوزان پر پڑا تو کچھ مضائقہ نہیں ...... کیونکہ آپ کے لب و دہان کے اس جگر و سینہ پر بہت حقوق و احسانات ہیں ...... یعنی محبوب کی عنایات بے غایات ہو چکی ہیں ...... اگر قبض وارد ہوا تو کیا شکایت ہے ...... آگے اسی کو سوزش و ناکامی سے تعبیر کرتے ہیں ...... کہ اگر کامیاب ہوتا تو بیشک خون ناب ...... یعنی خون آلود کیوں بہاتا ...... شعر اول بناء علی الشکر الاختیاری ہے ...... اور شعر ثانی بناء علی الاضطراب الاضطراری ہے۔ قالؒ

گمان مبر کہ بدور تو عاشقان مستند	خبر نہ داری ز احوال زاہدان خراب

خبر نہ داری بحذف حرف استفہام ...... یعنی آیا خبر نداری یعنی خبر میداری کقولہ تعالیٰ الایعلم من خلق ...... اس کا مطلب اس ردیف الباء کی غزل سابق آفتاب ار زوی اوشد الخ ...... کے شعر چہارم کے قریب ہے ...... یعنی سب ہی آپ کے عشق و طلب میں سرگرم ہیں ...... قالؒ

مرا بدور لبت شد یقین کہ جوہر لعل	پدید می شود از آفتاب عالمتاب

معنی لفظی تو یہ ہیں ...... کہ میں نے محبوب کے لب کو جو کہ مشابہ لعل کے ہے ...... جب اس کے چہرے کے اندر جو کہ مشابہ آفتاب کے ہے ...... دیکھا تب اس کا یقین آیا ...... کہ جوہر لعل الخ ورد پہلے سنا کرتے تھے ...... اور معنی مقصود احقر کے نزدیک مثل اشعار اولی اس غزل کے ہیں ...... کہ آپ کے فیض تکوینی سے لعل ظاہری یا قلوب عارفین کو متلون ہوتا ہوا دیکھ کر اس کا یقین ہوا ...... کہ ذات ہی مبدا فیوض اور محتاج الیہ فی الکمالات ہے۔ قالؒ

مہل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد و حافظ	بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب

مطلب ظاہر ہے کہ ناصحانہ و اعظانہ مضمون ہے کہ مقصود حقیقی کو حاصل کرلو۔

ردیف التاء

غزل

بیا که قصر امل سخت سست بنیاد است	بیار باده که بنیاد عمر بر باد است
غلام همت آنم که زیر چرخ کبود	ز هر چه رنگ تعلق پذیرد آزاد است
نصیحتی کنمت یاد گیر و در عمل آر	که این حدیث ز پیر طریقتم یاد است
مجو درستی عهد از جهان سست نهاد	که این عجوزه عروس هزار داماد است
چه گویمت که به میخانه دوش مست و خراب	سروش عالم غیبم چه مژده‌ها داد است
که ای بلند نظر شاهباز سدره نشین	نشیمن تو نه این کنج محنت آباد است
ترا ز کنگره عرش می‌زنند صفیر	ندانمت که درین دامگه چه افتاد است
غم جهان مخور و پند من مبر از یاد	که این لطیفه نغزم ز رهروی یاد است
رضا بداده بده وز جبین گره بگشای	که بر من و تو در اختیار نگشاد است
نشان مهر و وفا نیست در تبسم گل	بنال بلبل مسکین که جای فریاد است
حسد چه می‌بری ای سست نظم بر حافظ	قبول خاطر و لطف سخن خداداد است

یہ مقطع ہے کہ اس میں ظاہراً مدح اور حقیقۃً تحدیث بالنعمت ہے باقی تمام غزل میں ترغیب ہے ۔ تعلقات ماسوی اللہ سے آزادی اختیار کرنے کی اور ترک انہماک و حرص کی اور تحصیل محبت و معرفت و طاعت الٰہی کی یعنی فرماتے ہیں کہ محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ کیونکہ حرص و امل کا قصر نہایت سست بنیاد ہے (اس لئے قابل توجہ

سے نہیں) اور محبت الٰہی حاصل کرو ۔ کیونکہ عمر کی بنیاد بر باد ہو رہی ہے (اس لئے اس کو
محبت الٰہی میں صرف کرنا چاہئے ۔ تا کہ اس عمر کا کچھ ماحصل ہاتھ آ سکے) اور اس چرخ کبود
کے نیچے (یعنی اس عالم میں) میں تو اس شخص کی ہمت کا غلام ہوں ۔ جس کی یہ حالت ہو کہ
جس چیز میں شائبہ تعلق کا ہو ۔ اس سے آزاد ہے ۔ اور میں تجھ کو ایک نصیحت کرتا ہوں
اس کو یاد رکھو اور اس پر عمل کرو ۔ کیونکہ یہ مضمون شیخ طریقت سے مجھ کو یاد ہے (اور وہ
نصیحت یہ ہے کہ) عالم ضعیف البنیاد (یعنی فانی الوجود) سے ۔ درستی عہد (یعنی دوام
اجتماع) کے طالب (اور امیدوار) مت رہو ۔ کیونکہ یہ عجوزہ (یعنی دنیائے کہنہ) ہزار دل
شوہروں کی عروس رہ چکی ہے (اور کسی سے موافقت نہیں کی ۔ سب سے مفارقت کی اس سے
تعلق رکھنا بڑی غلطی ہے ۔ اور) میں تجھ سے کیا کہوں ۔ کہ کل (یعنی اس سے قبل) میخانہ
(یعنی مقام انکشاف حقیقت) میں جبکہ میں مست اور فانی تھا (یعنی مجھ پر کیفیت طاری تھی
جس میں حقائق امور قلب پر وارد اور منکشف ہوا کرتے ہیں) سروش عالم غیب نے مجھ کو
کیا کیا بشارتیں دیں (یعنی میرے قلب پر یہ مضامین القاء کئے گئے) کہ اے بلند نظر جو شہباز
سدرہ نشین کے مشابہ ہے (کیونکہ روح کا نات عالم علوی سے ہے) تیرا نشیمن (اور مسکن) یہ
کنج محنت آباد نہیں ہے (مراد دنیا کنج بوجہ تنگی کے ہے اور محنت آباد اس لئے کہ دار المحن ہے
یعنی دنیا تیرا وطن اصلی نہیں ہے ۔ پھر اس میں کیوں دل لگاتا ہے اور) تجھ کو تو کنگرۂ
عرش (یعنی عالم علوی) سے پکار رہے ہیں ۔ پھر معلوم نہیں کہ اس قید گاہ میں تجھ کو کیا چیز پسند
آئی ہے (جو اس میں جی لگاتا ہے پس تجھ کو چاہئے کہ) دنیا کے غم (و تعلق) میں مت پڑ اور
میری نصیحت مت بھلا ۔ کیونکہ یہ لطیفہ مجھ کو ایک سالک سے یاد ہے وہ یہ کہ جو کچھ مل
جائے ۔ اس پر راضی رہو اور پیشانی پر بل مت ڈال (یعنی قناعت و رضا اختیار کر اور کراہت
و حرص ترک کر) کہ وہ خواہش ہوں یا نہ ہوں کسی کو (جیسے امور رزق وغیرہ میں) اختیار نہیں دیا
گیا (اور اس تفسیر پر اس شعر کو مسئلہ جبر و اختیار کی اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں یعنی جب
مقدرات تکوینیات میں کچھ بس نہیں چلتا ۔ تو حرص و کراہت سے سوا تکلیف کے اور) جس طرح
تبسم گل کو وفا نہیں اسی طرح اس عالم نا پائیدار میں عہد و وفا کا نشان نہیں ۔ تو اے بلبل عشق

طالب دنیا ـــــ تو (اپنی اس حالت طلب دنیا پر) تاسف کر (اور عالم باقی کی طلب سے اس کا تدارک کر ـــــ آگے مقطع ہے کہ) اے سست نظم تو حافظ پر کیا حسد کرتا ہے ـــــ قبول خاطر اور لطف سخن تو محض خداداد امر ہے ـــــ (ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

غزل ـ قالؒ

بروبکار خود ای واعظ این چہ فریادست	مرا فتاد دل از کف ترا چہ افتادست

واعظ سے مراد جو مانع ہو طریق عشق سے ـــــ جو ہم اس کے غیر مشروع ہونے کے اور منحصر سمجھتا ہو وصول الی اللہ کو ـــــ طریق طاعات ظاہرہ میں ایسے ناصح کو کہتے ہیں کہ ـــــ جاؤ اپنا کام کرو ـــــ کیوں خواہ مخواہ نصیحت میں غل مچا رکھا ہے ـــــ میں تو مغلوب العشق ہو گیا تم کو میری کیا فکر پڑی ہے ـــــ (کیونکہ حسب قول اہل طریق طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق طریق عشق بھی ایک طریق بلکہ اقرب طرق ہے ـــــ کما بین فی کتب الفن) قالؒ

بکام تا نرساند مرا لبش چون نالے	نصیحت ہمہ عالم بگوش من بادست

لب کنایہ از لطف ـــــ نالے واصل کامل ـــــ یہ بھی متمم ہے سابق کا ـــــ یعنی جب تک واصل کامل کی طرح اس کے لطف سے میں مقصود تک نہ پہنچوں گا ـــــ تمام عالم کی نصیحت جو در بارہ ترک عشق کے ہے ـــــ بے اثر سمجھوں گا ـ قالؒ

میان او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ	دقیقہ ایست کہ ہیچ آفریدہ نکشادہ است

مطلب لفظی تو ظاہر ہے ـــــ کہ کمر کی باریکی کا بیان ہے ـــــ اور مطلب معنوی یہ ہے کہ میان سے مراد واسطہ و رابطہ ـــــ بین الحق والعبد ہے اس میں اس کا غموض بیان فرماتے ہیں ـــــ کہ وہ ایسی مخفی چیز ہے کہ کسی مخلوق کو اس کی پوری اطلاع نہیں ہوتی ـــــ جیسا کسی اور سخن گو نے کہا ہے

میان عاشق و معشوق رمزیست	کراما کاتبین راہم خبر نیست

وجہ یہ ہے کہ وہ واسطہ خاص تعلق قرب و رضا ہے ـــــ جو کہ غیب ہے اور ظاہر ہے کہ غیر منصوص القبول کو تو خود اسی کی اطلاع قطعی طور پر نہیں ہوتی ـــــ اور منصوص القبول کو گو نفس

قرب ورضا کی اطلاع ہوتی ہے۔۔۔۔ لیکن اس کے خصوصیات خاصہ کی اطلاع نہیں ہوتی وھذا ھو المعنی بقولہ علیہ السلام واللہ ادری مایفعل بی ولا بکم اور اس تعلق کو آفریدہ کہنا۔۔۔۔ بوجہ اس کے حدوث کے ظاہر ہے۔۔۔۔ اور آفریدہ از ہیچ کہنا مبالغۂ غایت غموض کی وجہ سے ہے۔۔۔۔ اور یا اس کی یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے۔۔۔۔ کہ یہ رابطہ امور اضافیہ میں سے ہے۔۔۔۔ اور امور اضافیہ بوجہ اس کے کہ ان کا وجود انتزاعی ہوتا ہے۔۔۔۔ فی نفسہ مستقلاً متحقق وثابت نہیں ہوتے۔ قالؒ

گدای کوی تو از ہشت خلد مستغنی است	اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد است

مطلب ظاہر ہے کہ۔۔۔۔ محبوب حقیقی کے طالب کو دوسری کوئی چیز خواہ کچھ ہی ہو۔۔۔۔ مطلوب بالذات نہیں۔

اگرچہ مستی عشقم خراب کردو لے	اساس ہستی من زین خراب آباد است

یہ اشارہ ہے بقا بعد الفنا کی طرف۔۔۔۔ جیسا شیخ شیرازی نے بوستان میں فرمایا ہے۔

مترس از محبت کہ خاکت کند	کہ باقی شوی چون ہلاکت کند

قالؒ

دلا منال ز بیداد وجور یار کہ یار	ترا نصیب ہمین کردہ است واین داد است

بیداد وجور مراد تاخیر وصل کہ از مثل جور وارد۔۔۔۔ اس میں تعلیم ہے کہ اگر سالک کو وصول یا ورود احوال میں توقف ہو جائے تو تنگی وشکایت نہ چاہئے۔۔۔۔ کیونکہ محبوب نے اس کے لئے یہی تجویز کیا ہے۔۔۔۔ اور یہ عین عنایت ہے۔۔۔۔ کیونکہ اس میں مصلحت ہوگی اور راز اس میں یہ ہے کہ ہر شخص کی استعداد جداگانہ ہے۔۔۔۔ اور استعداد کے موافق تربیت کی جاتی ہے۔۔۔۔ اور اس کا علم محیط مخصوص حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔۔۔۔ چنانچہ تاخیر وصل کی ایک مصلحت ایک بار مثنوی معنوی میں عجیب طور پر نظر سے گزری۔۔۔۔ جس کی حکایت یہ ہے کہ ایک بار احقر پر یہ خیال غالب ہوا کہ حق تعالیٰ کو طالب کے طالب ہونے کا علم بھی ہے۔۔۔۔ اور وصل الی المقصود پر قدرت بھی ہے اور طالب کے حال پر رحمت بھی ہے۔۔۔۔ اور اس مجموعہ کا مقتضا یہ تھا کہ جلدی

کامیابی ہوجایا کرتی ــــ پھر معلوم نہیں تاخیر میں اور پریشانی میں کیا حکمت ہے ــــ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مثنوی جو کھولی تو یہ اشعار سر صفحہ پر نکلے ــــ جن میں علم اور قدرت اور رحمت کے اثبات کے بعد اس کی حکمت مذکور ہے ــــ جس سے پوری تسلی ہوگئی ــــ وہ اشعار یہ ہیں۔

چارہ می جوید پئی من درد تو	من شنیدم دوش آہ سرد تو
می توانم ہم کہ بے این انتظار	رہ نمایم وادہم راہ گذار
تا ازین گرداب دوران وارہی	بر سر گنج و صالم پانہی
لیک شیرینی ولذات مقر	ہست براندازۂ رنج سفر
آنگہ از فروز و خویشان برخوری	کز غریبی رنج و محنتہا بری

قالؒ

بروفانہ مخوان وفسون مدم حافظ	کزین فسانہ وافسون مرا بے یادست

اس میں تعریض ہے ــــ مدعی طلب کا ذبا و مرائی کی طرف ــــ یعنی اوپر جس قسم کے مضامین مذکور ہیں ــــ یہ اگر ادعائے محض ہوں تو اس صورت میں بلسان محبوب تنبیہ ہے ــــ کہ مجھ کو ہر چیز کا علم ہے مجھ سے جھوٹی باتیں بنانا کیا فائدہ ــــ پس اس میں تعلیم ہے اخلاص مع اللہ کی ــــ اور مذمت ہے احوال باطنیہ میں تصنع کی۔ واللہ اعلم۔

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست	می بمیخانہ بجوش آمد و می باید خواست

روزہ مراد ریاضت ومجاہدہ وعید کنایہ از وصل ومشاہدہ ــــ یعنی الحمد للہ کہ زمانہ مجاہدہ کا گزر گیا ــــ اور وقت وصول ومشاہدہ کا آگیا اور قلوب میں نشاط وفرحت وصل سے جوش پیدا ہوگیا ــــ اور عشق ومحبت میں ترقی ہوئی ــــ اور اس میں ترقی کی اور طلب چاہئے ــــ پس مصرعہ اولیٰ میں اشارہ ہے ــــ کہ مشاہدہ کے لئے مجاہدہ شرط عادی ہے ــــ اور مصرعہ ثانیہ میں اشارہ ہے کہ بعد وصول وحصول مقصود سالک کو بس نہ کرنا چاہئے ــــ طلب اور طاعت میں طالب مزید ہونا چاہئے جیسا ارشاد ہے۔

ای برادر بے نہایت در گہے است	ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

قالؒ

نوبت زہد فروشان گران جان بگذشت	وقت شادی وطرب کردن رندان برخاست

زہد فروشان ریا کاران۔۔۔۔۔ گران جان کاہلان مراد شیخان مزوران کا ریا کار کہنا تو ظاہر ہے۔۔۔۔۔ اور گران جان ہونا اس لئے ہے کہ ریا کاری میں بوجہ فقدان صدق رغبت کے باطناً کاہلی ضروری ہے۔۔۔۔۔ اور رند سے مراد مخلص غیر متصنع وطالب صادق۔۔۔۔۔ اس شعر میں صورت خبر میں مقصود انشاء اس امر کا ہے۔۔۔۔۔ کہ شیوخ متصنعین کو ترک کرنا چاہئے۔۔۔۔۔ جبکہ شیوخ کاملین میسر ہو سکتے ہیں۔۔۔۔۔ طالب صادق کو ان کی جستجو لازم ہے۔۔۔۔۔ اور ان کے میسر ہونے کا وقت نہایت خوشی کا وقت ہے۔

چہ ملامت بود آنرا کہ چو ما بادہ خورد	این نہ عیب است بر عاشق رند ونہ خطاست

بادہ سے مراد طریق محبت مقرون بملامت۔۔۔۔۔ مطلب یہ کہ طریق ملامتی میں جس کا حاصل ترک وضع ہے۔۔۔۔۔ نہ کہ ترک شرع۔۔۔۔۔ عشاق مخلصین کے لئے کوئی عیب اور خطا نہیں ہے۔۔۔۔۔ جیسا کہ اہل ظاہر میں سے عوام تو اس کو اس لئے عیب سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ کہ اس کو بوجہ قصور نظر کے خلاف شرع خیال کرتے ہیں۔۔۔۔۔ اور خواص اس کو موہم خلاف شرع۔۔۔۔۔ اور محتمل تعدیہ ضرر الی الغیر ہونے کی وجہ سے عیب سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ پس لفظ چوما میں تو اشارہ کر دیا جواب شبہ عوام کی طرف۔۔۔۔۔ یعنی جو ہماری طرح ہو کہ خلاف شرع نہ کرے۔۔۔۔۔ جیسا اسی غزل کے ایک شعر میں اپنی حالت بیان کی ہے۔۔۔۔۔ فرض ایزد بگذاریم الخ اور ظاہر ہے کہ معصیت منافی ہے۔۔۔۔۔ ادائے فریضہ کے جو اس خاص امر کے متعلق ہے۔۔۔۔۔ اور لفظ بر عاشق رند میں اشارہ کر دیا جواب شبہ خواص کی طرف۔۔۔۔۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مقتدا میں وہ علت نہی کی جاری ہے۔۔۔۔۔ اور عاشق رند جو کہ مقتدا نہیں ہے اس تعلیل سے خارج ہے۔۔۔۔۔ پس جب علت نہیں معلول بھی نہیں رہا۔۔۔۔۔ یہ کہ لوگ اس کی غیبت کریں گے۔۔۔۔۔ تو یہ شخص اس کا سبب ہوا تو ان لوگوں کی طرف سے اس میں یہ عذر ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ کہ ان کو جب بعض رذائل کے معالجہ کی

طرف اس خاص طریق ملامت میں توجہ غالب ہوتی ہے — تو اس مفسدہ مذکورہ سے ذہول ہو جاتا ہے — اور قصد ہوتا ہے اپنی اصلاح کا — نہ کہ افساد غیر کا گو لازم آتا ہے اور اتقوا مواضع التہم کو یہ حضرات مخصوص کہیں گے — غیر موضع ضرورت میں اور معالجہ موضع ضرورت ہے — اور ان کی یہ توجیہات محل اجتہاد ہو سکتی ہیں فلعلہ یقدر الہم۔ قال؎

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائی نہ بود	بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست

اس شعر میں اپنے کسی فعل کی توجیہ یا طرفداری نہیں ہے — بلکہ اہل طریق کو نصیحت ہے — کہ ذکر و طاعت میں دعویٰ و ریا کرنا اور دوسرے اہل معاصی کو حقیر سمجھنا مذموم ہے — پس فرماتے ہیں کہ جس بادہ نوشی کے ساتھ ریا نہ ہو — وہ اس زہد ادعائی سے اچھا ہے جس میں ریا ہو — اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاصی میں بھی باہم تفاوت ہوتا ہے — کوئی اکبر کوئی کبیر کوئی صغیر کوئی اصغر — اور یہ قواعد شرع سے نہایت واضح و ظاہر ہے۔ قال؎

ماشہ مردان ریائیم و حریفان نفاق	انکہ او عالم سر است بدین حال گواست

گو مختلف گواہ و مطلب ظاہر ہے — اور مقصود اس سے پندار و دعویٰ نہیں — بلکہ ترغیب ہے طالبین کی — اپنا حال بیان کرنے سے کہ ان کو بھی ایسا ہی ریا و نفاق سے بچنا چاہئے — اور اس سے یہ امر مستفاد ہوا کہ کامل — اگر اپنا حال اس قصد سے ظاہر کرے کہ ناقصین اتباع کریں — تو مذموم نہیں ہے۔ قال؎

فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نہ کنیم	وانچہ گویند روانیست بگوئیم رواست

مدلول لفظی تو ظاہر ہے — اور غرض مقصود یہ ہے کہ اصل مقصود تکثیر طاعات و اوراد نہیں ہے — بلکہ ورع کے ساتھ تقلیل طاعات کافی ہے — اور وہ ورع حقوق اللہ و حقوق العباد سب میں ہونا چاہئے — چنانچہ فرض ایزد بگذاریم میں اشارہ حقوق اللہ و تقلیل طاعات کی طرف ہے — اور بکس بد نہ کنیم میں اشارہ حقوق عباد کی طرف ہے — اور مصرع ثانی میں اس انچہ سے مراد میرے نزدیک طریق ملامت یعنی ارتکاب خلاف وضع ہے — گو ظاہر نظر میں خلاف شرع ہو — مگر حقیقت میں خلاف نہ ہو — اور اس کے جواز و عدم جواز

میں اختلاف کی تحقیق ـــــ جیسا کہ اس مصرع سے معلوم ہوتا ہے ـــــ مفصلاً شعر بالا چہ ملامت الخ کی شرح میں گزر چکی ہے ـ قال

چہ بود گر من وتو چند قدح بادہ خوریم	بادہ از خون رزان ست نہ از خون شماست
این نہ عیب است کزین عیب خلل خواہد بود	ور بود عیب چہ شد مردم بے عیب کجاست

رزان جمع رز بمعنی انگور ـــــ خون رز شیرہ انگور ـــــ خون شما خون وگوشت مردم اشارہ بسوی ـــــ آیت ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا الآیہ ـــــ ان اشعار کا مضمون بھی قریب قریب مضمون شعر بادہ نوشی الخ کے ہے ـــــ یعنی اگر کوئی مرتکب بادہ خواری کا ہو جائے ـــــ خواہ تم ہو یا میں ہوں ـــــ تو غایت مافی الباب وہ شیرہ انگور ہے لحم انسان تو نہیں ہے ـــــ جس کے کھانے میں معترض مبتلا ہے کہ غیبت وعیب جوئی میں مشغول ہے ـــــ اور اس کا بادہ خواری سے اشد ہونا بوجہ حق عبد ہونے کے ظاہر ہے ـــــ پس معترض اشد میں مشغول اور اخف پر معترض ہے ـــــ اور دوسرے شعر میں اس سے عیب ہونے کی نفی ـــــ یا تو بایں معنی ہے ـــــ کہ جس درجہ کا عیب طاعن سمجھ رہا ہے (کہ اس کو غیبت سے بھی بڑھ کر قرار دیا ہے ـــــ جیسا کہ اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے ـــــ کہ بادہ خواری کی مذمت کر رہا ہے اور غیبت کو اختیار کر رکھا ہے) یہ اس درجہ کا عیب نہیں ہے ـــــ بلکہ معاملہ بالعکس ہے ـــــ اور شعر ثانی کے مصرع ثانیہ میں علی سبیل التنزل کہتے ہیں ـــــ کہ اگر معترض کا قول مسلم بھی ہو جائے ـــــ کہ یہ غیبت سے بھی اشد ہے ـــــ تو خیر یوں ہی سہی مگر بے عیب کون ہوتا ہے ہم میں یہ عیب ہے ـــــ معترض میں دوسرا عیب ہے ـــــ اور مقصود اس تنزل سے محض ترک جدال ہے جو مقتضا ہے وضع درویشی کا ـــــ نہ کہ تو جیہ اپنے فعل کی ـــــ یا رجوع تحقیق بالا سے کہ اشدیت ہے غیبت کی ـــــ اور یا عیب ہونے کی نفی بایں معنی ہے کہ بعض اقسام نبیذ کے مختلف فیہ بین الائمہ ہیں ـــــ اور قواعد احتساب میں ثابت ہے کہ مسائل مختلف فیہا میں احتساب نہیں کیا جائے گا ـــــ اور مصرع دوم بر طبق تقریر بالا نیز ترک جدال پر محمول کیا جائے گا ـــــ باقی اجزاء کی تقریر ظاہر ہے ـــــ اور بہر حال اس مضمون میں تعلیم ہے

.. ترک جدال و ترک استفسار و ترک اعتراض کی .. جو لوازم طلب مقصود سے ہے۔ قال

حافظا از عشق خطا حال تو سرگردان ست	نکتہ پرکار روئے نقطہ دل پابرجاست

مدلول لفظی ظاہر ہے۔ مقصود تعلیم ہے طالبان حق کی کہ طریق محبت میں کیسی ہی پریشانی و حیرانی پیش آئے ... مگر ثبات قدم و تحمل و صبر و استقلال و استقامت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے .... کہ شرط وصول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ قال

غزل

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است	سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

اس میں خطاب ہے معترض ظاہر بین کو . جو اہل حال کے کلام پر خوردہ گیری کرتا ہے .. استہزاء اس کو دلبر کہا ... جیسے اردو کے محاورہ میں ایسے موقع پر کہتے ہیں میرے پیارے یا برخوردار یا مہربان .. پس فرماتے ہیں کہ اہل حال کے کلام کو غلط مت کہو بلکہ وہ غلطی تمہاری فہم میں ہے .. کیونکہ تم سخن شناس نہیں ہو اہل حال کے کلام کو نہیں سمجھتے ہو .. اس میں تعلیم ہے کہ اہل اللہ کے کلام کو جلدی سے رد نہ کر دے .... البتہ بے سمجھے اس کے ظاہری معنی کا معتقد بھی نہ ہو . بلکہ سکوت اسلم ہے۔ قال

سرم بدنیا و عقبی فرو نمی آید	تبارک اللہ ازیں فتنہ ہا کہ در سر ماست

فتنہ سے مراد شورش .. مطلب یہ کہ چونکہ میرا مقصود بالذات قرب و رضائے حق ہے اس لئے نہ دنیا بالذات مطلوب ہے اور نہ عقبیٰ گو بالعرض مقصود ہو . آگے بطور استعظام امر کے فرماتے ہیں . کہ ہمارے دماغ میں بھی عجیب شورش طلب حق کی بھری ہوئی ہے .. کہ بالذات کسی چیز کی طرف التفات نہیں رہا۔ قال

در اندرون من خستہ دل ندانم کیست	کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست

یعنی مجھ خستہ دل کے اندر معلوم نہیں کون شخص ہے کہ میں تو خاموش ہوں اور وہ شور و فغان میں ہے مراد اس شخص سے خود دل ہے جو محبوب کی یاد اور طلب میں شور و فغان میں رہتا ہے گو لب پر غیر از خاموشی رہے۔

دلم ز پردہ بروں شد کجائی اے مطرب	بنال ہاں کہ ازین پردہ کار ما بنواست

یعنی میرا دل قابو سے باہر ہو گیا...... اے مطرب سماع سنا دے کہ اس پردہ سرود سے ہماری حالت اصلاح پذیر ہو جائے گی اس میں بیان ہے (اس کا کہ سماع کا جواز ایسی مخصوص حالت میں ہے...... جب قلب کی حالت خود رفتگی تک پہنچ جائے ...... اور اس سے اکثر مشغولان سماع کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔ قال

مرا بکار جہان ہرگز التفات نبود	رخ تو در نظر من چنین خوشش آراست

یہ اشارہ ہے مستی کی حالت کی طرف کہ ابتداء حال میں اس کا التفات خلق کی طرف اس لئے نہیں ہوتا...... کہ وہ حجاب ہوتا ہے توجہ الی الحق سے...... لیکن مستی کے لئے ہر شی مخلوقات میں سے آئینہ ہوتی ہے مشاہدہ جمال محبوب کی اور آلہ ہوتا ہے... وصول وقرب کا علماً بھی اور عملاً بھی...... اس لئے وہ عین التفات الی الحق کی حالت میں ملتفت الی الخلق بھی ہوتا ہے۔ قال

نہ خفتہ ام بخیالے کہ می پزم شبہا	خمار صد شبہ دارم شرابخانہ کجاست

یعنی طلب میں مجھ کو آرام اور سکون نہیں ملا اور مدتوں کا مجھ کو خمار ہے تو اب دیکھو کہاں حاصل ہوا کرتا ہے...... تاکہ ایک گونہ وصول میسر ہونے سے طلب کی بے آرامی ختم ہو ...... گو اس میں بھی دوسری طرح کی بے چینی ہو...... کہ قال الشیخ الشیرازی فی المعنی الاول۔

تعلق حجاب است وبیحاصلی	چو پیوندہا بگسلی واصلی

وقال فی المعنی الثانی۔

دلارام در بر دلارام جوی	لب از تشنگی خشک و بر طرف جوی
نہ گویم کہ بر آب قادر نیند	کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

قال

چنین کہ صومعہ آلودہ شد ز خون دلم	گرم بباده بشوئید حق بدست شماست

درکارم تقدیرے ست ..... یعنی مجاہدہ تا بتعین رسیدہ است ..... مطلب یہ کہ ظاہری طاعت یہاں تک کی کہ میرے خون دل سے سو سو خون آلود ہو گیا ..... اب اے محبوب یا اے مرشد اگر مجھ کو بادۂ محبت یعنی جذبۂ عشق سے غسل دیا جائے تو آپ کی شان کے شایان ہے..... اس میں اشارہ ہے کہ سلوک و ریاضت بدون جذب و عنایت کے مفید نہیں۔ قال

از آن بدیر مغانم عزیز میدارند	کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دل ماست

در مغان مجمع اہل عشق..... یعنی عشاق کی جماعت میں مجھ کو اس لئے عزیز سمجھتے ہیں ... کہ میرے دل میں آتش عشق مشتعل ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اہل اللہ مال و دولت کی قدر نہیں کرتے ..... بلکہ دولت باطنی ہی کی قدر کرتے ہیں۔ قال

چہ ساز بود کہ بنواخت مطرب عشاق	کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پر ز صداست

اس میں اشارہ ہے خطاب الست بربکم کی طرف ... یعنی اس خطاب کی اب تک لذت حاصل ہے..... یا تو یہ کہا جائے کہ حقیقتاً بعض کو یاد رہتا ہے ... اور یا یہ کہا جائے کہ اس کا اثر باقی ہے ... جس سے انداز ہوتا ہے ... اور یہی دونوں احتمال ہیں شیخ شیرازیؒ کے اس ارشاد میں بھی۔

الست از ازل ہمچنانش بگوش	بفریاد قالوا بلے در خروش

معنی اول کا مصداق ایک کشف ہے ..... اور معنی ثانی کا مصداق ایک حال ہے۔ قال

خمار عشق تو دی شب در اندرونم بود	کجاست وقت نبوت چہ جائے عقدہ ماست

مطلب یہ کہ میرے مقتضائے استعداد کے موافق۔ میری تربیت عشق سے کی گئی ہے۔ اس لئے اس کے قلب میں عبادت و دعا کی تکثیر مجھ سے نہیں ہو سکتی تھی... اشارہ ہے کہ طریق تربیت سالکین کا ہر ایک کی استعداد کے موافق جدا جدا ہے۔ قال

ندای عشق تو دوشم در اندرون دادند	فضائے سینۂ حافظ ہنوز پر ز صداست

مطلب ظاہر ہے۔ کہ میرے لئے نسبت عشقیہ تجویز کی گئی تھی جس سے اب تک میرا سینہ پر ہے... لان المقدر لا یتغیر واللہ عالم۔ تمامؒ

غزل

روضۂ خلد بریں خلوت درویشان است	مایۂ محتشمی خدمت درویشان است

اس میں درویشوں کی خلوت اور خدمت کی مدح ہے ــــ اول کو روضۂ خلد بریں سے تشبیہ دی گئی ہے ــــ اس وجہ سے بڑی نعمت جنت میں مشاہدہ حق تعالیٰ ہے ــــ سو ایک قسم کا مشاہدہ درویشوں کو خلوت میں میسر ہوتا ہے ــــ یعنی بالقلب گو جنت میں بالعین ہوگا اور خلوت کی قید اس لئے کہ اس میں استحضار تام ہوتا ہے ــــ گو بعض اوقات جلوت کا استحضار ناتمام اس تام سے کسی عارض کی وجہ سے افضل ہو ــــ مثلاً کسی حق واجب کا ادا کرنا یا کسی کو نفع پہنچانا و مثل ذلک ــــ اور بعد مدح درویشوں کے مصرع ثانیہ میں ان کی خدمت کی ترغیب دیتے ہیں ــــ کہ احتشام حقیقی کہ مقبولیت عند الحق ہے ــــ مقبولین کی خدمت سے کہ ان کی اطاعت اور محبت اس کے لوازم عادیہ سے ہے ــــ میسر ہوتا ہے۔ قالؒ

گنج عزلت کہ طلسمات عجائب دارد	فتح آن در نظر ہمت درویشان ست

اس میں ترغیب ہے ــــ کہ مقبولین حق کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنا چاہئے کہ ان کی توجہ میں یہ برکت ہے ــــ کہ خلوت نشینی کا خزانہ عجیب کہ مراد اس سے حضور تام و مشاہدہ ہے ــــ اس سے میسر ہوتا ہے ــــ چنانچہ توجہ کی یہ برکت ہونا تجربہ سے بھی ثابت ہے اور ظاہری لم بھی اس کی یہ ہے کہ وہ متقی ہوتے ہیں ــــ اور حق تعالیٰ اکثر متقی کی مراد پوری فرماتا ہے ــــ اور توجہ سے ان کی مراد یہی ہوتی ہے ــــ کہ طالب کو کمل توجہ بہ مشرف اس دولت سے ہو جائے ــــ و نیز ثابت ہوا ہے کہ بعضے تصرفات محض توجہ نفس سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ قالؒ

قصر فردوس کہ رضوانش بدربانی رفت	منظری از چمن نزہت درویشان ست

یعنی قصر فردوس جس کا دربان رضوان ہے ــــ درویش جس چمن کی سیر کرتے ہیں اس کا ایک منظر ہے ــــ کیونکہ درویشوں کا سیر گاہ ذات و صفات و افعال حق ہے اور جنت میں ان اشیاء کا کامل ظہور ہوگا ــــ و نیز ان کی سیر کا حاصل مراقبہ و مشاہدہ ہے اور جنت کے مقامات عالیہ ان اعمال صالحہ کا ثمرہ ہے ــــ جیسا لفظ فردوس اشارہ ہے

مقامات عالیہ کی طرف ... گو مطلق جنت مطلق اعمال کا ثمرہ ہے۔ قال

آنچہ زر می شود از پرتو آن قلب سیاہ	کیمیا ئیست کہ در صحبت درویشان است

می شود قلب ناقص۔ قلب سیاہ اسم آن دز زر خبر آن شد کہ بالعکس قلب ... مراد ظاہر ہے کہ اہل کمال کی صحبت میں ناقص کامل ہو جاتے ہیں۔ قال

آنکہ پیشش بنہد تاج تکبر خورشید	کبریائیست کہ در حشمت درویشان است

اس میں بیان ہے مقبولان حق کی عظمت کا ... کہ ان کے سامنے خورشید بھی پست ہے ... کیونکہ اس کو ظاہری رفعت ہے ... اور ان حضرات کو باطنی و حقیقی رفعت ہے ... لکونہم فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ قال

دولتے را کہ نباشد غم از آسیب زوال	بے تکلف بشنو دولت درویشان است

مطلب ظاہر ہے ... کیونکہ درویشوں کی دولت اخروی ہے اور دوسری دولتیں دنیوی ہیں اور نص ہے ... ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق۔ قال

خسروان قبلۂ حاجات جہانند ولے	از ازل تا بہ ابد فرصت درویشان است

فرصت مراد سلطنت ... یعنی گو سلاطین کو ظاہری چند روزہ سلطنت حاصل ہے لیکن حقیقی و ابدی سلطنت مقبولان حق کو ہے ابدی ہونا تو نصوص خلود سے ظاہر ہے اور ازلی ہونا باعتبار تقدیر و علم الٰہی کے ہے۔ یا ازل سے مراد مطلق ابتدا لی جائے یعنی جب سے اس کا حصول ہوا ہے ... معنی مشہور بالا اول لئے جائیں۔

روی مقصود کہ شاہان بدعا می طلبند	مظہرش آئینۂ طلعت درویشان است

یعنی جن مطالب کو سلاطین دنیا مانگتے پھرتے ہیں وہ کبھی درویشوں کی زیارت سے میسر ہو جاتا ہے ... مقصود مبالغہ ہے کہ درویش مفتاح حصول مراد ہیں۔ خواہ بلا واسطہ ان کی دعا کے خواہ بواسطہ توسل کے ان کے ساتھ ... اور خواہ اس واسطے سے کہ ان کی صحبت سے ان کی محبت ہوتی ہے اور محبت ان کی طاعت ہے اور اہل طاعت کی مشکلات غیب سے آسان کی جاتی ہے ... ذلک وہ بنی البشریٰ۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال	مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
ای تو نگر مفروش این ہمہ نخوت کہ ترا	سروری در کنف ہمت درویشان ست

کنف پناہ — یعنی اغنیاء ظاہری کی یہ ثروت و جاہ ان مقبولان حق کی دعاء و برکت کی فرع ہے — فی الحدیث ھل ترزقون وتنصرون الا بضعفاء کم ونیز حدیثوں میں ہے کہ ابدال کی برکت سے بارش وغیرہ ہوتی ہے — ونیز قصہ خضر علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انتظامات تکوینیہ — بعض اہل اللہ سے وابستہ ہوتے ہیں — وفی المقام کلام طویل لا یحتملہ المقام ۔ قال

گنج قارون کہ فرو میرود از قہر ہنوز	خواندہ باشی تو کہ از غیرت درویشان ست

درویشاں کی جمعیت جنیت کے لئے ہے — مراد موسیٰ علیہ السلام۔
مطلب اور قصہ ظاہر و مشہور ہے۔

بندۂ آصف عہدیم کہ در سلطنتش	صورت خواجگی و سیرت درویشان ست

اس میں دو احتمال ہیں یا تو مراد اس سے وزیر اکمل زمانہ کا ہے — جس کا نام بعض محشین نے آصف لکھا ہے — اور ظاہرا مقصود اس کی مدح ہے — اور اشارۃً مدح ہے ہر ایسے شخص کی جو باوجود جاہ و حشم ظاہری کے سیرت درویشانہ رکھے — اور دین کو دنیا پر ترجیح دے اور دوسرا احتمال یہ کہ یہ کنایہ ہو شیخ وقت سے — جس کی شان یہ ہے کہ اس کی سلطنت باطنی میں صورت ظاہری عوام کی سی — اور باطن خواص کا سا ہو — جس کی حکمت کتمان اور تواضع اور اتباع سنت ہے۔ قال

حافظا ایجا بادب باش کہ سلطان و ملک	ہمہ در بندگی حضرت درویشان ست

یعنی کاملین کے ساتھ باادب رہو — کہ ان کی یہ عظمت ہے کہ ناسوت کے اکابر کہ سلاطین ہیں — اور ملکوت کے عظماء کہ ملائکہ ہیں — سب ان حضرات کے سامنے عجز و نیاز پیش آتے ہیں — چنانچہ مسجودیت آدم علیہ السلام — ومنصوریت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم فی الغزوات بواسطہ ملائکہ — اور عالم با عمل کے لئے ملائکہ کا استغفار — اور

جبرئیل علیہ السلام کی ندا پر ملائکہ کا محبوبان حق سے محبت کرنا ...... قرآن واحادیث میں منصوص ہے ...... اور نیاز سلاطین کا مشاہد ہے۔ قال

غزل

مطلب طاعت و پیمان صلاح از من مست	کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روز الست

اس میں اہل حال کی بعض معذوریوں کا بیان ہے ...... کہ اگر مستی کے غلبہ میں طاعت و صلاح میں ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو ان سے دارو گیر و ملامت مناسب نہیں ...... کہ روز الست سے (مراد مجاز امر تبہ اعیان ثابتہ کا ہے) میں پیمانہ کشی ...... یعنی سرشاری محبت و مغلوبیت حال کے ساتھ موصوف ہوں ...... حاصل اس کا وہی ارشاد ہے کہ مرفوع القلم کو معذور سمجھنا چاہئے۔ قال

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمہ عشق	چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

چار تکبیر زدن ترک کلی کردن ...... یعنی جب عشق حقیقی کا غلبہ ہوا سب ماسوی اللہ سے تعلق قطع کر دیا ...... اس میں بیان ہے عشق الٰہی کے اثر کا ...... کہ وہ ماسوا سے نظر کو اٹھا دیتا ہے۔ قال

می بدہ تا دہمت آگہی از سر قضا	کہ بروی کہ شدم عاشق و بر بوی کہ مست

اس میں خطاب ہے معترض ملامت گر کو ...... اور می بدہ میں اسناد مجازی ہے ...... جیسا عنقریب واضح ہوگا حاصل یہ ہے کہ تو جو مجھ پر اعتراض و ملامت کر رہا ہے ...... جس کا سبب غلبہ احوال عشق میں کچھ نشیب و فراز واقع ہو جاتا ہے ...... سو مجھ کو ذرا مستی ہونے دے اسی کو مجازاً می بدہ کہہ دیا ہے ...... اس وقت تجھ کو راز قضا سے آگاہ کروں گا ...... کہ میں کس ذات پر عاشق ہوا ہوں ...... اور کس کی صفات و کمالات سے مست ہوا ہوں ...... اور وہی عشق و مستی اس نشیب و فراز کا سبب ہو گیا ہے ...... اس کو سر قضا اس لئے کہا کہ اس عشق و سکر سے ایسے امور کا وقوع مقدر ہو چکا تھا ...... اس میں ارشاد ہے کہ اہل سکر پر اعتراض مناسب نہیں۔ قال

کمر کوہ کم است از کمر مور اینجا	ناامید از در رحمت مشو ای بادہ پرست

کوہ سے مراد عوائق و موانع سلوک و وصول ...... ان کو بوجہ ثقل کے کوہ سے تشبیہ دی ......

مطلب یہ کہ سالک وطالب کو کبھی ناامید نہ ہونا چاہئے ...... کیونکہ جن موانع کو تم ثقیل سمجھتے ہو ...... وہ نظر بفضل ورحمت الہیہ نہایت ضعیف وخفیف ہیں ...... ان کا رفع ہو جانا کچھ دشوار نہیں وہذا کما قال العارف الرومی ۔

تو مگو ما را بدان شہ بار نیست	بر کریمان کارہا دشوار نیست

اس تعلیم سے باعتبار فن کے یہ نفع ہے کہ اس سے دل میں نشاط ہوتا ہے ...... اور اس سے مجاہدہ آسان ہو جاتا ہے ...... اور مجاہدہ کا مفتاح مشاہدہ ہونا معلوم ہے ...... غرض یہ معین حصول مقصود ہے ۔ قالؒ

جان فدای دہنت باد کہ در باغ نظر	چمن آرای جہان خوشتر ازین غنچہ نہ بست

ممکن ہے کہ اس میں مدح مرشد کی ہو ...... اور چونکہ دہن سے تعلیم وتلقین ہوتی ہے جو مظہر ہے ذرائع قرب کا ...... اس لئے اس کی تخصیص ذکری کی گئی ...... اس میں اشارہ ہوگا وحدت مطلب کی طرف ...... کہ مسئلہ ہے فن کا جس کی شرح حسب ارشاد مولائی مرشدی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے ...... کہ اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد رکھے کہ زندہ بزرگوں میں اس سے بہتر مجھ کو نفع پہنچانے والا میسر نہ ہوگا ...... قالؒ

بجز آن نرگس مستانہ کہ چشمش مرساد	زیر این طارم فیروزہ کسی خوش نہ نشست

نرگس مستانہ چشم محبوب مراد از چشم اہل اللہ کو مقصود را دیدہ ...... یعنی بجز اہل اللہ کے اس عالم میں کوئی خوش نہیں ...... بلکہ سب طالب ماسوی اللہ پریشان ہیں

قال اللہ تعالیٰ من عمل صالحا من ذکرا وانثی فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ وقال تعالے ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا وقال الرومی ۔

ہر چہ جز ذکر خداے احسن است	گر شکر خواری ست ان جان کندن ست

وہذا مشاہدہ اور جملہ دعائیہ چشمش مرساد معترضہ ہے ۔ قالؒ

حافظ از دولت عشق تو سلیمانی یافت	یعنی از وصل تواش نیست بجز باد بدست

باد بدست کنایہ از عدم حصول ...... یعنی چونکہ محبوب حقیقی کا وصل مجھ کو حاصل نہ ہوا

تو بادبدست ہونے کی وجہ سے مجھ کو رتبہ سلیمانی حاصل ہے — کیونکہ ایک معنی کے اعتبار سے وہ بھی بادبدست تھے — یعنی بادان کی مسخر تھی — اس تعبیر میں صنعت شاعری ہے اصل مقصود دو امر کا بتلانا ہے — ایک یہ کہ سالک کو چاہیے کہ کبھی اپنے کو واصل نہ سمجھے — کیونکہ سلوک کا حقیقت میں کہیں منتہی نہیں — اور حقیقت وصول کی انتہا ہے سلوک کا — دوسرے یہ کہ سلوک میں نامرادی کو بھی کہ عدم الوصول اس کی ایک فرد ہے دولت سمجھے — اور تنگ دل نہ ہو کہ اس میں بھی مصالح ہیں — اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس سے اوپر کا شعر اس کے معارض ہے — کیونکہ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ طالب حق ہمیشہ خوش رہتا ہے — اور یہاں اس کی نامرادی کہ مستلزم ناخوشی کو ہے معلوم ہوتی ہے — جواب یہ ہے کہ یہ مقدمہ کہ نامرادی مستلزم ناخوشی کو ہے غلط ہے — گو طبعاً اس پر حزن و تاسف ہو مگر عقلاً وہ اس پر بھی راضی و مسرور ہوتا ہے — کیونکہ یہ حالت بھی منافی قرب نہیں بلکہ طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق ثابت و مقرر ہے — فافہم وفی المقام بسط۔ اور غزل آئندہ کا شعر اول اسی مضمون میں ہے غزل۔ قال

سر ارادت ما و آستان حضرت دوست	کہ ہر چہ بر سر ما میرود ارادت اوست

یعنی ہمارا سر ارادت و تسلیم محبوب حقیقی کے آستان پر رکھا ہے — کسی حال میں اس کی شکایت نہیں کرتے — کیونکہ ہم پر جو کچھ گزر رہا ہے یہ اسی کی مشیت سے ہے — اور اس کی مشیت سراسر حکمت و مصلحت ہے — اس لئے قبض و بسط وغیرہ سب خیر ہے — تنبیہ جاننا چاہیے کہ مایتعلق بہ المشیۃ الازلیۃ — اگر فعل عبد نہیں مثل احوال و مواجید تب تو من کل الوجوہ اس پر رضا واجب ہے — اور اگر فعل عبد ہے تو حسن شرعی کا بھی یہی حکم ہے — اور اگر وہ قبیح شرعی ہے تو من حیث انہ مخلوق للہ تعالیٰ اس پر رضا واجب ہے اور اس میں بھی من حیث المجموع حکمت ہے۔ اور من حیث انہ صادر من العبد اس پر رضا جائز نہیں — اور اس حیثیت سے وہ خلاف حکمت ہے فافہم — پس شعر میں مراد ہر چہ سے غیر فعل عبد ہے۔ قال

نظیر دوست ندیدم اگرچہ از مہ و مہر	نہادم آئینہ ہا در مقابل رخ دوست

از مہ و مہر بیان آئینہ ہاست — یعنی یہ امر معتاد ہے کہ آئینہ میں مرئی کا جو عکس پڑتا

ہے ...... وہ من وجہ نظیر مرئی کا ہوتا ہے مگر محبوب حقیقی ایسا بے نظیر ہے کہ میں نے مہر و ماہ کے آئینہ میں بھی کہ انوار المرایا ہیں ...... نظر کر کے دیکھا تو اس کا نظیر نہ پایا ...... اس میں ایک دقیق مسئلہ کی تحقیق ہے ...... وہ یہ کہ قوم کی لسان پر مشہور ہے کہ مخلوقات مرایا و مظاہر ہیں جمال الٰہی کے ...... اس سے عوام یوں سمجھتے ہیں کہ ان مخلوقات میں جو صفات ہیں ...... ان ہی کے امثال خالق میں ہوں گے ...... اور وہ صفات خالق ان مخلوقات میں بعینہٖ منعکس و مرتسم ہیں ...... اس میں اس غلطی پر متنبہ کر دیا کہ یہ مرآۃ بایں معنی نہیں ...... کما حققتہ فی شرح المثنوی المسمی بکلید مثنوی ...... بلکہ جس طرح ہر مصنوع اپنے صانع کی صفات کمال پر دال ہوتا ہے ...... اس مرتبہ میں یہ مصنوعات صانع برحق کی صفات کے لئے مابہ الانکشاف ہے۔ قالؒ

نثار روی تو ہر برگ گل کہ در چمن ست	فدای قد تو ہر سرو بن کہ در لب جوست

برگ گل و سرو بن کنایہ از محبوبان مجازی ...... یعنی سب محبوبان مجازی کا حسن و جمال ناقص ہے ...... اور محبوب حقیقی کا کامل اور ناقص کا کامل پر فدا ہونا زیبا ہے۔ قالؒ

گرت تو شانہ زدی زلف عنبر افشان را	کہ باد غالیہ سا گشت و خاک عنبر بوست

مدلول لفظی تو ظاہر ہے ...... اور مراد معنوی یہ ہے کہ یہ مخلوقات جو مختلف کمالات سے متصف ہو رہی ہے ...... اس کی وجہ یہ ہے کہ کامل حقیقی نے اپنی صفات کا اظہار کیا ہے۔ قالؒ

رخ تو در دلم آمد مراد خواہم یافت	چرا کہ حال نکو در قفائے فال نکوست

مطلب معنوی یہ ہے ...... کہ محبوب حقیقی کا تصور میرے دل میں جم گیا ہے ...... تو اب امید ہے کہ وصول الی اللہ میسر ہو جائے گا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ذکر اور فکر مفتاح ہے کا مگاری قرب کی۔ قالؒ

صبا ز حال دل تنگ ما چہ شرح دہد	کہ چون شکنج ورقہای غنچہ تو بر توست

مراد معنوی یہ معلوم ہوتی ہے کہ زبان سے دل کا حال پورا ظاہر نہیں ہو سکتا ...... کیونکہ حال دل بوجہ ذوقی و وجدانی ہونے کے باطن در باطن و غیر معبر عنہ ہے ...... اشارہ اس طرف ہے کہ اہل حال کے کلمات پر مدار حکم نہ چاہئے۔ قالؒ

نہ من سبو کش این دیر زہد سوزم وبس	بسا سرے کہ دریں آستانہ سنگ سبو ست

سبو کش محنت کشندہ ــــ دیر زہد کنایہ از عشق کہ احوال زہد ظاہری را مغلوب سازد ــــ سنگ وسبو صدمہ سیدو بلا ــــ یعنی اس عشق سے صرف میں ہی گرفتار بلا نہیں ہوا ــــ بلکہ بہت سے گرفتار بلا ہو چکے ہیں ــــ اشارہ اس طرف ہے کہ طریق محبت میں مصاعب ومتاعب سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ قالؒ

زبان ناطقہ در وصف حسن اولال ست	چہ جای کلک بریدہ زبان بیہودہ گو ست

قاعدہ مقرر ہے کہ تقریر سے ادائے مافی الضمیر ــــ بہ نسبت تحریر کے زیادہ ممکن ہے ــــ اور جس کی تعبیر زبان سے نہ ہو سکے تحریر سے بدرجہ اولے نہیں ہو سکتی ــــ مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے کمالات نہ تقریر میں آسکتے ہیں ــــ نہ تحریر میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشاق کے کلام میں جو کچھ محبوب حقیقی کی شان میں وارد ہوتا ہے اس کو عبارت کافیہ نہ سمجھا جائے ــــ وہ ناتمام تعبیر ہوتی ہے ــــ اس لئے نہ حق تعالیٰ سے اعتقاد خراب کرے ــــ نہ عشاق سے فافہم۔ قالؒ

نہ این زمان دل حافظ در آتش طلب ست	کہ داغدار ازل ہمچو لالۂ خود رو ست

یعنی میرا عشق وطلب امر مستانف نہیں بلکہ مقدر ہے ــــ اشارہ اس طرف ہے کہ کمالات میں اپنے اکتساب کو موثر نہ سمجھے ــــ بلکہ حقیقی علت اس کی مشیت وموہبت ہے جیسے لالہ خودرو کہ مزروع نہیں ہوتا ــــ محض قدرتی چیز ہے۔

غزل قالؒ

دل سرا پردۂ محبت اوست	دیدہ آئینہ دار طلعت اوست

طلعت بمعنی طلوع وظہور مراد آیات صنع وقدرت میں حیث آنہا آیات ــــ یعنی دل محبوب حقیقی کی محبت سے ــــ اور آنکھ اس کی آیات قدرت کے مشاہدہ سے لبریز ہے اس میں ترغیب ہے تحصیل مقامات وعلوم محمودہ کی ــــ کہ محبت مقام ہے ــــ اور مشاہدہ آیات لاعتبار والاستدلال علم مطلوب ہے۔ قالؒ

منکہ سر در نیاورم بدو کون	گردنم زیر بار منت اوست

حاصل اس کا یہ ہے کہ میں دونوں عالم کی طرف التفات نہیں کرتا ...... اور اپنے محبوب کا ممنون ہوں ـــــ اور اس کی دو تقریریں ہو سکتی ہیں ـــــ ایک یہ کہ اول مصرع علت اور دوسرا معلول ہو ...... دوسرے اس کا عکس ـــــ یعنی چونکہ میں دونوں عالم سے مستغنی ہوں ...... اس لئے محبوب کا ممنون ہوں ـــــ کہ اس کی عنایت سے یہ نعمت میسر ہوئی ـــــ یا یوں کہا جائے کہ چونکہ میں محبوب کا ممنون اور اس کا محبّ ہوں ـــــ اس لئے دونوں عالم سے مستغنی ہوں ...... اور اس استغناء و بے التفاتی سے مراد یہ ہے کہ درجہ استحضار میں اس کی طرف التفات نہیں ...... ورنہ آخرت ایک درجہ میں مطلوب ضرور ہے ـــــ گو بالعرض سہی چنانچہ کہا گیا ہے

ع عاشقان جنت برائے دوست میدارند دوست۔ قالؒ

تو و طوبےٰ و ما و قامت یار	فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

یہ خطاب ہے زاہد کو ـــــ کہ تو جنت کا طالب ہے اور ہم محبوب حقیقی کے ـــــ پس یہ شعر بھی قریب قریب شعر اول کے ہے ـــــ اور گو جنت زاہد کو بھی مطلوب بالذات نہیں ـــــ مگر ظاہر ہے کہ بہ نسبت عاشق کے زاہد کو جنت کا استحضار زیادہ ہے ...... قالؒ

دور مجنون گذشت و نوبت ماست	ہر کسی پنج روزہ نوبت اوست

اس شعر کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں ـــــ ایک یہ کہ کوئی شخص اپنی طلب و محبت پر مغرور نہ ہو ـــــ کیونکہ عشاق ہر زمانہ میں ہوا کئے ہیں ـــــ دوسرے یہ کہ ترغیب ہو تحصیل عشق کی ـــــ کہ عشق و طلب کا چرچا ہر زمانہ میں رہا ہے ـــــ تم کو بھی اس کی تحصیل میں سعی کرنا چاہئے ـــــ تیسرے یہ کہ محبوب کا حسن دائم ہے اور عشاق فنا ہوتے چلے جاتے ہیں ـــــ اور میرے نزدیک یہ تیسرا اقرب ہے۔

منکہ باشم در آن حرم کہ صبا	پردہ دار حریم حرمت اوست

قاصد کو باعتبار سبک روی و تبلیغ خبر کے صبا سے تشبیہ دیا کرتے ہیں ـــــ کہ وہ بھی خفیف السیر و ناقل روائح و شمائم ہوتی ہے یہاں مراد ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام ہیں ـــــ یعنی جب محبوب

حقیقی کی عظمت کا ادراک ۔۔۔ و معرفت مرتبہ کنہ ذات میں ایسے مقدسین و مقربین کو حاصل نہیں بلکہ وہ بھی پردہ کے باہر ہیں کما قال سید البشر علیہ صلوۃ لاتحصی و لا تحصر لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک ۔۔۔ اس میں تعلیم ہے کہ ذات من حیث الذات کا ادراک محال ہے ۔۔۔ اس کی فکر میں نہ لگے کما قالؒ ۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین	کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

قالؒ

من و دل گرفنا شویم چہ باک	غرض اندر میان سلامت اوست

مطلب یہ ہے کہ اگر میں ۔۔۔ یعنی احوال جسمیہ از قبیل قوت و نشاط اور دل ۔۔۔ یعنی احوال قلبیہ از قبیل لذت و انبساط فانی و زائل ہو جائیں ۔۔۔ تو کچھ غم نہیں جیسا اکثر ناواقف احوال کو مقصود سمجھتے ہیں ۔۔۔ احوال قلبیہ کو بالذات اور جسمیہ کو ان احوال قلبیہ کی تحصیل کے لئے اور ان کی کمی سے تنگ اور پریشان ہوتے ہیں ۔۔۔ اس شعر میں اس خیال کی غلطی ارشاد فرماتے ہیں ۔۔۔ کہ ان کا کچھ غم نہ کرنا چاہئے ۔۔۔ کیونکہ احوال اختیاری نہیں ۔۔۔ اور امور غیر اختیاریہ مقصود نہیں اصل مقصود تعلق و قرب محبوب ہے ۔۔۔ جو وابستہ ہے ذکر و طاعت کے ساتھ سلامت اوست سے یہی مراد ہے ۔۔۔ یعنی سلامت تعلق او کمال قال العارف الرومی فی التوحید

جملہ شان پیدا و ناپیداست باد	آنکہ ناپیداست ہرگز کم مباد

ای از دل ما کذا قرء مرشدیؒ و فی ہذا المعنی قال الرومیؒ ۔

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست	تو بمان ای آنکہ چون تو پاک نیست

روز ہا ای احوال و مواجید و غیر ہا

بے خیالش مباد منظر چشم	زانکہ این گوشہ خاص خلوت اوست

مطلب ظاہر ہے کہ دوام ذکر و مشاہدہ کی تمنا کرتے ہیں ۔۔۔ اور چشم سے مراد بصیرت ہے بصر نہیں ۔۔۔ اور اس کو خلوت اس لئے کہا کہ قلب میں دوسرے کی گنجائش نہیں ۔۔۔ اور

بعض نسخوں میں خلوت کی جگہ دولت ہے۔۔۔۔۔ مراد ملک و تخت۔ قالؒ

گرمن آلودہ دامنم چہ عجب	ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

مطلب ظاہری تو یہ کہ حساد جو مجھ پر محبوب کے معاملہ میں تہمتیں لگاتے ہیں۔۔۔۔۔ تو میرا ملوث ہونا تو عجیب نہ تھا۔۔۔۔۔ مگر وہ تو پاک دامن ہے۔۔۔۔۔ اس سے استدلال ہو سکتا ہے ان تہمتوں کے کذب ہونے پر۔۔۔۔۔ اور بلسان اشارہ عجب نہیں۔۔۔۔۔ کہ ایک مسئلہ حقیقت کی طرف اشارہ ہو۔۔۔۔۔ جس کو اہل کلام نے بیان کیا ہے۔۔۔۔۔ وہ یہ کہ عبد سے جو صدور قبائح کا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور اہل حق خالق ان قبائح کا حق تعالیٰ کو کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اس سے کوئی نقص ذات حق میں لازم نہیں آتا۔۔۔۔۔ کیونکہ صدور قبائح کا قبیح ہے۔۔۔۔۔ جس سے عبد کو آلودہ دامن کہیں گے۔۔۔۔۔ اور وہ کچھ عجیب اور مستلزم محذور نہیں۔۔۔۔۔ لیکن خلق قبائح کا قبیح نہیں ہے۔۔۔۔۔ اس کی نزاہت باتفاق اہل ملل علی حالہا ہے۔

ہر گلے نو کہ شد چمن آرائے	اثر رنگ و بوی صحبت اوست

صحبت سے مراد تعلق تکوینی۔۔۔۔۔ مطلب یہ کہ جو کامل عالم میں ظاہر ہوتا ہے۔۔۔۔۔ وہ محبوب حقیقی کی صنعت کا طفیل ہے۔۔۔۔۔ یعنی کامل حقیقی وہی ہے۔۔۔۔۔ دوسرا کوئی قابل طلب و التفات نہیں۔۔۔۔۔ پس اس میں ترغیب ہوئی اعراض عما سواے۔ قالؒ

فقر ظاہر مبین کہ حافظ را	سینہ گنجینۂ محبت اوست

مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ کی ظاہری بے سروسامانی سے ان کی تحقیر نہ کرے ان کے پاس بڑا خزانہ محبت و معرفت الٰہیہ کا موجود ہے۔

غزل

آن سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست	چشم میگون لب خندان دل خرم با اوست
گرچہ شیرین دہنان پادشہانند و لے	آن سلیمان زمان ست کہ خاتم با اوست
روی خوب ست و کمال ہنر و دامن پاک	لا جرم ہمت پاکان دو عالم با اوست
خال مشکین کہ بر آن عارض گندم گون ست	سر آن دانہ کہ شد رہزن آدم با اوست

دلبرم عزم سفر کرد خدارا یاران	چہ کنم با دل مجروح کہ مرہم با اوست
باکہ این نکتہ توان گفت کہ آن سنگین دل	کشت مارا ودم عیسیٰ مریم با اوست
حافظ از معتقدان ست گرامی دارش	زانکہ بخشایش بس روح مکرم با اوست

اس غزل کے شعر چہارم کی ترکیب محتاج تنبیہ ہے ـــــ اس لئے لکھتا ہوں ـــــ خال مشکین اپنے مابعد کی صفت سے مل کر مبتداء ہے ـــــ اور مصرع ثانی اس کی خبر ہے ـــــ اور با او میں ضمیر اور راجع ہے طرف مبتدا کے ـــــ اور اس غزل کو ظاہر سے منصرف کرنا میرے نزدیک تکلف ہے ـــــ ظاہر یہی ہے کہ یہ مضمون شاعرانہ ہے ـــــ اور محبوب ظاہری کے باب میں ہے ـــــ جو رنگ میں ملیح ہوگا ـــــ اس میں اہل نظر کا ذوق مختلف ہوتا ہے ـــــ بہرحال حاصل یہ ہے کہ میرا محبوب ملیح کہ تمام عالم کی شیرینی وحلاوت اس میں مجتمع ہے (یہ مبالغہ ہے) اس کے پاس یہ چیزیں ہیں ـــــ چشم میگون ـــــ لب خندان ـــــ دل خورم (یعنی لوازم محبوبیت) اور وہ میرا محبوب ـــــ اور محبوبوں سے وہ نسبت رکھتا ہے ـــــ جو سلیمان علیہ السلام دوسرے سلاطین سے نسبت رکھتے ہیں ـــــ میرے محبوب کی چونکہ صورت بھی اچھی ہے ـــــ اور صاحب ہنر یعنی جامع صفات حمیدہ بھی ہے ـــــ اور اس کے ساتھ عفیف بھی ہے ـــــ اس لئے دونوں عالم کے پاکوں کی توجہ اس کی طرف ہے (یہ مطلب نہیں کہ دنیا والوں کی بھی اور ملکوت والوں کی بھی ـــــ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں جو دو طرح کے پاک لوگ موجود ہیں ـــــ بعضے وہ جو دنیادار کہلاتے ہیں ـــــ اور محرمات سے بچتے ہیں ـــــ اور بعضے وہ جو دیندار کہلاتے ہیں ـــــ اور محرمات سے بچتے ہیں ـــــ پس دونوں عالم والوں سے مراد اہل دنیا واہل دین ـــــ رہا یہ کہ جب ان کی توجہ اہل نفس کی طرف ہوئی ـــــ تو وہ پاک کہاں رہے ـــــ سو بات یہ ہے کہ توجہ کے اقسام مختلف ہیں ـــــ ایک وہ جس میں شائبہ شہوت کا ہو ـــــ وہ بے شک پاکی کے خلاف ہے ـــــ اور ایک وہ جس میں شائبہ شہوت کا نہ ہو ـــــ مگر طبعی امر ہے کہ شے مستحسن سے قلب کو انبساط ہوتا ہے اور شے مستقبح سے انقباض ہوتا ہے ـــــ خواہ وہ غیر آدمی ہو جیسے صاف کپڑے کو دیکھ کر

فرحت ہوتی ہے...... اور میلے کپڑے کو دیکھ کر کدورت ہوتی ہے ...... یا آدمی ہو جیسے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ایام شیر خوارگی میں بدشکل آدمی کی گود میں نہ جاتے تھے...... پس اس توجہ سے مراد یہ انبساط ہے...... اور یہ پاکی کے خلاف نہیں...... مگر دونوں میں فرق کرنا سخت دشوار ہے...... بالخصوص اول نظر میں اس لئے عوام کو مطلق نظر والتفات سے روکنا واجب ہوگا...... اور چونکہ یہ دوسری توجہ شائبہ معصیت وشہوت سے پاک ہے ...... اور مخصوص ہے پاک لوگوں کے ساتھ...... اس لئے اگر اس استحسان کے ساتھ اس حسین آدمی میں اخلاق محمودہ اور عفت نہ ہو...... جن کا نہ ہونا مقتضی ہے پاک لوگوں کے تنفر وانقباض کو...... اور مانع ہے توجہ سے اس صورت میں وہ استحسان موجب توجہ ان حضرات کا نہ رہے گا...... بخلاف توجہ شہوانی کے کہ وہ اس صورت میں بھی ہوگی...... سو فرماتے ہیں کہ چونکہ میرا محبوب جامع حسن صورت وحسن سیرت کا ہے...... اس لئے پاک لوگوں کو اس کی طرف دوسری قسم کی توجہ ہے...... خوب سمجھ لیا جائے آگے فرماتے ہیں کہ اس کا وہ خال مشکین جو اس رخسارہ گندم گون پر ہے...... اس کی یہ شان ہے کہ جو دانہ آدم علیہ السلام کا رہزن ہوا تھا...... اس دانہ کا سرا اس خال سے ملا ہوا ہے...... (جس سے اس کا اس میں یہ اثر آ گیا ہے کہ یہ خال بنی آدم کا رہزن ہو گیا ہے...... کہ لوگ اس پر مفتون وشیدا ہوتے ہیں) اور میرے محبوب نے کہیں کے سفر کا ارادہ کیا ہے یارو خدا کے لئے بتلاؤ ...... میں اس دل مجروح کا کیا علاج کروں...... کہ اس کا مرہم تو (کہ کنایہ دیدار سے ہے) اس محبوب کے پاس ہے (اور وہ سفر میں جاتا ہے...... پھر یہ دل بے مرہم رہ جائے گا) اور یہ باریک مضمون کس سے کہا جا سکتا ہے...... کہ اس سنگین دل نے ہم کو قتل کر ڈالا...... حالانکہ انفاس مسیحائی اس کے پاس ہیں (جن کا مقتضا احیاء ہے...... اور اسی لئے اس کو باریک مضمون کہا...... کہ ظاہر جمع بین الضدین ہے...... کہ سبب احیاء سبب اماتت ہو جائے) حافظ تمہارے ماننے والوں میں ہے...... اس کی خاطر کیا کرو کیونکہ (علاوہ عقیدت مندی کے ایک اور سبب بھی اس کے اکرام کا ہے وہ یہ کہ) بہت سے بزرگ روحوں کی مہربانی اس کے حال پر ہے (اگر ان ارواح سے مراد ارواح احیاء ہیں تب تو معنی ظاہر ہیں کہ بہت سے اچھے

اچھے لوگ اس کی برزگداشت کرتے ہیں...... وہ ایسا برا آدمی نہیں...... جس سے تم کو تنفر نہ ہو...... اور اگر ارواح اموات مراد ہیں تو یہ موقوف ہے اثبات فیضان ارواح پر...... جو اپنے محل میں ثابت ہے...... اور غیاث میں روح مکرم جبرئیل علیہ السلام کو لکھا ہے...... مگر لفظ بس چونکہ تعدد پر دال ہے...... معنی یہ ہوں گے کہ بہت سے جبرئیل صفت بزرگوں کی عنایت اس کے حال پر ہے...... اور اگر ان اشعار کو محبوب ظاہری سے منصرف کر کے کلام عارفانہ بتایا جائے تو غایت مافی الباب مرشد کو خطاب ہو سکتا ہے...... جس میں بعض اشعار بے تکلف درست ہو جاتے ہیں...... اور بعض کسی قدر تکلف سے جس میں زیادہ تامل کی ضرورت نہیں...... اسی واسطے انطباق کی تقریر مفصل کی حاجت نہیں سمجھی گئی...... واللہ اعلم۔ مثلاً شعر اول میں سیاہ پردہ سے اشارہ ہوگا کہ کمالات اس مرشد کے نظر عوام سے مستتر ہیں...... جیسا حسن ملیح کا کہ مخفی ہوتا ہے...... بمقابلہ حسن صبیح کے یا اس وجہ سے کہ حسن ملیح بہ نسبت حسن صبیح کے متمکن ہوتا ہے...... اشارہ ہو مرشد کے صاحب تمکین ہونے کی طرف...... اور مثلاً شعر چہارم میں خال مشکین سے مراد لوازم بشریت...... جو ناشی ہیں ظلمات ہیولی سے سو بشر کامل میں لوازم بشریت کا خلط صفات ملکوتیہ کے ساتھ عجب لطف دیتا ہے...... بہ نسبت ملکیت محضہ کے...... کیونکہ صفات ملایہ کا ظہور باوجود موانع کے دلیل زیادہ کمال کی ہے۔

غزل

دارم امید عاطفے از جناب دوست	کردم جنایتے وامیدم بعفو اوست
دانم کہ بگذرد ز سر جرم من کہ او	گرچہ پری وشست ولیکن فرشتہ خوست

یہ دونوں شعر مقام رجا کے ہیں...... کہ مجھ کو حضرت محبوب حقیقی سے امید رحمت کی ہے میں نے گناہ تو کیا ہے لیکن اس کے عفو کی امید ہے...... میں جانتا ہوں کہ وہ میرے جرم سے درگزر فرمائے گا...... کیونکہ اگرچہ اس میں صفات جلالیہ وقہریہ بھی ہیں...... لیکن ساتھ ہی صفات جمالیہ ولطفیہ بھی ہیں...... (پری چون از نار باشد کہ مہلک است کنایہ از قہر شد و فرشتہ چون از نور باشد کہ مربی ست کنایہ از لطف شد)۔

بے گفتگوی زلف تو دل را همی برد	با زلف سرکش تو کراروی گفتگوست

زلف کنایہ از جذبہ غیبی و گفتگو کنایہ از دعوی استحقاق ــــ یعنی کوئی شخص اس قابل نہیں کہ استحقاق انجذاب کا دعویٰ کرے ــــ کیونکہ کسی کے پاس ایسا عمل نہیں ــــ محض آپ کا فضل ہے کہ جس پر عنایت ہوتی ہے ــــ اس کو متجذب فرمالیتے ہیں ــــ ویویدہ من الحدیث قولہ علیہ السلام مامنکم احد یدخل الجنة بعملہ قالت عائشة ولا انت یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا انا الا ان یتغمد نی اللہ برحمتہ اہ اور بعض نسخوں میں باروی دلکش ہے ــــ اشارہ ہوگا طرف قرب ومشاہدہ مقصود کے ــــ یعنی اگر جذب نہ ہوتا تو مشاہدہ ووصول کا مستحق اور مدعی کون ہوسکتا تھا ــــ محض آپ کا جذبہ ہی موصل ہے۔

عمریست تا ز زلف تو بوی شمیده ایم	زان بوی در مشام ما هنوز بوست

حاصل یہ ہے کہ جب سے ہم عاشق ہوئے ہیں ــــ وہ عشق بحالہ باقی ہے ــــ اس میں تغیر وزوال نہیں آیا ــــ اشارہ ہے اس مسئلہ کی طرف الفانی لا یرد۔

هیچ است آن دهان که ندیدیم از و نشان	موئیست آن میان ندانم که آن چه موئیست

دہاں ومیاں کنایہ از صفات ست ــــ دہان از صفاتیکہ آثارش در مصنوعات ظاہر ست ــــ چنانچہ در حزب اعظم ست ــــ اسئالک باسمک الذی وضعتہ علی الارض فاستقرت وعلی السموات فاستقلت وعلی الجبال فرست واسالک باسمک الذی استقربہ عرشک وباسمک الذی وضعتہ علے النہار فاستنار وعلی اللیل فاظلم ومیان از صفاتیکہ آثارش در مصنوعات ظاہر نیست کہ بسیاری ازہما وصفات در علم غیب خاص مخزون ومکنون است چنانچہ در حصن حصین آمدہ۔ اسئلک بکل اسم ہولک سمیت بہ نفسک اوا نزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک. ولا یرد علی عدم ظہور بعض الاسماء والصفات مایقال ان الاسماء جمیلۃ یقتضی الظہور

فان المراد هی الاسماء التی ظهرت اثار هافی الاکوان لان هذا القول یقال لبیان حکمة وجود الاکوان فیختص بالاسماء التی لها دخل فی هذا الوجود وهذا لاقتضا وللظهور لیس اضطرار یابل هوداخل تحت المشیة فما اراد اقتضاء ہ اقتضی ومالا فلافافهم فان المقام مطرح الانظار ومزل الافکار والله اعلم بحقائق الاسرار. مطلب یہ ہوا کہ صفات حق سبحانہ وتعالیٰ کنہ کسی کو مدرک نہیں ہوئی —— جو کچھ علم ہے بالوجہ ہے —— یہ مسئلہ تصوف وکلام میں مشترک ہے۔

دارم عجب از نقش خیالش کہ چون نرفت	از دیدہ ام ومیدمش کارشت وشوست

ترجمہ ظاہر ہے —— اشارہ اس طرف ہے کہ محبت جب دل میں رچ جاتی ہے —— پھر اس کا زوال نہیں ہوتا —— جیسا حدیث میں ہے کذلک الایمان اذا خالط بشاشته القلوب —— اور رونے سے جو کچھ جوش میں کمی معلوم ہوتی ہے —— وہ بعض آثار عارضہ میں ہوتی ہے محبت میں نہیں۔

چندان گریستم کہ ہر آنکس کہ برگذشت	از دیدہ ام چو دید روان گفت این چہ جوست

قولہ برگذشت ای برمن —— قولہ چو دید روان ای اشک را باقی ظاہرست —— اس میں اشارہ ہے بعض الوان محبت کی طرف کیونکہ اہل محبت میں سے کسی پر شوق کا غلبہ ہوتا ہے —— کسی پر انس کا کسی پر ہیبت کا کسی پر حزن کا —— عجب نہیں کہ صاحب دیوان پر غلبہ شوق کا ہو جس سے گریہ غالب رہتا ہو۔

ما سر چو گوی برسر کوی تا باغیم	واقف نشد کسی کہ چہ گویست ونیچ کوست

اس میں یا تو اس طرف اشارہ ہے —— کہ بعض الوان محبت کا کسی کو ادراک نہیں ہوتا —— جیسے اکثر منتہیوں کی حالت ہوتی ہے —— کہ غایت لطافت وعلو احوال باطنیہ کے سبب عوام سے بھی ممتاز نہیں ہوتے —— وہذا احد وجوہ قولہم فی تفسیر النہایۃ ہی الرجوع الی البدایۃ —— اور یا اس طرف اشارہ ہے کہ مطلقا نسبت بین العبد وبین اللہ کی کنہ دوسرے شخص کو مدرک نہیں ہوتی —— گو بعض میں بعض آثار کا بعض کو ادراک ہو جائے —— وہذہ

النسبۃ ہی الولایۃ التی قبل فیہا ۔

میان عاشق و معشوق رمزیست	کراما کاتبین راہم خبر نیست
حافظ بدست حال پریشان تو وے	بریاد زلف یار پریشانیت نکوست

یعنی گو یہ پریشانی ظاہرا قبیح معلوم ہوتی ہے — لیکن اس کی یاد میں یہ مستحسن ہے — اشارہ اس طرف ہے کہ سالک قبض سے اور بعض احوال وواردات سے گو بہت تنگ و پریشان ہوتا ہے — حتی کہ بعض نے خودکشی تک کرلی ہے — لیکن واقع میں وہ اسکے حق میں بہتر ہے — یا تو اس لئے کہ انجام اس کا بسط و جمعیت ہے — اور یا اس لئے کہ قطع نظر انجام سے — خود وہ اپنی ذات میں بھی اس کے لئے مصلحت ہے — کیونکہ خود سالک کو معلوم نہیں ہوسکتا — کہ میری تربیت کس طریق سے مناسب ہے — حق تعالی حقائق امور پر مطلع ہیں — جس طرح اس کے لئے مصلحت ہوتی ہے — اس کی تربیت فرماتے ہیں — مثلاً ممکن ہے کہ بسط سے اس کو عجب ہوجاتا — اور قبض سے تذلل و انکسار ہوگا — بالکل طبیب و مریض کا سا قصہ ہے۔

غزل

آن شب قدری کہ گویند اہل خلوت امشب ست	یارب این تاثیر دولت از کدامی کوکب ست

ظاہرا یہ شعر حالت بسط کا ہے — اور گو بسط فی نفسہ مطلوب نہیں — لیکن اس پر مسرت ہونا امر طبعی ہے — اور امور طبعیہ کا حالت کمال میں بھی انفکاک نہیں ہوتا — اور دوسرے مصرع میں کہ بعنوان تعجب سے اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے — کہ واردات کو اپنا استحقاق اور اپنے اعمال و طاعت کا ثمرہ نہ سمجھے — بلکہ اپنے کو اس کا اہل نہ سمجھ کر خدا تعالی کا فضل جانے — جیسا تعجب سے معلوم ہوسکتا ہے — اور نسبت کرنا کوکب کی طرف — بناء علی المشہور شاعری ہے۔

تا بگیسوی تو دست نا سزایان کم رسد	ہر دلے در حلقۂ ورد گر یارب یارب ست

ترجمہ کا حاصل تو یہ ہے ۔۔۔۔ کہ اے محبوب تیرے ہر حلقہ زلف میں جو عشاق کے قلوب پھنس رہے ہیں ۔۔۔۔ وہ یارب یارب کے ذکر میں اس لئے مشغول ہیں ۔۔۔۔ کہ تیرے گیسو تک نا اہلوں کا ہاتھ نہ پہنچے ۔۔۔۔ اور اس نام کی برکت سے وہ محفوظ رہے ۔۔۔۔ یا یہ کہ مقصود اس یارب سے یہ دعا ہے کہ یارب نا سزایان را دسترس بگیسوی محبوب مباد تو توجیہ اور بھی ظاہر ہے ۔۔۔۔ اور اشارہ اس معنی کی طرف ہوسکتا ہے کہ طریق وصول میں جو طالبین کے لئے اسباب ہدایت ہیں وہ معاندین کے لئے سامان ضلالت ہیں ۔۔۔۔ **کما قال تعالی یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا وقال تعالی فاما الذین امنوا فزادتهم ایمانا وهم یستبشرون واما الذین فی قلوبهم مرض فزادتهم رجسا الی رجسهم.** تقریر کلام کی یہ ہوگی ۔۔۔۔ کہ حق تعالی کے طالبین ومحبین ومومنین ۔۔۔۔ جو ذکر وطاعت میں مشغول ہیں ۔۔۔۔ معترضین و معاندین وکفار جو کہ نا اہل ہیں ۔۔۔۔ اس کو دیکھ کر ان کر اور بھی حق سے بعید ہوتے جاتے ہیں ۔۔۔۔ پس اس سببیت کو مبالغۃ بعنوان غایت بیان کر دیا ۔۔۔۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ طاعت وایمان کی غایت تو یہ نہیں ہے ۔۔۔۔ کہ دوسرے گمراہ ہوں ۔۔۔۔ لیکن چونکہ بواسطہ یہ اس کی طرف مفضی ہو جاتا ہے ۔۔۔۔ پس گویا مشابہ اس کے ہو گیا کہ گویا اسی غرض سے طاعت وایمان میں مشغول ہیں ۔۔۔۔ اور اس مسئلہ کے اظہار سے اس تعلیم پر تنبیہ ہوگئی ۔۔۔۔ کہ ایمان وطاعت وذکر وغیرہ کو اپنے علم واستعداد کی طرف منسوب نہ کرے ۔۔۔۔ کیونکہ اگر یہ امور علت تامہ ہوتے تو کفار میں معلول کیسے تخلف ہوتا ۔۔۔۔ بلکہ محض حق تعالی کی نعمت اور اس کا فضل سمجھے ۔

کشتۂ چاہ زنخدان توام کز ہر طرف	صد ہزارش گردن جان زیر طوق غبغب ست

صد ہزار مبتدا و شین مضاف الیہ ۔۔۔۔ جان رافع بصد ہزار و مابعد او خبر وے یعنی صد ہزاران ۔۔۔۔ مردم چنین ست کہ گردن جان ایشان زیر طوق غبغب ست ۔۔۔۔ مطلب یہ کہ چونکہ لاکھوں تیرے عشق میں گرفتار ہیں ۔۔۔۔ میں بھی گرفتار ہوں ۔۔۔۔ اگر یہ ترتب محض ذکری باعتبار تقدم وتاخر وجود کے ہے ۔۔۔۔ تب تو توجیہ ظاہر ہے ۔۔۔۔ اور اگر ترتب علیہ ہے تو اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے ۔۔۔۔ کہ عاشق کو دیکھ کر بھی عشق پیدا ہو جاتا ہے ۔۔۔۔ اور ایک ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ شین مضاف الیہ غبغب کا ہو ۔۔۔۔ راجع بہ زنخدان باضافۃ بیانیہ یعنی صد ہزاران

گردن جان زیر طوق غبغب آں چاہ زنخدان ماست ۔

در ہوای آں عرق تا ہست ہر روزش تب است	تاب خوی بر عارضش بین کآفتاب گرم رو

تاب فروغ۔ خوی عرق۔۔ عارض رخسار۔۔ قاعدہ ہے کہ محبوب کے چہرہ پر پسینہ آنے سے حسن فزوں معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب اس کے حسن کو دیکھو کہ جس سے آفتاب اس عرق عارض کے عشق میں جلا ہوا ہے ... اس کو گرمی عشق سے تپ ہو گئی ہے... حاصل یہ ہے کہ محبوبان مجازی حسن و جمال میں محبوب حقیقی کے سامنے کالعدم و ناچیز ہیں..... اور اپنی صفت میں اس کی طرف مفتقر ہیں... غرض اس سے یہ ہو سکتی ہے کہ طالب حقیقت کو ماسوی اللہ سے استغنا چاہئے۔ قال الشیخ الشیرازی۔

برعاشقان جز خدا ہیچ نیست

با سلیمان چون برانم من کہ مورم مرکب است	اندر آں موکب کہ بر پشت صبا بندد زین

ترجمہ لفظی یہی ہے کہ جو جماعت۔۔ کہ پشت صبا پر زین باندھنے والے۔۔ یعنی چلنے والے ہیں... اس جماعت میں سلیمان علیہ السلام کی برابری۔۔ مجھ جیسے شخص سے جس کی سواری ایک مور ضعیف ہے۔۔ کب ہو سکتی ہے اور مقصود معنوی یہ معلوم ہوتا ہے ... کہ عشاق گرم رو عالی ہمت کے مجمع میں عارف کامل کی برابری مجھ کو بہت کم قوت سے کب ہو سکتی ہے۔۔ اس میں تعلیم ہے کہ خواہ آدمی کیسا ہی صاحب کمال ہو جائے مگر کاملین سے بالخصوص مرشد سے اپنے کو ہمیشہ کمتر سمجھے۔۔ نہ مثل کم ظرفوں کے کہ اپنے کمال کے معتقد ہو کر سب سر پر پا رکھتے ہیں ۔

تاج خورشید بلندش خاک نعل مرکب است	شہسوار من کہ مہ آئینہ دار روی اوست

شہسوار مع مضاف الیہ۔۔ وصفت مبتدا و مصرع ثانی خبر او۔ و آئینہ دار قدمت آئینہ بردار باشد مثل موتر اشنت۔ مطلب یہ ہے کہ میرا وہ شہسوار کہ چاند اس کا آئینہ دار غلام ہے۔ ایسا ہے کہ تاج خورشید اس کے نعل مرکب کی خاک ہے۔ اس سے بھی مثل شعر تاب خوی بر عارضش الخ کے معنی محبوب حقیقی کا استغنا الیہ۔ اور محبوبان مجازی کا احتیاج مقصود ہے۔

آب حیوانش ز منقار بلاغت می چکد	زاغ کلک من بنام ایزد چہ عالی مشرب ست

ش مضاف الیہ بلاغت و راجع بسوی زاغ ...... و در کلام تقدیم و تاخیر ست ..... یعنی زاغ کلک من چہ عالی مشرب ست کہ آب حیوان از منقار بلاغتش میچکد و بنام ایزد برائی تعظیم میگویند ... و تشبیہ کلک بزاغ شاید کہ باعتبار سیاہی باشد ..... ترجمہ لفظی ظاہر ہے ..... مقصود معنوی یہ ہوسکتا ہے ... کہ میرا قلم نہایت بلند رتبہ ہے کہ اس سے مضامین حقائق و معارف سرزد ہوتے ہیں ..... اس میں ترغیب و تحسین ہے ..... اس فن شریف کی تا کہ اس کو حاصل کریں ... کیونکہ علم ہی زینت عمل ہے ..... اور صوفی جاہل مسخرہ شیطان ہے۔

من نخواہم کرد ترک لعل یار و جام می	زاہدان معذور داریدم کہ اینم مذہب ست

مطلب یہ ہے کہ ..... مجھ سے طریق عشق ترک نہ ہوگا ..... زاہد لوگ مجھ کو معذور سمجھیں ..... یہ بات مقرر ہے کہ وصول الی اللہ کے طرق حسب اختلاف استعداد مختلف ہیں ..... ان میں ایک طریق زہد کا ہے ..... ایک طریق غلبہ و شورش عشق کا ہے ..... اس لئے ایک کو دوسرے پر اعتراض کا حق نہیں ..... مگر یہ سب طرق دائرہ شریعت سے خارج نہیں .. کہ ان سے خروج ضلالت و خسران ہے۔

آنکہ ناوک زد بچشمی بر دل حافظ زند	قوت جان حافظش در خندۂ زیر لب ست

قوت بروزن حوت غذا و شین مضاف الیہ لب ...... حاصل مطلب یہ کہ اگر محبوب کی تجلی جلالی سے میں کشتہ ہوجاتا ہوں ... جیسا قبض میں ..... تو اس کی تجلی جمالی سے زندہ بھی ہوجاتا ہوں ..... جیسا بسط میں ..... پس اس میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ دونوں حالت میں راضی رہے کہ دونوں میں اسی کے ساتھ نسبت ہے ..... قال العارف الرومیؒ۔

چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بین	تازہ باش و چین میفگن بر جبین

غزل

سینہ ام ز آتش دل در غم جانانہ بسوخت	آتشی بود درین خانہ کہ کاشانہ بسوخت

تنم از واسطۂ دوری دلبر بگداخت	جانم از آتش ہجر رخ جانانہ بسوخت

ان اشعار میں بعض آثار عشق کے بیان کئے گئے ہیں ـــــ جو بعض احوال میں بسبب حزن یا شوق یا قبض ـــــ کے پیش آتے ہیں اور ترجمہ ظاہر ہے۔

ہر کہ زنجیر سر زلف پریروے تو دید	شد پریشان و دلش بر من دیوانہ بسوخت

اس میں بیان ہے اس کا کہ جو خود عشق میں مبتلا ہوتا ہے اس کو دوسرے عشاق کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور جو اس سے بے بہرہ ہیں ـــــ وہ عشاق پر اعتراض کیا کرتے ہیں ـــــ اور ترجمہ ظاہر ہے۔

سوز دل بین کہ زبس آتش و اشکم دل شمع	دوش بر من ز سر مہر چو پروانہ بسوخت

آتش سے مراد سوختگی اور اشک سے مراد گریہ۔ اس میں بیان ہے اپنی عاشقی کی شدت تاثیر کا۔ یعنی میری سوختگی و گریہ کی کثرت سے وہ لوگ بھی متاثر ہوئے جو خود دوسروں کے دلربا و محبوب ہیں اور یہ شعر بالا کے معارض نہیں کیونکہ علم بالکنہ عشق کا تو عاشق ہی کو ہوتا ہے اور علم بالوجہ غیر عاشق کو بھی ہو سکتا ہے اور مطلق تاثر و ترحم کے لئے علم بالوجہ بھی کافی ہے۔

چون پیالہ دلم از توبہ کہ کردم بشکست	چون صراحی جگرم بے مے و پیمانہ بسوخت

مراد توبہ سے ضبط کرنا اور ظاہر نہ کرنا آثار عشق کا۔ اور مے و پیمانہ سے مراد اسباب عشق جیسے اس کا تذکرہ وچرچا۔ مطلب یہ کہ بعض ناصحین کے کہنے سے جو اسباب ترقی عشق کو ترک کیا اور آثار عشق کے ظاہر ہونے سے اپنے کو ضبط کیا تو میرا دل پیالہ کی طرح پاش پاش اور میرا جگر خشک صراحی کی طرح تفتہ ہو گیا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض احوال میں ضبط مقدور یا مناسب نہیں ہوتا۔ والتفصیل لیس ہٰذا محلہ۔ اور پیالہ و صراحی کے جمع کا لطف شاعرانہ ظاہر ہے۔

ماجرا کم کن و باز آ کہ مرا مردم چشم	خرقہ از سر بدر آورد و بشکرانہ بسوخت

خرقہ از سر برآوردن کنایہ ہے بے حیا بن جانے سے جس طرح ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص نے تو بالکل کپڑے ہی اتار کر رکھ دیئے یا فلاں شخص تو بالکل ننگا ہی ہو گیا یا فلاں شخص نے ایسی حرکت کی کہ دیکھنے والوں کے کپڑے سے اترے جاتے تھے یعنی

ایسا اتفاق ہوتا تھا جیسے کپڑے اترنے سے ہوتا ہے اور چونکہ اکثر حیا کی نسبت آنکھ کی طرف ہوتی ہے اس لئے سر برآوردن کی اسناد مردم چشم کی طرف کی گئی۔ اس میں خطاب ہے ملامت گر کو یعنی تم مجھ سے زیادہ بحث نہ کرو اور اپنی حالت اصلیہ کی طرف کہ سکوت ہے رجوع کرو کیونکہ میں نے تو حیا و شرم کا لباس اتار کر حصول عشق کے شکرانہ میں جلا پھونک دیا ہے تو تمہاری ملامت در باب عشق کے مجھ کو کارگر نہ ہوگی۔ یہاں حیا و شرم سے مراد ننگ و ناموس دنیوی ہے جو عشق سے زائل ہو جاتی ہے کما قال الرومی۔

شاد باش اے عشق خوش سودای ما	ای طبیب جملہ علتہای ما
ای دوای نخوت و ناموس ما	ای تو افلاطون و جالینوس ما

اور سوختن کو شکرانہ سے مناسبت یہ ہے کہ اکثر عوام عزیزوں کے آنے کے وقت دفع نظر بد کے لئے اسپند وغیرہ جلاتے ہیں سو فرماتے ہیں کہ میں نے حیا و شرم کو اس خوشی میں جلایا اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا یعنی وہ مزیل ننگ و نخوت ہے۔

آشنایان نہ غریب است کہ دلسوز من است	چون من از خویش برفتم دل بیگانہ بسوخت

غریب بمعنی عجیب و بعید و تقدیر کلام عجب نیست کہ عجیب و بعید نیست کہ آشنا دل سوز من است الخ۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی میرا ہم مذاق میرا دل سوز ہوا تو تعجب نہیں کیونکہ جب مغلوب عشق ہوا جو لوگ اس مذاق سے اجنبی تھے یعنی عاشق نہ تھے وہ بھی دلسوزی کرنے لگے۔ اس کی شرح میں اس غزل کے شعر سوم و چہارم سے مدد لینا چاہئے۔

خرقۂ زہد مرا آب خرابات ببرد	خانۂ عقل مرا آتش میخانہ بسوخت

خرقہ زہد زہد ریائی و آب خرابات شراب مراد عشق۔ و مراد از عقل عقل معاش۔ و آتش میخانہ شراب کنایہ از عشق۔ ترجمہ اس کا ظاہر ہے اور مطلب مثل شعر ششم اس غزل کے ہے۔

ترک افسانہ بگو حافظ و می نوش دمے	کہ نخفتیم شب و شمع بافسانہ بسوخت

یعنی دنیا کی فضول قیل و قال کو ترک کرو اور محبت الٰہی حاصل کرو کہ اب تک اسی زق زق بق بق میں شمع عمر ضائع ہوئی اور محبت الٰہی حاصل نہ کی۔ اس میں ارشاد و تعلیم ہے ترک

ماسوی اللہ اور اشتغال باللہ کا اور ترغیب وتخصیص ہے توبہ پر اور بعض نسخوں میں بجائی تخوردیم می کے تنظیم شب ہے یعنی شب بسبب افسانہ پردازی تنظیم ای از گفتگوی بے حاصل نیار مسید یم ای دل راہ ترک تعلقات دنیوی آرام ندادیم و عمر را برباد کردیم۔

غزل

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست	در حق ما ہر چہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست

ترجمہ ظاہر ہے۔ مقصود تعلیم ہے کہ معترض مدعی سے دلگیر نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کے اعتراض کو محمول عدم علم پر کرنا چاہئے راز اس تعلیم میں یہ ہے کہ اعتراض کی طرف ملتفت ہونا اور اس کے جواب میں مشغول ہونا مانع طریق ہے۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست	بر صراط مستقیم ای دل کسی گمراہ نیست

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اعتقاداً و عملاً صراط مستقیم پر ہو کہ وہ امر اختیاری و قصدی ہے پھر حالاً اس کو خواہ کوئی امر پیش آئے قبض یا بسط۔ جمعیت یا تشویش۔ ذوق یا بے ذوقی وغیرہ ذلک جو کہ امور غیر اختیاریہ ہیں ان سب میں خیر ہے اور یہ دلیل ضلالت عن الطریق نہیں کیونکہ جن امور کا انسان مکلف نہیں وہ اسباب قرب و بعد و قبول ورد نہیں ہیں اور غیر اختیاری کا مکلف نہیں۔

تا چہ بازی رخ نماید بیدقی خواہیم راند	عرصۂ شطرنج رندان را مجال شاہ نیست

بیدق نام مہرہ شطرنج کہ آنرا پیادہ ہم گویند۔ وشاہ دادن وشہ دادن مغلوب کردن۔ وعرصہ شطرنج بساطے کہ بروبازی کنند۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے انکار و اعتراض و ملامت سے میں بے دل نہ ہوں گا اپنے کام میں لگا رہوں گا اور گو میرا عشق اور طاعت ناتمام اور ادنیٰ درجہ کی ہو جیسا شطرنج میں بیدق مگر میں اسی پر ثبات و دوام رکھوں گا کچھ تو ثمرہ ظہور کرے ہی گا اور معترضین و معاندین کی مجال نہیں کہ عشاق کو شہ و سکیں یعنی ان کو بیدل اور مغلوب کر سکیں۔ اس حکایت میں تعلیم ہے اہل سلوک کو تحمل و استقلال و صبر اور عدم التفات الی الخلاف اور رجاء حصول مقصود اور اپنے مجاہدہ کو ناتمام اعتقاد کرنے کی۔ اور لفظ رخ لانے میں جو لطافت شاعری ہے ظاہر ہے۔

ہے۔ مشہور شرح میں یہ ہے کہ جمیع حوادث را بگردش چرخ منسوب دارند چون بنظر حقیقت
دیدہ شود این بیچارہ و مسخر امر اوست و چون بمعرفت ان کسے را راہ نیست کہ این چہ نسبت
بود چارہ پس این معمائے ست کہ ہیچ کس را علم او را راہ نیست اھ لیکن احقر کا مذاق اس کو قبول
نہیں کرتا کیونکہ یہ قول محض نجومیوں کا ہے کہ سب حوادث آسمان کی طرف منسوب ہیں باقی
کوئی دانا اس کا قائل نہیں اور نجومیوں کا عقلاء میں شمار نہیں پس یہ کہنا کہ ہیچ دانا در جہان آگاہ
نیست اس صورت میں ٹھیک نہیں بنتا پھر یہ کہ چیست کہنے سے ظاہراً نفی علم ماہیت کی معلوم ہوتی
ہے نہ کہ نسبت حوادث کی پھر جب کوئی دلیل عقلی ان احکام نجومیہ پر قائم نہیں اور اس لئے
دلائل عقلیہ میں تعارض نہیں تو اس کا معما کہنا کیا معنی پس احقر کے نزدیک حاصل اس کا یہ
ہے کہ طالب حق کو ارشاد فرماتے ہیں کہ غوامضات کی تحقیق میں سر کھپانا جیسا اکثر لوگوں کو اسرار
ملکوت و لاہوت کی تحقیق کا شوق ہوتا ہے بیکار ہے یہ اسرار تو بہت عالی و غامض ہیں علویات
میں جو اجسام اور مادی ہیں ان ہی کی حقیقت عقلاء کو آج تک مدرک نہیں ہوئی مثلاً آسمان
ہی کو کسی نے موجود ہی کہا کسی نے موجود حقیقی کسی نے سیال کہا کسی نے صلب پس طالب
حق کو اپنے کام میں لگنا چاہئے اور جیسے عقول ان احکام فلکیہ میں متحیر و متعارض ہیں اسی طرح
مکاشفات ان اسرار میں متحیر و متعارض ہیں۔ غرض جو چیز بذریعہ حس اور دلیل عقلی قطعی و نقلی
صحیح سے بعید اور بالاتر ہے اس میں خوض کو ترک کرنا چاہئے من حسن اسلام المرء
ترکہ ما لا یعنیہ. ولا تقف ما لیس لک بہ علم کے عموم میں یہ بھی داخل ہیں۔

صاحب دیوان ما گوئی نمی داند حساب	کاندرین طغرا نشان حسبۃ للہ نیست

نشان حسبۃ للہ نشانیست کہ اہل دیوان برائے فقرا و صلحاء کین دعایا بر دیوان می نویسند۔
و طغرا نشانیکہ بر بالائی رقعہ بر خط وجیہہ باشد مراد بقرا علامۃ لحجۃ علی الکل۔ شراح نے تو اس
کے معنی عجیب و غریب لکھے ہیں اے معشوق ہمارا حساب نمی داند کہ در دیوان عشق
بر عاشقان بے چارہ ترحم نہ کرد ہمارا۔ اس تقریر کو اگر محبوب مجازی پر چسپاں کیا جائے تو
صاف فسق ہے لیکن سیاق و سباق سے یہ بعید ہے کہ دونوں جگہ بیان ہے حقائق تصوف کا اور
اگر محبوب حقیقی پر منطبق کیا جائے تو گو کل شعر بے ادبی ہے یہاں بھی توجیہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن

اس کے الفاظ اس سے زیادہ موحش ہیں کہ گنجائش تاویل کی نہیں رکھتے اس لئے احقر کے مذاق میں یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ مراد صاحب دیوان سے محتسب ظاہر پرست ہو جو اہل حال صادق کے عذر کو نہیں جانتا اور ان پر بھی دارو گیر کرتا ہے کہ احتساب بھی ایک قسم کا حساب ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارے محتسب صاحب کے یہاں تاویل و عذر و ترحم کا باب ہی نہیں ہے سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل عذر کو معذور رکھنا اور ان کو نشانہ اعتراض نہ بنانا ضروری ہے۔

گیر و دار و حاجب و دربان درین درگاہ نیست	ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو

مطلب یہ کہ جس کا جی چاہے درگاہ حق کی طرف آ جائے اور اس کی محبت و معرفت اختیار کرے جس کا جی چاہے عراض کرے یہاں نہ کوئی آنے کو روکے نہ جانے کو ٹوکے پس گویا یہ شعر ان آیات کی شرح ہے۔ قال تعالیٰ . من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین . وقال تعالیٰ من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا . وقال تعالیٰ ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم . وقال تعالیٰ من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا. پس اس میں ارشاد ہے کہ کوئی شخص اپنے مجاہدہ پر مغرور نہ ہو حق تعالیٰ کا کوئی نفع و ضرر نہیں ہر شخص اپنے لئے کر رہا ہے۔

ورنہ تشریف تو بر بالای کس کوتاہ نیست	ہر چہ است از قامت ناساز بے اندام ماست

بے اندام بے زیب و ناموزوں چو اندام ہو لفت کسی زیبائی و آراستگی مست شیخ سعدی گفت

ہیچ اندام تو ہیچ اندام نیست	سرو بالا قامت زیبا کہ ہست

مطلب شعر کا یہ ہے کہ ہمارا جو کچھ حرمان ہے اپنے اعمال کی کمی سے ہے ورنہ محبوب حقیقی کی طرف سے تو کسی کے لئے بھی دریغ نہیں۔ اس میں ارشاد ہے کہ اپنے اندر کی پامنے سے محبوب حقیقی کا شکوہ دل میں نہ لائے بلکہ اپنے اعمال کی طرف منسوب کرے بہت سے سالک اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ کسی حالت مقصودہ میں کمی دیکھتے ہیں تنگ ہوتے ہیں اور اپنی اصلاح نہیں کرتے۔

ذی اتم و عشق اکمل کے پھر خلق کو نفع پہنچاتے ہیں اور ان کی مخالطت پر صبر کرتے ہیں قال علیہ السلام المومن الذی یخالط الناس ویصبر علی اذا هم خیر من المومن الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاهم۔ آگے تعریض ہے شیخان مغرور پر کہ شیخان صادق پر یعنی مشائخ کو مکاریوں کی طرح جاہ و مال کی طلب و حرص نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ مشیخت کی دو وجہ ہیں مشیخت کاذبہ کی تو حرص جاہ و مال اور مشیخت صادقہ کی تحمل مخالطت جو حضرات ان دونوں سے مبرا ہیں لامحالہ وہ مشیخت کو نہیں لیتے۔

غزل

آن پیک نامہ بر کہ رسید از دیار دوست	آورد حرز جان ز خط مشکبار دوست
خوش میدہد نشان جلال و جمال یار	خوش میکند حکایت عز و وقار دوست
جان دادمش بمژدہ و خجلت ہمی برم	زین نقد کم عیار کہ کردم نثار دوست

شراح کے نزدیک اس میں قرآن مجید کے نزول کا بیان ہے اور احقر کے مذاق میں مراد اس سے واردات غیبیہ حقائق و معارف کا انکشاف ہے جو بذریعہ الہام ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں اعظم العلوم صفات الٰہیہ کے اسرار ہیں اور تیسرے شعر میں اس پر اظہار مسرت ہے کہ لوازم شکر سے ہے اور شعر اول کے مصرعہ ثانیہ میں کلمہ ذیبانیہ ہے۔

مہر سپہر دور قمر راچہ اختیار	در گردش اند برحسب اختیار دوست

مطلب ظاہر ہے کہ ابطال ہے مذہب اہل نجوم کا اور تعمیم ہے تکمیل توحید کی۔

شکر خدا کہ از مدد بخت کارساز	برحسب مدعاست ہمہ کاروبار دوست

کاروبار دوست یعنی معاملہ کہ از جانب دوست با عاشق پیش آید مطلب یہ کہ آج کل محبوب حقیقی کا معاملہ ہمارے حسب خواہش ہو رہا ہے خدا کا شکر ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ ہر چند کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو معاملہ جس میں مکلف کا اختیار نہ ہو پیش آوے سب خیر و مصلحت ہے لیکن پھر بھی ہر انسان کی طبیعت جس طرز خاص پر مجبول اور پیدا ہوئی ہے اس کا

وشکفتا ایک خاص معاملہ ہوتا ہے جس کی خواہش طبعی طور پر ہوا کرتی ہے گو عارف اس کو دفع اور مغلوب کر دیتا ہے لیکن تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اگر خواہش کی موافق حالت وارد ہو جاتی ہے تو مسرت اس سے ضرور زیادہ ہوتی ہے اور گو وہ حالت بالخصوص مقصود نہ ہو مگر چونکہ محمود تو ہے حق اس لئے مورد شکر بھی ہے اس میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی حالت محمودہ موافق مذاق طبیعت کے ہو تو اس پر زیادہ شکر کرنا چاہئے کہ مراد طبعی کا پورا ہونا خود ایک نعمت ہے۔

گر باد فتنہ ہر دو جہان را بہم زند — ما و چراغ چشم و رہ انتظار دوست

مقصود بیان کرنا ہے اپنی پختگی عشق کا کہ خواہ کیسے ہی حوادث واقع ہوں مگر ہم عشق سے اعراض نہ کریں گے اور اگر شبہ ہو کہ فتنہ کا اثر عالم دنیا پر تو پہنچتا ہے مگر آخرت تک تو نہیں پہنچتا پھر ہر دو جہان کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ یا تو دونوں عالم سے مراد بر و بحر ہے کما قال تعالٰے ظہر الفساد فی البر والبحر اور یا ظاہر و باطن ہے کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن۔ اور اگر دنیا و آخرت ہی مراد ہوں تو مقصود مبالغہ ہے جس کی تقریر یہ ہوگی کہ اگر حوادث و آفات بکثرت نزول نمایند کہ کونین را بہم زند نیز۔ اور انتظار و اشتیاق کے لئے یہ سامان عادۃً لازم ہے۔ خطر۔ چراغ چشم۔ راہ اس لئے یہ مجموعہ کیا یا اس سے ہو گیا۔ اس میں تعلیم ہے استقامت علی الصراط کی خواہ کیسے ہی مزاحمات پیش آ گئیں۔

کحل الجواہری بمن آر ای نسیم صبح — زان خاک نیک بخت کہ شد رہگذار دوست

مقصود بیان اشتیاق ہے ترجمہ لفظی ظاہر ہے اور کلام مبنی ہے تمثیل پر یعنی جس طرح دوست مجازی کے چلے ہوئے رستے کی خاک کو عاشق کحل الجواہر سمجھتا ہے کہ اس کو دوست سے تمس ہے اور وہ اس کی یادگار ہے اسی طرح میں ان کلمات حقائق و معارف کا مشتاق ہوں جو محبوب حقیقی کو یاد دلا دیں اور ان الطاف غیبیہ کا محتاج ہوں جن کو محبوب حقیقی کے ساتھ تلبس مصدریت و صدوریت ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ محبوب کے ذکر اور اس کے تعلق کا جو حصہ بھی میسر ہو اس کو نعمت سمجھے۔ بعضے نادان ان نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اپنے کو خدا

چاہئے کن کن ثمرات کا مستحق ٹھہرتے ہیں۔

ما و آستانۂ عشق و سر نیاز	تا خواب خوش کرا برد اندر کنار دوست

درین بیت بعد یہ قبل مصرعہ ثانیہ محذوف ست۔ مطلب یہ کہ محبوب کے در کو پکڑ رکھا ہے دیکھئے کس کو وصل میسر ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ نہ دعویٰ ہے نہ استحقاق ہے نہ کسی کا عجز ہو اور طلب علت تامہ وصول کی ہے مدار کا مشیت اور فضل پر ہے اس لئے آس لگائے بیٹھے ہیں دیکھئے ہماری قسمت میں ہے یا نہیں۔ اس میں تعلیم ہے خوف و رجا و قطع دعویٰ و زعم استحقاق کی۔

دشمن بقصد حافظ اگر دم زند چہ باک	منت خدای را کہ نیم شرمسار دوست

حاصل یہ ہے کہ گو شیطان میری رہزنی کا قصد کر رہا ہے مگر مجھ کو اندیشہ نہیں کیونکہ خدا کا احسان ہے کہ میں اس کی اطاعت و موافقت نہیں کرتا کہ دوست سے شرمندہ ہونا پڑتا بلکہ خدا نے اس سے مجھ کو بچا رکھا ہے اور اس پر میں شکر و منت بجا لاتا ہوں جب مجھ پر محبوب کا فضل ہے تو دشمن کیا کر سکتا ہے اور یہ دعویٰ تزکیہ کا نہیں بلکہ تحدیث بالنعمۃ ہے کما یدل علیہ قولہ منت الخ وھذا ھو الذی قال تعالیٰ انہ لیس لہ سلطان علی الذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون انما سلطانہ علی الذین یتولونہ الآیہ۔ اور یہ مطلب نہیں کہ مجھ سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ معاصی خاص جن میں حب غیر اللہ غالب ہو جو کہ محبوب سے زیادہ شرمساری کا موجب ہیں اور زیادہ منافی محبت ہیں اور زیادہ مقصود شیطانی ہیں ان سے بچا ہوا ہوں۔

غزل

زلفت ہزار دل بیکے تار مو ببست	راہ ہزار چارہ گر از چار سو ببست

یعنی آپ کے جذبہ عشق نے ہزاروں کو مقید کر رکھا ہے اور بڑے بڑے عقلاء چارہ ساز یعنی جو قبل عشق عقلاء تھے یا جو عقلاء کہ عشاق کا علاج و تدبیر کرنا چاہتے ہیں بیچارہ و عاجز کر دیا ہے۔ اس میں بیان کرتا ہے غلبۂ عشق کا۔

تا عاشقان بہ بوی نسیمش دہند جان	بگشود نافۂ و در آرزو ببست

مصرعہ اول سے تجلی مراد ہے اور مصرعہ ثانیہ معلق ۔ وہ نافہ تجلی اجمالی کہ اول ہی میں سالک نازل ہی
ہوتا مراد اور آرزو اس تجلی تفصیلی ۔ وہ بوئی نسیم سے ہے ذوق و شوق ہوتا ہے ۔ یعنی سلوک میں اول تجلی
ظہور مرتبہ اجمال میں اور پھر وہ استتار مرتبہ تفصیل میں واقع ہوتا ہے پس اس کی مثال ایسی ہے کہ
جیسے نافہ تو کھول دیا تا کہ عشاق اس کے رائحہ پر جان دے دیں اور طلب میں لگ جائیں پھر
آرزو کی حصول و وصول تام کا باب مسدود کر دیا کیونکہ عالم دنیا کے قوی اس کے تحمل نہیں
البتہ آخرت میں یہ استعداد ہو جائے گی ۔ اس میں ارشاد ہے کہ یہاں انکشاف تام کی تمنا
کرنا ہوس اور اضاعت وقت ہے ۔

شیدا از آن شدم کہ نگارم چو ماہ نو	ابرو نمود و جلوہ گری کرد و رو ببست

رو بہ بست اس روئے تاب کنایہ ہے نزاکت اور استتار سے یعنی جس طرح ماہ نو اول کچھ ظاہر ہوتا
ہے کیونکہ وہ پورا ہو کر نہیں ہوتا جتنا ظاہر ہوتا ہے وہ بشکل ابرو ہوتا ہے اور تھوڑی دیر جلوہ
کر کے مستتر ہو جاتا ہے اسی طرح میرے محبوب نے کیا کہ تجلی کر کے مستتر ہو گیا اس لئے میں
زیادہ والہ و شیدا ہو گیا ۔ یہ شعر بھی تو ہم مضمون شعر بالا کا ہے اور ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ
شعر بالا میں اس استتار کا ذکر ہے جو عین حالت تجلی میں ہوتا ہے یعنی تجلی تام نہیں ہوتی اور
اس شعر میں اس استتار کا ذکر ہے جس میں وہ تجلی اجمالی بھی نہیں رہتی اور یہ قبیل قبض ہے
جس میں بہت سی حکمتیں ہیں پس اس تقریر پر اس میں تعلیم ہے کہ یہ استتار بھی لوازم عادیہ
سلوک سے ہے اس سے پریشان و متوحش نہ ہونا چاہئے ۔

ساقی بہ چند رنگ می اندر پیالہ ریخت	این نقشہا نگر کہ چہ خوش در کدو ببست

اول شراب کدو میں رکھی ہوتی ہے اس سے پیالہ میں ڈالی جاتی ہے اسی طرح محبت
الٰہی اول قلب حقیقی میں ودیعت رکھی ہوتی ہے پھر اس سے قلب صنوبری میں القا ہو کر ظاہر ہوتی
ہے پس کدو سے مراد قلب حقیقی اور پیالہ سے مراد قلب صنوبری ۔ اور در کدو بہ بست کے یہ
معنی نہیں کہ خود کدو کو منقش کر دیا جیسا بعض شراح نے سمجھا ہے بلکہ نقش تو وہی شراب ہے

غالباً اس میں بیان ہے اہلِ خلوت کے تعطیل کلام کا۔ چرخ حقہ باز سے مراد مجاز اہل زمانہ ہیں کیونکہ بقول حکماء زمانہ متعلق ہے اہل چرخ سے کہ اس کی مقدار حرکت ہے پھر اہل کا لفظ مقدر کر لیا جائے گا۔ مطلب یہ کہ چونکہ اہل زمانہ کی غرض پرستی و مخالف ظاہر و باطن کا تجربہ کر لیا اور معلوم ہوا کہ ان کو کہنا سنانا لا حاصل و غیر مفید ہے اس لئے ان حکماء نے ان سے کلام کی تعطیل کر دی اور اپنے وقت کو اس سے زیادہ اہم و انفع کام میں مشغول کیا اور امر و نہی کا وجوب مقید ہے رجاء قبول کے ساتھ اس لئے یہ حضرات تارک واجب نہیں چنانچہ جہاں امید قبول ہوتی ہے وہاں سکوت نہیں کرتے۔

مطرب چہ نغمہ ساخت کہ در پردۂ سماع	بر اہلِ وجد و حال در ہائی و ہو ببست

یہ بھی اہم مضمون ہے شعر یا سے سابق والے شعر کا اور در پردہ سماع سے اشارہ ہے کہ اہل تمکین کو بھی ایک گونہ جوش رہتا ہے مگر وہ خود اس پر غالب رہتے ہیں۔

حافظ ہر آنکہ عشق نورزید و وصل خواست	احرام طوف کعبہ دل بے وضو ببست

مطلب ظاہر ہے کہ بدون طلب کے وصول نہیں ہوتا وقال تعالٰی انلزمکموھا وانتم لہا کارھون وقال تعالٰی ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین بلا طلب کے وصول کی تمنا رکھنا ایسا ہے کہ جیسے بے وضو طواف کرنا کہ باطل محض ہے اور یہ تشبیہ اس قول پر ہے جس میں وضو شرط صحت طواف کی شرط ہے غالباً حافظ کا یہی مذہب ہے۔

غزل

مرحبا ای پیک مشتاقان بدہ پیغام دوست	تا کنم جان از سر رغبت فدائی نام دوست

پیک مشتاقان سے مراد وارد قلبی ہے وارد کی تمنا اور اس کے ورود پر مسرت ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ وارد سے انکشاف ہوتا ہے بعض اسرار الٰہیہ کا اس کو پیغام دوست سے تعبیر کیا اور چونکہ ان امور سے محبوب کی محبت میں ترقی ہوتی ہے اس لئے مصرعہ ثانیہ کے مضمون کو اس پر مرتب فرمایا۔

دل ز شیدا است دائم ہمچو بلبل در قفس	طوطئ طبعم ز شوق شکر و بادام دوست

اس میں کیفیت شوقیہ کا بیان ہے جو بعض اوقات و احوال میں سالک پر غلبہ کرتی ہے یعنی میری طبیعت کہ مشابہ طوطی کے ہے محبوب حقیقی کے لذت قرب و وصال کے (کہ مشابہ شکر و بادام کے ہے) شوق میں اس طرح شیدا و بیتاب ہے جس طرح قفس میں بلبل کہ کب رہائی ہو کر گلشن قرب تک پہنچوں۔ پس اس شعر کا حاصل قریب قریب شعر مثنوی کے ہے

بشنو از نے چون حکایت میکند	از جدائیہا شکایت میکند
کز نیستان تا مرا ببریدہ اند	از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

قالؒ

زلف او دام است و خالش دانۂ آن دام و من	بر امید دانۂ افتادہ اندر دام دوست

مقصود کو کہ قرب و وصال ہے دانہ سے تشبیہ دی اور چونکہ قرب و وصال کا متعلق یعنی محل مقرب ہے اس لئے اس کو (یعنی اس قرب و وصال کو) خال کہہ دیا اور طریق کو کہ عشق اور طلب ہے دام سے تشبیہ دی اور چونکہ وہ ثمرہ اور اثر ہے جذب یحبہم کا کما قال تعالیٰ یحبہم و یحبونہ اور جذب محبوب کی صفت ہے اس لئے اس کو زلف کہہ دیا مطلب ظاہر ہے کہ امید وصل پر گرفتار عشق ہو گیا۔ اس میں بیان واقع کا بھی ہے اور طالبین کو ترغیب بھی ہے کہ طلب میں سرگرم رہو کہ اس سے امید وصل کی ہے۔

سر ز مستی بر نگیرد تا بصبح روز حشر	ہر کہ چون من در ازل یک جرعہ خورد از جام دوست

اس میں بیان ہے کہ عشق بعد حصول کے زائل نہیں ہوتا و ازل سے مراد مرتبہ اعیان ثابتہ کا ہے اور اس کا ازلی ہونا ظاہر ہے۔ اور صبح روز حشر سے مراد ابد ہے اور ترجمہ ظاہر ہے۔

بس نگویم شمۂ از شرح حال خود ولی	دردسر باشد نمودن بیش ازین ابرام دوست

ابرام اصرار و مبالغہ در شکوہ و آرزو کنایہ از ناخوش کردن ـ و دردسر کنایہ از ایذا است ایذا بالمعنی الذی فی قولہ تعالیٰ یؤذون اللہ و تقدیر عبارت چنین است کہ بیش ازین ابرام

دوست نمودن اور اورد سرو اون ست ۔ حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات بعض احوال کے اظہار میں ایک گونہ شکوہ یا جزع وفزع یا سوء ادب و گستاخی کی نوبت آ جاتی ہے اور اس وقت ایسا غلبہ ہوتا نہیں کہ شرعاً معذور ہو اور یہ امر حضرت حق تعالیٰ کے نزدیک نامرضی ہے اس لئے کہتے ہیں کہ میں اب زیادہ اظہار حال یا شوق کی جرأت نہیں کرتا اس میں اسی کی تعلیم بھی ہے ۔

میل من سوی وصال وقصد اوسوی فراق	ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

یہاں فراق ووصال سے مراد صورت فراق ووصال ہے ورنہ فراق حقیقی پر رضا اور وصال حقیقی کا ترک کسی طرح جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالتیں قبض وانقطاع واردات کی ایسی پیش آتی ہیں کہ اس کو سالک غیر عارف فراق سمجھتا ہے اور وصال کو اس کی ضد میں منحصر سمجھتا ہے مگر بعد حصول معرفت کے اسی فراق کو اس وصال پر ترجیح دیتا ہے ۔ یہ شعر گویا اس شعر عربی کا ترجمہ ہے ۔

ارید وصاله ویرید ہجری	فاترک ما ارید لما یرید
گردیدہ دستم کشم دردیدہ ہمچوں توتیا	خاک راہ کاں مشرف گردد از اقدام دوست

قدم افتادن محبوب توجہ وتقدم وتقرب اوو خاک راہ محل ان توجہ کہ قلب محب باشد فهو کما فی الحدیث من تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعا الحدیث و کما فی الحدیث کما اظن ولکن ینظر الی قلوبکم مطلب یہ کہ جس محب پر محبوب کی توجہ ہے اس کی ظاہری پستی وخاکساری مانع خدمت ونیازمندی نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کو غنیمت اور عزیز سمجھ کر اس کو ذریعہ تقرب بنانا چاہئے اور اس کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا چاہئے ۔

حافظ اندر درد اومی سوز وبادرمان مساز	زانکہ درمانی ندارد درد بے آرام دوست

اشارہ اس طرف ہے کہ محبت وطلب میں پورا سکون وقرار قلب کو نصیب نہیں ہوتا جیسا بعضے مبتدیان یا متوسطان سلوک اس کی تمنا کیا کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ ایک گونہ آرام و عافیت طلبی ہے جو خدا طلبی کے رنگ میں متشکل ہوتی ہے پس تصریح فرمادی کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا اس کی استدعا ہی عبث بلکہ مضر باطن ہے کہ اصل کام میں اس مشغولی کی وجہ سے کمی ہونے لگتی ہے

غزل

آن ترک پری چہرہ کہ دوش از بر ما رفت	آیا چہ خطا دید کہ از راہ خطا رفت

یہ قبض کے وقت کا شعر معلوم ہوتا ہے بلکہ تمام غزل اسی مضمون کی ہے۔ ترک پری چہرہ کنایہ ہے تجلیات وواردات سے۔ اور خطا بمعنی گناہ بھی آتا ہے اور ایک شہر بھی ہے جہاں کے محبوب مشہور ومعروف ہیں پس ظاہر یہ ہے کہ اول بمعنی گناہ ہے اور دوسرا بمعنی شہر چونکہ وہ شیراز سے کسی قدر دور ہے تو کنایہ مطلق بعد سے ہوگیا۔ اور یہ بھی احتمال مرجوح ہے کہ دونوں بمعنی گناہ ہوں اور از راہ بمعنی از سبب کے ہو بہرحال اس میں اشارہ اس طرف ہوگیا کہ قبض کے اسباب میں سے ایک سبب صدور معصیت بھی ہے والیہ الاشارۃ فی قولہ تعالی کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون اور اس کا تدارک عذر وتوبہ سے ہے۔

تا رفت مرا از نظر آن نور جہاں بین	کس واقف ما نیست کہ از دیدہ چہا رفت

نور جہاں بین نور چشم ہوتا ہے مقصود تشبیہ دینا محبوب کو مجموعہ موصوف وصفت کے ساتھ ہے نہ کہ صرف نور کے ساتھ تشبیہ دینا پھر محبوب کو جہاں بین کہنا کیونکہ اسکو جہان بین کہنے سے کوئی ذمہ نہیں محبوب کو نور جہاں بین یا ایک نسخہ پر چشم جہان بین کہنا اس بنا پر ہے کہ اس سے عاشق کی آنکھیں منور رہتی ہیں۔ یہ بھی شعر ہے قبض کی طرف یعنی جب سے محبوب سے بعد ہوا ہے کسی کو خبر نہیں کہ آنکھ سے کیسے آنسو رواں ہوئے۔ یا یہ کہا جاوے کہ آنکھ میں سے کیا چیز رخصت ہوگئی یعنی روشنی۔ اس میں بیان ہے قبض پر حزن کا اگر وہ قبض عصیان سے ہے تب تو حزن عقلی بھی ہے اور اگر اور سبب سے ہے تو حزن طبعی ہے ورنہ عقل کامل تو اسکو مصلحت سمجھتی ہے۔

بر شمع نرفت از گذر آتش جان سوز	آن دود کہ از سوز جگر بر سر ما رفت

گذر بمعنی راہ و سبب مراد اینجا معنی ثانی: آتش جان سوز عشق کہ سوزندہ جان ست ہمین مرادست از آتش دل کہ در بعض نسخہ ہاست۔ معنی آنست کہ بسبب آتش عشق دودے کہ از سوز جگر بر سر ما رفت بر شمع ہم نرفت یعنی آنقدر سوزش داریم کہ شمع ہم ندارد۔ اس میں بھی حالت قبض کا بیان ہے۔

دور از رخ تو دمبدم از گوشۂ چشم	سیلاب سرشک آمد وطوفان بلا رفت

اس بعد سے مراد بھی وہی حالت قبض کی ہے معنی آن ست کہ بسبب دوری از رخ تو
کہ داریم دمبدم از چشمۂ دیدگان ما سیلاب سرشک روی نمود وطوفان درد وبلا روی داد۔

از پای فتادیم چو آمد شب ہجران	در درد وبماندیم چو از دست دوا رفت

دوا کنایہ از وصل مراد بسط۔ یہ بھی حالت قبض کا مضمون ہے اور مطلب ظاہر ہے۔

دل گفت وصالش بدعا باز توان یافت	عمری ست کہ عمرم ہمہ در کار دعا رفت

یعنی دل کہتا ہے کہ اس کا وصل دعا سے میسر ہو سکتا ہے لیکن مدت ہوئی کہ میری عمر کا تو ایک معتد بہ حصہ دعا ہی میں صرف ہوا مگر وصل میسر نہ ہوا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض لوگ جو نری دعا اور تمنا سے کام نکالنا چاہتے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ جس مقصود کا جو طریق ہے عادۃً اس کا حصول اسی سے ہوتا ہے البتہ دعا سے اس طریق میں برکت وتاثیر ہو جاتی ہے اور جو کام صرف دعا کے متعلق ہے اس کے لئے البتہ دعا ہی کافی ہے مثلاً قرب الٰہی کے لئے طریق عادی سعی فی العمل وترک منہیات ہے جو شخص اوامر ونواہی میں عمر بھر قصداً اختلال رکھے اور نری دعا سے کام نکالنا چاہے تو محض نادان ہے البتہ مجاہدہ کرکے پھر دعا کرے کہ وہ سعی مقبول ہو اور دعا کی یہ ضرورت سمجھے کہ عمل ومجاہدہ علت تامہ نہیں تو یہ دعا البتہ مفید اور بجائے خود ہے۔

احرام چہ بندیم کہ آن قبلہ نہ اینجاست	در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت

چون طواف کعبہ اصل مقصود ست وسعی متمم آن پس احرام طواف قبلہ کنایہ از عبادات مقصودہ است وسعی کنایہ از عبادات متمم آن وچنانکہ طواف موقوف بر وجود قبلہ است وسعی موقوف بر مجموعہ صفا ومروہ ومقصود بالعبادت حق تعالیٰ ست نہ قبلہ ونہ صفا ومروہ ہمچنان کمال عبادات مقصودہ ومتمہ موقوف بر حضور قلب ست پس حضور قلب باعتبار عبادات مقصودہ مشبہ بقبلہ شد وباعتبار عبادات متمہ مشبہ بمجموعہ صفا ومروہ شد ودر قبض حضور قلب خواہ فی الواقع اگر سوش معصیت باشد یا بزعم سالک اگر سبب غیر او باشد اختلال در وسعی می آرد پس تضجر میکر ماید کہ عبادات چہ کنیم کہ شرط کمالش مفقود ست ومقصود آن نیست کہ عبادت عبث است وفقدان

ہے۔ اس میں مذمت ہے تصنع وحب شہرۃ کی اور ترغیب ہے اخلاص وانکسار وخمول کی۔

زبادشاه و گدا فارغم بحمد اللہ	گدائی خاک در دوست بادشاہ من ست

اشارہ ہے اس طرف کہ طالب حق کو خلق سے مستغنی ہونا چاہئے البتہ اہل اللہ کا خادم رہنا چاہئے۔

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شماست	جز این خیال ندارم خدا گواہ من ست

مسجد طریق زہد و میخانہ طریق عشق یعنی جس وقت میں میری جو حالت بھی ہو اس سب سے مقصود آپ ہی ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ سالک کو تلوینات میں مقصود اسی کو سمجھنا چاہئے کسی خاص لون کا طالب ہو کر پریشان نہ ہو۔

مرا گدائی تو بودن ز سلطنت خوشتر	کہ ذل جور و جفائی تو عز و جاہ من ست

اشارہ اس طرف ہے کہ طالب حق کو محب جاہ نہ ہونا چاہئے۔

مگر بہ تیغ اجل خیمہ برکنم ورنہ	رمیدن از در دولت نہ رسم وراہ من ست

یعنی مر جاؤں تو مجبوری ہے ورنہ محبوب سے تو کبھی منہ پھیروں گا نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ مر کر چھوڑ دوں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ زندگی بھر نہ چھوڑوں گا اور موت کے بعد تو اس کا احتمال ہی نہیں کہ اس وقت تو حالت خام اور بھی ممتنع الزوال ہو جاتی ہے۔ اس میں ارشاد ہے استقامت کے لئے گو کیسے ہی شدائد و بلیات کا ہجوم ہو۔

ازاں زماں کہ برآں آستان نہادم روی	فراز مسند خورشید تکیہ گاہ من ست

یعنی عزت حقیقیہ تعلق مع اللہ ہی میں ہے قال اللہ تعالیٰ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لایعلمون۔

گناہ گرچہ نہ بود اختیار ما حافظ	تو در طریق ادب کوش کاین گناہ من است

اس میں اعتقاد جبر کا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ افعال عباد میں گو مرتبہ تحقیق میں دونوں نسبتیں ہیں باعتبار خالقیت کے حق تعالیٰ کے ساتھ اور باعتبار کسب کے عبد کے ساتھ مگر بالضرورت تم نسبت اولی کا ذکر مت کرو صرف نسبت ثانیہ کے ذکر پر اکتفا کرو کہ مقتضائے ادب یہی ہے پس نبود اختیار ما سے مراد نفی موثریۃ تامہ اختیار کی ہے نہ کہ نفی نفس اختیار کی۔

توقف کا ارادہ مت کر اور شاہراہ کو کہ محل سفر ہے چھوڑ کر کہیں اور قیام وتوقف کا تجویز مت کر کیونکہ وہ محبوب جس سرکوی اور محلہ میں رہتا ہے وہ کوئی گھر نہیں بلکہ یہی شاہراہ ہے جو منزل کو قطع کرتا ہے۔ برخلاف دوسرے محبوبوں کے کہ گھروں میں رہتے ہیں پس وہ اسی شاہراہ پر ملے گا سفر کے انقطاع سے نہ ملے گا۔ خلاصہ یہ کہ طلب سے تقاعد نہ کرے و ہذا کما قیل۔

ای برادر بے نہایت درگہے ست	ہرچہ بروے میرسی بروی مایست

وقیل۔

اندرین رہ می تراش و می خراش	تادمی آخر دمی فارغ مباش

ہٰذا ما ذہب الیہ ذوقی وللشراح وکشین اقوال عجیبۃ غریبۃ بعیدۃ غیر قریبۃ۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ اور اس میں اشارہ اس کی لامکانی ہونے کی طرف بھی ہو گیا۔

بندۂ طالع خویشم کہ درین قحط وفا	عشق آن لولی سرمست خریدار من ست

مطلب اظہار مسرت ہے کہ برخلاف اور محبوبوں کے جن میں وفا کا قحط ہے میرا محبوب کہ فی نفسہ شان استغناء میں ایسا ہے جیسا آن کا مشار الیہ مگر پھر بھی غایت رافت سے میرا خریدار ہے قال اللہ تعالیٰ ان اللہ اشتری من المؤمنین الآیہ وقال علیہ السلام عن اللہ تعالیٰ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث پس اس میں نعمت کا شکر بھی ہے اپنی عدم صلاحیت کا اعتراف بھی ہے طالبین کو ترغیب بھی ہے کہ ایسے محبوب کا طالب ہونا چاہئے۔ اور تشبیہ مذکور فی الشعر کے الفاظ گو موحش ہیں مگر نظر الی المعنی لاسیما بعد انضمام غلبۃ الحال قابل تسامح ہے۔

طبلۂ عطر گل و درج عبیر افشانش	فیض یک شمہ ز بوی خوش عطار من ست

ضمیر شین راجع بگل مراد از گل اہل کمال و مراد از طبلۂ عطر و درج عبیر افشان کمالات آن اہل کمال مطلب یہ کہ میرا محبوب ایسا کامل ہے کہ سب اہل کمالات کے کمالات اسی کا فیض ہے۔ اس میں بھی ترغیب ہے توجہ الی اللہ و اعراض عما سوی اللہ کی۔

باغبان ہمچو نسیمم ز در خویش مران	کاب گلزار تو از اشک چو گلنار من ست

چو گلنار صفت اشک۔ سہل توجیہ یہ ہے کہ باغبان سے مراد مرشد ہو اور مقصود تعلیم ہو

شیوخ کو کہ طالبین کے ساتھ بہت لطف اور بے دماغی نہ چاہئے کہ طالبین کی طلب اور استرشاد سے بھی مرشدین کے کمال میں ترقی ہوتی ہے کما فی الحدیث لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم. وفی الحدیث من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہ واجر من عمل بہا الخ. وفی الحدیث الدال علی الخیر کفاعلہ وفی الحدیث او علما ورثہ وغیر ذلک. اور اعرابی میں نسیم کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی کہ نسیم باغ سے باہر ہو جاتی ہے تو خوشبو دار ہو کر نکلتی ہے مگر وہ خوشبو عارضی ہوتی ہے اس لئے کبھی وست ہی بھی جاتے گی اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ بدون توجہ مرشدین کے مسترشد بے بہرہ ہو جاتا ہے اور جو تھوڑی بہت مناسبت مقارنت سے ہوتی ہے وہ جلد زائل ہو جاتی ہے۔

شکر وقند وگلاب از لب یارم فرمود	نرگس او کہ طبیب دل بیمار من ست

از لب ۔ ونرگس فاعل فرمود ۔ مراد از نرگس صفت علیم بمناسبت آنکہ نرگس مشابہ چشم باشد و چشم آلہ معاینہ است و ممکن ست کہ آلہ اطلاع باشد۔ مطلب یہ ہوا کہ میرے محبوب نے میری حالت دیکھ کر میرے لئے علاج اپنا لطف اور رحمت کہ مشابہ قند وگلاب ہے تجویز فرمایا۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبوب حقیقی بر خلاف دوسرے محبوبوں کے طالبین پر شفیق و رحیم ہے جس میں ترغیب ہے طلب و مجاہدہ کی۔

آنکہ در طرز غزل نکتہ بحافظ آموخت	یار شیریں سخن و نادرہ گفتار من ست

ترجمہ تو ظاہر ہے کہ جس شخص نے مجھ کو یہ طرز سخن سکھلا دیا ہے وہ شخص میرا محبوب ہے جو کہ خود شیریں سخن و نادر گفتار ہے اور اس کا سکھلانا یا تو حقیقۃً ہے یا مجازاً اول اس طرح کہ اس نے طریقہ بتلایا ہو دوسرا اس طرح کہ اس کے عشق میں احوال مختلفہ پیش آئے اور جوش میں ایسا چلتا آیا ہے لیکن یار کو شیریں سخن کے ساتھ موصوف کرنا قرینہ مرجح احتمال اول کا ہے اور حاصل حقیقت یہ اشارہ ہو سکتا ہے کہ محسن کے کمالات مستفاد ہوتے ہیں کمال واہب سے جن میں عظیم ہوتی ہے مسئلہ حقیقت کی

غزل

دلا مجوی ست کہ سوائی بتان دین من ست	غم او این کار نشاط طالب تمکین من ست

جمعیت بتان برائی جنسیت ست۔ مطلب ظاہر ہے کہ مدت سے یعنی جب سے نصیب ہوا ہے عاشقی میرا مسلک ہے اور اس مشرب میں جو مجھ کو غم بھی پیش آتا ہے وہ مجھ کو سرور معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ترغیب ہے عشق وطلب کی اور اس میں تحمل شدائد کی۔ قال الشیخ۔

خوشاوقت شوریدگان غمش	اگر ریش بینند وگر مرہمش
وما دم شراب الم در کشند	اگر تلخ بینند دم در کشند

قال

دیدن روی ترا دیدۂ جان می باید	وین کجا مرتبہ چشم جہان بین من ست

ترجمہ لفظی تو ظاہر ہے اور مراد معنوی اس سے اشارہ ہو سکتا ہے تحقیق مسئلہ رویت کی طرف یعنی اس آنکھ سے رویت حق تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی بلکہ دنیا میں تو محض عقل وبصیرت سے ہو سکتی ہے اور آخرت میں گو چشم سر سے ہوگی مگر اس میں ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی جو کہ اب نہیں ہے اسی سے اس کا تحمل ہو جائے گا اور حقیقت اس قوت کی غلبہ روحانیت کا ہے جو کہ تمام جسد کو عام ہوگا اور یہی بناء ہوگی س کے بقاء کی پس لفظ دیدۂ جان دونوں صورتوں کو شامل ہے دنیا میں چشم بصیرت کو اور آخرت میں چشم سر کو باعتبار غلبہ روح کے پس جو شخص دنیا میں دعوی رویت کا چشم سر سے کرتا ہے اس کی غلطی کی طرف اشارہ ہو گیا۔

تا مرا عشق تو تعلیم سخن گفتن کرد	خلق را ورد زبان مدحت وتحسین من ست

ظاہر ہے کہ عشق ومحبت کی باتیں لذت بخش ہوتی ہیں اس لئے ایسی باتوں کا کرنے والا ممدوح ہوتا ہے مقصود یہ ہو سکتا ہے کہ جب باتیں ایسی لذیذ ہیں تو خود عشق کیسا لذیذ ہوگا پس اشارہ ہو گیا اس کی ترغیب تحصیل کی طرف۔

دولت فقر خدایا بمن ارزانی دار	کاین کرامت سبب حشمت وتمکین من است

مقصود یہ ہے کہ فقر الی اللہ ہی سبب عزت حقیقیہ کا ہے اس کو چھوڑ کر جاہ وہمی میں نہ پڑو۔

واعظ شحنہ شناس این عظمت گو مفروش	زانکہ منزلگہ سلطان دل مسکین من است

مدلول لفظی یہ ہے کہ اے واعظ تو میری جان و بیان کا قوال سے بے خبر ہے اس پر اس قدر تو
مغرور مت ہو (عظمت فروختن غرور کردن) کیونکہ مجھ کو سلطان سے قرب ہے۔ اور مقصود
معنوی یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترض مدعی کو خطاب ہے کہ تو میرے پاس آلات تقویت اعتراض
کے اور ایذا رسانی کے جمع ہیں لیکن مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ معیت و نسبت ہے تیری
مخالفت سے مجھ کو ضرر نہیں ہو سکتا یا تو ظاہرا بھی نہیں یا صرف باطنا نہیں۔ اس میں تعلیم ہوئی
اہل ظاہر کو کہ تاحق اہل باطن کے درپے نہ ہونا چاہئے اور ان سے تعرض نہ چاہئے۔

یا رب این کعبۂ مقصود تماشاگہ کیست	کہ مغیلان طریقش گل و نسرین من است

مراد از کاف معنی کدام و در قول کیست ضرور است زائد نیست۔ و یا رب کلمہ ایست کہ بہنگام
تحیر گویند یعنی کعبۂ مقصود پر پہنچ کر کس کی زیارت اور جلوہ گری ہو رہی ہے کہ اس طریق کے
شدائد بھی راحت معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں ارشاد ہے کہ محبوب حقیقی کی راہ میں شدائد کو
راحت سمجھنا چاہئے کہ ع متاع جان بجانان جان دینے پر بھی سستی ہے۔

یار ما باش کہ زیب فلک و زینت دہر	از مہ روی تو و اشک چو پروین من است

مطلب ظاہری تو یہ ہے کہ عالم کی رونق حسن محبوبان و عشق محبان سے ہے اس لئے
اے محبوب ہمارا یار رہنا کہ مجھ سے اور تجھ سے مل کر رونق اور زینت ہے۔ اور مقصود معنوی یہ
ہے کہ محبوب حقیقی سے دعا کرتے ہیں کہ میرے حال پر عنایت و توجہ رکھئے آگے اس توجہ کی
حکمت بیان کرتے ہیں کہ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جب
روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا بھی نہ رہے گا اور اللہ اللہ کہنا موقوف ہے توفیق الٰہی پر اور
توفیق عطا ہوتی ہے اسی کو جس پر عنایت و توجہ ہو پس اس عالم کا بقاء موقوف ہوا وجود ذاکرین
پر جو کہ کسی درجہ میں محب ہیں اور اس کے واسطے سے موقوف ہوا عنایت و توجہ حق پر جس کو روئی
محبوب کہہ سکتے ہیں لان التوجہ صرف الوجہ الی شیٔ ہے پس اگر آپ مجھ پر مثلاً توجہ نہ فرمائیں گے
اور توفیق ذکر و طاعت کی نہ دیجئے تو ذکر مفقود ہو جائے گا اور عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اور
مثلاً اس لئے بڑھا دیا کہ کسی شخص خاص کے ذکر و طاعت پر توقف کا بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ

اس بنا پر مناسب ہے کہ مطلق طالبین کے لئے دعا کرنا مقصود ہو اور بیان حکمت سے مقصود
تعلیم حکمت نہیں تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا بلکہ موکد کرنا ہے نفس دعا کو جیسا
حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں غلبہ مومنین کیلئے دعا فرمائی تو اس
کی وجہ میں یہ فرمایا اللھم انک ان لم تشا لم تعبد بعد اور فرمایا اللھم ان تھلک
ھذہ العصابۃ لم تعبد ا ونحو ذلک خوب سمجھ لو۔ اور لفظ اس سے جو کسی وجہ میں موہم
دعوی ہیں مقام اور دلالت پر محمول کر لینے سے اس ایہام و ایحاش کا تدارک ہو سکتا ہے۔

که لبش جرعه کش خسرو شیرین من است	حافظ از حشمت پرویز دگر قصه مخوان

یعنی اہل دنیا کی حشمت و نخوت کو کیا بیان کرتے ہو ان کی عزت اہل اللہ کی عزت
کے سامنے ادنی درجہ کی ہے جو محتاج بالنسبت الی الکمال ہے۔ اور خسرو اور پرویز ایک ہی شخص
ہے۔ اور خسرو اور شیرین یا تو موصوف وصفت ہے پس شیرین بمعنی لغوی ہوگا یا مضاف و
مضاف الیہ ہے پس شیرین سے مراد محبوب حقیقی ہوگا اور خسرو سے مراد دونوں صورت میں
اللہ والے ہیں جو شیریں بھی ہیں اور ایک حقیقی شیریں کے ساتھ منتسب بھی ہیں۔

غزل

وی مرغ بهشتی که دهد دانه و آبت	ای شاهد قدسی که کشد بند نقابت

اس غزل کے اکثر اشعار میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ناصحانہ خطاب
کسی ایسے شخص کو ہے جو ان سے جدا ہے اور ان کا محبوب ہے جیسا مشہور ہے کہ اپنی بیوی کو
فہمائش کرتے ہیں جو آزردہ ہو کر میکہ میں چلی گئی تھی پھر بعد فہمائش کے وہ آگئی مگر شعر
ثانی کو ظاہر الفاظ کے اعتبار سے اس فہمائش سے خارج کہنا چاہئے۔ یا اور کوئی مسترشد
مخاطب ہو جو طریق رشد سے منحرف ہو اور حافظ براہ شفقت اس کو راہ پر لانا چاہتے ہوں
بہرحال اس میں اشارہ ہوگا کہ مرشد کو مستفید سے ملنا چاہئے جہاں ارشاد نافع ہونے کی
امید ہو خواہ بجلی سے کہ وہ نیاز مندی کے مرتبہ میں پہنچ جائے کام بنا لینا چاہئے اور بعض اشعار
دوسرے مضامین کے بھی ہیں جیسا اس شعر اول میں اپنے کسی عزیز کو جو ان غائب خطاب

ہے یعنی اس کی روح کو کہ حقیقت انسانیہ ہے خطاب فرماتے ہیں کہ اے عالم قدس (یعنی عالم ارواح) کے شاہد (یعنی محبوب کیونکہ حقیقت انسانیہ مقصود اعظم بالخلق ہونے کی وجہ سے احب الخلق ہے یا احب الی الخلق ہے۔ یا شاہد بمعنی حاضر لیا جائے کیونکہ روح ظاہر ہے کہ عالم ارواح میں حاضر تھی۔ اسی طرح مرغ بہشتی بھی اسی کو کہا خواہ باعتبار مبدأ کے پس بہشت سے مراد عالم قدس ہوگا یا اس اعتبار سے کہ آدم علیہ السلام بہشت میں رہے تھے اور سب ذریت ان کے وجود میں مندرج تھیں اور خواہ باعتبار معاد کے کہ حدیث سے مومنین کی ارواح کا قنادیل عرش میں رہنا اور جنت میں جہاں چاہیں کھاتے پیتے پھرنا ثابت ہے رواہ السیوطی فی شرح الصدور اور اصل صفت روح کی ایمان ہی ہے اگر عوارض نہ ہوں تو مومن ہی رہے اس لئے اس عنوان سے خطاب مطلق روح کو بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ بعض ان عنوانات سے خطاب فرماتے ہیں کہ تو جو قید جسم میں مقید ہو کر اپنے مقر اصلی سے جدا ہوگیا ہے اور یہ جسم بمنزلہ حجاب و نقاب کے ہوگیا ہے اور اس کی تقیید مثل بند کے ہوگئی ہے تو ذرا تو سوچ کہ تیرے اس بند نقاب کو کون کھولے گا اور اس قید سے کون رہائی دے گا اور بعد رہائی کے آب و دانہ یعنی نعمتیں عالم آخرت کی تجھ کو کون دے گا اور ظاہر ہے کہ وہ رہائی دینے والا اور آب و دانہ دینے والا حق تعالیٰ ہی ہے پس مطلب یہ ہوا کہ جب وہ ایسا منعم و محسن ہے تو تجھ کو چاہئے کہ اس کی خدمت و ذکر میں مشغول ہو اور خلاف مرضی کام کرنے سے باز رہے۔ وهو قريب قول الجامي۔

توئی آں دست پرور مرغ گستاخ	کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی	چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی

هذا ما القي في قلبي ولا اعرف طول الخبر وتفصيله ولا يمكني والله اعلم

خرابم شد از رنج دوری فکر جگر سوز	کجا خوش کرد منزل آسائش و خوابت

یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ نہایت شفقت سے اس مرغ کو فرماتے ہیں کہ اس فکر میں میری راحت جاتی رہی کہ اپنے محبوب حقیقی سے بعد اختیار کرکے کس کا قرب اختیار کیا ہے مطلب شیطان کا قرب اختیار کیا ہے جو دشمن ہے وہذا تقول السعدی۔ ع

از کسی دعا کی پوچھ اور اس توجیہ پر توجہ کا بھی مخاطب ہونا اقرب ہو سکتا ہے اور
آمرزش مضاف ہے فکر کا نہ کی طرف تو معنی کہ امر ہے۔

اندیشۂ آمرزش و پروای ثوابت	درویش نمی پرسی و ترسم که نباشد

اس میں بھی اس عزیز کو نصیحت ہے کہ تم غیر جنس کی صحبت میں پڑ کر درویشوں سے جو
تمہارے ناصح ہیں پوچھنا ہی ترک کر بیٹھے ہو مجھ کو یہ خوف ہے کہ کہیں غفلت بڑھتے بڑھتے
نوبت یہاں تک نہ پہنچ جاوے کہ مغفرت اور ثواب سے بھی استغنا ہو جاوے یعنی فکر آخرت دل
سے نکل جاوے اس میں اشارہ اس مسئلہ کی طرف ہے جو اہل طریق نے فرمایا ہے کہ اس راہ کی
لغزش کے سات درجے ہیں۔ اعراض۔ حجاب۔ تفاصل۔ سلب مزید۔ سلب قدیم۔ تسلی۔
عداوت اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت و توبہ نہ کی حجاب ہو گیا اگر پھر بھی اصرار رہا تفاصل
ہو گیا اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں ایک زائد کیفیت ذوق و شوق کی تھی وہ سلب ہو گئی
یہ سلب مزید ہے اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت و حلاوت کہ ذوق سے قبل
اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گئی اس کو سلب قدیم کہتے ہیں اگر اس پر بھی توبہ نہ کی تو
جدائی کو دل گوارا کرنے لگا یہ تسلی ہے اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بعداوت ہو گئی
نعوذ باللہ منہا کذا فی فوائد الفواد اور شعر بالا میں غالباً مرتبہ تسلی کا مراد ہے۔

پیداست ازین شیوه که مست است شرابت	راه دل عشاق زد آن چشم خماری

مراد از مست کنندہ مبالغہ مست گفتن کا قول الشاعر۔ ترجمہ چشم خمار ضرب و تیغ۔ راہ
زدن بیقرار ساختن و صحبت عشاق برائے جنس مست مراد ذات خود۔ اس عزیز کو فرماتے
ہیں کہ میں تیری جدائی میں بیقرار ہوا بیشک تیری شراب یعنی آنکھیں کہ پر خمار ہیں مست
کنندہ ہیں۔ شعر دوم اس طرف ہے کہ بعض اوقات اپنی محبت کا ظاہر کر دینا مخاطب کو متوجہ
کر دیتا ہے سو گر نصیحت میں اس کی ضرورت ہو تو کیا کیا جاوے رہا یہ کہ اہل حقیقت کو مجازی
محبت کب ہوتی ہے جواب اس کا اس ردیف و الف کی غزل نمبر آن سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با
اوست الخ کی شرح دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

تیرے کہ زدی بردلم از غمزہ خطا رفت	تا باز چہ اندیشہ کند رای صوابت

یعنی تو نے جو مجھ سے جدائی اختیار کر کے یہ سمجھا تھا کہ یہ مستحکم محبت ہے میری محبت میں اپنے طریق رشد کو چھوڑ دے گا وہ خیال تو غلط نکلا اور نشانہ خالی گیا اب دیکھیں کہ آئندہ کے لئے کیا تجویز کیا جاتا ہے اور صواب کہنا تالیف قلب کے لئے ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبت حق تعالیٰ کی سب محبوبوں کی محبت پر غالب رہنا چاہئے اور یہی غلبہ دلیل ہے اس کی کہ یہ شخص محب حق تعالیٰ ہی کا ہے اور دوسروں پر محض رحمت ہے اکابر پر یہی خیال کرنا چاہئے۔

ہر نالہ وفریاد کہ کردم نہ شنیدی	پیداست نگارا کہ بلند ست جنابت

اس میں بھی اس عزیز محبوب کو خطاب ہے کہ میں نے تیری نصیحت میں کتنا شور وغل مچایا مگر تو نے ایک نہ سنی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی شان بڑی عالی ہو گئی ہے کہ کسی کی سماعت ہی نہیں ہوتی۔ یہ بطور عتاب کے کہا گیا جیسے اس طرح کے موقع پر بولا کرتے ہیں کہ اب تو آپ کا دماغ آسمان پر پہنچ گیا ہے کسی کی رسائی ہی نہیں ہوتی۔

ای قصر دل افروز کہ منزلگہ انسی	یا رب مکناد آفت ایام خرابت

اس میں اس عزیز محبوب کو دعا ہے اس طور سے کہ اس کے گھر کو دعا دیتے ہیں جس طرح اس شعر عربی میں۔

ان المروة والسماحة والندی	فی قبة ضربت علی ابن الحشرج

یعنی اے قصر دل افروز جو کہ منزلگاہ انس ہے خدا کرے آفت زمانہ تجھ کو ویران نہ کرے یعنی ہمیشہ آباد رہے اور اس میں اس عزیز کو یہ دعا ہے کہ خدا اس کی اصلاح کرے کیونکہ گھر کی حقیقی آبادی یہی ہے کہ اس کا رہنے والا صالح الاحوال ہو ورنہ معنی وہ ویران ہے جیسا حدیث میں ہے مساجدھم عامرۃ وھی خراب۔ خوب سمجھ لو۔

دورست سر آب دریں بادیہ ہشدار	تا غول بیابان نفریبد بسرابت

یہ دوسرے مضمون کا شعر ہے اس میں سالک کو تنبیہ ہے کہ ابتدائی یا توسط کی کیفیات پر مغرور نہ ہو جائے اور اپنے کو کامل اور واصل نہ سمجھ جائے کیونکہ وہ امور مقصود نہیں ہوتے گو مشابہ

مقصود کے ہوں جس قدر سراب کرشمہ پر آپ کے ہاتھ ہے آپ جس قدر عطا فرماتے ہیں کہ پانی کا اثر دوا بھی دور ہے جو ہشیار رہنا بھی شیطان تم سے سر ہے سے بھی کہتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اسی عزیز کو خطاب ہو شاید کسی قرینہ سے معلوم ہوا ہو کہ وہ ان کے زعم میں پارسائی اور مصلح ہے تا اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے اور اس لئے انہوں نے بے اعتنائی کی ہو اس وجہ سے ان کو یہ نصیحت کی ہو۔

تا درد وی بیچارہ نکنی روی اے دل	باری بغلط صرف شد ایام شبابت

اس میں نصیحت ہے اپنے نفس کو یا دوسرے شخص کو بطرز توبہ تحریک و ہمالی لا اعبد الذی فطرنی۔ ورنہ غضب ہے تدارک ایام گذشتہ کی۔

حافظ نہ غلامیست کہ از خواجہ گریزد	لطفی کن و باز آ کہ خرابم ز عتابت

یا تو اس میں خطاب ہے محبوب حقیقی کو جیسا غلام اور خواجہ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے یعنی میں اب اس در پر آ پڑا ہوں تھکے وا ماندہ میرے حال پر کرم فرما دیجئے میں آپ کے عتاب سے جس کی علامت قبض کی نوع خاص ہے پریشان ہوں اس کو دور کیجئے۔ اور یا اسی عزیز کو خطاب ہے اور خواجہ اور غلام بہت ملاطفت و انکسار سے کہہ دیا ہے واللہ اعلم۔

غزل

باغ مرا چہ حاجت سرو و صنوبر است	شمشاد سایہ پرور ما از کہ کمتر است

سرو صنوبر کی اور سرو شمشاد کی از سرو سایہ پرورد ناز پروردہ۔ قریب یہ ہے کہ اس میں جواب ہے اس شخص کا جو ان کو کسی دوسرے مرشد کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارا مرشد کس سے کم ہے جو ہم کو دوسرے کی حاجت ہو۔ اس میں اشارہ ہو گیا کہ وحدت مطلب کی طرف اور سایہ پرور سے ممکن ہے کہ اشارہ ہو مرشد کے صاحب تمکین ہونے کی طرف کیونکہ تمکین میں سکون ہوتا ہے جیسے سایہ میں سکون ہوتا ہے بخلاف دھوپ کے کہ اس میں تیزی و حرارت ہوتی ہے۔ اور ترکیب از کہ کمتر است کا موضوع ہے نفی کے لئے مگر عرفاً مستعمل ہے اثبات زیادت کے لئے جیسے قرآن مجید میں ترکیب ومن اظلم موضوع ہے نفی زیادت کے لئے مگر مستعمل ہے اثبات کی کے لئے یعنی ان مذکورین سے اور سب ظالم کم ہیں۔

ای نازنین پسر تو چه مذهب گرفته‌ای	کت خون ما حلال‌تر از شیر مادرست

اگر اس کو شاعرانہ مضمون کہا جائے تو محبوب مجازی پر محمول کرنے سے بے تکلف معنی درست ہو جاتے ہیں اور اگر صوفیانہ مضمون کہا جائے تو بہتر ہے کہ اس کا مخاطب ناصح کو کہا جائے جس طرح اوپر کے شعر میں بھی ناصح ہی مخاطب تھا اور نازنین پسر بطور استہزا کے کہا گیا تقریر یہ ہوگی کہ میاں صاحبزادے تم نے ہماری جان کیوں کھا رکھی ہے اور ہمارے خون کے کیوں پیاسے ہو رہے ہو اور کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہو ہم با محبت میں تمہاری نہ سنیں گے اور اسے چھوڑنا بھی اسی عموم میں داخل ہے۔

چون نقش غم ز دور ببینی شراب خواه	تشخیص کرده‌ایم و مداوا مقررست

یعنی جب غم والم کے آثار معلوم ہونے لگیں گو پاس نہ آئے ہوں اور پاس آ گئے ہوں تو بدرجہ اولیٰ اس وقت شراب عشق سے اس کا علاج کرو کہ یہی تدبیر متعین ہے ہم تشخیص کر چکے ہیں۔ غم والم سے مراد دنیوی غموم بھی ہو سکتے ہیں اور وساوس و خطرات بھی اور ترک دنیا کے ساتھ توجہ الی اللہ اور ذکر و فکر دونوں کا علاج مجرب ہے۔

یک قصه بیش نیست غم عشق وین عجب	کز هر زبان که می‌شنوم نامکررست

نامکررست: یعنی غیر متعین و با حاصل مختلف آنکہ جدید مختلف است

یعنی غم عشق کا ہے تو ایک قصہ مگر جس سے سنو نئے جدید مضمون معلوم ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ عشق میں ہر ایک کو جدید حالات پیش آتے ہیں چنانچہ مشاہد ہے۔ اور اس میں تعمیم ہے اس کی کہ ایک حال والے کو دوسرے حال والے پر انکار نہ چاہیے۔

از آستان پیر مغان سر چرا کشم	دولت درین سرا و گشایش درین درست

یعنی مرشد سے کیوں اعراض کروں جبکہ دولت و کشود باطنی کا مدار وہی ہے۔ یہ بھی شعر اوپر سے متقارب المعنی ہے۔

دی وعده داد وصلم و در سر شراب داشت	امروز تا چه گوید و بازش چه در سرست

اس کو محبوب حقیقی کے معاملہ پر محمول کرنا بعید بلکہ ممتنع ہے کہ اس میں صریح احتمال بداور

خلف وعدہ کا مذکور ہے گو شراح نے اسکو اختیار کیا ہے چنانچہ کہا ہے در میثاق معشوق حقیقی مارا وعدہ وصل داد و رحالیکہ عشق داشت چنانچہ در حدیث قدسی آمدہ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف امروز معلوم نیست کہ ارادہ او چیست آیا مارا ابدیار خود فائز میگرداند یا نہ چرا کہ سعادت وشقاوت باختیار اوست سبحانہ واہل سعادت فائز بدیدار و اہل شقاوت محروم از ان معلوم نیست کہ مارا امروز ائی درین نشاۃ عنصریہ از اہل سعادت میکند یا از اہل شقاوت فافہم احاس لئے سہل یہ ہے کہ محبوب مجازی کی شکایت پر محمول کرلیا جائے یعنی اول تو مجھ سے وعدہ وصل کرلیا تھا خدا جانے اس وقت کس نشہ میں تھا مگر اس کا اعتبار نہیں آج کیا دماغ میں سمایا ہوا ہو وہ ایفاء کرے یا نہ کرے اور کیا کہہ اٹھے اور ممکن ہے کہ جس ناصح کو اوپر کے اشعار میں خطاب ہے وہ کسی شیخ دنیادار کی طرف بلاتا ہو اس لئے اس شعر میں ایسے دنیاداروں کی مذمت کرتے ہوں کہ یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کسی مطلب یعنی مال وجاہ وغیرہ کا نشہ دماغ میں سما جاتا ہے تو جھوٹے جھوٹے وعدے تعلیم وتلقین و تکمیل وتربیت کے کرتے ہیں مگر وہاں تو کچھ ہے ہی نہیں اس لئے اپنا مطلب نکال کر آرے بلے بتلاتے ہیں اور لطف ودلجوئی کے خیالات کو بدل ڈالتے ہیں ؎

ما آبروی فقر وقناعت نمے بریم	با با دشہ بگوی کہ روزی مقدرست

مطلب ظاہر ہے اس میں تعلیم ہے قناعت وتوکل کی۔ بدر الشروح میں منقول ہے در لطائف الطوائف آوردہ کہ بادشاہ آن عصر حافظ را طلب کرد حضرت ہمین بیت نوشتہ فرستاد وخود نرفتند۔ یہ حکایت حافظ کی بزرگی کی صاف دلیل ہے ؎

شیراز وآب رکنی وآن باد خوش نسیم	عیبش مکن کہ خال رخ ہفت کشورست

آب رکنی رکنا باد کہ چشمہ ایست در شیراز مقصود ظاہر امدح ہے شیراز کی اور بتاویل بعید کہا جا سکتا ہے کہ اشیاء مذکورہ مصرعہ اولے کا مجموعہ اشارہ ہو قالب عنصری کی طرف اس طرح سے کہ شیراز سے خاک اور آب رکنی سے آب اور باد خوش نسیم سے باد اور چونکہ اکثر کا ذکر بجائے کل کے ہے اس لئے نار کا ذکر نہ کرنا مضر نہ ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اس جسد کی تحقیر مت

اس میں ترغیب وتقویت ہمت ہے مجاہدہ وتحمل شدائد سلوک پر یعنی جب یوم میثاق میں الست کے جواب میں بلی کہا تھا جس میں اقرار تھی الوہیت کا تو ابتلا وامتحان تو اس کے ساتھ ہی وابستہ ہو گیا تھا کیونکہ حکمت امتحان کی یہی ہے کہ یہ شخص اس اقرار پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

بہ ہست ونیست مرنجان ضمیر وخوش میباش	کہ نیستی است سرانجام ہر کمال کہ ہست

مصرع اول میں ہست ونیست سے مراد مطلق وجود وعدم نہیں بلکہ مرغوبات دنیویہ کا وجود وعدم اور یہی مراد ہے مصرع ثانیہ میں۔ مطلب یہ کہ مال وجاہ وغیرہ کی فکر میں مت پڑو کہ اگر ان میں کمال بھی حاصل ہو گیا پھر اس کا انجام زوال ہی ہے۔ یہ بھی تعلیم ہے زہد کی۔

شکوہ آصفی واسپ بادو منطق طیر	بباد رفت وازان خواجہ ہیچ طرف نہ بست

طرف بستن فائدہ حاصل کردن۔ آصف نام وزیر سلیمان علیہ السلام اما اینجا مراد سلیمان علیہ السلام مجاز اور مراد بخواجہ نیز سلیمان علیہ السلام۔ یعنی ان کے پاس حشمت کا کس قدر سامان تھا مگر بالذات وہ ان کے لئے نافع نہ ہوا اور بالغیر بعجہ تلبس ذکر وطاعت وآلہ سعی وعمل ودعوت الی اللہ تعالیٰ ہونے کے نافع ہونا حقیقت میں ذکر وطاعت وغیرہ کا نافع ہونا ہے۔ پس گویا یہ شعر متقارب المعنی ہے شعر اول کا۔

ببال وپر مرو از رہ کہ تیر پرتابی	ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

پرتاب مقدار تیر انداختن۔ اس میں بھی نصیحت ہے کہ دنیا کے مال وجاہ واسباب عیش پر مغرور مت ہو کہ یہ چند روزہ ہے جس طرح تیر پرتابی تھوڑی دیر ہوا میں رہتا ہے پھر آخر خاک میں مل جاؤ گے جس طرح وہ تیر خاک میں گر پڑتا ہے۔

زبان کلک تو حافظ چہ شکر آن گوید	کہ تحفۂ سخنت میبرند دست بدست

اپنی ذات کو خطاب کرتے ہیں کہ اے حافظ تیرا قلم محبوب کی اس نعمت قبول کا کیا شکر ادا کر سکتا ہے کہ اس کلک کے تراویدہ مضامین کو لوگ ہاتھوں ہاتھ لے جاتے ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ عبد کو چاہئے کہ کسی کمال کو اپنی طرف حقیقۃً منسوب نہ سمجھے بلکہ سب کو اس کی عطا جانے۔ وما بکم من نعمة فمن الله۔

غزل

زلف آشفتہ وخوی کردہ وخندان لب مست	پیرہن چاک وغزل خوان وصراحی در دست
نرگسش عربدہ جوی ولبش افسوس کنان	نیم شب مست ببالین من آمد بنشست
سر فرا گوش من آورد بآواز حزین	گفت کای عاشق شوریدہ من خوابت ہست
عاشقی راکہ چنین بادۂ شب گیر دہند	کافر عشق بود گر نہ بود بادہ پرست

خوی کردہ عرقناک۔ پیرہن چاک بیباک۔ افسوس کنان تمسخر کنان مراد خندان۔ یہ سب اشعار قطع بند ہیں اور مراد ان حالتوں سے سامان ولوازم وضع محبوبی ہے اسی طرح آواز حزین سے مراد آواز نرم کہ معشوقوں کی آواز ہے۔ پس حاصل یہ ہوا کہ نصف شب کے وقت محبوب حقیقی کی طرف سے قلب پر یہ وارد آیا کہ ایسے وقت تو سوتا ہے یہ وقت بادۂ شبگیر یعنی ذکر و مشغولی کا ہے جو شخص اس وقت بھی اس کو اختیار نہ کرے وہ راہ محبت کا حق ضائع کرنے والا ہے۔ پس اس میں تعلیم ہے ترک غفلات اور اشتغال مع اللہ کی اس وقت مبارک میں۔

برو ای زاہد و بر دردکشان خردہ مگیر	کہ ندادند جز این تحفہ بما روز الست

اکثر زاہدان خشک بعض امور پر جو غلبہ عشق میں اہل حال سے صادر ہو جاتے ہیں طعن و اعتراض کرتے ہیں اس کا جواب دے رہے ہیں اور اس میں ارشاد ہے ترک اعتراض کا اہل حال پر۔

آنچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدم	اگر از خمر بہشت است وار از بادہ مست

یہ شعر بھی گویا متمم ہے شعر بالا کا اور پیمانہ سے اشارہ مرتبہ استعداد کی طرف ہے اور چونکہ خمر بہشت میں نشہ نہ ہوگا کما قال تعالے لاینزفون اس لئے یہ اشارہ ہے ضبط و اخفا کی طرف جو اہل تمکین کو میسر ہوتا ہے اور بادہ مست سے اشارہ ہے اظہار و جوشش و شورش کی طرف جو کہ لازمہ تلوین ہے یعنی جس مرتبہ میں جیسی استعداد ہے وہی حال پیش آئے گا ہمارا اس میں کیا اختیار ہے پھر اعتراض کیا۔

خندۂ جام می و زلف گرہ گیر نگار	ای بسا توبہ کہ چون توبہ حافظ بشکست

مذکورات مصرعہ اولی سے مراد سامان مستی ہے اس کا مطلب بھی مثل شعر بالا کے ہے یعنی میں عزم بھی اخفا کا کرتا ہوں مگر جب اسباب مستی مجتمع اور غالب ہوتے ہیں وہ عزم کالعدم ہو جاتا ہے۔

غزل

خدا چو صورت ابروی دل کشای تو بست	کشاد کار من اندر کرشمہ ہای تو بست

اسکا خطاب مرشد کو ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب تمہاری ذات کو بنایا (اطلاقا للازم علی الملزوم لان تصویر الحاجبین لازم عادی لجعل الذات) تو میرا کشود کار باطنی تمہارے فیض کیساتھ وابستہ کیا کیونکہ پہلے سے مقدر تھا کہ فلاں فلاں شخصوں کو ان سے نفع ہوگا۔

ہزار سرو چمن را بخاک راہ نشاندا	زمانہ تا قصب نرگسی قبای تو بست

قصب جامہ باشد کہ از کتان و ابریشم بافند کذا فی الغیاث۔ و فاعل نشاند زمانہ۔ یعنی جب سے زمانہ نے تمہارے بدن پر لباس مشیخت آراستہ کیا ہے ہزاروں سرکشوں کو خاکسار بنا دیا یعنی آپ سے ایسے ایسے لوگوں کی اصلاح ہوئی جن کی اصلاح کی امید ہی نہ تھی اور ایک نسخہ میں ہزار سرو کی جگہ مراد سرو ہے یعنی مجھ کو بھی اور دوسرے سرکشوں کو بھی الخ۔ اور ایک نسخہ میں نرگسی کی جگہ نرگسین ہے اس کے معنی ایک شارح نے اس طرح لکھے ہیں تو سے از قبا کہ گلہاے نرگس برو منقش بود۔

مرا و مرغ چمن را ز دل ببرد آرام	سحر گہ آن کہ دل ہر دو در نوای تو بست

فاعل ببرد آن کہ مراد عشق۔ نوا آواز مراد رطب اللسانی و عذب البیانی۔ و نوا نیز بمعنی گرفتاری و قید آمدہ کذا فی الغیاث۔ یعنی سحر گاہ کے وقت تمہارے جس محبت نے تمہاری گویائی یا تمہاری قید میں میرا اور مرغ چمن یعنی دیگر طالبین کا دل پھنسا دیا اس نے ہم کو بے چین کر دیا۔ مقصود بیان کرنا بیقراری کا ہے تا کہ مرشد کو توجہ ہو۔ اور سحر گاہ کی تخصیص اس لئے کہ وہ وقت پھولوں کی شگفتگی کا اور باد صبا کے چلنے کا ہوتا ہے جو کہ پھولوں کی خوشبو کو منتشر کرتی ہے اس وقت مرغ چمن کی بے چینی اور ولولہ کی زیادتی ہوتی ہے پس یہ کنایہ ہوا وقت ظہور کمالات شیخ سے یعنی جب سے آپ کے کمالات کا ظہور ہوا ہے طالبین کا یہ حال ہے۔

نکارِ ما دلِ غنچہ بس گرہ بکشود	نسیم صبح چو دل در پئے ہوای تو بست

ہوا محبت۔ مطلب لفظی تو یہ ہے کہ نسیم صبح نے جو اپنا دل تیری محبت میں لگایا تو اس میں یہ اثر ہو گیا کہ ہماری اور دل غنچہ کی گرہیں کھول دیں یعنی ہم کو شگفتگی ہوئی اور غنچہ بھی کھل گیا۔ اور معنی مقصود یہ ہو سکتے ہیں کہ آپ کے مخصوصین اور فیض یافتوں سے جو آپ کے کمالات و فیوض کی خبر سنی تو مجھ کو اور دوسرے طالبین کو انشراح ہوا اور تردد جو طلب مرشد میں تھا رفع ہو گیا۔

مرا بہ بند تو دوران چرخ راضی کرد	ولی چہ سود کہ سر رشتہ در رضای تو بست

براہ تواضع اپنی کم ہمتی کا بیان کرتے ہیں گو تو میری یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ کی گرفتاری محبت وعقیدت پر میں راضی ہو گیا اور آپ کو مرشد تجویز کر لیا مگر مجھ کو اس سے پورا نفع اس لئے نہ ہوا کہ اصل مدار نفع تام کا آپ کی رضا پر ہے اور میں اپنی کم ہمتی سے اس کی تحصیل و تکمیل نہیں کر سکا کیونکہ مرشد کی رضا جب ہوتی ہے کہ جب پوری طور سے مرضیات الٰہیہ کو اختیار اور نامرضیات سے اجتناب کرے اور افسوس مجھ کو اس کی توفیق نہیں ہوئی اور بست کا فاعل دوران چرخ ہے باسناد مجازی۔

چو نافہ بر دل مسکین من گرہ مفگن	کہ عہد با سر زلف گرہ کشای تو بست

خلاصہ مطلب تو یہ ہے کہ میرے دل کو منقبض اور افسردہ مت کر کیونکہ وہ تجھ پر عاشق ہے اور اپنے عاشق سے ایسا معاملہ نہ کرنا چاہئے۔ اب اس کے ساتھ لطافت شاعری کی غرض سے دل کے انقباض کو گرہ افگندن سے اور اس کے مقابلہ کے لئے زلف کو گرہ کشائی سے تعبیر کیا اور نافہ کو خود بھی زلف سے مناسبت ہے پھر بستن کا لانا خود لطف کو بڑھاتا ہے کشادن کے مقابلہ میں۔ اور نافہ سے تشبیہ گرہ افگندن میں شاید اس لئے ہو کہ نافہ خشک ہو کر سخت جاتا ہے جیسے کوئی چیز بند ہو گئی ہو یا اس لئے ہو کہ اس میں خون متجمد و منعقد ہو جاتا ہے۔ اور زلف کو گرہ کشا اس لئے کہا کہ اس کو دیکھ کر عاشق کو انبساط ہوتا ہے۔ اور مرشد کو یہ خطاب اس تقریر سے ہو سکتا ہے کہ آپ اس خادم جان نثار سے بے توجہی نہ کیجئے۔

تو خود حیات دگر بودی ای زمان وصال	خطا نگر کہ دل امید در وفای تو بست

ترغیب دیتے ہیں کہ میں تو تجھ کو دیار محبوب کی طرف متوجہ کرتا ہوں دیکھ تو کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہوں اس کے قبول کرنے میں تجھ کو دراپس وپیش نہ چاہئے۔ اور صبا سے تجیہ اس اعتبار سے دی کہ صبا مبلغ ہوتی ہے روائح کی اسی طرح روح عالم قدس کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے مورد ہوتی ہے واردات ونفحات غیبیہ کی اور اسی بنا پر ہدہد کہا۔ اور اضافت ہدہد کی صبا کی طرف ایسی ہے جیسے لُجین الماء میں۔

حیف ست طائری تو درخاکدان دہر	زینجا بآشیان وفا می فرستمت

یعنی تو طائر عالم قدس ہو کر اس خاکدان میں پھنس رہا ہے حیف کی بات ہے میں اس عالم پر جفا سے تجھ کو آشیان وفا کی طرف کہ عالم علوی ہے متوجہ کرتا ہوں وہذا کما قال الجامیؒ۔

توئی آن دست پرور مرغ گستاخ	کہ بودت آشیان بیرون ازین کاخ
چوازان آشیان بیگانہ گشتی	چو دونان چغد این ویرانہ گشتی

قالؒ

درراہ عشق مرحلۂ قرب وبعد نیست	می بینمت عیان ودعا می فرستمت

می فرستمت یعنی میفرستم نزد تو۔ یہ خطاب ہے محبوب حقیقی کو یعنی آپ کی راہ محبت میں قرب وبعد متعارف نہیں کیونکہ وہ خواص اجسام سے ہے اور آپ اس سے منزہ ہیں میں باوجود آپ کے باطن ہونے کے چونکہ آپ ظاہر بھی ہیں اس لئے عیاناً آپ کو دیکھتا ہوں پس ایک بعد معنوی کہ خفاء ہے ذات کا دوسرے قرب معنوی سے کہ بواسطۂ افعال و مصنوعات کے ظہور ہے صفات کا حاجب اور مانع نہیں اس تجلی افعالی کو عیان دیدن سے تعبیر کردیا فلم یبق فیہ اشکال۔ اور اس معائنہ کی حالت میں آپ کے حضور میں دعا میں یعنی اپنی حاجت کے لئے التجا میں پیش کررہا ہوں کیونکہ حق دعا اس قطرۂ استحضار ہی سے میسر ہوتا ہے۔ اور یا دعاء سے مراد مطلق نداء اور یاد اور یا اس سے مراد مطلق ثنا و انقیاد کما قیل فی تفسیر الدعاء فی السجود الوارد فی الحدیث ع ان الثناء علی الکریم دعاءٌ۔ بہرحال یہ اشکال مندفع ہوگیا جو ظاہر میں متوہم ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی و دعا کی کیا

حاجت ہے اور منشاء اس اشکال کا صرف یہ ہوا کہ دعا کو بالمعنی المتعارف لیا اور اس میں بلا دلیل قید لگائی للمحبوب کی خوب سمجھ لیا جائے۔

ہر صبح و شام قافلۂ از دعای خیر	در صحبت شمال و صبای فرستمت

شمال بادیکہ از شمال درآید و آں بر قول اطبا بادیست موافق مزاج آدمی۔ وصبا بادیکہ از مشرق وزد و آں مشہور ست۔ اگر اس کو مجاز پر محمول نہ کیا جائے تو احقر کے مذاق میں اقرب یہ ہے کہ شمال وصبا سے مراد ملائکہ ہوں جو حسب حدیث صبح وشام علی سبیل التعاقب آتے جاتے ہیں اور وہ اعمال لے جا کر پیش کرتے ہیں اور دعا میں وہی توجیہات ہوں جو اس سے اوپر کے شعر میں گزرے ہیں اور مقصود اس حکایت سے دوسروں کو ترغیب دینا ہو کثرت طاعت وذکر کی۔

در روی خود تفرج صنع خدای کن	کائینۂ خدای نمای فرستمت

اس میں خطاب ہے طالب حق کو کہ مصنوعات میں عموماً اور اپنی ذات میں خصوصاً غور وفکر تفکر کرو کہ صانع کی معرفت ہو میں تجھ کو اس آئینہ نما خدا کا پتا بتلاتا ہوں اس پتہ بتلانے کو فرستم سے تعبیر کر دیا قال اللہ تعالیٰ سنریھم اٰیتنا فی الاٰفاق و فی انفسھم اور ذات انسانی کی خصوصیت ہی کی وجہ سے اکابر طریقت نے فرمایا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور اس قول کو مسئلہ وحدۃ الوجود سے کوئی مس نہیں جیسا اکثروں کا مزعوم وموہوم ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس کے اندر جو تقلبات وتکوینات وتصرفات الٰہیہ عجیب وغریب نظر غائر سے مشاہدہ کئے جائیں جو کہ اور مصنوعات کی تصرفات متعلقہ سے ممتاز ہیں تو زیادہ معرفت صانع کی ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس اس میں تعلیم ہے طریق ترقی معرفت کی۔

تا لشکر غمت نکند ملک دل خراب	جان عزیز خود بہ بلد امی فرستمت

قاعدہ ہے کہ بعضی مشقت ومصیبت سے بچنے کے لئے آدمی کچھ فدیہ ومعاوضہ خرچ کیا کرتا ہے پس اسی بنا پر محبوب حقیقی سے خطاب کرتے ہیں کہ میں نے اپنی جان عزیز فدیہ میں اس لئے پیش کر دی ہے تاکہ پھر آپ کا لشکر غم میرے ملک دل پر تاخت وتاراج کر کے ویران

نہ کرے۔ اور اشکرِ غم سے مراد بعد و حظ ہے۔ اس میں تنبیہ و تعلیم اس امر کی ہے کہ نفس پروری و خود داری اصل ہے معاصی کی جس پر بعد و حظ مرتب ہوتا ہے اور تفویض و تسلیم سے قرب و رضا حاصل ہوتا ہے قال اللہ تعالی ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم الخ۔ پس اپنی جان کو جان نہ سمجھے اور اس کے مشتہیات غیر مشروعہ سے بچے پھر نہ دنیا میں اس کو ضیق و ضنک پیش آتا ہے اور نہ آخرت میں وہ عذاب ہجران میں مبتلا ہوتا ہے قال اللہ تعالی من عمل صالحا من ذکرا وانثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم الخ. وقال تعالی ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی.

ہر دم غمی فرست مراد بگو بناز	کاین تحفہ از برای خدا می فرستمت

اس میں اظہار ہے رضا بالقضا کا یعنی جو امر ناگوار نفس کو غم سے یہی مراد ہے مجھ کو پیش آئے اے محبوب میں اس پر راضی ہوں اور جب آپ کی رضا اس میں پاؤں تو اس میں طلب مزید کرتا ہوں آپ اور بھیجئے۔ اور اس میں تعلیم ہے طالب کو کہ سلوک کے تشویشات و صعوبات مثل قبض وغیرہ سے دلگیر اور تنگ نہ ہونا چاہئے بلکہ چونکہ اس میں مصلحتیں ہوتی ہیں اسکو تحفہ سمجھنا چاہئے۔

ای غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل	میگویمت دعا وثنای فرستمت

غائب از نظر ہونا محبوب حقیقی کا ظاہر ہے قال الرومیؒ۔ عشق من پیدا و معشوقم نہان۔ اور ہمنشین دل گویا اس حدیث کا ترجمہ ہے انا جلیس من ذکرنی اور دعا کی وہی توجیہ ہے جو غزل کے شعر ثالث کی شرح میں گزری اب معنی شعر کے بالکل ظاہر غیر محتاج الی البیان ہیں۔

تا مطربان زشوق منت آگہی دہند	قول و غزل بساز ونوا می فرستمت

مصرعۂ اولے علت ہے اور مصرعۂ ثانیہ معلول پس ترتیب کلام میں اول موخر ہے اور ثانی مقدم۔ نوا سرود۔ یعنی اشعار خود موافق ساز ونوا مراد این کلمات دلکش وجانان خوش کہ در رشتۂ نظم می آید میفرستمت تا مطربان پیش تو سرایند و شوق من برتو اظہار کنند۔ احقر کے مذاق میں اس کی سہل توجیہ یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے اشتیاق اور مدح میں جو کلام منظوم کیا جائے ظاہر ہے کہ وہ منظوم ہی کے لباس میں وہاں پیش ہوگا کیونکہ اقوال بعینہا پیش ہوتے ہیں۔

لئے اور اسپ قطع مسافت کے لئے بھیج دیتے ہیں حاصل یہ کہ محبوب نے فرمایا کہ چونکہ تو ہمارے ذکر و طاعت میں رہتا ہے ہماری مجلس میں بھی تیرا ذکر رہتا ہے اب ہم جلد تجھ کو مرتبہ قرب و وصال تک پہنچانے والے ہیں اور یہی ہے بلانا تو بھی جلدی جلدی اس مرتبہ کی استعداد حاصل کر لے یعنی خوب ذکر و طاعت کر کہ استعداد میں قوت ہو جائے اور اس مرتبہ کی فعلیت میسر ہو۔ اس میں ترغیب کے لئے اشارہ اس طرف ہے کہ طاعت و مجاہدہ پر یہ ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

غزل

(در خطاب مرشد کہ وہم ہے تو جبی او مسترشد را دست داد)

ای غائب از نظر بخدای سپارمت	جانم بسوختی و بدل دوست دارمت
تا دامن کفن نکشم زیر پای خاک	باور مکن کہ دست ز دامن بدارمت
گر بایدم شدن سوی ہاروت بابلی	صد گونہ ساحری بکنم تا بیارمت
محراب ابروان بنما تا سحر گہی	دست دعا بر آرم و در گردن آرمت
خواہم کہ پیش میرمت ای بیوفا طبیب	بیمار باز پرس کہ در انتظارمت
صد جوی آب بستہ ام از دیدہ بر کنار	بر بوی تخم مہر کہ در دل بکارمت
میگریم و مرادم ازین چشم اشکبار	تخم محبت است کہ در دل بکارمت
خونم بریز و از غم ہجرم خلاص کن	منت پذیر غمزۂ خنجر گزارمت
گر دیدہ و دلم کند آہنگ دیگرے	آتش زنم در آن دل و دیدہ بر آرمت
بارم دہ از کرم بر خود تا بسوز دل	دریات دمبدم گہر از دیدہ بارمت
حافظ شراب و شاہد و رندی نہ وضع تست	فی الجملہ می کنی و فرو می گزارمت

اگر اس غزل کا مضمون شاعرانہ ہو تو مخاطب محبوب مجازی ہوگا اور کوئی شعر محتاج توجیہ نہ ہوگا اور اگر مضمون محققانہ ہو تو مرشد کو مخاطب قرار دینا سہل ہے۔ مسترشد کو مرشد کی بچھے سے

تو جہی کا شبہ ہو گیا ہے گو وہ شبہ غلط ہی ہو کیونکہ بعض اوقات جس توجہ کو وہ مطلوب سمجھتا ہے وہ ضروری نہیں ہوتی اور مسترشد اول طلب میں تنگ ہو کر مرشد کی نسبت شکایت آمیز الفاظ کہنے لگتا ہے اس تقدیر پر تاریخی شبہ اس قدر وارد ہوتا ہے کہ حافظؒ کے کوئی مرشد بطریق متعارف نہ تھے صرف مشہور ہے کہ حضرت نجم الدین کبریؒ کے نظر کردہ تھے پھر اس احتمال کی گنجائش کہاں ہے اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اوروں کا حال بیان کر رہے ہیں جو احیاناً پیش آتا ہے اور یہ ذرا بعید ہے کیونکہ اہل حال کو دوسرے کے حال بیان کرنے کی فرصت کہاں وہ اپنے ہی واردات اکثر بیان کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ جن کے نظر کردہ تھے ان ہی کی توجہ باطنی دور سے کبھی کم کبھی زیادہ ہوتی ہو مثل اشراقیین کے اور شاید غائب از نظر اس طرف اشارہ ہو واللہ اعلم۔ پس فرماتے ہیں کہ گو آپ میری نظر سے غائب اور دور ہیں خواہ ظاہراً بھی خواہ باطناً کہ کنایہ ہے بے توجہی سے میں آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور گو آپ نے میری جان کو فراق یا بے توجہی سے سوختہ کر دیا مگر میں آپ کو دل سے چاہتا ہوں اور محبت بھی اس درجہ کی ہے کہ مرتے دم تک اس محبت کو نہ چھوڑوں گا اور آپ کے متوجہ اور راضی کرنے کی جہاں تک بن سکے گا ہر طرح کی تدبیریں کروں گا حتیٰ کہ اگر فرضاً ہاروت کے پاس بابل میں جا کر سحر سیکھنا پڑے میں یہ بھی کروں گا (مقصود مبالغہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اگر مرشد کی طرف سے کچھ بے اعتنائی وبے توجہی پیش آئے مسترشد کو چاہئے کہ اس کی محبت واطاعت میں کمی نہ کرے) آگے توجہ کی درخواست ہے کہ ابرو جو مشابہ محراب کے ہے وہ دکھلا دیجئے یعنی میری طرف التفات کیجئے تاکہ کسی سحر گاہ کو تو یہ بات میسر ہو کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر آپ کی گردن میں ڈال لوں یعنی ثمرات توجہ سے متمتع ہوں (اور اس عنوان سے تعبیر کرنا بمناسبت محراب کے ہے) اور میری تو یہ خواہش ہے کہ آپ کے سامنے مر جاؤں یعنی آپ پر فدا ہو جاؤں پس میں ایسا عاشق ہوں تو ایسے عاشق کو بیماری میں تو پوچھ لیجئے کہ میں آپ کے انتظار میں ہوں مقصود وہی ہے کہ امراض باطنی میں مبتلا ہوں ذرا توجہ کیجئے اور طبیب کہا بوجہ حذاقت فی التکمیل کے اور بیوفا بوجہ بے توجہی کے آگے اپنی بیقراری کا طلب توجہ میں بیان ہے کہ میں نے تمام اطراف ونواحی میں

(کنار طرف) سینکڑوں ندیاں اشک چشم کی قائم کر رکھی ہیں صرف اسی امید پر کہ آپ کے دل میں ترحم پیدا ہو (کنار کی مناسبت جوی سے اور اس کی رعایت سے مہر کو تخم سے تعبیر کرنا ظاہر اللطافۃ ہے) آگے اس ہجر سے نجات پانے کی ایک تدبیر تجویز کرتے ہیں کہ میرا بالکل ہی کام تمام کر دیا جائے تا کہ اس ہجر سے نجات ہو میں ایسے غمزہ قتالہ کا جو تخنجر کی طرح پار ہو جائے ممنون ہوں گا۔ یہ یا تو محض اظہار تضجر ہے یا اشارہ اس طرف ہے کہ مجھ کو مقام فنا تک پہنچا دیجئے پھر ہجر سے اس لئے نجات ہو جائے گی کہ فراق فراق ہی معلوم نہ ہوگا کیونکہ جس کو فراق و بے توجہی سمجھ رہے ہیں وہ واقع میں تو فراق ہے نہیں بلکہ عین حکمت ہے صرف اس شخص کے اقتضائے طبع کے خلاف ہے سو غلبہ فناء سے مقتضیات طبع خود مغلوب ہو جائیں گے اس لئے وہ فراق فراق نہ معلوم ہوگا آگے توحید مطلب کا بیان ہے کہ باوجود آپ کی اس بے توجہی کے مجھ کو دوسری طرف التفات نہیں حتیٰ کہ اگر قلب یا چشم کسی طرف التفات کرے تو اس قلب اور چشم کو آگ لگا دوں اور خاکستر کر کے آپ کے سامنے نکال کر رکھوں۔ آگے درخواست ہے کہ مجھ کو اتنا بار تو دیجئے کہ آپ کے سامنے اپنے سوز و گریہ کو دل کھول کر ظاہر کر لوں کہ یہ موجب ترحم ہونے کے علاوہ کسی قدر سرمایہ تسلی بھی ہے۔ اور مقطع کا شعر ممکن ہے کہ ساری غزل کے جواب میں بلسان مرشد ہو جس میں بے توجہی و عتاب کی علت اور پھر معذرت پر عفو کی بشارت بھی ہے اول کا بیان مصرعہ اول میں اور ثانی کا بیان مصرعہ ثانی میں ہے۔ یعنی اے حافظ تم بعض امور مثل اظہار سکر و شطح خلاف وضع درویشی کے کرتے ہو اس لئے معتوب کئے جاتے ہو کہ اصلاح ہو جائے۔ آگے کہتے ہیں کہ خیر چونکہ گاہ گاہ ایسا ہو جاتا ہے اس لئے چھوڑ دیتا ہوں اور معاف کئے دیتا ہوں فی الجملہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حتی الامکان ضبط کرنا ضروری ہے اور مغلوبیت میں معذوری ہے۔ اور ممکن ہے کہ حافظ وجہ نفس لوامہ میں یہ خطاب اپنے ہی کو کرتے ہوں اور فرومیگذارمت کا مطلب یہ ہوگا کہ ارتکاب معاصی میں جو سزا سالک اپنے نفس کو دیتا ہے وہ نہیں دیتا ہوں بوجہ عذر کے۔ اس میں اشارہ اس تعلیم کی طرف ہو جائے گا کہ اگر عذر قوی نہ ہو تو شطحیات پر سالک کو چاہئے کہ نفس پر عقوبت کرے۔

بجان خواجہ وحق قدیم وعہد درست	کہ مونس دم صبحم دعائی دولت تست

یہاں خواجہ سے مراد خود مخاطب ہی ہے جیسے محاورات میں کہا جاتا ہے کہ سرکار کے سر کی قسم اب اس کی توجیہ کی حاجت نہ رہی کہ غیر اللہ کی قسم کیوں کھائی۔ اور جان سے مراد صفت حیوۃ ہے پس بجان خواجہ ترجمہ ہوا لعمر اللہ وحیوۃ اللہ کا اور حقوق الہیہ کا قدیم ہونا ظاہر ہے اور عہد درست سے مراد میثاق ربوبیۃ لینا بہتر ہے جو الست بربکم الآیہ میں مذکور ہے۔ یعنی میں کلام کو قسم سے مؤکد کر کے کہتا ہوں کہ صبح ہی اٹھتے آپ کی عظمت کا ذکر کرتا ہوں دعاء سے مراد ثنا ہونا پہلے مع توجیہ گزر چکا ہے۔

سرشک من کہ زطوفان نوح دست ببرد	زلوح سینہ نیارست نقش مہر تو شست

قاعدہ ہے کہ پانی سے نقش خام دھل جاتا ہے اسی طرح آنسوؤں سے دل کا غبار نکل کر کیفیت قلبیہ ضعیف ہو جاتی ہے خصوص جب کثرت سے ہوں مگر کہتے ہیں کہ محبوب کا نقش محبت اس درجہ راسخ ہے کہ باوجود ان مقتضیات ضعف کے اس میں ضعف نہیں ہوا اور زطوفان نوح دست ببرد یہ مبالغہ شاعرانہ ہے اور حقیقت پر بھی اس اعتبار سے محمول کر سکتے ہیں کہ طوفان نوح تو موقوف ہو گیا تھا اور گریہ محبت جب تک جان میں جان ہے ختم ہی نہیں ہوتا پس خاص لاتنقف عندحد ہونے کی حیثیت سے یہ اس سے فائق ہے۔

بکن معاملہ وایں دل شکستہ بخر	کہ با شکستگی ارزد بصد ہزار درست

درست صد شکستہ واشرفی ہر دو معنی صحیح می تواند شد۔ مطلب یہ کہ گو یہ دل شکستہ ہے مگر باوجود شکستگی کے بڑا قیمتی ہے کہ لاکھوں درست چیزوں کے یا لاکھوں اشرفیوں کی برابر ہے اس واسطے اس دل شکستہ کو خرید لو چونکہ حدیث میں انا عند المنکسرۃ قلوبھم اس لئے اگر خطاب محبوب حقیقی کو ہو تو بطور دعا کے کہتے ہیں کہ میرا قلب ایسا ہی ہے جو آپ کی پسند کے لائق ہے اس لئے آپ حسب وعدہ اس کو لے لیجئے کقول اللہ تعالیٰ ان اللہ اشتری الخ اور وعدہ کی بنا پر دعا کرنا قرآن میں بھی وارد ہے ربنا واتنا ماوعدتنا الخ اور اس میں اپنی مدح وقابلیت مقبولیت کا دعویٰ لازم نہیں آتا بلکہ اظہار ہے امتثال وانقیاد کا کہ آپ

کے امر کے موافق شکستہ کرلیا ہے اب آپ قبول فرمایئے۔

کقولہ تعالیٰ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا الآیۃ

شدم ز عشق تو شیدائی کوہ و دشت و ہنوز	نمی کنی بترحم نطاق سلسلہ سست

نطاق کمربند و گھنڈی کندائی الیدر۔ مطلب ظاہر ہے کہ اب تک باوجودیکہ میں نے بہت سی مصیبتیں عشق کی اٹھائیں مگر تو نے رحم نہ کیا اور زنجیر کا بند ڈھیلا نہ کیا۔ اگر محبوب حقیقی مخاطب ہو تو مقصود شکایت نہ ہوگی بلکہ محض تعبیر اپنے عجز کی وجہ سے اور ترحم سے مراد مطلق ترحم نہ ہوگا بلکہ ترحم خاص ہوگا جو صاحب قبض کو حالت قبض میں مطلوب ہوتا ہے جس کا حاصل بسط ہے گو عند اللہ اس کی مصلحت کے اعتبار سے حالت موجودہ میں ترحم ہو وھذہ الارادۃ للترحم الخاص کارادتہ فی قولہ تعالیٰ. ولو لافضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الاقلیلا فافہم.

ملامتم بخرابی مکن کہ مرشد عشق	حوالتم بخرابات کرد روز نخست

مرشد بمعنی ہادی مراد اللہ تعالیٰ۔ یعنی یوم التقادیر میں یا اعیان ثابتہ میں میری استعداد کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے میری تربیت کے لئے کیفیت عشقیہ تجویز فرمائی ہے جس کے لئے خرابی بمعنی وارفتگی و شورش لازم ہے پس اے وہ شخص جو یہ مذاق نہیں رکھتا تو اس پر مجھ کو ملامت مت کر۔

ولا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست	چو لاف عشق زدی سرباز چابک و چست

یعنی جب طریق عشق میں قدم رکھا ہے تو سربازی و جان نثاری سے اندیشہ مت کرو اور اس کے صلہ میں لطف غیر متناہی کے امیدوار ہو کہ فنا کے بعد بقاء موعود لازم ہے۔

زبان مور بر آصف دراز گشت ازاں	کہ خواجہ خاتم جم یاوہ کرد و باز نجست

بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور نہ ہونا ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ توجیہ اس کی محتاج تکلف بعید ہے کیونکہ ظاہر عنوان اس کا موہم ہے کہ کسی قصہ کی طرف اشارہ ہو جس میں آصف نے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری گم کردی ہو مگر کوئی قصہ اس کا منقول نہیں البتہ اس اشارہ سے قطع نظر کرکے اگر مور سے مراد مطلق شخص ضعیف لیا جائے اور آصف سے مراد

خلیفۃ اللہ انسان ۔ ورحیم سے مراد مستخلف یعنی حق تعالیٰ اور انگشتری سے مراد قلب جو ودیعت
ہے حق تعالیٰ کی انسان کے پاس اور محل ہے تجلی اسماء الٰہیہ کا کہ بڑا اسم ان میں اعظم ہے۔ اور یا
دیو و دد سے مراد اضافہ حق لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ بعضے مخلوق جو کہ باعتبار نوع کے
رتبہ میں انسان سے مفضول ہیں جیسے ملائکہ یا آسمان و زمین جو کہ امانت سے انتہائی کوری
دیں گے اور بعضے ملامت بھی کریں گے سو ان مفضولوں کی ملامت وغیرہ اس افضل
المخلوقات پر محض اس لئے ہے کہ اس نے قلب کی استعداد ضائع کر دی ورنہ اس سے کام لیتا
ورنہ مفضولوں کی کیا مجال تھی کہ افضل پر ملامت کرتے انسان کی اور نوع کی قید اس لئے لگائی کہ باعتبار
تخصیص کے تو اکثر ملائکہ اکثر انسانوں سے افضل ہیں۔

کہ از دروغ سیہ روی گشت صبح نخست	بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست

اس شعر میں تمثیل کے طور پر استدلال ہے اس پر کہ صدق کا خاصہ ہے نور کا پیدا ہونا
مثال اس کی صبح صادق دیکھ لو اور کذب کا خاصہ ہے ظلمت کا پیدا ہونا مثال اس کی صبح اول ہے جس کی صبح
کاذب ہے۔ اور مراد صدق سے صدق معاملہ مع اللہ ہے اور کذب سے مراد سوء معاملہ مع اللہ۔

گناہ باغ چہ باشد چو ایں گیاہ نرست	مرنج حافظ و از دلبراں وفا مجوی

دلبران سے مراد دلبران مجازی اس میں قطع تعلق ما سوی اللہ کے لئے ارشاد ہے خواہ
تعلق حب کا ہو یا تعلق رنج کا اور دوسرا مصرعہ مرنج کی دلیل ہے۔ مصرعہ اول کا خلاصہ تعلیم ہے
رضا و زہد کی اور مصرعہ ثانیہ تعلیم ہے ایک مسئلہ حقیقت کی۔ حاصل یہ ہوا کہ ما سوی اللہ سے کوئی
تعلق نہ رکھو نہ تو وفا کی توقع و طمع کرو اور نہ اس توقع کے خلاف ہونے سے رنج کرو غرض ادھر
التفات ہی نہ کرو اور یہ سمجھو کہ ان کی استعداد مقدرہ کا یہی مقتضا ہے سو استعداد پر نظر کر کے ان
کے گنہگار ہونے پر بھی نظر مت کرو اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی باغ میں گھاس نہ جمے تو باغ
کی کیا خطا اس سرزمین کی استعداد ہی ایسی ہوگی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ترک وفائی واجب
میں جو کہ فعل مکتسب ہے گناہ نہیں ہوتا بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس مرتبہ میں ان کو گناہ ہوتا ہے تم
اس پر خیال ہی نہ کرو کیونکہ سالک مغلوب المحبۃ و مشغول الذکر کو اس پر خیال کرنا اپنے کام

سے معطل ہو جاتا ہے اور وہ مرتبہ جس میں گناہ کا حکم کیا جاتا ہے مرتبہ شریعت کا ہے سو دوسرے کی مذمت یا اصلاح کے لئے اس پر نظر کرنا کام اہل فتویٰ و مشائخ کا ہے نہ کہ ذاکرین تارکین کا بلکہ اس شخص کو چاہئے کہ نظر حقیقت پر کر کے اس فعل کو مقدر سمجھ کر اس سے بے التفات ہو جائے جیسا فرمایا گیا ہے۔ از خداوان خلاف دشمن و دوست۔ اور کہا گیا ہے

۔ چون بہ بے رنگی رسی کان داشتی	موسیٰ و فرعون و دارز آشتی

اور بعضے نسخوں میں مصرع ثانی اس طرح ہے۔ گیاہ باغ چہ باشد الخ اس میں اقناط کلی ہے یعنی جب دلبران مجازی میں عہد کر کے بھی وفا نہیں جو کہ امر واجب تھا تو ان سے ابتداء لطف و کرم کی کیا توقع ہے جو کہ محض مندوب ہے کیونکہ تارک واجب سے فعل مندوب کی جو کہ اس سے بھی اشق ہو کیا امید ہے اور اس کی مثال میں فرماتے ہیں کہ جب اس سرزمین کی ایسی استعداد خراب ہے کہ اس میں معمولی گیاہ بھی نہیں جمتی تو گیاہ باغ جمنے کی تو کیا توقع ہے کہ اس کے لئے تو زیادہ لطافت کی ضرورت ہے۔ گیاہ باغ سے مراد پھول پھلواری اور ترکاری جو عمدہ زمین میں لگائی جاتی ہے کیونکہ معمولی گھاس تو ویسے بھی جم آتی ہے جب زمین ایسی شور ہو کہ اس کے قابل بھی نہ ہو تو گل و لالہ کے قابل تو کب ہوگی۔

غزل

خلوت گزیدہ را بہ تماشا چہ حاجت است	چون کوی دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے ارشاد ہے تارکان تعلق کو کہ التفات الی الکثرۃ نہ چاہئے اور اس بے التفاتی کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ بستی چھوڑ کر جنگل میں جا کر رہے بلکہ محض توجہ الی الحق بالشرکت کافی ہے گو ظاہرا جماعت میں ہو جس کو خلوت در انجمن کہتے ہیں تعجب۔ البتہ اگر کسی کو بدون اختلاط ترک کئے ہوئے تشتت رفع نہ ہو تو اس کے لئے اس کے اہتمام کی بھی ضرورت ہے۔

جانا بحاجتے کہ ترا ہست با خدای	آخر دمے بپرس کہ مارا چہ حاجت ست

ترجمہ ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ مخاطب اس کا مرشد ہو یعنی گو آپ صاحب کمال ہیں مگر

حق تعالیٰ سے تو آپ کو بھی ہر وقت احتیاج ہے اس پر نظر کر کے میری احتیاج کا بھی لحاظ اور اس کا تدارک ضروری ہے۔ یہ خطاب ایسے وقت ہو سکتا ہے جب مسترشد کو مرشد کے استغناء کا وہم غالب ہو جائے اور اسی غلبہ کی بنا پر بے باکی کا عنوان بھی موافق ہے۔

ای پادشاہ حسن خدارا بسوختیم	باری سوال کن کہ گدارا چہ حاجت ست

اسہل و اقرب یہ ہے کہ یہ بھی خطاب مرشد کو ہو اور حسن سے مراد حسن باطنی ہو۔ یعنی ہم آپ کے استغناء سے سوختہ ہو گئے اب تو تدارک احتیاج ضروری ہے۔

ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست	در حضرت کریم تمنا چہ حاجت ست

اس میں اشارہ ہے اس حال کی طرف جس کے غلبہ میں دعا متروک ہو جاتی ہے اور حاصل اس کا دو امر کا غلبہ ہے۔ ایک حق تعالیٰ کی صفت علم کے انکشاف و استحضار کا کہ اس کے اقتضاء سے اظہار حاجت بے سود نظر آتا ہے۔ دوسرے اپنی ناکارگی و نا اہلی کے مشاہدہ کا کہ اس کے اقتضاء سے زبان کھولتے ہوئے شرم آتی ہے کما قیل ۔ احب مناجاۃ الحبیب باوجہ + ولکن لسان المذنبین کلیل + زبان سوال نیست بمعنی زبان لائق سوال نیست اشارہ ہے امر ثانی کی طرف اور مصرعہ ثانیہ اشارہ ہے امر اول کی طرف اور یہ حال گو محمود ہے لیکن کمال مقصود یہ ہے کہ اس پر بھی دعا کرے اور راز اس کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب کمال کی نظر میں ان دونوں امروں کے ساتھ ایک تیسرا امر یہ بھی ہوتا ہے کہ باوجود اس کے حق تعالیٰ کا امر ہے دعا کے لئے اگر حکمت بھی اس کی منکشف نہ ہو تب بھی غلبہ انقیاد و اطاعت ہی دعا کے لئے محرک کافی ہے اور اگر حکمت بھی منکشف ہو جائے تو نور بصیرت بڑھ جاتی ہے اور وہ حکمت اظہار انکسار و افتقار ہے جو کہ عبدیت کا شعبہ عظیمہ ہے چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مسلک دعا ہی رہا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو جواب حسبی عن سوالی علمہ بحالی مشہور ہے یا تو وہ روایت درجہ ثبوت تک نہیں اور یا بعد فرض ثبوت یوں کہا جائے کہ اس وقت آپ کو بہ تخصیص کسی حکمت کی وجہ سے اسی کا امر جزئی ہوا ہو گا یعنی نصاً یا اس سے مستثنیٰ ہو گیا ہو ولا کلام فی خصوص فی نصاً۔

جام جہان نماست ضمیر منیر دوست	اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت ست

اس میں بھی باختلاف عنوان وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے والے شعر میں گزرا اور جام جہان نما تعبیر ہے صفت علیہ سے۔

آن شد کہ بار منت ملاح بردمی	گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت ست

شراح نے غضب کیا ہے کہ ملاح سے مراد مرشد لیا ہے اور تقریر کی ہے کہ بعد وصول الی اللہ کے مرشد کی احتیاج نہیں رہتی اور گویہ امر بہ تفصیل وشرح خاص صحیح ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ادب مرشد کی پھر بھی حاجت رہتی ہے ورنہ سب حال وکمال سلب ہو جاتا ہے اور ادب کے اقتضاء سے مسترشد باوجود استغناء کے دعویٰ استغناء کا نہیں کر سکتا کہ یہ دعویٰ سخت بے ادبی ہے پھر بے ادبی کے ساتھ خود وہ گوہر بھی فوت ہو جائے گا تو کلام بے معنی ہو جائے گا اس لئے احقر کے مذاق میں مراد دریا سے علوم استدلالیہ ہیں جن میں خوض کر کے گوہر حقیقت تک رسائی ہوتی ہے اور ملاح سے مراد اہل استدلال ہیں مطلب صاف ہے کہ جب حقیقۃ مطلوبہ ذوقاً و مشاہدۃً حاصل ہوگئی اب استدلال واہل استدلال کی کوئی حاجت نہیں رہی۔ فافہم حق الفہم۔

ای مدعی بروکہ مرا باتو کار نیست	احباب حاضرند باعدا چہ حاجت ست

اس میں تعلیم ہے اعراض عن المخاصمۃ کی اور ترک صحبت ناجنس کی اور اکتفاء علی صحبۃ الاخوان کی چنانچہ ظاہر ہے۔

محتاج جنگ نیست گرت قصد خون ماست	چون رخت ازآن تست بہ یغما چہ حاجت ست

ضمیر در نیست راجع بہ جان گرفتن کہ مفہوم ست از قول او گرت قصد خون ماست یعنی جو متاع کا مالک ہو اس کو لوٹ مار کی کیا ضرورت ہے وہ ویسے بھی تو لے سکتا ہے تو اگر میری جان لینا ہے تو جنگ اور تکلیف دینے کی کیا حاجت ہے جان لے لیجئے۔ سالک پر جو تجلی جلالی ہوتی ہے بعض اوقات اس سے تنگ ہو جاتا ہے تو ایسے کلام کا صدور طبعاً مستبعد نہیں گو یہ حقیقت کے اس لئے خلاف ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی خاص مصلحت اسی خاص تجلی میں ہو مگر غلبہ حال کی وجہ سے اس کلام میں معذور ہوگا۔

ای عاشق گدا چو لب روح بخش یار	میداندت وظیفہ تقاضا چہ حاجت ست

اس میں بیان ہے کہ کرم محبوب کا اور تسلی ہے طالب کی یا اپنے دل کی اور ت مضاف الیہ وظیفہ کا ہے یعنی تیرا روزینہ معمولہ محبوب کو معلوم ہے تقاضا کی ضرورت نہیں اور دانند کی اسناد لب کی طرف یا تو اس لئے ہے کہ وہ روزینہ خود لب میں ہے مثلاً بوسہ بمعنی لطف۔ اور یا اس لئے کہ روزینہ کے لئے حکم لب ہی سے صادر ہوا کرتا ہے۔ اور اس کا حاصل بھی وہی ہے جو دو شعر بالا کا تھا یعنی ارباب حاجتیم الخ اور جام جہان نما الخ۔

حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود عیان شود	با مدعی نزاع و محاکا چہ حاجت ست

اس میں تعلیم ہے اہل حق کو اہل باطل سے کشمکش نہ ہونے کی یعنی تم بات کو ختم کرو مراد بات سے حق بات ہے اس میں اشارہ ہو گیا کہ حق کا اظہار تو کر دیا جائے مگر اس کو ظاہر کر کے کلام کو ختم کر دیا جائے اور ہنر سے مراد اپنا کوئی کمال نہیں بلکہ امر حق مراد ہے حاصل یہ کہ امر حق خود ظاہر ہو جاتا ہے خواہ دنیا ہی میں آثار و برکات سے کما قیل الحق یعلو ولا یعلی اور یا آخرت میں مرنے کے بعد پس کسی سے نزاع و تکرار کی جبکہ وہ محض بے سود ہے کیا ضرورت ہے۔

غزل

خوشتر ز عیش و صحبت و باغ و بہار چیست	ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

قاعدہ ہے کہ جب عیش ہو اور ہم جنسوں کی صحبت ہو اور باغ میں بیٹھے ہوں اور موسم بہار ہو اس وقت اہل نشاط شراب پیا کرتے ہیں اور ساقی سے اس کی درخواست کیا کرتے ہیں پس یہ کلام بطور تمثیل کے ہے کہ جب شراب محبت کا موقع میسر ہے یعنی طالب کو فرصت بھی ہے قوت بھی ہے تو مرشد سے درخواست کرنا چاہئے کہ وہ توجہ و تعلیم طریق محبت و معرفت میں توقف نہ فرمائیں اور تقاضا کر کے اس میں مشغول ہونا چاہئے۔

بمعنی آب زندگی و روضۂ ارم	جز طرف جویبار و مے خوشگوار چیست

یہاں آب زندگی اور روضہ ارم سے مراد بہشت اور اس کی نعمتیں نہیں کہ اس مراد لینے میں نفی یا تحقیر ان کی لازم آتی ہے وہ باطل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آب حیات جو مشہور ہے

جیسا کہ بعض روایات غیر مرفوعہ سے اس کا وجود ثابت ہوتا ہے اور اسی طرح روضۂ ارم جو عوام کی زبان زد ہے کہ شداد نے بنایا تھا جس کا کسی دلیل صحیح سے وجود ثابت نہیں یہ دونوں چیزیں زیادہ رغبت کے قابل نہیں بلکہ حقیقی آب حیات اور حقیقی روضہ ارم جو قابل تحصیل ہے مجلس اہل اللہ کی جس کو طرف جویبار کہہ دیا جو موقع ہوتا ہے شراب پینے کا اور محبت الہیہ ہے جس کو مے خوشگوار سے تعبیر کر دیا۔

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار	کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

یعنی ذکر و طاعت کے لئے جو حصہ عمر کا مل جائے غنیمت سمجھو شاید انجام کار میں یہ فرصت نہ ملے کما فی الحدیث اغتنم خمسا قبل خمس۔ اور انجام سے مراد احتمال سوء خاتمہ نہیں ہے کہ اس صورت میں یہ حکم سابق کی علت نہ بن سکے گا۔

پیوند عمر بستہ بموئے ست ہوشدار	غمخوار خویش باش غم روزگار چیست

بمو بستہ بودن کنایہ از بے ثباتی۔ مطلب ظاہر ہے کہ دوسروں کی فکر میں کیوں لگے اپنی فکر کرو کہ عمر کا کچھ اعتبار نہیں کبھی یوں ہی ختم نہ ہو جائے اور دوسروں کی فکر سے جو ممانعت کی اگر مراد اس سے فکر فضول یا فکر معصیت مثل آزار رسانی وغیبت واعتراض وغیرہ ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر فکر راحت رسانی و خیر خواہی ہے تو بھی شاغل غیر صاحب تمکین کو مضر و مشوش قلب ہے البتہ جو فرد اس کی واجب ہے وہ خود شغل موجب قرب ہے اور مستثنیٰ ہے۔

راز درون پردہ ز رندان مست پرس	ای مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

راز درون پردہ راز باطنی۔ مدعی مراد ظاہر پرست یعنی جو اسرار باطنہ متعلق مشاہدہ و ذوق و وجدان کے ہیں ان کی خبر اہل حال ہی کو ہوتی ہے اہل ظاہر کا انکار کرنا اور ان سے الجھنا محض لغو حرکت ہے البتہ اگر سمجھ میں نہ آئے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب کرے ہاں اگر دلیل شرعی یا دلیل عقلی قطعی کے خلاف ہو تو اعتقاد اس دلیل کے موافق رکھے اور اہل حال کے کلام کو منصرف عن الظاہر سمجھے گو توجیہ انصراف کی بالتعیین سمجھ میں نہ آئے لیکن اگر وہ شخص خود علامات صدق سے عاری ہے تو اس پر انکار واجب ہے اور علامات ملفوظات اکابر میں مذکور ہیں۔

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند	ما دل بعشوہ کہ دہیم اختیار چیست

مستور آنکہ بروے سلوک غالب باشد و مست آنکہ بروے جذب غالب باشد۔ مطلب یہ کہ دونوں قسم کے شیوخ و عرفاء ایصال الی اللہ میں مشترک ہیں پھر علماً یا عملاً ہم کس کو ترجیح دیں کہ ایک کو افضل سمجھیں یا ایک سے فیوض لیں ہمارا کچھ اختیار نہیں جہاں حق تعالیٰ کو نفع دینا مقصود ہوگا ادھر ہی مناسبت اضطراریہ پیدا ہو جائے گی اور نفع حسب استعداد حاصل ہو جائے گا اشارہ اس طرف ہے کہ طالبین کو ان ترجیحات و تفصیلات میں مشغول نہ ہونا چاہیے جیسا اکثر بوالفضول ایسے مباحث میں رہتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے۔

سہو و خطائی بندہ چو گیرند اعتبار	معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

سہو و خطا سے مراد اگر معنی متبادر ہوں تب تو کچھ اشکال ہی نہیں تو نص موجود ہے رفع عن امتی الخطاء والنسیان اور اگر کنایہ مطلق ذنوب سے لیا جائے تو مراد نفی مطلق اعتبار کی نہیں لانہ خلاف النص بلکہ اعتبار بمعنی موثریت تامہ کی نفی ہے جیسا معتزلہ کا مذہب ہے کہ ذنوب پر تعذیب ضروری ہے اور عفو ممتنع ہے پس اس کا رد مقصود ہے اور اصل فساد ان کے مذہب میں عقل کے حاکم مستقل ماننے سے پیدا ہوا ہے پس اس شعر میں تعلیم ہوگی تصحیح عقائد کی جو کہ شرائط سلوک سے ہے اور ساتھ ہی ساتھ تقویت رجاء کی بھی ہے جو کہ اخلاق مفروضہ و مقامات مہمہ سے ہے۔

زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست	تا در میانہ خواستہ کردگار چیست

مطلب یہ نہیں کہ ان میں ایک موصل ہے ایک غیر موصل بلکہ موصل تو دونوں ہیں کیونکہ کوثر سے مراد طریق ابرار اور پیالہ سے مراد طریق عشاق ہے پس مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذاق کے موافق ایک طریق وصول کا تجویز کرتا ہے مگر یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ تربیت کس طریق سے مناسب ہوگی۔

غزل

ما هم این هفته شد از شهر و چشمم سالی ست	حال هجران تو چه دانی که چه مشکل حالیست

اگر عشق حقیقی کے متعلق اس شعر کو کہا جائے تو محمول ہوگا حالت قبض و استتار تجلیات و

انقطاع واردات پر اور شعر کنایہ ہوگا قلب سے اور روانی میں خطاب ہوگا منکر و معترض کو حاصل معنی یہ ہوگا کہ پریشانی ہجر کے غلبہ میں جو کچھ اقوال یا افعال حد عقل سے خارج مجھ سے سرزد ہو گئے منکر کیا اعتراض کرتا ہے اس کو کیا معلوم کہ حالت ہجر کیسی صعب حالت ہے میں چونکہ آج کل مبتلائے ہجر ہوں اس لئے پریشان ہوں منکر پر یہ حالت گزری نہیں وہ کیا جانے۔

عکس خود دیدہ گمان کرد کہ مشکین خالی ست	مردم دیدہ ز لطف رخ او در رخ او

ترجمہ لفظیہ کی تقریر یہ ہے کہ محبوب کا رخ ایسا روشن اور تاباں ہے کہ اس رخ کی درخشانی اور تابانی کی وجہ سے جو اس رخ میں پتلی کا عکس پڑا تو اپنا عکس اس میں دیکھ کر اس عکس کی نسبت یہ سمجھا کہ یہ اسی رخ پر مشکین خال ہے۔ اور بلسان اشارت مردم دیدہ کنایہ ہے مکاشف سے بمناسبت صفت رویت کے اور رخ سے مراد ذات حق اس لئے کہ رخ ترجمہ ہے وجہ کا اور وجہ کی تفسیر ذات ہے اور ذات کا لطیف وجمیل ہونا ظاہر ہے اور عکس سے مراد وجود ظلی جو ممکنات کو حاصل ہے اور یہ امر معلوم و مسلم ہے کہ مبدأ ظہور جمیع اشیا کا کہ موجود بوجود ظلی ہیں ذات حق ہے اس مبدائیت وسببیت کی مناسبت سے مجازاً ذات کو محل انعکاس صور قرار دے کر دو رخ کہہ دیا کیونکہ آئینہ بھی بعض مراتب خاصہ ظہور کا مبدأ وسبب ہوتا ہے اور مشکین خال سے مراد صفات متعلقہ بذات حق ہیں جیسا خال متعلقات خاصہ رخ سے ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غلبہ حال یا اثر اشغال سے مکاشف اپنے لطائف روح وغیرہ کے انوار مشاہدہ کرتا ہے اور ان کو براہ غلط انوار حق سمجھتا ہے اور ہر چند کہ دوسرے مکونات ملکوتیہ کے بارہ میں بھی ایسی غلطی ہوتی ہے لیکن انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اور اس کی روح و دیگر بعض لطائف کو کہ ذاتاً یا اعتباراً مع اختلاف الاقوال مغائر روح ہیں ذات حق تعالی سے بوجہ تشابہ بعض صفات مثل اطلاق و تجرد و تنزہ من قید الہیولی کے مناسبت زائد ہے اس لئے ایسی غلطی ان کے بارہ میں زیادہ واکثر ہوتی ہے اور اسی لئے مصرعہ ثانیہ میں عکس خود دیدہ میں اس کی تخصیص کی پس وجہ اس غلطی کی بیان فرماتے ہیں کہ ذات حق مبدأ ظہور ہے ان مرئیات کا اور اس مبدائیت کے سبب ربط خاص و مناسبت خاصہ ہے درمیان ذات اور ان مرئیات کے پس بعض احیان میں اس مناسبت کا انکشاف غالب اور تمی ز

وتمایز کی جانب مغلوب بوجہ شدت سکر یا قلت علم کے ہو کر ایسی غلطی ہو جاتی ہے کہ اس کو وجود قدیم سمجھتا ہے اور وہ وجود ظلی ہوتا ہے۔ پس اس میں تنبیہ ہے سالک کی غلطی پر کہ گمراہ نہ ہو جائے جیسا بایزید کا قول مشہور ہے کہ تیس برس تک روح پر دھوکہ حق کا رہا۔

ایک انگشت نمائی بکرم در ہمہ شہر	کہ در کار غریبان عجبت اہمال ست

محمل یہ ہے کہ مرشد کو مخاطب کہا جائے کسی قرینہ سے اس پر گمان کم التفاتی کا ہو گیا کما عرفی تو جیہ شرح الاشعار المدیدۃ غیر مرۃ۔

میچکد شیر ہنوز از لب ہمچون شکرش	گرچہ در عشوہ گری ہر مژہ اش قتالی ست

ترجمہ لفظی کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ فن عشوہ گری میں اس کی ہر مژہ قتال ہے لیکن ابھی وہ کم سن ہے کہ اس کے لب سے ہنوز دودھ ٹپک رہا ہے یعنی گویا دودھ بھی نہیں چھٹا خلاصہ یہ کہ کم عمری ہی میں غضب اور ستم ڈھا رہا ہے اور بلسان اشارت مصرع اولی اشارہ ہو سکتا ہے صفات جمال کی طرف اور مصرعہ ثانیہ صفات جلال کی طرف یعنی گو قاہر ہے مگر لطیف بھی ہے پس سالک کو ظہور صفات جلال کے وقت رجاء منقطع نہ کرنا چاہئے اور یہ تعبیر خاص میچکد شیر الخ اشارہ ہو سکتا ہے شان الآن کما کان کی طرف کہ اس میں تغیر محال ہے۔

بعد از نیم نبود شائبہ در جوہر فرد	کہ دہان تو درین نکتہ خوش استدلالی ست

مدلول لفظی ظاہر ہے کہ دہن کا غایت کوچک ہونا بیان کرتے ہیں کہ منقسم بھی نہیں جس سے جوہر فرد کے وجود پر استدلال ہو سکتا ہے۔ اور بلسان اشارت وہاں سے مراد کلام نفسی ہو سکتی ہے اور حاصل یہ ہو سکتا ہے کہ جب دلائل حقہ سے وجود کلام نفسی کا جو کہ ایک صفت بسیطہ غیر متجزیہ ہے ثابت ہے باوجود اس کے وہ مبدا کلام لفظی متجزی کا ہے پس اسی طرح اگر جوہر فرد بسیط مبدا ہو جائے جسم مرکب کا تو کیا بعید ہے گو دونوں مبدائیت میں تفاوت ہو کہ ایک جگہ سببیۃ وصفیۃ کے طور پر ہے اور ایک جگہ جزو اور کل کے طور پر۔ پس یہ استدلال ہے ایک نظیر سے دوسری نظیر پر بطور تمثیل کے اور گو ظاہراً صفت کلام سے اثبات کرتے ہیں جوہر فرد کا مگر قصداً جوہر فرد سے اثبات کرتے ہیں صفت کلام کا مبالغۃ قلب کر دیا کما قالوا

فی قولہ تعالیٰ انما البیع مثل الربوا۔ پس مقصود شعر ہذا سے رد ہے حکما و معتزلہ پر اور احقاق ہے اہل سنت و جماعت کا اور اس میں تعلیم ہے سالک کی کہ عقائد اہل سنت کے اختیار کرے کہ شرط اول ہے وصول الی المقصود کی۔ واللہ اعلم باسرار عبادہ۔

مژدہ دادند کہ بر ما گذرے خواہی کرد	نیت خیر مگردان کہ مبارک فالی ست

مدلول لفظی ظاہر ہے اور بلسان اشارت یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ آثار لطف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر عنایت و رحمت کی جائے گی تو اس ارادہ کو بدلئے گا نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارادہ قدیمہ بدلا جاتا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ تعلق ارادہ کا کہ حادث ہے مشروط ہوتا ہے بعض شرائط کے ساتھ اور حادث میں تبدیل ممکن ہے مثلاً کسی نے اطاعت کی اس کے ساتھ ارادۂ رحمت کا تعلق ہو گیا کسی نے معصیت کی اس کے ساتھ ارادہ غضب کا متعلق ہو گیا اسی طرح عمر بھر ہوتا رہتا ہے پھر خاتمہ ایک پر ہو جاتا ہے تو واقع میں صفت میں تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ عبد کی حالت میں ہوئی کہ اس پر فعل حق میں کہ حادث ہے تبدیل ہوئی پس مطلب یہ ہوا کہ ہماری مدد فرما کہ ہماری حالت متغیر نہ ہو جس سے آپ اپنا فعل بدل دیں کما قال تعالےٰ ربنا و اٰتنا ماوعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامہ انک لا تخلف المیعاد ای اجعلنا اھلا لوعدک لا ان خلف الوعد محتمل تعالیٰ عن ذلک۔

کوہ اندوہ فراقت بچہ حیلت بکشد	حافظ خستہ کہ از نالہ تنش چون نالیست

نال انچہ باریک شود از میان قلم وقت تراشیدن برآید کذافی الاصطلاحیہ مقصود بیان کرنا اپنی عجز و درماندگی کا ہے جلب ترحم کے لئے وہذا کقولہ تعالیٰ ربنا و لا تحملنا مالا طاقة لنا بہ۔ اور اس میں تعلیم ہے التجا و تضرع و استمداد و استعانت کی اور نہی ہے استبداد و دعوی و وثوق علی العمل والنفس سے۔ فقط

غزل

صحن بستان ذوق بخش و صحبت یاران خوش ست	وقت گل خوش باد کزوی وقت میخواران خوش ست
از صبا ہر دم مشام جان ما خوش می شود	آری آری طیب انفاس ہواداران خوش ست

یہ اشعار حالت بسط کے معلوم ہوتے ہیں۔ صحن بستان سے مراد قلب کہ منبت گل واردات کا ہے اور گل سے مراد وارد کہ سبب ہے بسط کا۔ اور یاران سے مراد اپنے ہم مشرب و ہم طریقہ اصحاب جن کی صحبت سے حالت بسط میں بسط کو ترقی ہوتی ہے اور دعا دینا گل کو مجاز ہے طلب ترقی واردات سے۔ اور صبا سے مراد مرشد۔ اور طیب انفاس ہوا داران سے مراد نکہات طیبہ ملفوظات مشائخ و مریدین کے جن سے روح میں فرحت اور وارد میں قوت ہوتی ہے اب سب مطلب ظاہر ہے۔

ناگشودہ گل نقاب آہنگ رحلت ساز کرد	نالہ کن بلبل کہ گلبانگ دل افگاران خوش ست

یہ شعر قبض بعد البسط پر منطبق ہو سکتا ہے یعنی ابھی بسط اپنے کمال کو بھی نہ پہنچا تھا کہ زوال پذیر ہونے لگا عاشق کو نالہ و زاری کرنا چاہئے کہ خستہ دلوں کی فریاد نافع ہے کہ زاری دلیل شکستگی ہے جو فنی نفس حالت محمودہ ہے اور نیز بعض اقسام قبض تضرع و التجا سے زائل ہو جاتے ہیں۔

مرغ شبخوان را بشارت باد کاندر راہ عشق	دوست را با نالۂ شب ہائے بیداران خوش ست

شعر بالا کے مصرعہ ثانیہ کا جو حاصل ہے وہی حاصل ہے اس تمام شعر کا ہے۔ اور مرغ شبخوان سے مراد عاشق شب خیز۔

گرچہ در بازار دہر از خوش دلی جز نام نیست	شیوۂ رندی و خوش باشی عیاران خوش ست
از زبان سوسن آزادہ ام آمد بگوش	کاندرین دیر کہن کار سبکباران خوش ست
حافظا ترک جہان گفتن طریق خوش دلی ست	تا نپنداری کہ احوال جہانداران خوش ست

ان سب اشعار کا حاصل ایک ہی ہے کہ عالم میں اگر کسی کو حیات طیبہ و حلاوت روحانی میسر ہے تو صرف آزاد عشاق کو جو ما سوی اللہ سے قطع تعلق کر چکے ہیں اور اثقال و احمال تعلقات سے سبک ہو چکے ہیں ورنہ امراء وغیرہ کو خوشدلی محض نام ہی کی ہے۔ اور سوسن کی تخصیص اس لئے کہ اس کی شکل زبان کی سی ہوتی ہے اور آزاد کہلاتا ہے۔

در دیر مغان آمد یارم قدحے در دست	مست از مے و میخواران از نرگس مستش مست

قدحے در دست کنایہ از ساقی و مفیض بودن۔ مست از مے کنایہ از مستغنی بسبب صفت کبریا و مست بودن میخواران از نرگس مست کنایہ از طریان بیخودی از تجلی ذات غنی او۔ غالبا

یہ شعر حالت بسط کا ہے یعنی میرے محبوب نے اس صفت کے ساتھ مجھ پر تجلی فرمائی اور میں اس وقت محو ہوگیا جیسا کہ میخوار اس حالت میں محو ہو جاتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ وارد جدید جب قلب پر آتا ہے قلب کو ایک گونہ حیرت ہوتی ہے یہ بھی ایک درجہ محویت کا ہے۔ اور مست ازلی میں اشارہ اس طرف کر دیا کہ تجلی بسط کی احتیاج متجلی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ تربیت متجلی علیہ کے لئے ہوتی ہے اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ لطف کا منشا احتیاج رب نہیں جیسا مخلوق کے لطف کا منشا یہی ہوتا ہے بلکہ احتیاج عبد ہے۔

از نعل سمند او شکل مہ نو پیدا　　　　وز قد بلند او بالای صنوبر پست

مصرعہ اولی کنایہ ہے اس سے کہ ممکنات اپنے کمالات میں سب محتاج ہیں واجب کے۔ اور مصرعہ ثانیہ کنایہ ہے اس سے کہ سب ممکنات ناقص ہیں بالنسبۃ الی کمالات الواجب کے۔ اور مفردات مثل نعل سمند وقد بلند کا اثبات واجب کے لئے لازم نہیں آتا۔

آخر ز چہ گویم ہست از خود خبرم چون نیست　　　　از بہر چہ گویم نیست با او نظرم چون ہست

مصرعہ اولی میں ہست اور نیست کا مرجع خبر ہے۔ اور مصرعہ ثانیہ میں نیست اور ہست کا مرجع نظر ہے اور ہست اول و نیست اول میں اضمار قبل الذکر اس لئے نہیں کہ وہ چون کی جزا میں واقع ہوا ہے اور جزا رتبہ موخر ہے شرط سے پس اضمار بعد الذکر ہوا۔ مطلب یہ کہ مجھ سے اگر التفات بہ نفس خود کا سوال کیا جائے تو ہست نہیں کہہ سکتا اور اگر التفات محبوب کا سوال کیا جائے تو نیست نہیں کہہ سکتا۔ اس میں تعلیم ہے کہ محبت کا حق یہ ہے کہ صرف محبوب نظر میں رہ جائے اور ماسوی نظر سے نکل جائے حتی کہ اپنی ذات کی طرف بھی التفات نہ رہے ونعم ما قیل۔

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے	تری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

اور مصرع اولی میں لفظ خبر اور مصرعہ ثانیہ میں لفظ نظر تفنن ہے اور ممکن ہے کہ وجہ اس کی یہ ہو کہ خبر تو تصور مع الحکم ہے اور نظر بالمعنی اللغوی تصور ساذج ہے اور علم اول مفصل ہے بہ نسبت علم ثانی کے اور ظاہر ہے کہ اپنا علم تو انسان کو تفصیلا ہوتا ہے اور ذات باری تعالی کا اجمالا کما قیل ۔ ای برتر از قیاس وگمان وخیال ووہم الخ + گو اجمال بمعنی تصور ساذج نہیں

بلکہ وہ تصور مع الحکم ہے مگر اس تصور مع الحکم کو نفس اجمال میں تشبیہ تصور سازج کے ساتھ دیدی گئی۔ ورنہ نظر کیجئے اور بعض اوقات اس قسم سے بھی ذہول ہوتا ہے اور سازج بمعنی تصور لابشرط شئی ہوتا ہے کو سازج بشرط لاشی نہیں ہوتا۔ خوب سمجھ لو۔

چون شمع وجود من شب تا سحر خوردا	کی سوخت چو پروانہ و روز ز پا بنشست

شمع وجود مبتدا اولی سوخت خبر و مجموعہ شرط و جملہ روز ز پا بنشست جزا معنی جب میرے شمع وجود نے شب میں سحر تک اپنے کو پروانہ کی طرح جلانا شروع کیا تو دن نکلنے تک اس نے تقاعد نہیں کیا۔ حاصل یہ کہ میری ہمت نے تو وہ جانفشانی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ عاشق کو فنا میں مسلسل و متواتر رہنا چاہئے۔ وہم ما قیل ـ محزون از محبت کہ غارت کنند + کہ باقی شوی چون ہلاکت کنند ـ

شمع دل دمسازان بنشست چو او برخاست	افغان ز نظر بازان برخاست چو او بنشست

دمساز موافق و محب۔ اس شعر کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں باعتبار اختلاف معنی برخاست و بنشست کے جو کہ منسوب ہے محبوب کی طرف اگر برخاست کے معنی آہستہ رفتن اور بنشست کے معنی ترک رفتن کے ہوں تب تو معنی یہ ہوں گے کہ جب محبوب نے ارادہ جانے کا کیا تو غایت حزن کی وجہ سے محبوں کا شمع دل گل ہو گیا یعنی ان کے دل افسردہ ہو گئے اور جب اس نے بیٹھ جانے کا ارادہ کیا تو غایت شوق سے خوشی کے نعرے مارنے لگے اور اگر برخاست کے معنی نظر آ جانے کے ہوں اور بنشست کے معنی پنہاں شدن کے ہوں کیونکہ کھڑے ہو جانے سے سب اہل مجلس دیکھنے لگتے ہیں اور بیٹھ جانے سے اہل مجلس کی نظر سے مخفی ہو جاتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ جب محبوب نمودار ہوا تو عشاق اس کے غلبہ آثار دیدار سے محو ہو گئے اور جب وہ پنہاں ہو گیا تو درد ہجر سے شور و فغاں میں مبتلا ہو گئے مجموعہ توجیہین کے اعتبار سے تجلی و استتار کے آثار مختلفہ کا بیان ہو جائے گا یعنی اختلاف احوال اہل تمکین یعنی کبھی ظہور و تجلی سے شوق اور استتار و غیبت سے حزن ہوتا ہے و ہذا حاصل التوجیہ الاول اور کبھی ظہور و تجلی سے محویت و سکر اور استتار و غیبت سے اضطراب اور بیتابی و آہ و نالہ ہوتا ہے۔ فافہم حق الفہم ـ

می خوارہ وسرگشتہ ورندیم و نظر باز	وان کس کہ چو ما نیست درین شہر کدام ست

اس کی ایک توجیہ تو ظاہر یہ ہے کہ گو ہماری حالت قابل ملامت ہے مگر اوروں کو بھی بے اتنا فرق ہے کہ ہم میں ریا نہیں اور لوگ ریا سے اپنے کو صالح بنائے ہوئے ہیں اور یہ باعتبار اکثر کے کہا اور واقعی یہی قصہ مشاہد ہے اور اس میں اشارہ اس طرف ہوگا کہ اپنے عیب کو دیکھنا چاہئے دوسرے کے عیوب پر نظر نہ چاہئے۔ اور ایک توجیہ غامض یہ ہے کہ اگر ہم عاشق ہیں تو کیا ہوا شہر میں ایک بھی اس سے بچا ہوا نہیں ہے گو بواسطہ کسی مخلوق کے سہی اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا محب ہے آدمی کا یا جانور کا یا سیم وزر کا وہ کسی کمال کی وجہ سے ہے اور وہ کمال مستفاد ہے کمال حق سے پس محبوب بالذات حق تعالیٰ ہی ہے گو محب کو بھی اس کی خبر نہ ہو جیسے عاشق دیوار تابان حقیقت میں عاشق آفتاب تابان کا ہے گو اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ پس اس میں اشارہ ہوگا محبوب حقیقی کے منجانب کمالات ہونے کی طرف اور جاننا چاہئے کہ ایسے بے خبر محب مقبول نہیں کیونکہ ان کا قبلہ توجہ تو مخلوق ہی ہے پس صرف وجود تعلق کافی نہیں ولو اضطراراً بلکہ اس کے ساتھ قصد تعلق بھی ضروری ہے اختیاراً۔

با محتسبم عیب مگوئید کہ او نیز	پیوستہ چو ما در طلب عیش مدام ست

مدام شراب۔ یعنی محتسب سے میری کیا شکایت کرتے ہو وہ بھی ہماری ہی طرح مبتلائی میخواری وعشق ہے اس کا مضمون بھی شعر بالا کے مفہوم کلی کا ایک جزئیہ ہے بای المعنیین اخذت

حافظ منشین بے مئی و معشوقہ زمانے	کایام گل و یاسمین وعید صیام ست

عید صیام عید الفطر۔ چونکہ اجتماع اشیاء مذکورہ مصرعہ ثانیہ عادۃً موقع ہے منادمت ومصاحبت محبوب کا اس لئے حاصل معنی بطور کنایہ کے یہ ہوا کہ آب حیات وصحت وشباب و فراغ کا یا بعضا کو مغتنم سمجھو اور ذکر ومحبت کا ذخیرہ جمع کرلو۔

غزل

اگر بلطف بخوانی مزید الطاف ست	وگر بقہر برانی درون ما صاف ست

ترجمہ ظاہر ہے مقصود یہ ہے کہ عبد کا کسی حالت میں کوئی استحقاق نہیں جیسا معتزلہ کا

مذہب ہے پس لطف وسط پر شکر اور جبر و قبض پر تفویض محض چاہئے ۔

بیان وصف تو گفتن نہ حد امکان ست	چرا کہ وصف تو بیرون ز حد اوصاف ست

یہ شعر حاصل مضمون لا احصی ثناء علیک کا ہے جیسا شعر اول میں عبد کے حق کی نفی کی گئی ہے اسی طرح حق تعالیٰ کے حقوق کا غیر متناہی ہونا بیان کیا گیا ہے تا کہ ہر دو سے بالخصوص مجموعہ امرین سے حق تعالیٰ کا غنا اور بندہ کا قصور و فقر ثابت ہو جائے اور اس کا استحضار عین وظیفہ سالک ہے ۔

چو سرو سرکشی ای یار سنگدلی باما	چہ چشم باست کہ بر روئے ناز اطراف ست

بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور غالباً نہ ہونا راجح ہے کیونکہ کوئی اچھی توجیہ اس کی نہیں بنتی۔ نیز محبوب حقیقی کو خطاب ہو نہیں سکتا اور محبوب مجازی کا خطاب محبوب حقیقی کے خطابات میں مختلط ہونا بے نما معلوم ہوتا ہے اور ہونے کی تقدیر پر اس کی توجیہ میں شفا نہیں ہوئی یہ خیال میں آتا ہے کہ محبوب مجازی کی شکایت ہے کہ تو تو ہم سے سرکشی کر رہا ہے اور دوسرے لوگ ہماری طرف کس وجہ متوجہ ہیں پس تجھ کو بھی ہم پر توجہ چاہئے ۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

ز چشم عشق تواں دید روئے شاہد ما	کہ نور چہرۂ خوباں ز قاف تا قاف ست

مطلب یہ کہ ہمارے محبوب کا حسن ایسا ہے کہ دوسرے محبوبوں کا حسن اسی سے مستفاد ہے گویا وہ ان کے چہرہ کا نور ہے یعنی ان کے چہرہ میں جو نور ہے وہ اصلی نہیں بلکہ بالعرض ہے اور اس ما بالعرض کا ما بالذات حسن محبوب حقیقی ہے پس کمال حسن تو اس کا ہے لیکن محبوبوں کو جو ادراک نہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے لئے عشق و طلب شرط ہے اور ان میں شرط فائت ہے ۔

ز مصحف رخ دلدار آیتے برخوان	کہ این مقام مقالات کشف کشاف ست

این مقام سے مراد مقام عشق یعنی مباحث و کتب سے کام نہیں چلتا بلکہ مطالعہ و مشاہدہ محبوب کا لازم ہے اور اس سے مجتہد علوم ظاہرہ کی لازم نہیں آتی بلکہ مقصود ان کی عدم کفایت کا بیان ہے جیسے کہا گیا ہے + درگذر و دراے تو ان یافت خدا را ۔ اور کشف بمعنی شرح ہے اور لطافت اس میں یہ ہے کہ کشف ایک حاشیہ بھی ہے کشاف کا ۔ اور بعض نسخوں میں مصرعہ ثانیہ اس طرح ہے کہ آن بیان مقامات کشف و کشاف ست ۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ وہ مصحف رخ دلدار خود ہی

بیان مقامات کشف وکشاف کا ہے یعنی جملہ ازان حاصل ست حاجت بکشف وکشاف ندارد اسکا حاصل بھی وہی ہے کہ اس مقام میں اس کی حاجت نہیں مطلق احتیاج کی نفی ہیں جیسے وضو نماز کے قبل ضروری ہے مگر عین نماز کے اندر کوئی وضو کرنے لگے ظاہر ہے کہ نماز نہ ہوگی۔

عدو کہ منطق حافظ طمع کند در شعر	ہمان حدیث ہمای وطریق خطاف ست

یعنی میرا مخالف جو طمع کرتا ہے کہ نظم میں حافظ کی سی گویائی وفصاحت حاصل کرلوں اس کی ایسی مثال ہے جیسے خطاف کہ ایک پرندہ بیقدر ومنزلت سیاہ رنگ اونی درجہ کا ہے اور اس کو دطواط بھی کہتے ہیں ہما کی مساوات کا دعویٰ کرنے لگے جو اعلیٰ درجہ کا پرندہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ناقصوں کو کاملین کی مساوات کا دم مارنا نہ چاہئے کہ رہزن سلوک ہے۔

غزل

ما راز خیال تو چہ پروای شراب ست	خم گو سرِ خود گیر کہ خمخانہ خراب ست

شراب سے مراد ظاہری شراب اور خم سے مراد بھی اسی کا ظرف۔ اور خمخانہ سے مراد اپنا خمخانہ یعنی وجود سالک کا مطلب یہ کہ اے محبوب آپ کے خیال اور ذکر میں جو مستی نقد وقت ہے اس سے اس ظاہری شراب کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ یہ حلال اور دوامی اور وہ حرام اور عارضی اے مخاطب اس ظاہری خم سے کہہ دو کہ اپنا رستہ لے ہمارے یہاں اس کا کچھ کام نہیں کیونکہ ہماری ہستی محبوب کے ذکر ومعیت سے فنا ہوچکی ہے جس کا سکر اس سکر خم سے بدرجہا فائق ہے پھر مفضول سے کیا کام رہا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کو یہ سکر حقیقی حاصل نہ ہو وہ محتاج شراب ظاہری کا ہے اور یہ لازم اس لئے نہیں آتا کہ اس حالت میں مانع شرعی تو موجود ہے اور ایک مانع کا وجود بھی کافی ہے اور حالت سکر حقیقی میں دو مانع ہیں ایک مانع شرعی دوسرا وجود سکر حقیقی کا۔ اور اصل یہ ہے کہ مقصود بیان کرنا اکملیت سکر حقیقی کا ہے بہ نسبت سکر شرعی کے تاکہ اس کی تحصیل کی رغبت ہو پس باعتبار اس مقصود کے اس لازم کے ورود کا شبہ اور احتمال ہی نہیں۔

گر خمر بہشت ست بریزید کہ بے دوست	ہر شربت عذبم کہ دہی عین عذاب ست

شعر بالا میں محبت ومعیت الٰہیہ کے مقابلہ میں لذات دنیا کا ہیچ ہونا مذکور تھا اور اس

شعر میں بدون اس محبت و معیت کے صورت طاعات دینیہ کا کہ عبادت ریائی ہے ہیچ ہونا مذکور ہے کیونکہ عبادت ریائی میں یہی کمی ہوتی ہے کہ معیت الہیہ و خلوص نیت نہیں ہوتا اور چونکہ عبادت فی نفسہ سبب ہے ثمر بہشت کا اس لئے اس کو اس عنوان سے تعبیر کیا گو عارض ریا کے سبب یہ سببیت نہیں رہتی۔

افسوس کہ شد دلبر و در دیدۂ گریان	تحریر خیال خط او نقش بر آب ست
بیدار شوای دیدہ کہ ایمن نتوان بود	زین سیل دمادم کہ درین منزل خواب ست

منزل خواب دنیا کہ محل غفلت ست۔ وسیل دمادم حوادث و کاروبار دنیا کہ در ہدم دین بمنزلہ سیل ست شعر اول حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے اور دوسرا شعر عام نصیحت کا کہ اس حالت قبض کے بھی متعلق ہوسکتا ہے اور دوسرے حالات کے بھی۔ مطلب یہ کہ محبوب سے غیبت اور مفارقت ہوگئی مگر خیال اس کا باقی ہے اور چونکہ خیال کا اثر چشم پر بھی ہوتا ہے اور اس میں اشک بھر رہے ہیں اس لئے شاعرانہ لطافت سے تعجباً اس کو نقش بر آب سے تعبیر فرمایا اور مقصود اس سے اس کا سرعت زوال بیان کرنا نہیں ہے کما فہموا۔ آگے فرماتے ہیں کہ دنیا میں غفلت نہ چاہئے کہ غفلت موجب خسران و مورث حرمان ہے چنانچہ بعض اوقات اسی غفلت سے معصیت اور معصیت سے قبض ہو جاتا ہے۔

معشوق عیان میگذرد بر تو ولیکن	اغیار ہمی بیند ازان بست نقاب ست

فاعل بیند ضمیر راجع بمعشوق و اغیار مفعول بیند یعنی محبوب کی تجلی ظاہر ہے لیکن چونکہ وہ اغیار کو بھی دیکھ رہا ہے اس لئے بطون کا نقاب باندھ رکھا ہے۔ احقر کے مذاق میں اس میں بیان ہے اس کی حکمت کا کہ دنیا میں جو ظہور منکشف نہیں ہے جیسا آخرت میں ہوگا بلکہ ممزوج بالبطون ہے حاصل حکمت کا یہ ہوا کہ چونکہ دنیا میں کفار بھی ہیں اور ان کو ابتلاء مکلف کیا ہے ایمان بالغیب کا پس اگر انکشاف تام ہو جاتا تو ایمان اضطراری ہو جاتا اور وہ خلاف ابتلا تھا اس لئے انکشاف تام نہیں ہوا اور ہر چند کہ نفس ابتلاء اہل ایمان کے لئے بھی ہے مگر چونکہ وہ قبل مشاہدہ ایمان لا چکے اس لئے ان کے حق میں یہ ابتلاء خاص نہ رہتا۔ اور اگر کہا جائے کہ

صرف اہل ایمان کے لئے انکشاف تام ہو جاتا سب کے لئے عام نہ ہوتا۔ اس کا جواب دوسرے قاعدہ مستقلہ سے حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ کہ عادت الٰہیہ یہی ہے کہ اکثر احکام دنیویہ مشترک رہتے ہیں چنانچہ نزول بلیات وغیرہ میں مشاہد ہے۔ اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آخرت میں باطن کے ساتھ موصوف نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ وہاں کا بطون صرف مانع ورک واحاطۂ حقیقت ہوگا مثل بطون دنیا کے مانع انکشاف ومعائنہ ذات نہ ہوگا۔

گل بر رخ رنگین تو تا لطف عرق دید	در آتش رشک از غم دل غرق گلاب ست

احقر کے ذوق میں مقصود اس سے محض بیان کرنا ہے کمالات حادث کے بے حقیقت ہونے کا کمالات واجب کے سامنے ترجمہ ظاہر ہے کہ جب سے گل نے محبوب کے رخ پر پسینہ کی لطافت دیکھی ہے غم اور رشک سے عرق ندامت میں ڈوب گیا اس کے عرق ندامت کو گلاب سے تعبیر کر دیا۔ وابعد الشراح حیث شبہوا مفردات الشعر بما لا یتبادر الی الاذہان۔

در بزم دل از روی تو صد شمع برافروخت	وین طرفہ کہ بر روی تو صد گونہ حجاب ست

اس کا حاصل یہ ہے کہ محبوب عین تجلی میں مستتر اور عین ظہور میں باطن ہے کہ ہر چند کہ قلب میں صد ہا شمع اس کی تجلیات وظہورات کی روشن ہیں مگر پھر بھی ہزاروں حجاب مانع ہیں۔ زیادہ تفصیل شعر بالا کے قبل کے شعر معشوقہ الخ کی شرح میں لکھی گئی ہے۔

سبز ست در ودشت بیا تا نگذاریم	دست از سر آبے کہ جہان جملہ سراب ست

گذاشتن ترک کردن۔ در ودشت ہر دو بمعنی صحرا کنایہ از کائنات۔ یعنی تمام ہستی آیات ودلائل ومنبہات سے پر اور معمور ہے آؤ تاکہ کنارہ آب سے کہ اس سے یہ سبزی ہے دست بردار نہ ہوں یعنی بصیرت وفکر سے کام لیں کہ وہی ذریعہ ہے استدلال بالآیات وعبرت وتذکر کا۔ آگے اس کو علت سے موکد کرتے ہیں کہ تمتعات دنیویہ تو محض ہیچ ہیں ان سے دل بستگی مت کرو۔ اور بعض نسخوں میں تا بگذاریم باء موحدہ سے ہے معنی یہ ہوں گے کہ آؤ کنارہ آب پر ہاتھ گزار دیں یعنی اس پر قبضہ کرلیں اور اس کو حاصل کرلیں جیسے بولتے ہیں دست بر سر گذاشتن یعنی سر پر ہاتھ پھیرنا پس اس از کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ کنارۂ

آب پر سے ہاتھ کو گز ادریں لیکن غالباً یہ نسخہ غلط ہوگا کہ ارتکاب تکلف بارد کا کرنا پڑتا ہے۔

درکنج دماغم مطلب جای نصیحت	کاین حجرہ پراز زمزمۂ چنگ ورباب ست

مطلب یہ ہے کہ میرا دماغ آثار عشق سے پر ہے اس میں ترک عشق کی نصیحت کی گنجائش نہیں جیسا کہ خشک مزاج ظاہر پرست عشاق پر ملامت کرتے رہا کرتے ہیں۔

راہ تو چہ راہ ست کہ از غایت تعظیم	دریای محیط فلکش ہمچو حباب ست

اس میں عظمت طریق وصول کی بیان کرتے ہیں کہ دریای محیط فلک اس طریق کا ایک حباب ہے یعنی فلک کی رفعت اور عظمت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور ظاہر بھی ہے کیونکہ فلک کے طے کرنے سے وصول الی الملکوت میسر ہوتا ہے وبس اس طریق کے قطع کرنے سے وصول الی اللہ نصیب ہوتا ہے وشتان بین الملائکۃ ورب الملائکۃ و مالتراب ورب الارباب۔ شاید مقصود اس سے امر ہو غایت مجاہدہ وسعی کا کہ مقصود عظیم کے لئے سعی بھی عظیم ہی چاہئے پھر خواہ حصول فضل ہی سے ہو جائے اور یہی ہوتا ہے مگر ارادہ شرط ہے۔

بی روی دل آرای تو ای شمع دل افروز	دل رقص کنان بر سر آتش چو کباب ست

یہ شعر حالت قبض پر بسہولت منطبق ہو سکتا ہے اور آتش پر کباب کے الٹ پلٹ ہونے کو رقص سے تعبیر کیا گیا۔

حافظ چہ شد ار عاشق ورند ست ونظرباز	بس طور عجب لازم ایام شباب ست

چہ شد جزای مقدم وار عاشق الخ شرط موخر ومصرعہ ثانیہ علت جزاست وعاشق ورند ونظر باز کنایہ از غیر ضابط وشباب مراد ابتدای سلوک یا جوش عشق۔ مطلب یہ کہ حافظ جو غیر ضابط ہے جس پر اس کو ملامت کی جاتی ہے تو تعجب مت کرو کیونکہ ابتداء سلوک یا غلبہ عشق میں یہی طور ہوتا ہے اور اسی حالت میں بہت سے عجب عجب اطوار ہوا کرتے ہیں پھر ملامت نہ کرو۔ اس میں ممکن ہے کہ ارشاد ہو ترک ملامت کا اہل حال پر۔

غزل

کنون کہ درکف گل جام بادۂ صاف ست	بصد ہزار زبان بلبلش دراوصاف ست

بخواه دفتر اشعار و راه صحرا گیر	چه وقت مدرسه و بحث کشف کشاف است
فقیه مدرسه دی مست بود و فتوی داد	که می حرام ولی به ز مال اوقاف است
بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش	که ہرچہ ساقی ما کرد عین الطاف است

گل سے مراد مرشد راہ عشق بقرینہ جملہ در کف گل جام بادہ صاف است ‹ کیونکہ مرشد بھی فیوض عشقیہ کا قاسم اور واسطہ ہوتا ہے ۔ اور بلبل سے مراد طالب ۔ اور زبان سے مراد زبان حال ۔ اور دفتر اشعار سے مراد لوازم عشق ۔ اور صحرا سے مراد خلوت کہ وہ خدمت مرشد میں ضرور ہوتا ہے اور گل صحرا میں ہوتا ہے اور مدرسہ اور بحث سے مراد خدمت علوم رسمیہ ۔ اور دی سے مراد وہ امور جن کو اکثر اہل ظاہر علی الاطلاق حرام کہتے ہیں اور عشاق مغلوب الحال ان میں مبتلا ہیں مثل شطحیات وسماع وغیرہ ذالک ۔ اور مال اوقاف میں بقرینہ مقام یہ بھی قید ہے کہ غیر مستحق ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ شیخ وقت فیوض تقسیم کر رہا ہے اور طالب زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ شائقین ایسے وقت میں عشق کے لئے آمادہ ہو کر اس کی خدمت میں پہنچو اور اس حالت میں علوم رسمیہ کی بحث و درس کا موقع نہیں ہے (کیونکہ اہل خلوت کو برائے چندے دوسرے مشاغل غیر مفروضہ کو موخر کرنا پڑتا ہے) اور عشاق کے گو بعض حالات ظاہر اہل ملامت ہیں مگر انصاف کیا جائے اور کسی قدر اثر اور مذاق محبت کا ہو تو فقیہ معترض بھی یہی کہے کہ واقعی گو یہ حالات منکر ہیں مگر مال اوقاف کو جو معترض بلا استحقاق کھا رہے ہیں اس سے تو یہ حالات اچھے ہیں کیونکہ ان حالات میں بعض امور تو اختلافی منکر ہیں اور مال اوقاف غیر مستحق کے لئے بالاتفاق منکر ہے اور منکر اختلافی اہون واخف ہے منکر اتفاقی سے اور بعض امور گو اتفاقاً منکر ہیں مگر غلبہ حال اس میں عذر ہے ۔ اور آکلین بغیر حق کے لئے کیا عذر ہے آگے بطور تعلیم فرماتے ہیں کہ جب فیض و تعلیم مرشد سے واردات عشقیہ کا سلسلہ شروع ہو تو درد و صاف کی تجویز کرنے کا تم کو کوئی حق نہیں یعنی قبض و بسط کی خواہش یا انکار خلاف طریق ہے جو کچھ عطا ہو جائے وہی تربیت باطنی کے لئے مصلحت اور وہی عین لطف ہے ۔

ببر ز خلق و ز عنقا قیاس کار بگیر	کہ صیت گوشہ نشینان ز قاف تا قاف است

اس میں تعلیم ہے ترک بعض قلیل تعلقات کی اور ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے۔

حدیث مدعیان و خیال ہمکاران	ہمان حکایت زردوز و بوریا باف ست

ہمکاران عشق اس کا دعوی حاصل ہے جو غزل ہذا کے غزل سابق سے سابق کے مقطع کا حاصل ہے۔

خموش حافظ و این نکتہ ہای چون زر سرخ	نگاہدار کہ قلاب شہر صراف ست

قلاب دغاباز کذا فی الغیاث۔ مطلب یہ کہ جہاں نا اہل کلام کے جانچنے والے ہوں وہاں حقائق و معارف کا اظہار نہ چاہیے کہ مقصود اظہار علم نہیں بلکہ محض افادہ ہے اور وہ مفقود پھر اظہار بے سود۔ اس میں تعلیم ہے کہ حتی الامکان حالات باطنی کا ضبط چاہیے کہ نا اہلوں سے یا متکلم کو ضرر ہوگا یا خود ان کو ان کا ضرر ہوگا یا ان کے انکار سے دوسرے قول الذین یا لوگوں کو کوئی عقیدت اہل حال کا ضرر ہوگا۔ یا ان نا اہل ذہنوں میں بعضے معتقد ظاہر پر محمول کر کے اپنا دین خراب کریں گے۔

غزل

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیزست	ببانگ چنگ مخور می کہ محتسب تیزست
صراحی و حریفی گرت بدست افتد	بعقل نوش کہ ایام فتنہ انگیزست
در آستین مرقع پیالہ پنہان کن	کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریزست
برنگ بادہ بشوئیم خرقہ ہا از اشک	کہ موسم ورع و روزگار پرہیزست

جیسے بعض اشعار میں احکام سکر کے بیان ہوتے ہیں ان اشعار میں احکام صحو کے بیان کئے ہیں۔ حاصل یہ کہ اگرچہ عشق سے طبیعت کا جوش ہوتا ہے اور واسعہ فیض سے فیض پہنچ رہا ہے جس کا مقتضی تھا اظہار احوال عشق مگر چونکہ محتسب یعنی مانع اظہار سکو ہے تیز یعنی قوی و غالب ہے اس لئے اظہار مت کرو کیونکہ حالت صحو میں ضبط واجب ہے اور ایسی حالت میں اگر صراحی یعنی دل پر عشق اور حریف یعنی محرم راز میسر ہو تب بھی مقتضائی عقل میں کہ اخفاء حال ہے کوشش کرو کیونکہ نا اہل زمانہ فتنہ انگیز ہیں اور ایسے امور پر فتنہ برپا کرتے ہیں اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا یا خود فتنہ میں پڑنا درست نہیں مگر عارض سکر سے اس نہی کا مکلف نہ رہا تھا

جب سکر نہ رہا پھر حکم اصلی عود کرآیا پس پیالہ شراب یعنی احوال عشق کو آستین خرقہ میں پوشیدہ رکھو کنایہ ہے اخفاء احوال عشق سے کیونکہ اہل زمانہ خونریز ہیں جیسے چشم صراحی خونریز ہوتی ہے اس کو خونریز اس لئے کہا کہ اس میں سے شراب نکلتی ہے جس کا رنگ سرخ مثل خون کے ہوتا ہے۔ شاید چشم صراحی اس کی ٹونٹی کو کہا ہو جس میں سے شراب لیتے ہیں۔ اور اس کے پہلے شعر کے مصرعہ ثانیہ کی جو تقریر تھی وہی اس کے مصرعہ ثانیہ کی تقریر ہے۔ اور آگے فرماتے ہیں کہ زمانہ سکر میں جو کچھ اظہار اسرار ہوگیا ہے اب اشک ندامت سے سکر کے اس دھبہ کو خرقہ وجود سے دھونا چاہے یعنی اس سے عذر و توبہ چاہئے کیونکہ اب موسم صحو ہے جس میں ورع و تقویٰ واجب ہے اور لوازم تقویٰ سے تلافی ہے مافات کی۔ اور رہا یہ کہ سکر میں تو گناہ ہی نہ ہوا تھا پھر توبہ کی کیا ضرورت ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات تو سکر بھی ناقص ہوتا ہے جس میں من کل الوجوہ معذور نہیں ہوتا یعنی اختیار رہتا ہے مگر نا تمام جس میں ضبط متعذر نہیں بلکہ متعسر ہو جاتا ہے تو اس وقت گناہ لکھا جانا بعید نہیں اور اگر سکر تام بھی ہو تب بھی فی نفسہ تو کلمات غیر مشروعہ قبیح ہیں اس کا قبح مقتضی معذرت ہے جیسا بلا اختیار کسی بزرگ کو اپنی ٹھوکر لگ جائے تو اطلاع ہونے پر کس قدر شرماتا ہے اور معذرت کرتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ خلق ضلالت سے محفوظ رہے۔ پس ان اشعار میں دو امر کی تعلیم ہے ایک وجوب ضبط کی حالت صحو میں دوسری تلافی حالت سکر کی جیسا حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ جب صحو میں آتے اور سنتے کہ میں نے حالت سکر میں سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو فرماتے لو قلت سبحانی ما اعظم شانی فانا مجوسی فاقطع زناری واقول اشہد ان لا الہ الا اللہ۔

مجوی عیش خوش از دور واژگون سپہر	کہ صاف این سرِ خم جملہ دردآمیز ست

واژگون صفت دور سپہر مضاف الیہ دور واژگون۔ مطلب یہ کہ اس دنیا میں راحت مت طلب کرو کہ یہاں کی راحت بھی مکدر ہے مقصود تعلیم ہے ترک تعلق و حب دنیا کی تاکہ فکر آخرت میں لگے۔ اور خم سے مراد فلک باعتبار محدب ہونے کے اور نسبت حوادث کی فلک کی طرف یا اس کو کج رفتار کہنا شاعری ہے۔

سپہر بر شدہ پرویزنے ست خون افشان	کہ قطرہ اش سرِ کسری و تاج پرویز ست

برشدہ بمعنی بلند شدہ صفت سپہر۔ و پرویزن غربال۔ و کسرے و پرویز نام دو بادشاہان یعنی یہ فلک بمنزلہ ایک غربال کے ہے جس میں سے خون ٹپکتا ہے چنانچہ سر کسرے اور تاج پرویز بھی اسی کے قطرہ خون ہیں کہ ان کو خون اور ہلاک کر کے قطرہ قطرہ اور ریزہ ریزہ کر کے چھان ڈالا۔ اور بعض نسخوں میں بجائے قطرہ کے ریزہ ہے بمعنی ریختہ شدہ اس شعر کا مقصود بھی مثل مقصود شعر بالا ہے۔

ہر انچہ میرسد از نور فیض سبحانی	نصیبۂ دل شخصے کہ شب سحر خیز ست

یہ شعر گویا شعر سابق کا متمم ہے کہ اس میں تزہید تھی دنیا سے اور اس میں ترغیب ہے امور آخرت کی اور بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور اسلوب بھی اس کا کلام حافظ کا سا نہیں۔

عراق و پارس گرفتی بشعر خود حافظ	بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز ست

ترجمہ تو ظاہر ہے مقصود معنوی یہ ہو سکتا ہے کہ شیوخ کو اشاعۂ طریق و افادہ خلق کی حرص ہونا چاہئے یہ نہیں کہ اگر چند مقامات پر فیض پہنچ گیا تو اس پر قناعت کریں بلکہ دوسرے مقامات پر توجہ کرنا چاہئے کہ ان کو بھی ان کے افادات سے بہرہ ہو کہ یہ حضرات ورثہ ہیں انبیاء علیہم السلام کے اور انبیاء علیہم السلام کی یہی سنت ہے

غزل

یارب آن شمع شب افروز بکاشانہ کیست	جان ما سوخت بپرسید کہ جانانہ کیست
حالیا خانہ برانداز دل و دین من ست	تا ہم آغوش کہ می باشدہ ہمخانہ کیست
بادۂ لعل لبش کزلب ما دور مباد	راح روح کہ و پیمانہ دہ پیمانہ کیست
دولت صحبت آن شمع سعادت پرتو	باز پرسید خدارا کہ پروانہ کیست
میدہد ہر کسش افسونی و معلوم نشد	کہ دل نازک او مائل افسانہ کیست
یارب آن شاہوش ماہ رخ زہرہ جبین	در یکتائے کہ و گوہر یکدانہ کیست
آن می لعل کہ نا خوردہ مرا کرد خراب	ہمنشین کہ و ہمکاسہ و پیمانہ کیست

زیر لب خندہ زنان گفت کہ دیوانہ کیست	گفتم اہ از دل دیوانہ حافظ بے تو

یہ تمام غزل حالت قبض و فراق کی معلوم ہوتی ہے اور بعض اشعار میں لفظ یا رب آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان میں غیر رب کے معاملہ کا بیان ہوگا کیونکہ یہ یا رب ندا کے لئے نہیں ہے بلکہ محض تعجب و حیرت کے لئے ہے اور بجز شعر پنجم و مقطع کے سب اشعار کا ایک ہی مضمون ہے مختلف عنوانات سے کہ ہم سے جدا ہو کر معلوم نہیں کس کے حال پر توجہ کی ہے اور دوسرے کے حال پر توجہ سے تعرض بطور غبطہ کے ہے جو کہ محمود ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ خدا جانے وہ محبوب کہ مشابہ شمع شب افروز کے رونق بخشی میں ہے کس کے کاشانہ قلب میں متجلی ہے ہماری جان کو تو فراق میں سوختہ کر دیا۔ تحقیق تو کرو کس کا دوست بنا ہے فی الحال تو میرے خانہ دل و دین کو ویران کر دیا ہے فراق میں دل کا ویران ہونا تو ظاہر ہے اور دین کی ویرانی یا تو اس طرح ہے کہ فراق میں شکوہ ہوتا ہے اور یہ فی نفسہ مخل دین ہے گو عارض عذر سے مواخذہ نہ ہو اور یا اس لئے کہ قبض میں افسردگی ہوتی ہے اور افسردگی بہت طاعات میں مخل ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہم آغوش اور ہم خانہ یعنی کس کا مواصل ہے۔ اس کا بادہ لعل کہ خدا کرے ہم سے بھی اس کو قرب نصیب ہو معلوم نہیں کس شخص کا راحت روح اور کس کے پیمانہ کا ہم عہد ہو رہا ہے یعنی کس کے پیمانہ دل سے عہد کیا ہوگا کہ تجھ سے قرب کروں گا۔ اور بادہ اور پیمانہ کی مناسبت کا لطف ظاہر ہے اور اس شمع سعادت پرتو کی دولت صحبت کی نسبت پوچھو تو کہ کس کے پروانہ دل کے ساتھ واقع ہوتی ہے (پس پروانہ کی با زائد نہیں کما فہم البعض) اور سعادت پرتو کے معنی یہ ہیں کہ سعادت پرتو فیض وظل اوست۔ آگے شعر پنجم ہے جو دوسرے مضمون کا ہے یعنی ہر شخص محبوب کی تملق کرتا ہے جس کو مجازاً افسوں کہہ دیا اور یہ بالتعیین معلوم نہ ہوا کہ وہ کس سے خوش ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طریقہ ان کی رضا کا کسی کو معلوم نہیں کیونکہ شریعت نے طریق رضا کا خود بتلا دیا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ پورا یقین نہیں ہوتا کہ ہم اس طریق پر مستقیم ہیں یا نہیں کیونکہ بہت سے دقائق جو موافق رضا ہیں خیال میں بھی نہیں آتے۔ اس سے غرض یہ تعلیم ہوگی کہ مجاہدہ و ریاضت کر کے مغرور نہ ہو بلکہ لرزاں و ترساں رہے۔ آگے پھر عود ہے مضمون سابق کی طرف کہ وہ محبوب کامل الجلال والجمال معلوم نہیں کس کی منزل دل میں دریکتا و گوہر یکدانہ کی

طرح تجلی فرما، نور افزا ہے اور معلوم نہیں کہ وہ تجلی جو امیات سکر میں مثل شب لعل کے تھی اور جس کو میں بقول مشہد وہ بھی نہ کر چکا تھا اور درست وخراب ہو گیا خدا جانے کس کی ہمنشین اور کس کی ہم کاسہ اور ہم پیالہ یعنی کس کی مواصل ہے۔ آگے متفرع ہے یعنی میں نے بزبان حال یا بلسان قال عرض کیا کہ بدون آپ کے حافظ کے دل دیوانہ کی حالت تو قابل افسوس ہے تبسم زیر لبی کر کے فرمایا کہ تو جنون ودیوانہ کہتا ہے تو وہ کس کا دیوانہ ہے۔ یہ تشکی اور سوال منافی نہیں ہے اس معاملہ کے مسدود کرنے محبوب سے کیونکہ تشکی بھی بطریق ہیا احادیث سے ثابت ہے اور سوال بھی اعتقاد میں مختصر نہیں کہ محال لازم آئے بلکہ ممکن ہے کہ ترجیح شوق کے لئے ہو اور دوسرے اغراض کے لئے سوال ہونا بھی احادیث سے ثابت ہے جیسا حدیث فضل ذکر میں آیا ہے کہ ملائکہ سے سوال فرماتے ہیں کہ میرے بندے کیا کرتے ہیں الی آخر الحدیث۔ اور مقصود اتمام غزل سے اظہار حزن ہے بعض پر جس سے عجز وتضرع معلوم ہوتا ہے جو کہ لازم عبدیت ہے اور تعلیم بھی ہے کہ بعض میں خوب تضرع وزاری وعجز ونیاز سے کام لے خواہ کوئی سبب ہو گریہ وزاری ہر حال میں نافع ہے۔

غزل

بنال بلبل اگر با منت سر یاریست	کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاریست

ترجمہ لفظیہ تو ظاہر ہے اور مقصود اس سے اس امر کا بیان کرنا ہے کہ اصل کام عاشق و طالب کا افتقار اور زاری ہے کما قال الرومی ع دوست دارد دوست این آشفتگی + الخ اور اگر کوئی اس سے اختلاط کرنا چاہے تو دیکھ لے اگر وہ بھی اسی مذاق کا ہو تو اس سے ربط کرے کہ اس سے تقویت حال کی ہوتی ہے ورنہ علیحدہ رہے کہ صحبت ناجنس سے ضرر ہوتا ہے۔

در آن چمن کہ نسیمی وزد ز طرۂ دوست	چہ جای دم زدن نافہای تاتاریست

ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے اور مقصود معنوی یہ ہے کہ تذکرۂ محبوب کے سامنے تمام مذکورات گرد ہیں اس میں تعلیم ہے کہ محب کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونا چاہئے۔

بیار بادہ کہ رنگین کنیم جامۂ زرق	کہ مست جام غروریم و نام ہشیاریست

شیخ طالب کو مشورہ دیتے ہیں کہ شراب محبت الٰہی سے اپنی ہستی کو متصف کرنا چاہئے کیونکہ

ہماری حالت موجودہ واجب الاصلاح ہے اس لئے کہ ہم غرور وغفلت میں مدہوش ہورہے ہیں اور اس کا نام ہشیاری رکھا ہے تو اصلاح ضروری ہوئی اور اصلاح کا یہی محبت الٰہیہ طریقہ ہے۔ اور بعض نسخوں میں جامۂ زرق بمعنی جامہ مکر ہے مراد اس سے وہی ہستی پر غرور ہے۔

نہ بستہ اند در توبہ حالیا برخیز	کہ توبہ وقت گل از عاشقی زبیکاری ست

اس میں ترغیب عشق کے ساتھ مخاطب کو ایک شبہ کا کہ عشق کے متعلق جواب دیتے ہیں وہ شبہ غلبۂ ظاہر پرستی سے پیدا ہوتا تھا کہ یہ حالت چونکہ سلف سے منقول نہیں اس لئے بدعت ومعصیت ہوگی۔ جواب علی سبیل التنزل دیتے ہیں کہ اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے تو پھر توبہ کرلیجیو عاشقی سے کیوں توبہ واعراض کرتے ہو کہ ابھی وقت ہے اس کی تحصیل کا کہ صحت وفراغ وقرب مرشد میسر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آزمائش ہی کے طور پر اس طریق کو اختیار کرلو کما قال الرومیؒ۔ آزمون را یک زمانی خاک باش+ اور تحقیقی جواب میں چونکہ مشاغب ہوسکتا تھا اس کو شاید اس لئے اختیار نہ کیا ہو۔ وہ یہ ہے کہ اس عشق کے متعلق دو امر ہیں مبادی اور آثار مبادی مثل مجاہدات خاصہ واشغال خاصہ فی نفسہ امور مباحہ ہیں اور ذرائع مقصود ہونے کی وجہ سے عبادت بالغیر ہیں اور آثار شورش وغیرہ امور وجدانی ہیں جو نہ طاعت ہے نہ معصیت اور خود محبت مامور بہا اور طاعت مقصودہ ہے پس کوئی امر بھی بدعت ومعصیت نہ ہوا۔

سحر کرشمۂ وصلش بخواب میدیدم	زہی مراتب خوابی کہ بہ ز بیداری ست

خواب سے مراد منام نہیں ہے بلکہ مقابل یقظہ کے ہے یعنی حالت بین النوم والیقظہ جو احیاناً اہل سلوک کو پیش آتی ہے۔ یعنی اس میں کچھ مشاہدات میسر ہوئے اور ایسا خواب بہت اچھا جو بیداری سے بھی بہتر ہو۔ تنبیہ:۔ یہ حالت مذکورہ از قبیل استغراق ہے اور استغراق میں ترقی ہوتی نہیں اور بیداری میں ترقی ہوتی ہے پھر بیداری سے وہ حالت کیسے افضل ہوسکتی ہے تو اس کی دو توجیہ ہیں ایک یہ کہ مطلق بیداری مراد نہ ہو بلکہ خاص وہ بیداری جس میں مشغول بہ ترقی نہ ہو پس عدم ترقی میں دونوں برابر پھر مشاہدہ میں وہ حالت فائق پس وہی افضل ہوئی دوسرے یہ کہ ابتداء میں بعض اوقات بعض ذرائع زیادہ انفع ہوتے ہیں بعض مقاصد سے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مقاصد میں شرائط کمال نہیں ہوتے مثلاً تلاوت بے خشوع اور ایسی حالت مذکورہ سے خشوع

پیدا ہو گیا پھر وہ تکمیل مقصود کا بھی ہو گیا تو اس اعتبار خاص سے ذریعہ افضل ہو گیا بعض مقاصد سے اور بعض اس لئے کہا کہ مقاصد میں جو فرائض وغیرہ ہیں وہ ہر حالت میں ذرائع سے افضل ہیں۔ اور یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ بعض مشائخ اذکار و اشغال میں مشغول کر کے تلاوت و نوافل کی تقلیل کرا دیتے ہیں سو حقیقت میں ان کو ترک کرانا مقاصد کا یا ترجیح دینا ذرائع کو مقصود نہیں بلکہ ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ طالب ان مقاصد کا اصل کامل بن جائے۔

خیال زلف تو پختن نہ کار خامان ست	کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیاری ست

مقصود بیان کرنا صعوبت عشق کا ہے کہ زلف مشابہ زنجیر کے ہے اور زنجیر کے تحت میں چلنا بڑی ہوشیاری کا کام ہے پس زلف محبوب کا طالب ہونا ہر خام کا کام نہیں اور یہ صعوبت باعتبار آثار عشق کے ہے کہ واردات شاقہ پیش آتے ہیں مثلاً قبض و ہیبت و حیرت و بعض مکاشفات جن میں احتمال اعتقاد امور غیر مشروعہ کا ہوتا ہے جو کہ ہلاکت حقیقیہ کا بھی سبب ہے جیسا دوسری جگہ خود فرمایا ہے۔

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسی ست	ہشدار و گوش رابہ پیام سروش دار

پس بڑی ہی احتیاط اور حزم درکار ہے۔

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق ازو خیزد	کہ نام آن نہ لب لعل و خط زنگاری ست
جمال شخص نہ چشم ست و زلف و عارض و خال	ہزار نکتہ درین کار و بار دلداری ست

مطلب یہ کہ جو جمال مدار ہے عشق کا وہ ایک کیفیت خاصہ ہے محبوب میں جو وجداناً مدرک ہوتی ہے یہ خط و خال وغیرہ مدار اس کا نہیں ہے اسی کو دوسری جگہ فرمایا ہے۔

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد	بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

اور اس میں ایک تحقیق عظیم کی طرف بھی اشارہ ہو گیا وہ یہ کہ بعض اہل ظواہر نے محبت الٰہیہ بمعنی میلان قلب و رجحان طبع کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس محبت کا سبب صرف حسن صورت ہوتا ہے اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے اس کا جواب اس طرح ہو گیا کہ ہم اس سبب کا انحصار حسن صورت میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ سبب اصلی ایک جمال و کمال خاص ہے جو علیٰ وجہ الکمال حضرت

حق میں موجود ہے بسط اس بحث کا احیاء العلوم کی کتاب المحبۃ میں ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔

بآستان تو مشکل توان رسید آری	عروج بر فلک سروری بدشواری ست

ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے۔ مقصود عظمت بیان کرتا ہے وصول الی المقصود کی تاکہ نعمت عظمی سمجھ کر اس کے لئے خوب سعی کی جائے اور اس کی علامات ظاہر ہونے کے وقت شکر ادا کیا جائے۔

روندگان طریقت بہ نیم جو نخرند	قبای اطلس آنکس کہ از ہنر عاری ست

قبای اطلس سے مراد عبادات ریائیہ اور ہنر سے مراد اخلاص۔ مقصود ظاہر ہے کہ اہل حقیقت کی نظر میں عبادت بے اخلاص کی کچھ وقعت نہیں۔ اس میں تاکید ہے تحصیل اخلاص کی۔

دلش بنالہ میازار و ختم کن حافظ	کہ رستگاری جاوید در کم آزاری ست

آزردن مراد ناخوش کردن۔ وکم آزاری مراد عدم ازاری۔ مقصود ارشاد ہے کہ عشق میں جو حالات ناگوار پیش آئیں اس سے شکوہ کرنا خلاف مرضی حق ہے جو تحمل رستگاری و نجات ہے بلکہ اصطبار ضروری ہے کما قال السعدیؒ۔ خوشا وقت شوریدگان غمش + اگر ریش بینند وگر مرہمش + دمادم شراب الم در کشند + وگر تلخ بینند دم در کشند + البتہ مغلوب الحال اس سے مستثنیٰ اور معذور ہے۔

غزل

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بی ادبی ست	زبان خموش ولیکن دہان پر از عربی ست

عربی مراد سخنان فصیح کہ از صدق حال برخیزد۔ اس میں ایک حالت خاص کا بیان ہے کہ جوش عشق میں اپنی جان نثاری و خدمت گزاری و وفاداری کے اظہار کا بعض اوقات جوش ہوتا ہے اس کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اگرچہ اپنی خوبی و ہنر کا محبوب کے سامنے پیش کرنا بے ادبی ہے اور اسی لئے زبان خاموش بھی ہے لیکن جوش اس قدر ہے کہ ایسے کلمات منہ تک آجاتے ہیں گو ضبط کیا جاتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہوگیا کہ جوش میں بھی دعوی کی کوئی بات نہ ہونا چاہئے کہ خلاف ادب ہے اور طرق العشق کلھا اداب۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز	بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی ست

مقصود یہ کہ عجب قحط بصیرت ہے کہ کاملین کے کمالات سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور شیخان مزور کو کامل سمجھ رکھا ہے اس میں اشارہ ہے کہ تجویز مرشد میں بصیرت و تحقیق سے کام لینا چاہیے کما قال الرومیؒ ۔ پس بہر دستی نباید داد دست

سبب مپرس کہ چرخ از چہ سفلہ پرورشد	کہ کام بخشی او را بہانہ بے سببی ست

یہ بطور سبب مضمون سابق کے ہے اور چرخ سے مراد عوام اہل عالم ہیں۔ مطلب یہ کہ عوام کی توجہ کا سبب کیا پوچھتے ہو ان کے رتبہ بخشی کے لئے کسی سبب معتد بہ کی تھوڑا ہی ضرورت ہے محض خیال کے پابند ہوتے ہیں جو جی میں آیا کر گزرے تحقیق کی عادت ہی نہیں۔ پس اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عوام کے ہجوم سے کسی کے کمال پر استدلال نہ کیا جائے۔

ازین چمن گل بے خار کس نچید آرے	چراغ مصطفوی با شرار بولہبی ست

مقصود یہ ہے کہ کوئی راحت بدون محنت اور کوئی نفع بدون تحمل ضرر میسر نہیں حتیٰ کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس محبوبیت کے ابولہب کی ایذائیں سہنا پڑیں۔ پس طریق طلب میں امور شاقہ وصعبہ ظاہرہ یا باطنہ جو خلاف مزاج پیش آئیں ان کا تحمل چاہیے تاکہ دولت مطلوبہ حاصل ہو۔

حسن ز بصرہ و بلال از حبش صہیب از روم	ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی ست

مقصود یہ ہے کہ ظاہری اسباب کو نہ موثر سمجھے نہ مانع بالکل دارومدار فضل اور مشیت پر ہے۔ اس میں تعلیم ہے کہ نہ اپنے کمالات پر ناز کرے نہ دوسرے کے نقائص پر اس کی تحقیر کرے۔ ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد۔

جمال دختر رز نور چشم ماست مگر	کہ در نقاب زجاجی و پردۂ عنبی ست

دختر رز بنت العنب شراب۔ واو چون از عنب حاصل می شود ورز جاج می ماند بطور حسن التعلیل محبوبیت اورا معلل بدین علت ساخت کہ شاید او در نقاب زجاجیہ است کہ از طبقات سہ گانہ چشم ست کہ مجموعہ آن جلیدیہ وزجاجیہ وبیضیہ است وشاید در حجاب عنبی ست کہ از طبقات ہفتگانہ چشم ست کہ مجموعہ آن صلبی ومشیمی وشبکی وعنبی وعنکبوتی وقرنی وملتحمی

ست ازین رو نور چشم ما باشد۔ وبلسان اشارت مقصود بیان کردن ست عزیز بودن نسبت عشقیہ را کہ در مستی مشابہ شراب ست وچون حسن التعلیل محض مضمون شاعرانہ می باشد ضرور نیست کہ در واقع چیزے مصداق آن شود بجز تحسین کلام وتشبیہ پس حاصل معنی آن باشد کہ عشق چنان عزیز ست کہ گویا نور چشم ماست کہ در رطوبت خاصہ وطبقہ خاصہ می ماند۔

دوای درد خود اکنون ازان مفرح جوی	کہ در صراحی چینی و شیشۂ حلبی ست

چون صراحی چینی وشیشۂ حلبی از انفس ظروف شراب ست کہ در و انفس شراب می ماند پس کنایہ شد از اکمل افراد خمر۔ مراد اس سے بھی وہی عشق ہے جو کامل درجہ کا ہو اور درد سے مراد امراض قلب کما قال الرومیؒ۔

ای دوای نخوت و ناموس ما	ای تو افلاطون و جالینوس ما

یا درد سے مراد ضلال طلب اور مفرح سے مراد نسبت وتعلیم اور صراحی چینی وحلبی سے مراد مرد کامل یعنی اگر اپنے درد طلب کی دوا کہ عبارت ہے وصول سے چاہتے ہو تو کسی کامل سے فیوض باطنی حاصل کرلو اور اس کی تلقین کا اتباع کرو۔

بہ نیم جو نخرم طاق خانقاہ و رباط	مرا کہ مصطبہ ایوان و پای خم طنبی ست

مصطبہ میخانہ وطنب خیمہ مشبک (گویم کہ شاید شامیانہ مراد باشد کہ رفیع ہم ست و درمیان منقش وقماش شباک ہم ست واللہ اعلم وشاید آنرا طنبی ہم گفتہ باشند منسوب الی اطناب بمعنی رسن) و بنای رفیع کذا فی الغیاث والہاعیہ والشرح چون در خانقاہ و رباط اکثر رسوم لایعنی وصورت طاعت بے معنی ماندہ بود لہٰذا کنایہ از عبادت ریائی گشت چنانکہ در مصرعہ مشہور ہ ع چو بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم ریائی + ومراد از میخانہ وخم سے طاعت مقرون بالمحبۃ والاخلاص ست۔ ترجمہ تو یہ ہے کہ خانقاہ و رباط کی محراب میں ایک جو کو بھی نہ خریدوں جبکہ میخانہ میرا ایوان ہے اور خم شراب کا پانو میری بنا ورفیع ہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو ایوان عشق وسامان عشق عطا فرمایا ہے میری نظر میں عبادت ریائی ہیچ ہے۔ مقصود اظہار نفرت ہے ریا سے۔

ہزار عقل و ادب داشتم من ای خواجہ	کنون کہ مست وخرابم صلای بی ادبی ست

عقل سے مراد عقل معاش اور ادب سے مراد ادب عرفی ہے یعنی وضعداری و تکلف۔ مطلب یہ کہ حصول عشق سے پہلے میں بھی عقل معاش اور ادب عرف کا مقید تھا جس کا منشا حب مال اور جاہ ہے اب تو اس کے ضد کے ساتھ متصف ہو گیا کما قال الرومیؒ ہر کرا جامہ ز عشقی چاک شد + او ز حرص و عیب کلی پاک شد + مقصود بیان کرنا ہے فضل عشق کا ترغیب کے لئے۔

بیاری کہ چو حافظ مدام استظہار	بگریۂ سحری و نیاز نیم شبی ست

استظہار پشتی و قوت۔ مطلب یہ کہ اے مخاطب شراب محبت حاصل کرو جس کے لوازم میں سے گریہ و نیاز ہے کیونکہ کامیابی میں امداد اسی گریہ و نیاز سے ملتی ہے جس طرح حافظ کو اسی سے امداد ملی۔ اور بعض نسخوں میں بجائے استظہار کے استغفار ہے یعنی تم جو ظاہری استغفار پر مغرور ہوئے ہو اور عشق و محبت سے مستغنی ہو تو اصل استغفار تو یہی گریہ و نیاز ہے جو موقوف ہے عشق و محبت پر جس طرح حافظ بھی اسی استغفار میں مشغول ہے پس اس کو حاصل کرو۔ اور اگر بیار کا مخاطب ساقی و مرشد ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ فیض عشق عطا فرمایئے کہ حافظ کو جس طرح استظہار یا استغفار اس سے نصیب ہوا مجھ کو بھی ہو پس حافظ کو ایک دوسرا شخص بطور تجرید کے فرض کر لیا گیا۔

غزل

عیب رندان مکن ای زاہد پاکیزہ سرشت	کہ گناہ دگرے برتو نخواہند نوشت
من اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش	ہر کسی آن درود عاقبت کار کہ کشت
ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار و چہ مست	ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت
سر تسلیم من و خاک در میکدہا	مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت
ناامیدم مکن از سابقۂ روز ازل	تو چہ دانی کہ پس پردہ کہ خوب ست و کہ زشت
نہ من از خانۂ تقوی بدر افتادم و بس	پدرم نیز بہشت ابداز دست بہشت
بر عمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روز ازل	تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت
گر نہادت ہمہ این ست زہی پاک نہاد	در سرشتت ہمہ این ست زہی پاک سرشت

باغ فردوس لطیف ست ولیکن زنہار	تو غنیمت شمر این سایۂ بید و لب کشت
حافظا روز اجل گر بکف آری جامی	یکسر از کوی خرابات برندت بہ بہشت

اس تمام تر غزل میں خطاب ہے ایسے شخص کو جو ظاہر پر جمود کئے ہو اور اہل باطن کے حال سے بے خبر ہو اور اہل حال کو ظاہر میں نصیحت کرتا ہو مگر اس نصیحت میں اعتراض اور طعن اور تحقیر اور اپنے ترفع و تقدس کا اظہار ہو پس اس کا مختلف عنوانوں سے جواب دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ اے زاہد پاکیزہ سرشت تم ہم رندوں کا عیب مت کیا کرو (پاکیزہ سرشت باعتبار اس کے زعم کے یا بطور تمسخر کے کہا) دوسرے شخص کا گناہ تمہارے نامہ اعمال میں تو نہ لکھا جائے گا (یہ جواب علی سبیل التنزل ہے یعنی ہماری حالت اگر تمہارے نزدیک گناہ ہی ہے تو بھی اتنا پیچھے کیوں پڑتے ہو گناہ ہم کو ہوگا تم کو تو نہ ہوگا۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص یہ سمجھ کر نصیحت نہ کیا کرے یہ تو سنت انبیاء علیہم السلام و نصوص کے خلاف ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب ناصح مخاطب کو حق پہنچا چکا تو فرض ادا ہو گیا اب ہر وقت اس کے درپے ہونا اس شخص کا کام ہے جو مامور من اللہ ہو یا مامور من السلطان ہو جیسے انبیاء علیہم السلام یا سلاطین و حکام یا امیر البیت وغیرہ کہ یہ مامون ہوتے ہیں فتن باطنی سے ورنہ اکثر ریا و تفاخر منشاء ہو جاتا ہے پند و موعظت کا۔ اور قرآن مجید میں آیہ یا یھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم اور حدیث میں ارشاد لایقص الا امیر او مامور او مختال اسی پر محمول ہے البتہ جو مخلص ہو وہ ملحق بالمامورین ہے وقلیل ماھم اور یہاں کلام باعتبار اکثر اور غالب حالت کے ہے) آگے فرماتے ہیں کہ اگر میں نیک ہوں یا بد ہوں تم جاؤ اپنا کام کرو (یعنی اپنا کام چھوڑ کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے یہ بھی اشارہ ہے ایک مفسدہ کی طرف جو ایسے ناصح کو پیش آتا ہے یعنی بعض احوال میں دوسرے کو نصیحت کرنا محض مستحب ہوتا ہے مگر اس مشغولی میں اپنے فرض کام ضائع ہو جاتے ہیں تو ایسا مستحب پھر غیر مباح ہو جاتا ہے) ہر شخص انجام کار وہی کاٹے گا جو اس نے بویا ہوگا (آگے دوسرے عنوان سے فرماتے ہیں کہ) تمام آدمی محبوب کے طالب ہیں اس میں ہوشیار و مست سب آگئے اور ہر جگہ عشق ہی کا ظہور ہے اس میں مسجد اور بت خانہ سب آ گیا (یعنی جس طرح مطلق طلب کی

دو قسمیں ہیں ایک مقبول کہ بالذات و بالقصد طلب کرتا جیسے موحدین کی طلب ہے دوسرے
بواسطہ کسی مخلوق حقیقی یا خیالی کے اور بالقصد کے جیسے مشرکین کی طلب ہے کہ مخلوقات کو ذی
کمال سمجھ کر ان کا قصد کرتے ہیں اور وہ کمال خواہ حقیقی ہو یا وہمی مستفاد من الواجب ہے تو
حقیقت میں مطلوب وہی ہوا مگر طالب کا قصد اس سے متعلق نہیں گو وہ زعم تعلق میں مغرور ہو
اسی طرح طلب مقبول کی دو قسمیں ہیں ایک طلب ہوشیاری کے ساتھ دوسری طلب مستی کے
ساتھ جیسے ہماری طلب ہے پھر جب یہ بھی ایک قسم طلب مقبول کی ہے پھر ہم پر اس طلب میں
کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ مصرعہ ثانیہ میں تقسیم اول کی طرف اور مصرعہ اولی میں تقسیم ثانی کی
طرف اشارہ ہے آگے فرماتے ہیں کہ) میرا سر تسلیم و نیاز تو خاک درمیکدہ سے جدا نہ ہوگا
(یعنی حالت عشقیہ کو ایسے اعتراضوں سے نہ چھوڑوں گا) اگر مدعی (یعنی معترض کہ مابہ
الاعتراض کا مدعی ہوتا ہے یا اپنی بروتقوی کا مدعی ہوتا ہے بات کو نہ سمجھے (یعنی مختلف عنوانوں
سے سمجھانے پر بھی نہ سمجھے) تو اس سے کہہ دو کہ اینٹ سے سر پھوڑ لے (یہ کنایہ ہے عدم
حصول مقصود سے آگے فرماتے ہیں کہ) تم مجھ کو روز ازل میں جو قرار پاچکا ہے اس سے ناامید
مت کرو (یعنی ایسے حکم مت لگاؤ کہ یہ کافر ہے دوزخی ہے) تم کو کیا معلوم کہ پس پردہ کون اچھا
ہے اور کون برا ہے (کما قال تعالی فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی مطلب یہ
کہ اگر میری حالت بری ہو تو شاید اچھی ہو جائے اور اگر تمہاری حالت اچھی ہی ہو تو شاید بری
ہو جائے تو تفاخر اور تحقیر نہایت قبیح ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ) کچھ میں ہی خانہ تقوی سے
باہر نہیں نکلا میرے باپ آدم علیہ السلام نے بھی جنت الخلد کو ہاتھ سے دیدیا تھا (بہشت ابد
کے یہ معنی ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ ابد کے لئے الخ حاصل یہ کہ مجھ سے اگر کوئی لغزش وخطا
ہوگئی تو آخر آدمی ہوں خود آدم علیہ السلام سے ہوگئی تھی تو اس قدر اور اس طرح سے طعن و تشنیع
مناسب نہیں قال علیہ السلام نسی آدم فنسیت ذریۃ وجحد آدم فجحدت ذریۃ۔
آگے فرماتے ہیں تم جو ایسی بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اپنے
عمل پر تکیہ ہے تو) میاں عمل پر بھی تکیہ مت کرنا کیونکہ یوم التقادیر میں معلوم نہیں تم کو سعید لکھا
ہے یا شقی اور اگر آپ کی یہی ذات ہے تو آپ عجب ذات شریف ہیں اور اگر آپ کی یہی

طینت ہے تو بہت ہی نیک طینت ہے (مطلب یہ کہ اگر اس تنبیہ پر بھی تم باز نہیں آتے اور یہی طرز تمہاری طبیعت ہوگئی ہے تو سلام ہے ایسی طبیعت کو وہذا کما قال فی الشعر الاول پاکیزہ سرشت تجلہا وہذا ماادی الیہ ذوقی۔ آگے فرماتے ہیں کہ تم جو محض اعمال ظاہری کی ترغیب جنت کے لئے دے رہے ہو اس میں شک نہیں کہ) باغ جنت لطیف ہے لیکن یاد رکھو کہ سایہ بید اور لب کشت یعنی نسبت عشقیہ کہ مثل سایہ بید و لب کشت کے فرحت بخش ہے نیز قابل غنیمت سمجھنے کے ہے (یعنی اس کو بھی حاصل کرو کہ جنت کی کامل نعمتیں اسی پر موقوف ہیں قال تعالے والسابقون السابقون اولئک المقربون بعد قولہ تعالیٰ اصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ خواہ یہ عشق سلف کے لون سے ہو یا خلف کے لون سے مگر یہ متیقن ہے کہ نہ بد خشک کو کسی نے سلف میں سے بھی کافی نہیں سمجھا۔ آگے اپنے کو وہی او پر والی نصیحت کرتے ہیں کہ تم بھی اپنی نسبت عشقیہ پر مغرور مت ہو تا اس کا اعتبار بھی خاتمہ پر ہے) اے حافظ اگر خاتمہ کے روز یہ جام محبت حاصل رہا تو اس خرابات دنیا سے سیدھے جنت میں پہنچیں گے (ورنہ خاک بھی نہیں فقط)۔

جز آستان توام در جہان پناہی نیست	سر مرا بجز این در حوالہ گاہے نیست

خطاب ہے محبوب حقیقی کو کہ بجز آپ کے آستانہ کے میری کہیں پناہ نہیں یہی حاصل ہے مصرعہ ثانیہ کا۔ اس میں تعلیم ہے توکل و تفویض و اعتماد علی الحق کی۔

عدو چو تیغ کشد من سپر بیند ازم	کہ تیر ما بجز از نالۂ و آہے نیست

نالہ باشباع می باید خواند ورنہ سکتہ لازم می آید۔ وسپر انداختن کنایہ از عجز و ترک جنگ۔ مطلب یہ کہ میں انتقام نہیں لیتا ہمارا ہتھیار صرف آہ و نالہ ہے۔ اس میں تعلیم ہے سالک کو صبر و رضا و تسلیم کی اور تسلیہ ہے وعدہ نصرت سے۔

چرا ز کوی خرابات روے برتابم	کزین بہم بجہان ہیچ رسم و راہی نیست

بہم مرکب از لفظ بہ بمعنی بہتر و میم متکلم بمعنی مرا۔ مطلب یہ کہ طریق عشق سے بہتر کوئی طریق نہیں اس کو کبھی ترک نہ کروں گا اس میں تعلیم ہے استقامت و ثبات علی مشاق السلوک کی خواہ ظاہری ہوں یا باطنی۔

زمانہ گر بزند آتشم بخرمن عمر	بگو بسوز کہ برمن ببرگ کاہی نیست

یعنی اگر زمانہ مجھ کو ہلاک بھی کردے کچھ پروا نہیں کیونکہ عمر و حیات کی قدر میرے نزدیک ایک برگ کاہ کے برابر بھی نہیں اس میں تعلیم ہے عدم توحش عن الموت کی کہ یہی توحش سبب ہے حرص وطول امل وغیرہ کا۔

غلام نرگس جماش آن سہی سروم	کہ از شراب غرورش بکس نگاہی نیست

جماش مست و دلیر و شوخ و مراد از نگاہ احتیاج کما فی قولہ تعالیٰ **لاینظر الیھم ارید بالنظر نظر الرحمۃ لا مطلق النظر**۔ و شراب غرور عبارت از استغناء۔ مقصود بیان کرنا صفت غنا محبوب کا ہے اور علاوہ تحقیق مسئلہ صفات کے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ سالک اس کی غنا پر نظر رکھے اور اپنی عبادت و ریاضت پر ناز نہ کرے جو کچھ کوئی کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے قال تعالیٰ **من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین**۔

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن	کہ در شریعت ما غیر ازین گناہی نیست

یعنی برابر این گناہے نیست مبالغۃ باین عنوان تعبیر نمودہ۔ مقصود بالخصوص امر فرمانا ہے اہتمام تقویٰ و ورع کا حقوق العباد سے کہ سالک کے لئے سب سے بڑھ کر مضر ہے کہ تدارک اس کا خارج از اختیار ہے۔ نیز سلوک میں قلب میں خشوع پیدا کرنا خصوصیت کے ساتھ مطمح نظر ہے کہ وہ منبع ہے جمیع اخلاق حسنہ کا اور ازار دینا ناشی ہے قساوت قلب سے جو منافی خشوع ہے اس لئے بھی خلاف موضوع ہونے میں اشد ہے۔

عنان کشیدہ روای پادشاہ کشور حسن	کہ نیست بر سر راہے کہ دادخواہی نیست

سہل یہ ہے کہ خطاب مرشد کو ہو کہ ذرا تفصیلی نظر سے طالبین کی طرف جزئیا جزئیا توجہ کیجئے (کیونکہ عنان کشیدہ چلنا سبب ای تفصیلی نظر کا ہوتا ہے) سر راہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو دادخواہ نہ ہو (یعنی سب محتاج تربیت ہیں۔ اس میں ارشاد ہوگا مشائخ کو کہ طالبین سے استغناء نہ کریں) اور بعض نے محبوب حقیقی کو مخاطب ٹھہرا کر یہ تقریر کی ہے کہ تجلی کے بعد جو استتار ہو جاتا ہے کچھ تو تجلی کو توقف وامہال ہونے دیجئے کہ بہت سے مشتاق رو براہ ہیں۔

عقاب جور کشادہ است بال در ہمہ شہر	کمان گوشہ نشینے و تیر آہے نیست

مدلول لفظی ظاہر ہے۔ شاید مقصود اس سے متنبہ کرنا ہو اہل ظلم کو کہ اب تک جو باوجود اس ظلم وستم کے بچے ہو اس پر نازمت کرنا کسی اہل دل نے اب تک اس طرف توجہ نہیں کی ورنہ قلع وقمع ہو جاتا اور ان کی توجہ کا کوئی ضابطہ اور وقت معین نہیں پھر کس چیز کے دھوکے میں ہو۔ اس میں تحذیر ہوگی ظلم سے خصوص اہل دل پر جیسا اکثر منکرین معاندین کا شیوہ ہے۔ اور یا مقصود اس سے درخواست ہے اہل دل سے کہ اپنے معاملہ میں خواہ صبر کرو مگر عامہ خلائق پر جو شخص ظلم کرے اس وقت اپنے تیر وکمان بددعا سے کام لینا چاہئے اور یہ قید دوسرے دلائل سے معلوم ہے کہ جب بذریعہ نصیحت یا دعا اصلاح ہونے سے یاس ہو جائے۔

چنین کہ در ہمہ سو دام راہ می بینم	بہ از حمایت زلف تو ام پناہے نیست

مدلول لفظی ظاہر ہے مقصود یہ ہے کہ جب شیاطین انس یعنی شیوخ مزورین وشیاطین جن یعنی موسوسین ومغوین کا ہجوم ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کرے کہ وہ ان اعداء سے محفوظ رکھے اور شریعت کو ایسے وقت معیار بناتا اور دعا بھی کرتا یہی اعتصام بحبل اللہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہر خطرہ سے مامون ومصون رہے گا۔

خزینۂ دل حافظ بزلف وخال مدہ	کہ کارہای چنین حد ہر سیاہی نیست

سیاہ غلام حبشی۔ دعا کرتے ہیں کہ میرا دل کہ کنز معرفت ہے بالقوہ یا بالفعل محبوبان مجازی کے زلف وخال میں مبتلا نہ ہونے دیجئے کیونکہ ایسے امور عظیم الشان کہ مالک ہونا ہے ایسے کنز کا ایسے غلاموں کی حیثیت کے لائق نہیں۔ زلف وخال کو سیاہ سے تعبیر کرنے کا لطف ظاہر ہے باعتبار لون کے بھی اور باعتبار بے قدری کے بھی۔ اس میں تعلیم ہے کہ عشق مجازی سے قصداً بچنا چاہئے اور جو بلا قصد ہو جائے اس سے حقیقت کی طرف متوجہ ہونے کا قصد کرنا چاہئے بطریقۃ الذی قد عرف۔

غزل

حال دل باتو گفتنم ہوس ست	خبر دل شنفتنم ہوس ست

مضمون لفظی یہ ہے کہ اپنا حال تجھ سے کہنے کی ہوس ہے اور اس کی ہوس ہے کہ اپنا حال دل کہہ کر تجھ سے اپنے دل کے بارہ میں کوئی خبر سنوں کہ علاوہ بالوصل وغیرہ کی سننے کی امید بندھ جائے اور مقصود یہ ہے کہ اے مرشد یوں جی چاہتا ہے کہ اپنے امراض قلب یا واردات بیان کر کے آپ سے اس کے متعلق اصلاح یا تفسیر و تعبیر یا طریق ترقی سنوں۔

طمع خام بین کہ قصۂ فاش	از رقیبان نہفتنم ہوس ست

مطلب لفظی ظاہر ہے کہ باوجود اس قصۂ عشق کے فاش ہونے کے پھر اس کے پوشیدہ رکھنے کی ہوس کرنا طمع خام ہے اور مقصود معنوی اشارہ اس طرف ہے کہ جو حالت بلا اختیار ظاہر و فاش ہو جائے اس کے اخفاء کی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں اور محققین کا یہی مسلک ہے کہ کسی حال کے نہ اظہار کا قصد کیا جائے نہ اخفاء کا کہ دونوں میں التفات الی الغیر ہے اور اصل مقصود توجہ بحت الی اللہ ہے۔

شب قدری چنین عزیز شریف	با تو تا روز خفتنم ہوس ست

شب قدر مراد عمر کہ قابل قدر ہست و چون دنیا محل تاریکی و اختفاء حقائق ست تشبیہ بشب دادن مناسب شد و روز مراد روز مرگ کہ وقت ابتہاج و انکشاف حقائق ست کما قال علیؓ الناس نیام اذا ماتوا انتبہوا مطلب یہ کہ یوں جی چاہتا ہے تمام عمر دم مرگ تک آپ کے ساتھ معیت بالقلب میسر رہے تاکہ اس کے ثمرہ میں بعد مرگ معیت بالجناب میسر ہو۔

وہ کہ در دانۂ چنین نازک	در شب تار سفتنم ہوس ست

ترجمہ لفظی ظاہر ہے کہ شب تاریک میں ایسے گوہر نازک کو سفتہ کرنا ہوس محض ہے۔ اور مقصود معنوی یہ ہے کہ دنیا میں کہ مشابہ شب تاریک کے ہے بالحجب الذی قد ذکرنا فی شرح الشعر السابق وصل بالمحبوب کی تمنا کرنا محض ہوس ہے۔ مقصود بیان کرنا اس خیال کے غلط ہونے کا ہے لامتناع الشرعی والا فہذا اخذ بالتمنی الغیر الاختیاری۔

ای صبا امشبم مدد فرما	کہ سحرگہ شکفتنم ہوس ست

یعنی اے فیاض حقیقی یا اے مرشد کہ فیاض مجازی ہے دنیا میں میری مدد فرمایئے تاکہ صبحگاہ

قیامت میں مجھ کو شگفتگی وکمال انبساط کہ وصال بلا حجاب ہے نصیب ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ مجاہدات وریاضات میں استمداد من اللہ ہی مدار اعظم ہے اپنی قوت پر اعتماد نہ کرے۔

از برای شرف بنوک مژہ	خاک راہ تو رفتم ہوس ست

از برای وبنوک ہر دو متعلق برفتن۔ اس میں تعلیم ہے تحمل مشاق وتذلل کی تحصیل مقصود میں۔

ہمچو حافظ برغم مدعیان	شعر رندانہ گفتنم ہوس ست

رغم خاک آلودہ شدن مراد بعکس مراد مدعیان۔ مطلب یہ کہ مدعیوں اور معترضوں کی پرواہ نہ کرنا چاہئے اپنے عاشقانہ کام میں لگا رہنا چاہئے۔

غزل

حسنت باتفاق ملاحت جہان گرفت	آری باتفاق جہان میتوان گرفت

چونکہ ملاحت سے حسن کا کمال سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ کنایہ کمال سے ہوا یعنی چونکہ محبوب حقیقی حسن ذاتی وصفاتی کے ساتھ موصوف ہیں اور اس وصف میں کامل بھی ہیں اس لئے تمام عالم مسخر قدرت ہے طوعا یا کرہا اور اس تسخیر میں صفات کمال مثل علم وقدرت وحکمت وغیرہا کا دخل ظاہر ہے اور یہ سب حسن میں داخل ہوگیا وہذا کقولہ تعالیٰ ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً۔ مقصود اس بیان کمال سے تصحیح عقیدہ بھی ہے اور طالب کو ترغیب بھی ہے کہ ایسے کامل سے ضرور محبت کا تعلق ہونا چاہئے۔

افشای راز خلوتیان خواست کرد شمع	شکر خدا کہ سر دلش برزبان گرفت

خواست کردن یعنی کردن خواست۔ و راز خلوتیان سوز وگداز کہ لازمہ عشق است وشمع عاشق۔ وگرفت گرفتہ شد کنایہ از بند شدن زبان۔ ولطافت شعری درین آنست کہ سوزش شمع کہ سر دل اوست در زبان اوکہ طرف بالائی اوست میرسد۔ ترجمہ لفظی یہ ہے کہ شمع نے چاہا تھا کہ راز اہل خلوت کا ظاہر کرے مگر اس کے راز دل نے زبان تک پہنچ کر اس کو سوختہ کر دیا اور اس کو اظہار سے بند کر دیا۔ مقصود یہ ہے کہ عشق ایک کیفیت وجدانی ہے کوئی شخص اس کے بیان کافی پر قدرت نہیں رکھتا جو شخص اس کا ارادہ کرے اس کی زبان اس سے عاجز ہو جاتی

ہے۔ اور تمام امور وجدانیہ کی یہی کیفیت ہے کہ زبان اس کی تعبیر سے عاجز و قاصر ہے پس اگر کوئی مضمون عاشق کا غیر مفہم ہو یا خلاف حق کا موہم ہو اس پر طعن مت کرو۔

از غیرتش صبا نفس اندر دہان گرفت	میخواست گل کہ دم زند از رنگ و بوی تو

شین در غیرتش مضاف الیہ نفس ست۔ مدلول لفظی یہ ہے کہ گل اپنے میں رنگ و بو دیکھ کر تیرے رنگ و بو کے مساواۃ کا دعوی کرنا چاہتا تھا۔ مگر صبا نے غایت غیرت سے اس کا سانس اس کے منہ ہی کے اندر پکڑ لیا یعنی بولنے نہ دیا چنانچہ گل کا نہ بول سکنا ظاہر ہے۔ اور اس میں نہ بولنے کی ایک ادعائی علت بطور حسن التعلیل کے ہے۔ اور بعض نسخوں میں اس طرح ہے نفسش در دہان الخ پس غیرتش کے معنی ہوں گے غیرت خود اور بعض نسخوں میں ہے غیرت یعنی از غیرت بر تو۔ حاصل سب کا ایک ہی ہے مقصود معنوی یہ ہے کہ سالک پر جب غلبہ توحید کا ہوتا ہے تو اپنے افعال و صفات کو عین افعال و صفات حق تخیل کر کے دعوی منصوری کرنا چاہتا ہے مگر فیض وحی کہ پیغام رسانی دوست میں مشابہ صبا کے ہے بمقتضائے غیرت کہ صفات حق میں سے ہے جس کا مقتضا نہی عن القبیح ہے اس کی زبان پکڑتا ہے یعنی شریعت نہی تشریعی اس کو منع کرتی ہے گو اثر اس نہی کا واقع نہ ہو۔ کیونکہ امر تشریعی مستلزم تشریع ہے مستلزم تکوین نہیں۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ جب تک مرفوع القلم نہ ہو ایسی حالت میں کف لسان واجب ہے گو غلبہ حال سے ضبط میں کسی قدر تکلف اور تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔

ہر داغ دل کہ بادہ چون ارغوان گرفت	چون لالہ کج نہادہ کلاہ طرب ز کبر

ہر داغ دل الخ مبتدا و کج نہادہ الخ خبر چون حرف تشبیہ و کبر کبر ظاہری یعنی استغنا۔ و داغ دل عاشق کہ دلش داغ شدہ باشد و چون ارغوان یعنی سرخ مشابہ ارغوان کہ نام گلے ست سرخ رنگ۔ مطلب یہ کہ جس عاشق نے بادہ عشق نوش کر لیا وہ تمام ماسوی اللہ سے مستغنی ہو گیا گویا لالہ کی طرح کلاہ طرب کج رکھے ہوئے ہے۔ اس میں ترغیب ہے تحصیل عشق کی۔ اور بعض نسخوں میں ہے ہر دل کہ داغ بادہ الخ معنی یہ ہوں گے کہ جس دل نے ایسی بادہ کے داغ یعنی طلب کو اختیار کر لیا اور ترکیب وہی ہے۔

زان روی عشق ساغری خرمنم بسوخت	کآتش زعکس عارض ساقی دران گرفت

روی وجہ بمعنی سبب یعنی ازان سبب۔ مدلول لفظی تو ظاہر ہے کہ ساغری میں چونکہ عارض ساقی کا عکس پڑتا تھا اس لئے میں اس ساغر کی طلب میں بیتاب وبیقرار ہوگیا اور بلسان اشارت ساغری سے مراد تجلی افعالی اور عارض ساقی سے مراد تجلی صفاتی من حیث انہ ناش من التجلی الذاتی کما یدل علیہ اضافۃ العارض الی الساقی الذی ہو الذات۔ پس مطلب یہ ہوا کہ افعال حق (جو دال ہیں صفات حق پر اور ابتدائے سلوک میں یہی مطمح نظر ہوتا ہے قال اللہ تعالٰی (ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا الآیہ) اس لئے میری خرمن ہستی کے سوختہ کرنے والے اور فاعل حقیقی کے عشق میں بیتاب کرنے والے ہوگئے کہ ان میں صفات کی اور ان کے واسطے سے ذات کی تجلی تھی۔ اس میں تعلیم ہے ترقی نظر کی سلوک میں اس طرح سے کہ افعال سے صفات کی طرف اور ان سے ذات کی طرف توجہ کرے اور بعض نسخوں میں ہے آن روز عشق الخ اور روز سے مراد وقت یعنی اسی وقت سے ایسا ہوگیا تھا۔

آسودہ برکنار چو پرگاری شدم	دوران چو نقطہ عاقبتم درمیان گرفت

ترجمہ یہ ہے کہ میں پرگار کی طرح کہ کنارہ پر چلا کرتا ہے نہایت راحت کی حالت میں چل رہا تھا آخر زمانہ نے مجھ کو نقطہ کی طرح کہ وسط میں ہوتا ہے۔ اندر لے لیا۔ اور شرح اس کی بعض شراح نے یہ کی ہے کہ میں پہلے عشق سے خالی تھا مگر آخر اس میں مبتلا ہوکر مصیبت میں پھنس گیا مگر احقر کا ذوق اس کو اس لئے قبول نہیں کرتا کہ سوق کلام سے ترشح ہوتا ہے کہ پہلی حالت کو ترجیح دے رہے ہیں پچھلی حالت پر اور یہ امر نہایت بعید ہے کہ خلو عن العشق کو عشق پر ترجیح دیں اس لئے احقر کے نزدیک بعض محشیوں کی توجیہ اچھی معلوم ہوتی ہے کہ جب تک دنیا سے بے تعلق تھا بڑی راحت تھی اب تعلقات میں پڑکر گرفتار بلیات ومصائب ہوگیا۔ پس اس میں تحقیر ہے تعلقات ہوا وہوس سے کہ مضیع راحت روحانیہ ہے اور بعض اوقات متلف راحت جسمانیہ بھی۔

خواہم شدن بکوی مغان آستین فشان	زین فتنہا کہ دامن آخر زمان گرفت

یعنی اس زمانہ میں کہ آخری زمانہ ہے کہ اس میں وقوع فتن نصوص میں وارد ہے جو فتنے ظاہری و باطنی برپا ہیں ان سب سے اعراض کرکے عشق و معرفت کی پناہ حاصل کروں گا چنانچہ احادیث میں ذکر و طاعت کو حصن سے تشبیہ دی گئی) ہے۔ جس میں احکام شرعیہ و احوال عشقیہ سب داخل ہو گئے کہ ان پر استقامت و استدامت عاصم عن جمیع المکارہ ہے۔

بر برگ گل زخون شقائق نوشتہ اند	کانکس کہ پختہ شدمی چون ارغوان گرفت

ارغوان یعنی انار دانہ از غیاث ۱۲

شقائق لالہ و مراد از گل گل لالہ یعنی لالہ جو اپنے کمال کو پہنچ کر اپنے خون میں رنگین یعنی سرخ ہو جاتا ہے یہ گویا بزبان حال اس بات کو بتلا رہا ہے کہ جو شخص پختہ یعنی عاقل کامل اور تجربہ کار ہوگا وہ اسی طرح مئی سرخ یعنی طریق عشق کو حاصل کرے گا۔ اس میں بھی فضیلت ہے عشق الٰہی کی کہ کمال عقل کا مقتضا اسی طریق کو اختیار کرنا ہے۔

مَی دہ کہ ہر کہ آخر کار جہان بدید	از غم سبک برآمد و رطل گران گرفت

سبک حال۔ و آخر کار جہان زوال و اضمحلال۔ و رطل پیمانہ شراب و رطل گران پیمانہ بزرگ کذا فی الغیاث و مقابلہ اش با سبک (و در ترکیب ۱۲) لطافت شاعری ست۔ مطلب یہ کہ اے ساقی عنایت ازلی مجھ کو فیض عشق عطا فرما کیونکہ عشق ایسی محبوب اور مرغوب چیز ہے کہ جس نے اس دنیا کا انجام کار کہ فنا و زوال ہے دیکھ لیا وہ اس کے غم و فکر سے ہلکا پھلکا نکل کر ساغر عشق ہی کو اختیار کرے گا اور بعض نسخوں میں مَی خور ہے اور یہ زیادہ واضح ہے۔

مَی دہ بجام جم کہ صباح صبوحیان	چون بادشہ بہ تیغ زرافشان جہان گرفت

صبوح شراب یک بامداد نوشند و صبوحی آنکس کہ درین وقت شراب نوشد و صباح صبوحیان ظرف گرفت و فاعل گرفت ضمیر راجع بجام و بہ تیغ متعلق بہ گرفت و جملہ صباح الخ صفت جام جم ای جامیکہ در صباح تمام جہان را مثل بادشاہ بہ تیغ زرافشان گرفتہ است یعنی تمام عالم را منور ساختہ است مثل بادشاہیکہ جہان را مسخر کند بہ تیغے کہ شعاعش چون تاب زرریز دو مراد بجام

جم لطیفۂ قلب کہ اول عشق دران پری می شود وازان پس در قلب مادی ومنور شدن عالم مادی از لطیفۂ قلب پر ظاہر ست کہ منزہ از مادہ وواسطہ فیوض الٰہیہ ومربی جسم مادی ست مطلب یہ کہ لطیفہ قلب میں کہ مشابہ جام جم ہے اور جس کی ایسی ایسی شان ہے مئے محبت بھر کر عطا کر دیجئے اور بعض نسخوں میں جام زر ہے اور اس کا تناسب تیغ زرافشان سے زیادہ ظاہر ہے۔

فرصت نگر کہ فتنہ چو در عالم اوفتاد	عارف بجام می زد واز غم کران گرفت

می مفعول زد و معنی بجام می راز دیعنی بجام انداخت یعنی اے طالب تم فرصت اور موقع کے منتظر رہو جب سامان میسر ہو فوراً تحصیل عشق میں سعی شروع کر دو کیونکہ عارفوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ جب عالم میں کوئی ظاہری یا باطنی فتنہ دیکھا فوراً قلب میں محبت پیدا کر کے سب جھگڑوں سے یکسو ہو گئے۔ یہاں دو شبہے ہوتے ہیں ایک یہ کہ تحصیل محبت ہر وقت واجب ہے پھر فرصت نگر کے کیا معنی۔ دوسرے یہ کہ اسی بنا پر وقوع فتن کی قید کیوں ہے۔ جواب یہ کہ یہ دونوں قیدیں ایسی ہیں جیسے حدیث بیعت میں ہے ما استطعتن یعنی قید واقعی ہے کیونکہ طاقت ہر وقت ہے اسی طرح فرصت اور وقوع فتن ہر وقت ہے اس طرح کی تعبیر میں تسہیل ہے طبع طالب پر پھر ذرا توجہ سے اس قید کا وقوع بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور مقید کے ایقاع کو ضروری سمجھتا ہے۔

زین آتش نہفتہ کہ در سینہ من ست	خورشید شعلہ ایست کہ در آسمان گرفت

اس میں معنی ظاہری کے اعتبار سے تو شاعرانہ مبالغہ ہے چنانچہ ظاہر ہے اور معنی باطنی کے اعتبار سے مضمون محققانہ ہے وہ یہ کہ سینہ سے مراد لطیفہ قلب مجازاً اور چونکہ وہ مادی نہیں اس لئے غیر محدود بمکان ہے اور آتش نہفتہ کہ عبارت ہے محبت سے اس کی صفت بحلول سریانی ہے اور محل کے غیر محدود ہونے سے ایسے حال کا غیر محدود ہونا ظاہر ہے اور آسمان مادی ہے اور اس کا شعلہ آفتاب بھی مادی اور حرارت اس کے واسطے سے مادی اور محدود ہے اور غیر محدود معنی اعظم ہے محدود سے پس بوجہ اعظمیت کے وہ مثل کل ومتبوع کے ہوا اور غیر اعظم مثل جزو تابع کے ہوا اس لئے از کہنا صحیح ہو گیا پس مقصود اس سے بیان کرنا ہے شرف ودائع انسانیہ کا تاکہ سالک ان سے کام لے۔

حافظ چو آب لطف ز نظم تو میچکد	غیرے چگونہ نکتہ تواند بر آن گرفت

ظاہرا تو اپنی مدح ہے مگر مقصود یہ ہے کہ ملفوظات اہل حال پر ظاہر الفاظ دیکھ کر نکتہ چینی نہ چاہئے بلکہ لطافت معانی کو دیکھنا چاہئے تاکہ حرمان وخسران سے بچے۔

غزل

خیال روی تو در ہر طریق ہمرہ ماست	نسیم موی تو پیوند جان آگہ ماست

نسیم موی یعنی نسیمے کہ بر موی تو گزر کردہ می آید یا مراد خوشبو مجازا۔ مدلول لفظی ظاہر ہے اور بلسان اشارت یہ تفسیر ہوسکتی ہے تصور شیخ کی یا دوام عشق ومعیت محبوب حقیقی کی۔

بجتن کہ سیب زنخدان او چہ میگوید	ہزار یوسف مصری فتادہ درچہ ماست

ترجمہ ظاہر ہے مقصود بیان کرتا ہے کہ محبوب حقیقی سب محبوبوں سے اجمل واکمل ہے تاکہ طالب بشراشرہ (پوری طور پر ۱۲) اسی کی طرف متوجہ ہو اور دوسری طرف التفات نہ کرے۔

برغم مدعیانے کہ منع عشق کنند	جمال چہرۂ تو حجت موجہ ماست

برغم بمعنی برخلاف یعنی جو لوگ مانع عشق ہیں۔ ان کے جواب میں محبوب کا چہرۂ لطیف حجت کافیہ ہے کہ خود اگر دیکھ لیں تو عاشق ہو جائیں یا کم از کم ہم کو تو مورد اعتراض نہ بناویں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشاق پر جو لوگ معترض ہیں سبب اس کا حقیقت سے بےخبری ہے۔

اگر بزلف دراز تو دست ما نرسد	گناہ بخت پریشان ودست کوتہ ماست

مطلب یہ کہ محبوب تک جس شخص کی رسائی نہ ہو اس کو چاہئے کہ اپنی استعداد بمعنی قابلیت قریبہ من الفعل کا کہ مکتسب من بعض الافعال ہے کہ بخت اس سے تعبیر ہے اور اپنے مرتبہ فعل واکتساب کا کہ دست کوتہ اس سے عبارت ہے قصور سمجھے محبوب کی طرف سے کرم ولطف میں کمی نہ سمجھے کہ وہ نہایت وسیع ومحیط ہے اور زلف کو دراز کے ساتھ موصوف کرنے میں معنی وسعت واحاطہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جب اپنی قوت وفعل کی کوتاہی ہے تو سعی کرکے اس کا تدارک کرے اور بخت سے مراد تقدیر مکتوب واستعداد فطری واضطراری نہیں کہ وہ بلاقصد وفعل عبد کے خود مجعول حق وفعل حق ہے اور وہ خیر محض ہے تقسمہ حکما کثیرۃ

اس کو کوتاہی و قصور سے موصوف کرنا محال ہے۔

بحاجب در خلوت سرای خاص بگو	فلان زگوشہ نشینان خاک درگہ ماست
بصورت از نظر ما اگرچہ محجوب ست	ہمیشہ در نظر خاطر مرفہ ماست
اگر بسائلی حافظ درے زند بکشا	کہ سالہاست کہ مشتاق روی چون مہ ماست

بسائلی بیای معروف بمعنی سوال و در بعض نسخ چو سائلے بیای مجہول ست و معنی ظاہر ست۔ حاجب سے مراد خاص ملائکہ قاسمین فیوض الٰہیہ جن کو حدیث اسید بن حضیر میں سکینہ فرمایا گیا ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ ایسے قاسمین فیوض سے فرما دیجئے کہ فلاں شخص یعنی داعی ہماری درگاہ کا خاک نشین ہے اور گو ظاہرا وہ (بوجہ معاصی کے) ہماری نظر خاص سے محجوب (یعنی بعید) ہے (لان البعد من لوازم العادیۃ الحجاب) لیکن (بوجہ خاکساری و انکسار و معذرت تقصیرات کے) ہمارا امور د توجہ ہے تو اگر وہ سائلانہ (وعاجزانہ) دروازہ کھٹکھٹائے (یعنی طالب فیوض ہو) تو دروازہ کھول دینا (یعنی اس کو فیوض پہنچانا) کہ مدت ہوگئی وہ ہمارا مشتاق (اور طالب) ہے (اور طلب ہی پر فیوض ہیں گو شرائط کمال نہ ہوں۔ پس حاجب سے مراد روکنے والا دربان نہیں بلکہ پہنچانے والا۔ بعض شراح نے اول معنی سمجھ کر مراد ابلیس لیا ہے اور تکلفات باردہ کا ارتکاب کیا)

غزل

درین زمانہ رفیقی کہ خالی از خلل ست	صراحی می ناب و سفینۂ غزل ست

صراحی مے ناب دل مالا مال از عشق و سفینۂ غزل کلام و ملفوظات اہل اللہ اور مطلب ظاہر ہے۔ اور تخصیص درین زمانہ کی اس لئے کہ پہلے تو قابل صحبت کاملین کثرت سے تھے اور اس زمانہ میں ان کی قلت اور مزورین کی کثرت ہے اور اخوان دنیا بھی مثل پہلے کے نہ رہے کہ ان سے گزند نہ پہنچتا اب تو اگر دوست ہیں وقت ضائع کرنے والے اور اگر دشمن ہیں تو قلب کے پریشان کرنے والے۔ البتہ اس صراحی اور سفینہ کے قبل مرشد کا تجویز کر لینا شرط ہے۔

جریدہ رو کہ گذرگاہ عافیت تنگ ست	پیالہ گیر کہ عمر عزیز بے بدل ست

جریدہ و بے تعلق از دنیا۔ گذرگاہ و راہ پیالہ گرفتن عشق اختیار کردن۔ یعنی دنیا سے بے تعلقی اور حق تعالیٰ سے تعلق اختیار کرو اول کی علت یہ ہے کہ تعلقات میں عافیت نہیں دوسرے کی علت یہ ہے کہ عمر کا بدل نہیں اس لئے عمر کو مغتنم سمجھو اور تنگ ست کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ راہ عافیت میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس میں تعلقات دنیا اور عشق الٰہی دونوں کو لے کر نکل سکو اور چل سکو اس لئے اول کو چھوڑ کر ثانی پر اکتفا کرو۔ اس میں اظہار غلطی ہے ہونا کا ان جمع نہ ہما کا۔

نہ من ز بے عملی در جہان ملولم و بس	ملالت علما ہم ز علم بے عمل ست

اس میں مذمت ہے بد عملی کی۔ یعنی صرف میں ہی اس بے عملی سے متنفر نہیں ہوں بلکہ علماء بھی ایسے علم سے متنفر ہیں جو مقرون با عمل نہ ہو۔ مقصود اس سے تنبیہ ہے مدعیان علم کو جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ عمل نہ ہو تو بیکار ہے اور اگر عمل ہو تو اسکے لوازم میں سے انکسار ہے۔

بچشم عقل بہین در جہان پر آشوب	جہان و کار جہان بے ثبات و بے محل ست

بے محل بے موقع نیست کہ منافی ست باآیہ ربنا ما خلقت ھذا باطلا بلکہ بمعنی آنکہ بر محل خود ثبات ندارد و پس در لفظین عطف تفسیری ست و معنی ظاہر ست۔ مقصود اس سے تنفیر ہے تعلقات دنیویہ سے جو کہ شرط سلوک ہے۔

دلم امید فراوان ز وصل (بوصل) روی تو داشت و لے اجل برہ عمر رہزن امل ست

اس میں حسرت ہے ایسے لوگوں کے حرمان پر جو تمام عمر اسی ہوس میں رہتے ہیں کہ اب سامان تحصیل ذخیرہ آخرت کا کریں گے حتیٰ کہ موت آجاتی ہے پس امید سے مراد امل ہے بقرینہ آخر بیت اور حرمان کو اجل کی طرف منسوب کرنا حالانکہ اگر اجل بھی نہ ہوتی تب بھی یہ لوگ محروم ہی رہتے اس لئے ہے کہ اجل کی تاخیر میں بعض اوقات بوجہ تجربہ قبائح دنیا صحبت کسی کامل کے اس امل کے تحقق کی بھی نوبت آجاتی ہے اور موت آ گئی تو یہ احتمال بھی قطع ہو گیا۔ اس میں تعلیم ہے تعجیل فی المقصود کی۔

ز قسمت ازلی چہرۂ سیہ بختان	بشست و شوی نگردد سفید و این مثل ست

اس میں آثار شقاوت و قہر کا بیان ہے۔ اور این مثل ست فرمانا شاید اشارہ اس شعر

مشہور کی طرف ہیں۔

باب زمزم و کوثر سفید نتوان کرد	گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

اور رقسمت میں حرف زعلت کے لئے ہے یعنی ہر کہ سیہ بخت باشد بسبب قسمت ازلی۔
اس شعر سے مقصود یا تو تسلیہ ہے کہ مصرین علی العناد کی حالت پر حزن بیکار ہے ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور تسلیہ سے غرض یہ ہے کہ ان کی فکر میں پڑ کر اپنے قلب کو تشویش میں کہ مانع ترقی سلوک ہے کیوں ڈالا جائے۔ اور یا مقصود تخویف ہے کہ آدمی اپنے حال و اعمال پر ناز نہ کرے کیونکہ علم الٰہی میں معلوم نہیں کہ سعید ہو یا شقی۔ اور یہ خوف سبب ترقی سلوک ہے۔

بگیر طرۂ مہ طلعتے وقصہ مخوان	کہ سعد ونحس ز تاثیر زہرہ وزحل ست

مصرع ثانیہ بیان ہے قصہ کا یعنی فضولیات کو چھوڑ کر عشق الٰہی حاصل کرو۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ مے بینی	مگر بنای محبت کہ خالی از خلل ست

یعنی قرب وقبول کی جتنی بنائیں ہیں جیسے اعمال ظاہرہ و باطنہ بلا حصول نسبت کے ان سب میں احتمال زوال کا ہے مگر محبت الٰہی جو بنای قرب وقبول ہے یہ غیر محتمل الزوال ہے وہو المراد فی الحدیث بشاشته الایمان اذا خالط القلوب۔
کیونکہ بنی اعمال کا محض قصد ہے اور قصد کا کسی وقت شہوت یا غضب سے مغلوب ہو جانا اور اس مغلوبیت کا مدت تک استقرار مستبعد نہیں بخلاف نسبت عشقیہ کے کہ وہ بمنزلہ امر طبعی اضطراری کے ہو جاتا ہے اور ایسے امر کا زوال مستبعد ہے گو کسی وقت اثر ضعیف ہو جائے مگر پھر جلد عود کر آتا ہے۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ اعمال بیکار ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعمال کو ذریعہ اس نسبت باطنی کا بنانا چاہئے اور جب تک یہ میسر نہ ہو مجاہدہ شدیدہ کرنا چاہئے اس کے بعد بقدر ضرورت مجاہدہ کافی ہے۔

تو تا دور نخواہند یافت ہشیارش	چنین کہ حافظ ما مست بادۂ ازل ست

اس میں بیان ہے نسبت عشقیہ کے دوام و ثبات کا۔ پس یہ شعر شعر سابق کی تفریع یا شرح کے طور پر ہے۔

غزل

دل و دینم شد و دلبر بملامت برخاست	گفت با ما منشین کز تو سلامت برخاست

یعنی عشق میں میرا تو دل اور دین دونوں غارت ہو گئے (جس پر مجھ کو امید قدردانی کی تھی) مگر محبوب ملامت کرتا ہوا اٹھا اور کہنے لگا کہ ہمارے پاس مت بیٹھو کیونکہ تم سے سلامتی (واعتدال) کی صفت اٹھ کھڑی ہوئی (اور اپنی حالت حد سے متجاوز ہو کر قابل ملامت کے کر لی جو ہم کو پسند نہیں۔ اس میں اشارۃً یہ ارشاد ہے کہ باستثناء مغلوب الحال شخص کے کسی حالت میں ضبط کو جو کہ اختیاری ہو گو اس میں کچھ کلفت بھی ہو ہاتھ سے دے کر اپنی حالت صحت یا حالت دین کو معرض فساد میں ڈالنا اور اعتدال شرعی سے خارج ہو جانا قبیح و مذموم ہے گو بوجہ بے علمی کے اپنی رائے فاسد سے یہ شخص اس کے ادخل فی التقرب والقبول ہونے کا زعم کرتا ہو اسی لئے حدیث میں سوال شوق کے ساتھ یہ قید لگائی ہے فی غیر ضراء مضرۃ (ای مایعود الی الصحۃ) وفتنۃ مضلۃ (ای مایعود الی الدین) بعد قولہ واسئلک شوقا الی لقائک۔

کہ شنیدی کہ درین بزم دمے خوش بنشست	کہ نہ در آخر صحبت بندامت برخاست

این بزم سے مراد دنیا ہے اور یہ شعر مقارب المعنی اس شعر عربی کا ہے۔ ومن یحمد الدنیا لعیش یسره + فسوف لعمری عن قلیل یلومها ۔ مقصود اس سے تزہید ہے دنیا میں جو کہ شرائط سلوک سے ہے۔

شمع اگر زاں لب (رخ) خنداں بزباں لافے زد	پیش عشاق تو شبہا بغرامت برخاست

اس میں حسن التعلیل ہے یعنی شمع جو تمام شب استادہ رہتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے تیرے روئے خنداں کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا۔ اب اس لئے یہ کھڑا ہونا اس پر جرمانہ ہوا ہے۔ اور بطور اشارت بیان ہے اس کا کہ غلبۂ توحید میں جن لوگوں نے دعوئ اتحاد کا کیا انجام کار ان کا عقوبت ہو، خواہ جسمانی جیسا منصورؒ و خواہ لفظی جیسے بایزیدؒ کہ بعد کو پشیمان ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ کنت الیوم کافرا مجوسیا والآن اقطع زناری و اقول

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور پشیمانی وندامت گو فضیلت کی چیز ہے مگر آخر قلب کو اس وقت کلفت تو ہوتی ہے جس کا سبب صدور خطایا ہے اگر خطا نہ ہوتی تو یہ کلفت کیوں ہوتی اس اعتبار سے اس کو ضرر نفسانی میں داخل کیا۔ اور خواہ ضرر روحانی ہو چنانچہ ایسے دعاوی مانع ترقی ہیں اگر ان پر دوام رہا کیونکہ وہ دلیل سکر ہے اور سکر میں ترقی نہیں ہوتی۔

در چمن باد بہاری ز کنار گل و سرو	بہواداری آن عارض وقامت برخاست

مطلب یہ کہ سب میرے محبوب کے نیاز مند و ثنا خواں ہیں حتیٰ کہ باد بہاری جو چمن میں گل وسرو کی بغل میں سے نکلتی ہے یعنی اس پر سے گزرتی ہے وہ بھی گل کے واسطے سے اس کے عارض کی اور سرو کے واسطے سے اس کے قامت کی ہواداری اور خدمت کرتی ہے کہ گل کو تازہ و خنداں اور سرو کو سبز وریان کر کے اس کے خوبی عارض وقامت کا اظہار کرتی ہے کیونکہ۔ ففی کل شی ءلہ آیۃ + تدل علی انہ واحد + اس میں محبوب حقیقی کے کمال کا تام ہونا اور ہر مصنوع کا مدلول بالوجہ العام ہونا بتلانا ہے تاکہ اس کی طلب میں سعی کریں۔

مست بگذشتی واز خلوتیان ملکوت	بتماشای تو آشوب قیامت برخاست

مست کنایہ از استغناء۔ وبگذشتی تجلی کردہ مستتر شدی۔ وخلوتیان ملکوت اہل خلوت کہ در مراقبات نسبت بعالم ملکوت پیدا کردہ باشند۔ وتماشا مشاہدہ۔ وبا بمعنی دریا بمعنی برای۔ وآشوب قیامت شورش ونالہ۔ مطلب یہ کہ محبوب حقیقی جو متجلی ہو کر مستتر ہو گیا۔ تو اہل خلوت مشاہدہ سے یا استتار کے بعد مشاہدہ کے لئے بے تاب ہو کر نالہ وفریاد کرنے لگے۔ لان التجلی مفاجاۃ یورث الشوق ویذہب بالسکون وان الاستتار یورث الحزن وکلاہما یوجب الاضطراب۔ اور بعض خلوتیان ملکوت سے مراد ملائکہ لیتے ہیں مگر چونکہ بقول مشہور ملائکہ میں کیفیت شورش نہیں ہے۔ نیز ان کو خلوت کی بھی حاجت نہیں ہے اس لئے احقر نے اس کو پسند نہیں کیا مقصود بیان کرنا آثار احوال کا ہے۔

پیش رفتار تو پا برنگرفت از خجلت	سرو سرکش کہ بناز قد وقامت برخاست

اس میں بھی حسن تعلیل ہے یعنی سرو کا جو پاؤں اپنی جگہ سے نہیں اٹھتا اور وہ نہیں چلتا

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تیرے قد وقامت کے مساوات کا مدعی ہوا تھا اس لئے شرم سے گز رہا ہے۔اس کا حاصل مقصود بھی مثل شعر سوم شمع گرزان الخ کے ہے۔

حافظ این خرقہ بیند از مگر جان ببری	کاتش از خرمن سالوس وکرامت برخاست

این خرقہ یعنی خرقہ سالوس بقرینہ مصرعہ ثانیہ وکرامت مراد دعویٰ کرامت۔اس میں مذمت ہے مکر اور دعویٰ کی یعنی اگر اپنی نجات چاہتے ہو تو اس خرقہ سالوس واظہار کرامت کو ترک کرو کیونکہ اس سے آگ پیدا ہوتی ہے یعنی یہ سبب ہے دخول فی نار جہنم یا وقوع فی نار الہجران کا۔

غزل

روی تو کس ندید وہزارت رقیب ہست	در غنچہ ہنوز وصدت عندلیب ہست

تا در ہزارت مضاف الیہ رقیب نہ باین معنی کہ ایشان رقیب تو ہستند یعنی شریک عشق کے با تو فانہ غیر مقصود بلکہ باین معنی کہ با ہم رقیب اندور تو یعنی شریک عشق بر تو۔وکس ندید یعنی تفصیلا وادراکا یا للکنہ۔ودر غنچہ یعنی مستتری بالمعنی المذکور یا کس ندید نافی رویت باشد در دنیا۔مطلب یہ کہ محبوب حقیقی کو کسی نے دنیا میں نہیں دیکھا (لان الرویۃ لاتقع فی الدنیا ویستثنی منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث رای لیلۃ المعراج او یقال انہ رای فی الاخرۃ لان السماء من مکان الاخرۃ) اور کسی کو آپ کی تفصیلی معرفت نہیں ہوئی مگر پھر بھی بیشمار عاشق وطالب ہیں شاید مقصود اس سے تصریح اس مسئلہ ہی کی ہو تا کہ اہل سلوک اس ہوس میں نہ پڑیں یا کمال حسن وجمال بیان کرنا ہو کہ اس اجمالی ہی معرفت نے یہ نوبت کر رکھی ہے جو اوروں کے تفصیلی مشاہدہ میں بھی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ بمراتب غیر متناہیہ اوروں سے اجمل واکمل ہے پس ایسی ذات کا طالب ہونا متعین واجب ہے اور کس ندید سے اگر نفی رویت کی ہو تو مخصوص ہے دنیا کے ساتھ اور اگر نفی ادراک بالکنہ کی ہو جیسا در غنچہ سے یہی مراد ہے تو عام ہے آخرت کو بھی کیونکہ احاطہ حقیقت وہاں بھی نہ ہوگا لامتناعہ وھذا ھو معنی قولہ علیہ السلام لایبقی علی وجھہ الارداء الکبریاء واللہ اعلم۔

گر آمدم بکوی تو چندان غریب نیست	چون من در این دیار ہزاران غریب ہست

قریب در مصرعہ اولی بمعنی عجیب و بعید و در مصرعہ ثانیہ بمعنی متعارف۔ مطلب یہ کہ میں ہی اکیلا آپ کا مشتاق و طالب نہیں ہوں۔ اس میں بھی کمال جمال بیان کرنا مقصود ہے تاکہ سامعین کو طلب کا شوق ہو۔

ہر چند دورم از تو کہ دور از تو کس مباد	لیکن امید وصل تو ام عنقریب ہست

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے تعلیم ہے رجاء کی کہ وجوب شرعی کے ساتھ معین سلوک بھی ہے۔ اور شعر ہذا میں اس کے دو محمل ہیں یا تو دنیا میں مجوبی کی حالت میں بقاء آخرت کی امید یا حالت قبض میں بسط کی امید۔

در عشق خانقاہ و خرابات شرط نیست	ہر جا کہ ہست پرتو روی حبیب ہست

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خانقاہ کے اعمال اور خرابات کے افعال دونوں موصل و موجب قرب ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ عاشق جس طرح خانقاہ میں ہادی کا مشاہدہ کرتا ہے خرابات کو دیکھ کر مضل کا مشاہدہ کرتا ہے پس اس کی نظر اور توجہ دونوں جگہ اسی کے ظہور و تجلی پر ہے اور یہ توحید افعالی یا صفاتی کی تعلیم کی طرف اشارہ ہے۔

آنجا کہ کار صومعہ را جلوہ مید ہند	ناقوس دیر راہب و نام صلیب ہست

اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر کے شعر کی شرح میں مذکور ہوا۔ و مید ہند ای کارکنان قضا و قدر۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد	ای خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

کہ شد کدام شد۔ مقصود تنبیہ ہے ان سالکوں کی جو حرمان کا شکوہ کیا کرتے ہیں مطلب یہ کہ کوتاہی طالب کی طرف سے ہے مطلوب سے دریغ نہیں پس اپنی اصلاح چاہیے۔

فریاد حافظ اینہمہ آخر بہرزہ نیست	ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

غالباً اس میں جواب ہے منکران کیفیات وجدانیہ کا۔ فرماتے ہیں کہ اگر تم کو وجدان نہ ہو تو استدلال ہی سے سمجھ لو کہ عشاق کا یہ حیرت انگیز آہ و نالہ آخر کسی سبب عظیم ہی سے ہے پس بطریق برہان انی ان کیفیات کے وجود کو ثابت سمجھ لو۔

غزل

ساقیا آمدن عید مبارک بادت	وان مواعید کہ کردی نرود از یادت

معنی ظاہری تو یہ ہیں کہ اے محبوب تو نے عید کو وعدہ وصل کیا تھا اب عید بھی آگئی وعدہ پورا کرو اور معنی باطنی میں خطاب مرشد کو ہو سکتا ہے جس نے مسترشد سے (کسی ایسے وقت میں کہ مسترشد اس سے کسی تلقین یا توجہ کا طالب ہوا ہوگا اور اس وقت مرشد اپنی کسی باطنی تشویش ہیبت وغیرہ میں مبتلا ہوگا) یہ وعدہ کیا ہوگا کہ ہم کو طمانیت ہو تو تمہاری درخواست پوری کریں گے اور قرائن یعنی بشاشت وغیرہ سے مسترشد کو حصول طمانیت معلوم ہوا ہوگا اس وجہ سے اس حالت طمانیت کو بوجہ مایہ سرور ہونے کے عید سے تعبیر کر کے اس پر مبارکباد اور اس وعدہ کی یاد پیش کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

در شگفتم کہ درین مدت ایام فراق	برگرفتی ز حریفان دل و دل میدادت

شگفت تعجب۔ برگرفتی برداشتی۔ حریفان یاران و عاشقان۔ دل میدادت استفہام ست یعنی آیا دل تو گوارا میکرد۔ اس میں بھی سہل یہ ہے کہ مرشد کو خطاب ہو یعنی اتنے روز تک جو آپ نے طالبین کی طرف توجہ نہیں کی تو کیا آپ کے دل نے اس کو گوارا کیا مجھ کو اسی کا تعجب ہے کیونکہ مقتضا ارشاد کا شفقت اور توجہ ہے رہا بموجود مانع وہ اس لئے ضعیف ہے کہ اہل کمال کی بقدر ضرورت توجہ بھی طالب کی اصلاح کے لئے کافی ہے اور وہ ہر حال میں ممکن ہے۔ پس اس شعر میں تعلیم ہے مشائخ کو کہ ایسے اوقات میں طالبین سے علیحدگی و بے التفاتی و یکسوئی و جواب خشک نہ چاہئے ان کی تو پوری بربادی ہے۔

برسان بندگی دختر رز گو بدر آی	کہ دم و ہمت ما کرد ز بند آزادت

مخاطب برسان مطلق رسانندہ بندگی تحیت و نیاز۔ دختر رز شراب مراد عشق بمشارکت وصف مستی لیکن بحیثیت بودن آن عشق در خود یعنی عشقیکہ وصف مسترشد ست بدر آی یعنی از خلوت۔ بند مراد پردۂ استتار اس میں بھی مثل سابق بطور تتمہ مضمون سابق مرشد ہی سے عرض مقصود ہے یعنی اے مبلغ ہماری صفت طلب و عشق کی طرف سے مرشد کو۔ سلام کے بعد یہ

پیغام پہنچادے کہ خلوت سے باہر آئیے اور ہمارے حال پر توجہ فرمائیے اور خدا تعالیٰ نے جو آپ کو یہ نعمت کمال اور قوت تکمیل عطا فرمائی اس کی ایک حکمت یہ بھی سمجھئے کہ طالبین کا افادہ آپ کی ذات سے وابستہ کرتا ہے پس ہمارا جو قصد خدا طلبی ہے یہ بھی سبب ہو گیا ہے آپ کے پردۂ استتار سے منصۂ اشتہار پر آنے کا پس ایک مقصود کمال سے تکمیل بھی ہے تو اس سے دریغ نہ کیجئے فالہمۃ بمعنی القصد واسناد لفظ کردالیہا اسناد مجازی الی السبب ونعم ما قیل فی بیان ہذا الحکمۃ۔ ع خاص کند بندۂ مصلحت عام را۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے ایک حکمت یہ بھی الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمت کا اس میں انحصار نہیں اہل ارشاد میں یہ بھی ایک حکمت ہے البتہ جو اہل ارشاد نہیں ہیں ان کے باب میں کلام نہیں کما قیل۔ احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار + دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

شادی مجلسیان در قدم و مقدم تست	جای غم باد ہر آن دل کہ نخواہد شادت

جای غم باد ای محل وظرف غم باد۔ اس میں بھی خطاب ہے مرشد کو ان کے استمالت اور ان کے خوش رہنے کی دعا کر رہے ہیں۔

چشم بد دور کزین تفرقہ خوش باز آورد	طالع نامور و دولت مادر زادت

یہ بھی خطاب مرشد کو ہے ان کو حصول طمانیت ورفع تفرقہ خاطر یعنی تشویش پر مبارک باد دیتے ہیں مثل شعر اول کے۔ یعنی آپ کی خوش بختی ومقبولیت وہبیہ اس تفرقہ سے نکلنے کی باعث ہوئی اللہ تعالیٰ چشم حساد سے محفوظ رکھے کہ یہ دولت قائم رہے۔

شکر ایزد کہ ازین باد خزان رخنہ نیافت	بوستان سمن و سرو و گل و شمشادت

اس میں بھی خطاب ہے مرشد کو اور باد خزاں سے مراد وہی تشویش وتفرقہ خاطر اور رخنہ سے مراد خلل ومضرت اور بوستان الخ سے مراد کمالات باطنی مرشد کے۔ یعنی حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس حالت عارضہ سے آپ کے کمالات کو گزند نہیں پہنچا۔ اس میں اشارہ ہے اس تعلیم کی طرف کہ اگر مرشد کو کوئی ایسا امر پیش آ جائے تو مسترشد کو اس کے کمالات کی کمی کا وہم نہ کرنا چاہئے کہ سراسر اس کی ہلاکت ہے۔

حافظ از دست مدہ صحبت آن کشتی نوح	ورنہ طوفان حوادث ببرد بنیادت

شعر بالا میں اصلاح تھی مسترشد کی خطا اور اس میں اصلاح ہے اس کی خطا یعنی اگر ایسی حالت مرشد کو پیش آ جائے تو اسکی صحبت یا اس کی خدمت نہ چھوڑ دے کہ جب یہ بے تو جہی کرنے لگا تو دوسری تدبیر کریں بلکہ اس کی مثال کشتی نوح کی سی سمجھے کہ طوفان سے گو اس کو حرکت تھی مگر غرق سے خود محفوظ اور راکبین کی حافظ تھی اسی طرح گو مرشد میں کسی باطنی حالت کے غلبہ سے ایک گونہ خروج عن السکون عارض ہو جائے مگر وہ اس حالت میں بھی خود ضلال سے محفوظ اور دوسروں کے لئے حافظ ہے۔

غزل

ساقی بیار بادہ کہ ماہ صیام رفت	دردہ قدح کہ موسم ناموس و نام رفت
وقت عزیز رفت بیا تا قضا کنیم	عمرے کہ بے حضور صراحی و جام رفت
درتاب توبہ چند توان سوخت ہمچو عود	مَی دہ کہ عمر در سر سودای خام رفت
مستم کن آنچنان کہ ندانم زبیخودی	در عرصۂ خیال کہ آمد کدام رفت
بربوی آنکہ جرعۂ جامے بمار سد	در مصطبہ دعای تو ہر صبح و شام رفت
دل راکہ مردہ بود حیاتے ز تو رسید	تا بوی از نسیم میش در مشام رفت
زاہد غرور داشت سلامت نہ برد راہ	رنداز رہ نیاز بدار السلام رفت
زاہد تو دان و خلوت و تنہائی و نیاز	عشاق راحوالہ بعیش مدام رفت
نقد دلے کہ بود مرا صرف بادہ شد	قلب سیاہ بود ازان درحرام رفت
دیگر مکن نصیحت حافظ کہ رہ نیافت	گم گشتۂ کہ بادۂ عشقش بکام رفت

(جاننا چاہئے کہ طریق موصل الی اللہ دو ہیں طریق زہد اور طریق عشق جس کا جیسا مذاق ہو اس کی تربیت اسی سے ہوتی ہے۔ اور بعضے ان ہی دونوں طریقوں کو ریاء اختیار کرتے ہیں سو ایسا زہد ریائی اور عشق ریائی خود موصل ہی نہیں پس اس غزل میں بمناسبت

اپنے مذاق کے طریق عشق کی طلب کرتے ہیں اور طریق زہد کا اپنے لئے غیر کافی ہونا بتاتے ہیں اور کسی کسی شعر میں زہد ریائی کی مذمت کرتے ہیں اور عشق ریائی بھی باشتراک علت اسی طرح مذموم ہے مگر چونکہ حافظؒ کے زمانہ میں کہ زمانہ غلب وحکومت اسلام کا تھا اہل طریق عشق پر دار و گیر اور ہجوم بلیات کا زائد تھا اس لئے عشق ریائی قریب مفقود کے تھا اس لئے اشعار میں اس سے تعرض بھی کم کیا جاتا ہے پس فرماتے ہیں کہ) ای ساقی عنایت ازلی مجھ کو طریق عشق عطا فرما کہ زمانہ زہد کا رخصت ہوا یعنی میں نے زہد سے وصول چاہا بوجہ عدم مناسبت مذاق وہ مفید نہ ہوا اس لئے اس کو رخصت کیا۔ اب قدح عشق پلا دیجئے۔ اور اسمیں رسوائی ہوگی مگر ناموس نام کا زمانہ بھی گیا یا تو یہ مراد ہے کہ اس زہد حقیقی سے پہلے جو زہد ریائی اختیار کیا تھا وہ بھی گیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظؒ نے ریاء اختیار کیا ہو یہ مطلق اہل طریق کی حالت بیان کر رہے ہیں اور یا یہ مراد ہے کہ زہد حقیقی میں بھی گو نام و ناموس کا لحاظ نہ ہو مگر طبیعت پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے عشق میں یہ بھی نہیں رہتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ جس قدر زمانہ بلا نسبت عشقیہ کے گزرا اس کی قضا کریں گے یعنی خوب کوشش کریں گے جس سے اس کا تدارک بھی ہو جائے۔ آگے فرماتے ہیں کہ توبہ کی آگ میں کہاں تک جلا کریں اب تو شراب عشق پلا دیجئے کہ تمام عمر اس سودائی خام کے خیال میں کہ زہد سے وصل ہوگا گزر گئی۔ اس توبہ سے یا تو توبہ ریائی مراد ہے تب تو اس کا غیر مفید ہونا ظاہر ہے اور یا یہ کنایہ ہے طریق زہد سے کہ اس میں توبہ حقیقی بلا عشق کے ہے اور چونکہ وہ بار بار ٹوٹ جاتی ہے اس لئے ہمیشہ اسی کلفت وکوفت میں رہنا ہوتا ہے بخلاف توبہ مقرون بالمحبۃ کے کہ ہمیشہ کے لئے اس کلفت تحفظ قصدی سے امن ہو جاتا ہے گو دوسری حالتیں وہاں اس سے بھی صعب ہوں مگر وہ لذیذ ہیں۔ آگے کہتے ہیں کہ مجھ کو اس شراب محبت سے ایسا مست کر دے کہ مجھ کو یہ بھی خیال نہ رہے کہ کون آیا کون گیا یعنی مستی کامل عطا کر دیجئے اور میں اس امید پر کہ کرشمۂ فیض عشق نصیب ہو جائے مصطبہ یعنی مقام خلوت میں کہ محل طلب شراب محبت ہے آپ کی ثنا وصفت کرتا ہوں (فالدعاء کنایۃ عن الثناء) یا یہ معنی ہوں کہ آپ سے دعا کرتا ہوں۔ پس دعای تو میں اضافۃ مفعول کی طرف ہوگی۔ کما وقع ضمیر اللہ تعالیٰ مفعولاً للدعاء

فی قولہ تعالیٰ دعانا لجنبہ الخ یعنی دعویٰ عشق برای خود از تو آگے فرماتے ہیں کہ
جب سے نسیم کی محبت میرے قلب کے دماغ میں پہنچی ہے وہ مردہ سے زندہ ہوگیا (فالشین
مضاف الیہ للمتکلم) اس زندگی سے مراد نشاط عشق ہے آگے فرماتے ہیں کہ جب تکبر
کیا اور اپنے کو ذی کمال و ذی استحقاق سمجھا تو ہلاک ہوا۔ (جیسا کہ بعض زاہدان جاہل کو یہ
بلا دعویٰ تقدس کی پیش آتی ہے) اور عاشق نے عجز و نیاز یعنی انکسار و تذلل اختیار کیا تو وہ
دارالسلام یعنی بہشت یا مقام سلامتی و حفظ الٰہی میں جا پہنچا (یعنی عشق کے طریق میں یہ
خصوصیت ہے) آگے فرماتے ہیں کہ اے زاہد تم جانو اور سامان زہد جانے یعنی تم اس میں
رہو کہ سراسر تعب ہے اور عاشقوں کو تو حصول عشق سے عیش دائمی میسر ہوگیا یعنی ان تعب و
تکلیف آمود سے رہائی ہوگئی اور یہ پہلے مذکور ہو چکا کہ عشق میں جو مصاعب ہیں وہ خود لذت
بخش ہیں اس لئے حقیقۃً مصاعب نہیں۔ اور اس شعر میں نیاز سے مراد وہ نیاز نہیں جو اس کے
قبل کے شعر میں تھا کہ وہ خاصہ عاشق کا ہے مراد عبادت ہے۔ کہ خلوت میں کر رہا ہے اور
عبادت کی ذات نیاز ہے۔ آگے کسی معترض معاند و مکر بچال کے جواب میں فرماتے ہیں
کہ تم جو غلبہ جہل و زہد خشک سے طریق عشق کو حرام حرام کہہ رہے ہو خیر حرام ہی سہی مگر میں
نے اپنا دل اس میں اس لئے صرف کیا کہ میرا تو دل بھی قلب سیاہ یعنی ردی اور معاصی میں
سیاہ تھا پس بقول مشہور مال حرام بود بجائے حرام رفت حرام ہی میں صرف ہوگیا۔ پھر کیوں
شور و شغب مچایا ہے آمین تعلیم ہے کہ تمام سے عاشق خصومت نہ کرے بلکہ ارخاء عنان و
تسلیم سے پیش آئے۔ آگے مقطع میں ارشاد ہے کہ جس کے حلق میں مہار عشق چلا گیا وہ
دوسرے طریق کو اختیار نہیں کرتا پس حافظ کو نصیحت بیکار ہے اس میں بیان ہے دوام عشق کا
گو تکمیل میں سکون ہو جائے مگر نسبت وہی رہتی ہے۔

غزل

صبا اگر گذرے افتدت بکشور دوست	بیار نفحۂ از گیسوئے معنبر دوست
بجان او کہ بشکرانہ جان برافشانم	اگر بسوی من آری پیامی از بر دوست

وگر چنانکہ دران حضرت نباشد بار	برای دیدہ بیاور غباری از در دوست

ان اشعار میں تمنا ہے واردات غیبیہ کی شاید انقطاع واردات کی حالت میں کہا ہوگا اور صبا سے مراد وسائط فیض مثل ملائکہ قاسمین فیض کے جو ملقب بہ سکینہ ہیں اور نکہہ سے مراد وار دتجلیات صفاتیہ ہے اور غبار سے مراد وارد تجلیات افعالیہ ہے کیونکہ گیسو متصل ہوتا ہے اور در منفصل اسی طرح صفات غیر مباین ہیں اور افعال مباین لوجوب التباین بین القدیم والحادث اور پیام سے علوم عالیہ پس مطلب یہ ہوا کہ اے قاسمین فیض عالم قدس میں پہنچ کر وارد صفاتی لاکر میرے قلب پر القاء کرو جس سے مجھ پر علوم عالیہ متعلقہ صفات منکشف ہوں اور ان کا عالی ہونا ظاہر ہے کیونکہ ان کا معلوم صفات ہیں اور شرف علم کا شرف معلوم سے ہوتا ہے۔ اگر تم نے ایسا احسان کیا تو میں اس شکرانہ میں اپنی جان نثار کردوں گا۔ اور اگر ایسا امر ہو کہ اس درگاہ میں تم کو دخل نہ ہو (یہ مطلب نہیں کہ یہ ملائکہ فیوض کو لا نہیں سکتے بلکہ بات یہ ہے کہ ملائکہ ہر امر میں مامور قضا ہیں سو جس فیض کا نازل کرنا مقصود نہ ہو اس میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا پس مطلب یہ ہوا کہ اگر میں اس فیض کے قابل نہ ہوں اور اس لئے مبدأ فیاض سے ان فیوض کا واسطہ تم کو نہ بنایا جائے پس یہ عدم دخل اسطور پر ہے) تو خیر وارد افعالی ہی کو فائض کردو اور امر واذن کی قید قواعد مشہورہ سے یہاں بھی ہے۔ مطلب یہ کہ قبض کا تحمل نہیں کچھ سلسلہ فیض کا جاری ہونا چاہئے۔

من گدا وتمنای وصل او ہیہات	مگر بخواب بہ بینم جمال و منظر دوست
دل صنوبریم ہمچو بید لرزان ست	زحسرت قد و بالای چون صنوبر دوست

درشاخ صنوبر گرے باشد کہ آنرا دل تشبیہ دہند ودل صنوبر ہم اورا گویند کذافی الحاشیہ ان اشعار میں بیان ہے اس کا کہ ورود تجلیات میں بھی انکشاف تام یعنی رویت جس طرح آخرت میں ہوگی اس عالم میں واقع نہیں ہوتی لامتناعہ شرعا و ان لم یمتنع عقلا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ خواب یعنی حالت استغراق میں تو تجلی ہوسکتی ہے۔ اور اپنے محل میں ثابت ہے کہ وہ تام نہیں ہوتی باقی وصل یعنی رویت عیانا کی تمنا ہی مستبعد ہے اور جس قدر

انکشاف ہوتا ہے وہ ایسا ہے کہ اس میں حسرت استتار کی بھی رہتی ہے لکونہ غیر تام۔ پس اس میں رفع ہے بعض۔ تاواقفوں کی غلطی کا۔ اور لفظ گدا سے اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ اس رویت کا مانع ہمارا عدم تحمل وعدم قابلیت ہے جو آخرت میں مبدل بتحمل ہو جائے گا۔

اگرچہ دوست بہ چیزے نمی خرد مارا	بعالمی نہ فروشیم موی از سر دوست

یعنی اگرچہ نقصان امکانی کی وجہ سے ہم اس قابل نہیں کہ محبوب کے مقبول ہوں اور جو کچھ عنایت ہے وہ فضل ہے نہ کہ ہماری قابلیت اسی لئے تمیز نہ کہا کیونکہ اشترا عادۃ وشرعا مبیع کے محلیت وقابلیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لئے جو چیز محل بیع نہ ہو وہ مبیع نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید میں ان اللہ اشتری مجاز ہے بہر حال گو ہم اس نقصان امکانی کے سبب قابل مقبولیت کے نہیں مگر محبوب کمال وجوبی کی وجہ سے کامل المحبوبیت ہے اور اسی کی فرع ہے کہ ہم اس نقصان کی وجہ سے مشرف بوصال تام نہیں ہو سکتے حتی کہ آخرت میں بھی یہ انکشاف حد ادراک کنہ تک نہ پہنچے گا البتہ محض بمشیت وحکمت الہیہ وہاں اس استتار سے حسرت نہ ہوگی اور بجائے وصال تام کے اگر ہم کو وارد صفاتی کہ موئے از سر دوست اس سے عبارت ہے میسر ہو جائے تو ہمارا منتہی معراج ہے۔ جیسا کہ واردات افعالیہ ابتدا اس کی ہے اور چونکہ وارد افعالی کے بعد تمنا ہوتی ہے کہ وارد صفاتی نصیب ہو اس لئے اس کی نسبت بعالمی نہ فروشیم کہ کنایہ ہے لاتزید استبدال سے نہیں کہا جا سکتا بخلاف وارد صفاتی کے کہ اس کا بدل اس سے خیر کچھ بھی نہیں اور اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جاہ کو حق خداوندی سمجھا اپنے کو جاہ عند اللہ کے قابل نہ سمجھے کما ہو مقتضا مرشدی بس نجات ومغفرت وعطا سے حاجت ہی کو بڑی نعمت جانے۔

چہ باشد ار شود از قید غم دل آزادش	چو ہست حافظ مسکین غلام وچاکر دوست

اس کی وہی شرح مناسب ہے جو شعر بالا کے آخر شرح میں مذکور ہوا یعنی تذلل وعدم قصد جاہ عند اللہ اور کفایت بر نجات وآزادی۔

غزل

غمش تا در دلم ماوے گرفتہ است	سرم چوں زلف او سودا گرفتہ است

لب چون آتش آب حیات ست	ازان آب آتشے درما گرفتہ است
ہمای ہمتم عمری ست کز جان	ہوای آن قد بالا گرفتہ است
شدم عاشق ببالای بلندش	کہ کار عاشقان بالا گرفتہ است

ان اشعار میں مختلف تمثیلات سے اظہار ہے اپنے عشق اور اس کے آثار کا پس مفردات مذکور فی الاشعار کے مقابلہ میں محبوب حقیقی میں مفردات مشبہ کا ہونا اور ان میں وجہ شبہ کی تحقیق کرنا ضروری نہیں ترجمہ یہ ہے۔ کہ جب سے اس کا غم عشق میرے دل میں جاگزین ہوا ہے اس کے زلف پریشان کی طرح میرا دماغ بھی پریشان ہو گیا ہے اور اس کا لب جو سرخی میں مشابہ آتش کے ہے جان بخشی میں مثل آب حیات کے ہے اس آب سے ہم میں سوز وگداز کی آگ لگ گئی ہے اور ایک عمر گزر گئی کہ میرے ہمای ہمت نے اس قد بالا کی ہوا یعنی محبت اختیار کر رکھی ہے اور ہما اور ہوا میں مناسبت لفظیہ کی لطافت ظاہر ہے اور ہمت کو ہما اس لئے کہا کہ ہما بلند پرواز ہوتا ہے اور وہ جب سے محبت کرنا بھی بلند ہمتی ہے اور میں اسکے قد بلند پر اس لئے عاشق ہوا ہوں کہ میں نے سنا ہے کہ عاشقوں کا مرتبہ بڑا بلند ہے اس لئے اس کی تحصیل کا قصد کیا۔

چو ما درسایۂ الطاف اوئیم	چرا اوسایہ از ما وا گرفتہ است

یہ چرا بطور اعتراض کے نہیں بلکہ اجمالاً تحقیق حکمت کی طرف اشارہ کے لئے ہے اور یہ شعر حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے یعنی جب ہم اس کے سایۂ الطاف میں تربیت پا رہے ہیں پھر جو اس نے ہم سے اپنا سایہ اٹھا لیا اس کی کیا وجہ۔ یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ الطاف کے خلاف کیا ہو کہ حالت الطاف میں بے الطافی محال ہے اور الطاف کا وجود آثار و قرائن سے محقق ہے پھر بے الطافی کا کب احتمال ہے جب یہ محتمل نہیں تو ضرور سایہ اٹھا لینے میں کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت ہی ہوگی کہ وہ بھی ایک گونہ لطف ہے اس لئے تنگ نہ ہونا چاہئے پس مصرعہ اولیٰ میں سایۂ الطاف سے مراد مطلق لطف کا سایہ اور مصرعہ ثانیہ میں مراد سایہ سے خاص لطف کا سایہ وارتفاع الخاص لایستلزم ارتفاع العام فافہم۔ اس میں حالت قبض کے

متعلق اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جس کا استحضار سالک پر لازم ہے۔

نسیم صبح عنبر بوست امروز	مگر یارم رہ صحرا گرفتہ است

یہ شعر حالت بسط پر زیادہ منطبق ہوتا ہے۔ صحرا سے مراد قلب یعنی آج قلب میں فیوض کی خوشبو مہک رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ محبوب کی تجلی قلب پر ہوگئی ہے اور نسیم صبح مبتدا ہے اور عنبر بو خبر ہے۔

ز دریای دو چشم گوہر اشک	جہان در لولوی لالا گرفتہ است

گوہر اشک مبتدا و گرفتہ است خبر۔ و جہان بحذف۔ را مفعول گرفتہ یعنی میری آنکھوں کے دریا سے جو گوہر اشک نکلے ہیں ان گوہروں نے تمام جہان کو درتابان سے گھیر دیا یعنی اس کثرت سے رویا کہ تمام زمین پر ہوگئی۔ مقصود مبالغہ ہے رونے میں۔

حدیث حافظ ای سرو سمن بر	بوصف قد تو بالا گرفتہ است

یعنی حافظ کے کلام نے جو تیرے وصف قد میں ہے رتبہ بلند حاصل کیا ہے مطلب یہ کہ جو کلام وصف محبوب میں ہوتا ہے وہ مقبول اور دل چسپ اور گرامی قدر رہتا ہے پس اس میں اشارہ ہو جائے گا شرف علم حقائق کی طرف و معنی سمن برای براو چون سمن در سفید سے یا خوشبو۔

غزل

صبح دم مرغ چمن با گل نو خاستہ گفت	ناز کم کن کہ درین باغ بسے چو تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نرنجیم و لے	ہیچ عاشق سخن تلخ بہ معشوق نہ گفت
گر طمع داری از ان جام مرصع مَی لعل	در و یاقوت بنوک مژہ ات باید سفت
تا ابد بوی محبت بمشامش نرسد	ہر کہ خاک در میخانہ برخسار نرفت

ان اشعار میں مرشد کی خدمت اور ادب کا شرط طریق ہونا اور گستاخی اور بے ادبی کا گو اس کا منشا کوئی امر مطابق واقع کے ہو مذموم ہونا مذکور ہے۔ یعنی بلبل نے کہ طالب ہے گل نو خاستہ سے کہ مرشد کامل ہے (جیسا گل نو خاست اپنے وصف میں کامل ہوتا ہے) یوں

سخن عشق نہ آن ست کہ آید بزبان	ساقیا می دہ وکوتاہ کن این گفت وشنفت

اس شعر کا مدلول لفظی تو ظاہر ہے اور مقصود معنوی بھی مخفی نہیں کہ محبت کی طلب کر رہے ہیں مگر بقرینہ لفظ گفت وشنفت۔ اس کو ماقبل سے تعلق ہونے کے احتمال سے اس کی تقریر بھی نہیں لکھی گئی اگر طبع سے پہلے حل ہو گیا تو حاشیہ پر یا آخر میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ والا فلا۔

اشک حافظ خرد وصبر بدریا انداخت	چہ کند سوز غم عشق نیارست نہفت

اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا کہ اشک حافظ دریا ہو گئے اور خرد وصبر اس دریا میں غرق ہو گئے کیا کیا جائے ضبط پر قدرت ہی نہیں۔ اشک مبتدا انداخت خبر خرد وصبر مفعول انداخت۔

غزل

گر زدست زلف مشکینت خطائے رفت رفت	ور ز ہندوی شما بر ما جفائے رفت رفت
برق عشق ار خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت	جور شاہ کامران گر بر گدائے رفت رفت
گر دلے (دلم) ازغمزہ دلدار بارِ دلم بردبرد	درمیان جان وجانان ماجرائے رفت رفت
در طریقت رنجش خاطر نباشد می بیار	ہر کدورت را کہ بینی چون صفائے رفت رفت
عشق بازی را تحمل باید ای دل پایدار	گر ملالے بود بود وگر خطائے رفت رفت
از سخن چینان ملالت ہا پدید آید ولے	چون میان ہمنشینان ماجرائے رفت رفت

شعر آخر کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار ایسی حالت کے ہیں کہ مرشد سے مسترشد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس میں لکھا ہے کہ جمشید پر شداد نے جس کا باغ ارم مشہور ہے۔ اپنے برادرزادہ ضحاک کو لشکر کشی کے لئے بھیجا تھا جس سے اس کی سلطنت برباد ہوئی مطلب یہ ہو سکے گا کہ میں نے جو شداد کے باغ ارم میں سنبل وغیرہ کی بہار دیکھی تو مجھ کو جمشید یاد آ گیا جس کو تاراج کرکے اس باغ کے بانی کو ترقی ہوئی اس وقت میں نے اس کے مسند کو مخاطب بنا کر پوچھا کہ جمشید کا سامان جس میں سے جام جم بھی ہے جس کی اضافت مسند کی طرف بادنیٰ ملابست ہے کہ اس پر رکھا رہتا تھا کہاں گیا اس نے بزبان حال اس کے ہلاک ہونے کی خبر افسوس کے ساتھ دی اور غرض اس سے وہی تزہید مذکور ہے تو اول ایام میں احتمال ہو جاوے گی واللہ اعلم اور یہ توجیہ گو شافی نہ ہو مگر کافی ضرور ہوگی اور قصہ مذکورہ کا کوئی جزو اگر ثابت بھی نہ ہو تب بھی مضر نہیں کیونکہ تو بہ شعر کے لئے استعداد منقول یا مشہور ہونا بھی اس کا صحیح ہو سکتا ہے ۱۵ منہ عشرہ اولیٰ محرم ۱۳۲۸ھ

کے بارہ میں کسی نے سخن چینی کی ہے اور اس طرف سے کچھ عتاب ہوگیا ہے پھر بعد تحقیق برأت ثابت ہوئی جس سے مرشد کو اپنے بے محل عتاب پر افسوس ہے پس مسترشد اس افسوس کو اس طرح رفع کرتا ہے کہ اگر آپ سے عتاب میں غلطی بھی ہو تب بھی مجھ کو کوئی ملال و شکوہ نہیں اور اس میں تعلیم ہے اس معاملہ خاص کے متعلق جو کہ احیاناً مرشد و مسترشد کے درمیان واقع ہو جاتا ہے۔ کہ ایسی حالت میں ایسا عملدرآمد کرنا چاہئے نہ یہ کہ اس سے مکدر ہو کر بیٹھ رہے۔ اور تاویل فعل مرشد کی بہت سہل ہے کہ بشر سے ایسی غلطی۔ ہو جانا منافی اس کے کمال کے نہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ۔

آنرا کہ بجای تست ہر دم کرمے	عذرش بنہ ار کند بعمری ستمے

اور اگر اس سے محبت مفرط ہے تو اس تاویل ہی کی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں کدورت ممکن نہیں جس کے لئے رافع کی ضرورت ہو پس فرماتے ہیں کہ اگر محبوب کے زلف مشکین سے غلطی ہوگئی اور اگر محبوب کے ہندو یعنی زلف سے ہم پر کچھ سختی ہوگئی ہوگئی اور اگر برق محبت نے کسی کمل پوش کا خرمن تاب و قرار جلا دیا جلا دیا۔ برق محبت سے مراد غضب ہے جس نے بوجہ محبت کے برق کا سا کام کیا کہ تاب و قرار کھو دیا پس اضافہ برق کی طرف ادنیٰ ملابست سے ہے یا برق عشق میں اضافۃ بیانیہ ہو یعنی تمہاری محبت نے کچھ تو خود بواسطہ اس غضب کے میرا خرمن قرار جلا دیا اور اگر بادشاہ کا جور گدا پر ہوگیا ہوگیا اگر کوئی دل یعنی میرا دل محبوب یعنی مرشد کے اس خاص غمزہ یعنی عتاب سے بار رنج یا پیچ و تاب و پریشانی میں مبتلا ہوگیا ہوگیا۔ اور میری جان یعنی ذات اور محبوب اور مرشد میں اگر کوئی ماجرا ہوگیا ہوگیا۔ طریقت میں تو تکدر خاطر کی گنجائش ہی نہیں آپ بدستور اپنی فیض رسانی میں مشغول ہوئے۔ جو کدورت بظاہر معلوم ہو جب صفائی ہوگئی وہ کدورت جاتی رہی (اور بظاہر کی قید اس لئے کہ واقع میں تو کدورت ہوتی ہی نہیں۔ اس شعر میں رفت اول کی ضمیر صفا کی طرف اور رفت ثانی کی ضمیر کدورت کی طرف ہے) عاشق کے لئے تحمل ضروری ہے۔ دل کو خطاب کرتے ہیں کہ مضبوط رہنا چاہئے اگر یہ قصہ عتاب کوئی امتحان تھا (ایک تاویل یہ بھی نکلی کہ شاید امتحان محبت مقصود ہو) وہ ہو چکا اور اگر کوئی غلطی تھی وہ ہو چکی اور چغل خوروں کی

بدولت ایسے ملال پیدا ہو جایا کرتے ہیں لیکن جلیسوں میں ایسی وجہ عجب کو نہ کہنا نہ یا اس کو دل میں نہ رکھنا چاہیئے۔

پای آزاداں چہ بندی گر بجائے رفت رفت	عیب حافظ گو مکن زاہد کہ رفت از خانقاہ

یعنی زاہد سے کہہ دو کہ حافظ پر اگر وہ خانقاہ سے چلا گیا اعتراض مت کرو آزاد لوگوں کا پاؤں کیسے باندھ سکتے ہو اگر چلا گیا چلا گیا خانقاہ سے مراد طریق زہد ہے یعنی اگر طریق زہد چھوڑ کر بمناسبت مذاق کے طریق عشق کو اختیار کر لیا جیسا لفظ آزاداں اس مذاق کا قرینہ ہے تو اعتراض کی کیا بات ہے کہ یہ بھی ایک طریق ہے تربیت کا۔

غزل

دری دگر زدن اندیشہ تبہ دانست	بکوی میکدہ ہر سالکے کہ رہ دانست

یعنی جو سالک کہ عشق الٰہی کے طریقہ پر مستقیم ہو گیا وہ دوسرے دروازہ پر جانے کو یعنی غیر کی طرف التفات کرنے کو خیال فاسد جاننے لگا۔ اس میں بیان ہے اثر عشق کا کہ تشبث بالاسباب کو مغلوب کر دیتا ہے بخلاف سالک طریق زہد کے کہ اس کا تشبث بالاسباب زیادہ رہتا ہے اس لئے اعتراض پایا جاتا ہے اور بعض زاہدوں کو اس میں غلو ہو جاتا ہے کہ حلال و حرام میں بھی امتیاز نہیں کرتے۔

کہ سرفرازی عالم درین کلہ دانست	زمانہ افسر رندی نداد جز بکسے

یعنی عشق کا تاج اسی کو ملتا ہے جو اس میں یعنی اس کے آثار تذلل و بدنامی کو سرفرازی جانتا ہے اور جو ان سے بچنا چاہتا ہے اس کو یہ دولت میسر نہیں ہوتی اس میں تعلیم ہے آمادگی کی ان امور کے لئے۔

ز فیض جام مے اسرار خانقاہ دانست	بر آستانہ میخانہ ہر کہ یافت رہے

میخانہ طریق عشق۔ خانقاہ طریق زہد۔ مطلب یہ کہ طریق عشق میں بوجہ عشق کے طریق زہد کے ثمرات بھی تصفیہ قلب و تزکیہ نفس سے حاصل ہو جاتے ہیں اور حصول کے بعد دانستن لازم ہے اس لئے اسرار دانست سے تعبیر کیا۔ مقصود ترجیح ہے طریق عشق کی کہ اس سے غایات طریق زہد کے بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور شدت تعلق و شغف طبعی محبوب حقیقی کے ساتھ یہ

علاوہ ہے بخلاف طریق زہد کے کہ اس میں طریق عشق کے اور ثمرات تو حاصل ہو جاتے ہیں مگر ایسا شغف نہیں ہوتا۔ مگر یہ ترجیح ایک وجہ خاص کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض کی تربیت کے لئے طریق زہد اس لئے زیادہ راجح ہے کہ وہ مثلاً آثار عشق کا تحمل نہیں کر سکتے۔

ہر آنکہ راز دو عالم زخط ساغر خواند	رموز جام جم از نقش خاک رہ دانست

ساغر میں جو نقش و نگار بنے ہوتے ہیں خط ساغر سے وہ مراد ہیں اور راز دو عالم سے مراد ان کے احوال تکوینیہ تفصیلیہ نہیں ہیں کیونکہ ان کا انکشاف نہ مقصود ہے اور نہ لازم بلکہ راز سے صرف ان کی ایک صفت یعنی مظہر للموجود الحقیقی ہونا مراد ہے۔ اور یہ راز اس لئے ہے کہ ہر ایک کو اس کی طرف التفات نہیں ہوتا اور جو ہوتا بھی ہے تو وہ علی الدوام مستحضر نہیں رہتا۔ اور جام جم سے مراد جام جم متعارف اور اس کے رموز سے مراد احوال تکوینیہ تفصیلیہ جو اس جام میں منکشف ہوتے تھے اور محط فائدہ از نقش خاک ہے نہ کہ دانست پس اس قرینہ سے یہاں ایک قید مقدر ہے ای ہر گاہ کہ دانست۔ معنی یہ ہوئے کہ جس شخص پر راز عشق منکشف ہو گیا اگر کبھی امور کونیہ اس پر منکشف ہوتے ہیں تو اسکو اہتمام و تکلف و توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا۔ ان لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے جو اسی لئے ریاضت کرتے ہیں اور جیسا جمشید کو واسطہ جام کی حاجت ہوتی تھی بلکہ محض نقش خاک راہ سے یعنی معمولی اور سرسری طور پر انکشاف ہو جاتا ہے اور اگر نہ ہو تو دوسری بات ہے اور وجہ احیاناً منکشف ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ غلبہ عشق سے شواغل نفس میں تقلیل ہو جاتی ہے اور یہی مدار ہے کشف کا بشرط اجتماع دوسرے شرائط مناسبہ کے۔ اور ایک توجیہ از نقش خاک رہ دانست کی یہ بھی کہی گئی ہے کہ از نقش خاک یقین کر دو شمار کرد یعنی اس کو ایسے کشوف کی کچھ قدر نہیں رہی نقش پا کی برابر سمجھنے لگا جیسا کہا گیا ہے۔ ما کشف را برابر کف نقش زنیم۔ پس از تقریر اول پر غلبہ ہوگا اور دوسری تقریر پر من قبیل کے معنی میں ہوگا۔ والثانی الطف معنی والاول اوفق لاستعمال اللفظ واللہ اعلم۔

دلم ز نرگس ساقی امان نخواست بجان	چرا کہ شیوۂ آن ترک دل سیہ دانست

نرگس ساقی مراد غلبہ عشق اطلاقاً للسبب علی المسبب چرا کہ نرگس چشم محبوب سبب این غلبہ عشق می باشد چون آنرا مجازاً نرگس گفت دل سیہ گفتن مناسب فن شعر افتاد۔ و سوء ادب کہ

چشم ساقی را بیدل بمعنی سنگدل کی آید لازم نیامد چرا کہ اطلاق این وصف بر نرگس بالمعنی
الحقیقی نیست بلکہ بسبب ادعای عشق کہ آن وصف عاشق است و او بدان اوصاف خود ضروری
نیست چنانچہ ہمیں عشق را بلا گیر ظالم و ستمگر و نحو ذلک۔ مطلب ظاہر ہے کہ میں راہ عشق میں
جان کی سلامتی نہیں چاہتا بلکہ جان بازی کو تیار ہوں کیونکہ عشق کا تو یہی خاصہ ہے۔ ونعم
قیل۔ اگر مرد عشقی کم خویش گیر + وگرنہ رہ عافیت پیش گیر۔

ورای طاعت دیوانگان ز ما مطلب	کہ شیخ مذہب ما عاقلی گنہ دانست

طاعت دیوانگان سے مراد جنون عشق اور عاقلی سے مراد ترک عشق یعنی ہم سے ترک
عشق کی درخواست مت کرو کہ ہمارے مشرب میں یہ گناہ ہے یعنی طریقت کا کیونکہ طریق
تربیت کا ترک کرنا مخل وصول الی المقصود ہے اس لئے مخل فی الطریقہ ہے۔

ز جور کوکب طالع سحرگہان چشم	چنان گریست کہ خورشید دید و مہ دانست

شاید بعض لوگ ایک قسم کا بحران ہے جور کوکب کہا ہو۔ مطلب یہ کہ میں اس قدر رویا کہ
عالم علوی میں بھی مشتہر ہو گیا۔

خوش آن نظر کہ لب جام و روی ساقی را	ہلال یکشبہ و ماہ چار دہ دانست

عادت ہے کہ ہلال کو بڑے شوق سے دیکھتے ہیں اور بدر کو ذوق کے لئے دیکھتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ لب جام کو ہلال کی طرح اور روی ساقی کو بدر کی طرح مشاہدہ کیا کرے۔
پس کلام میں لف ونشر مرتب ہے مقصود یہ ہے کہ عشق اور معشوق ہی میں مشغول رہے اور کسی
طرف التفات نہ کرے۔

بلند مرتبہ شاہی کہ نہ رواق سپہر	نمونہ خم طاق بارگہ دانست

رواق سقف مقدم خانہ و پردہ کہ در کشیدہ باشند ز سقف و پیشگاہ خانہ و مطلق سقف
و طاق بنا خمیدہ و محراب کذا فی الغیاث۔ و مراد از بارگاہ درگاہ عشق مطلب یہ کہ عالی مرتبہ
بادشاہ یعنی وہ عاشق ہے کہ عشق کے سامنے تمام معاملہ کو ہیچ سمجھے اس کا بھی حاصل وہی ہے جو
شعر سابق کا تھا۔ پس اس میں بھی تعلیم ہے عالی ہمتی کی۔ اور عاشق کو بادشاہ اس لئے کہا کہ

ماسوی اللہ سے مستغنی ہے اور استغناء ہی اصل سلطنت ہے ولحافظ ۔ مبین حقیر گدایان عشق را کاین قوم + شہان بے کمر وخسروان بے کلہند ۔

حدیث حافظ و ساغر کشیدن پنہان	چہ جای محتسب وشحنہ بادشہ دانست

حدیث الخ مفعول دانست وضمیر در آن کہ راجع ست بپادشاہ فاعل آن یعنی حافظ کی خفیہ میخواری کی اطلاع بادشاہ تک کو ہوگئی اور محتسب وشحنہ کا تو کیا ذکر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عادۃ کیفیت عشقیہ کو کتنی ہی کوشش اخفاء کی کی جائے مخفی نہیں رہتی کہ عشق ومشک را نتوان نہفتن ۔ شاید اشارہ اس طرف ہو کہ اخفا کا بھی قصد نہ کرے والیہ ذھب المحققون قالوا لا یقصد الاظھار و لا الاخفاء ۔

غزل

تا سر زلف تو در دست نسیم افتادہ است	دل سودا زدہ از غصہ دو نیم افتادہ است

بعض اشعار آئندہ کے قرینہ سے کہ ان کا انطباق محبوب حقیقی پر خالی از تکلف وسوء ادب نہیں بہتر ہے کہ اس غزل کو شان مرشد میں کہا جائے فاحفظ ۔ زلف جب ہوا سے پریشان ہوتی ہے اس کا حسن ظاہر ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہوا ظہور کمال سے یعنی جب سے مرشد کا کمال مجھ پر ظاہر اور منکشف ہوا ہے قلب عشق سے پارہ پارہ اور خستہ ہو گیا ہے اور چونکہ عشق میں بعض اوقات دل گھٹتا ہے اس لئے از عشق کی جگہ از غصہ کہہ دیا اور سودا اور زلف میں مناسبت سے لطافت شاعری بڑھ گئی۔

چشم جادوی تو خود عین سواد سحر ست	زین قدر ہست کہ این نسخہ سقیم افتادہ است

سواد حوالی شہر ومجازاً بمعنی شہر ۔ سقیم بیمار و چیز ناقص مجازاً ۔ یعنی مرشد کی چشم جادو کہ کنایہ ہے کمال باطنی سے جس میں خاصہ ہے تسخیر طالبین کا بجائے خود خاص ایک شہر پر جادو ہے اور اس کی دلربائی میں شبہ نہیں لیکن اتنی کسر ہے کہ یہ نسخہ چشم شفا کے لئے ناکافی ہے کیونکہ بے التفاتی غضب کی ہے اور نفع موقوف ہے التفات پر ۔ اور عین اور سواد اور سقیم کی مناسبت چشم سے مخفی نہیں ۔ یہ کئی جگہ مذکور ہو چکا ہے کہ وادی طلب میں بعض اوقات مسترشد شکوہ کرنے لگتا ہے مرشد کی بے التفاتی کا جس کا اس کو وہم ہو جاتا ہے ۔

در خم زلف تو آن خال سیہ دانی چیست	نقطۂ دود کہ در حلقۂ جیم افتادہ است

چون دود سیاہ باشد پس مراد از نقطۂ دود نقطۂ سیاہی ست وشاید چون روشنائی از کاجل تیار می سازند و نقاط حروف عادۃً از روشنائی می دہند ازان بہ نقطۂ دود تعبیر کردہ باشند۔ مطلب یہ کہ زلف کے اندر وہ خال ایسا اچھا معلوم ہوتا ہے جیسے جیم کے اندر نقطہ۔ مقصود ان تمثیلات سے بیان کرنا ہے کمال استحسان جمال باطنی مرشد کا یا محض بتقاضائی محبت یا واسطے اظہار اعتقاد کے بغرض اس کے متوجہ کرنے کے اور چونکہ یہ غرض محمود ہے اس لئے اس کی تحصیل کے لئے اظہار محبت خوشامد مذموم نہیں ہے خود حدیث میں ہے کہ جس سے تم کو محبت ہو اس پر بھی ظاہر کردو۔

سایۂ سرو تو بر قالبم اے عیسیٰ دم	عکس روحی ست کہ بر عظم رمیم افتادہ است

اس میں بیان ہے اثر توجہ مرشد کا یعنی آپ کی توجہ سے مجھ کو حیات روحانی نصیب ہوتی ہے پس مجھ پر متوجہ رہئے۔

زلف مشکین تو در گلشن فردوس عذار	چیست طاؤس کہ در باغ نعیم افتادہ است

یعنی آپ کے عذار پر کہ مشابہ گلشن کے ہے زلف مشکین لہراتی ہوئی ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے باغ میں طاؤس ٹہلتا ہو اس کا مقصود بھی مثل مقصود شعر ثالث اس غزل کے ہے۔

دل من در ہوس روی تو ای مونس جان	خاک راہے ست کہ در پای نسیم افتادہ است

یعنی میں ہوا کے قدموں میں خاک راہ بنا ہوا اس لئے پڑا ہوں کہ شاید ہوا مجھ کو اڑا کر آپ تک پہنچادے اور میں آپ کو دیکھ لوں یہ کنایہ ہے کمال اشتیاق زیارت سے جو آثار محبت سے ہے اور ابتدا میں خصوصاً بہت مفید ہے۔

ہمچو گرد این تن خاکی نتواند برخاست	از سر کوی تو زان رو کہ عظیم افتادہ است

ہمچو گرد مشبہ بہ منفی کا ہے نفی کا نہیں شعر سابق میں چونکہ مجبوری تھی وہاں تو گرد ہونا مناسب تھا کہ ہوا پہنچائے اور یہاں جب کوئی محبوب میں رسائی ہوگئی اب گرد نہ ہونا مناسب ہے کہ جنبش نہ ہو یعنی میرا تن خاکی آپ کے کوچہ سے نہ اٹھے گا جیسے گرد کہ کنایہ ہے طالب ناقص سے اٹھ جاتی ہے کیونکہ میں ایک عظیم طور پر پڑا ہوں۔ اس میں بیان ہے اپنے

لزوم عشق وتحمل شدائد کا تا کہ سامعین کو بعض آداب مرشد معلوم ہوں۔ پس عظیم ترکیب میں حال ہے جیسے موقعہ پر ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں بے ڈھب پڑا ہوں۔

انکہ جز کعبہ مقامش نہ بد از یاد لبت	بر در میکدہ دیدم کہ مقیم افتادہ است

لب کو اگر کنایہ ملفوظات سے کہا جائے بہت ہی مناسب ہے۔ مطلب یہ کہ جو شخص ہر وقت زہد ہی کا دعوے کرتا رہتا تھا اس نے جو آپ کے کچھ ملفوظات متعلق عشق کے سن لئے اب وہ آپ ہی کے در پر کہ محل فیض عشق ہے پڑا نظر آتا ہے۔

حافظ گم شدہ را با غمت ای جان عزیز	اتحادیست کہ از عہد قدیم افتادہ است

یعنی مدت دراز سے یہ گم کردہ راہ آپ کے غم عشق میں مبتلا ہے آپ اس کی رہبری کیجئے اور یہی اصلی مقصود ہے اس قسم کے عرض معروض سے پس گم شدہ کہنے میں استجلاب ہے ترحم کا۔

غزل

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت	واندران برگ ونوا خوش نالہای زار داشت
گفتمش درعین وصل این نالہ وفریاد چیست	گفت مارا جلوہ معشوق درایں کار داشت

ترجمہ ظاہر ہے اس میں بیان ہے اس کا کہ گریہ عاشق کا ہمیشہ دلیل اس کے فراق وحرمان مقصود کی نہیں ہے بلکہ گریہ کے اور بھی اسباب ہیں منجملہ ان کے خود گرمی محبت ہے جو قرب وتجلی سے زائد ہو جاتی ہے جسکا اس جواب میں ذکر ہے پس کسی کی نسبت کچھ حکم لگا دینے کی جرأت نہ کرے یہ بحث رسالہ فضل گریہ میں نہایت بسط ووضوح سے مذکور ہے اور یہ سبب فرح کے علاوہ ہے۔ اور ایک حدیث میں جو حضرت ابی بن کعب کا رونا یہ سن کر کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے وارد ہے وہ اسی پر محمول کرنا اقرب ہے۔

یار اگر ننشست با ما نیست جای اعتراض	بادشاہ کامران بود از گدایان عار داشت

عار سے مراد مطلق عدم مناسبت جس کی وجہ محبوب کا کمال وجوب (کہ معبر ہے بادشاہ سے) اور محب کا نقصان امکان وافتقار (کہ معبر ہے گدا سے) ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ مقرر

ہے کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک اس لئے قرب و وصول نہ ہوتا تو اصل ہے اور جائے شکوہ نہیں ہاں اگر قرب و وصول ہو جائے یہ البتہ محل تعجب ہے اور فضل محض ہے اس میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے سالک متحیر کیلئے کہ اس مضمون کے استحضار سے اس کا تحیر خاطر بالکلیہ زائل ہو جائے البتہ فضل کی درخواست ہر حال میں ضروری ہے۔

عارفی کو سیر کرو اندر مقام نیستی	ہست شد چون مستی از عالم اسرار داشت

یعنی فنا پر بقا مرتب ہوتا ہے اور مستی داشتن یہ بھی ایک قسم ہے فنا کی جس کو فنائے علمی کہتے ہیں اور عالم اسرار سے مراد واردات عشقیہ کہ غیر عاشق کے اعتبار سے وہ اسرار ہیں ان واردات کے غلبہ سے دوسرے معلومات سے ذہول ہو جاتا ہے یہی فنائے علمی ہے۔

ور تکبر و نیاز و عجز ما با حسن دوست	خرم آن کز نازنینان بخت برخوردار داشت

مطلب یہ کہ کوئی اپنے عجز و نیاز کے بھروسہ نہ رہے وہ محبوب کے کمال کے سامنے موثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ادھر تو عجز و نیاز بوجہ ناقص ہونے کے جس سے حق عبدیت جو مقتضا ہے محبوب کی عظمت کا ادا نہیں ہو سکتا کامل نہیں اور ادھر ذات و صفات بوجہ کامل اور واجب ہونے کے منفعل نہیں پھر تاثیر کی گنجائش کیا ہے پس اکتساب تو موثر نہ ہوا اب جس پر فضل محض مرحمت ہے جس کو بخت سے تعبیر کیا گیا ہے البتہ ہمارے امکان اور ان کے وجوب کا مقتضائی نفس بھی ہے کہ ہم ان کے سامنے عجز و نیاز کیا کریں۔ اس میں بھی بڑے پاکیزہ (وھی ان الوصول موھوب لا مکتوب لکن مع ذلک فی الکسب وجوب ۱۲ ظفر رسول) مسئلہ کی تعلیم ہے۔

فخر تا بر کلک آن نقاش جان افشان کنیم	کین ہمہ نقش عجب در گردش پرکار داشت

اس میں صور جمیلہ مخلوقہ سے نظر ہٹانے کا اور خالق الصور کی طرف توجہ کرنے کا امر فرماتے ہیں کہ لائق محبوبیت کے وہ ذات ہے جس کے قلم کی حرکت سے یہ تمام نقوش پیدا ہو گئے اس میں بھی بڑا ضروری مسئلہ مذکور ہے جس میں صد ہا غلطی کر رہے ہیں۔

گر مرید راہ عشقی فکر بدنامی مکن	شیخ صنعان خرقہ رہن خانہ خمار داشت

صنعان بالفتح نام بزرگے کہ قصہ آں مشہور ست وخمار شراب فروش وخرقہ رہن خانہ خمار داشتن کنایہ از رسوا شدن چرا کہ این فعل ظاہر ست کہ موجب رسوائی ست۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شیخ صنعان نے کیا تم بھی وہی کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اس نے عشق مجازی میں بدنامی کی پروانہ کی تو تم عشق حقیقی میں اس کی کیوں پروا کرتے ہو قال الرومیؒ

عشق مولے کے کم از لیلے بود + گوی گشتن بہر او اولی بود۔

وقت آن شیرین قلندر خوش کہ در اطوار سیر	ذکر و تسبیح ملک در حلقۂ زنار داشت

اطوار سیر احوال سلوک۔ مطلب تعلیم ہے ترک ریاء کا یعنی وہ بڑا اچھا عاشق ہے جو ظاہر میں گو بدنام ہو مگر مشغول بذکر وطاعت علی الدوام مثل ملائکہ کے ہو جن کی شان ہے لا یفترون اور بوجہ اختفاء من الاعین کے ان کی شان لا یراؤن بھی ہے حاصل یہ کہ تعمیر باطن کو منظور نظر رکھے گو تعمیر ظاہر نہ ہو۔ یہ مقصود نہیں کہ ظاہراً شرع کو ترک کر دے بلکہ غرض یہ ہے کہ گو جاہ وشہرت واعتقاد عوام نہ ہو اور یہ بھی مقصود نہیں کہ قصداً رسوا ہو چنانچہ لفظ گو سے احقر نے اس کو ظاہر بھی کر دیا ہے۔

چشم حافظ زیر بام قصر آن حورین سرشت	شیوۂ جنات تجری تحتہا الانہار داشت

اس میں اقتباس ہے۔ مقصود بیان کرنا ہے کثرت بکاء کا کہ منجملہ آثار عشق کے ہے۔

غزل

بدام زلف تو دل مبتلای خویشتن است	بکُش بغمزہ کہ اینش سزای خویشتن است

خویشتن ترجمہ نفسہ ست برای تاکید در مصرعہ اولی برای تاکید زلف و در مصرعہ ثانیہ برای تاکید ضمیر شین کہ راجع بدل است ومضاف الیہ سزا۔ یعنی دل خاص تیرے دام زلف یعنی عشق میں مبتلا ہے (خاص کہنے سے یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ بواسطہ مظاہر جمیلہ کے نہیں بلکہ بلا واسطہ) اس کو تجلی (جلالی) سے قتل کر دے (قید جلالی کا قرینہ بکش ہے کیونکہ جمالی محیی ہے) کہ اس کی یہی سزا ہے (مقصود اس عنوان سے محض حکم بالترتب ہے یعنی عشق پر کشتگی مرتب ہوتی ہے جیسے سزا مرتب علی الفعل ہوتی ہے عاشق کو اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

گرت ز دست برآید مراد خاطر ما	بجنش زود کہ خیرے برای خویشتن است

یہ محبوب حقیقی کو خطاب نہیں ہوسکتا لاستحالۃ انتفاع بالغیر البتہ مرشد کو مخاطب کہنا ممکن ہے اور مطلب ظاہر ہے کہ ہم کو نفع پہنچانے میں آپ کو ثواب واجر ہوگا یہ مطلب نہیں کہ ہم کو نہ ہوگا بلکہ معنی یہ ہیں کہ آپ کو بھی ہوگا۔

شبان تیرہ مرادم فنای خویشتن است	بجانت ای بت شیرین من کہ ہمچون شمع

یعنی شبہای تار میں شمع کی طرح کہ وہ جل کر فنا ہو جاتی ہے میرا مقصود بھی فنا ہی ہے اور تخصیص شب کی اگر حقیقی معنی پر محمول ہو اس لئے ہوسکتی ہے کہ اعمال جن پر احوال باطنیہ زیادہ مرتب ہوتے ہیں اکثر شب ہی میں واقع ہوتے ہیں اور اگر مجازی معنی یعنی فراق وہیبت وغیرہ پر محمول ہو اس لئے ہوسکتی ہے کہ فنا کے بعض اقسام میں کہ وہ فنا اخلاقی ہے ان خاص احوال کو زیادہ دخل ہے کہ ان سے شکستگی پیدا ہوتی ہے پس اشارہ ہوگا بعض منافع احوال مذکورہ کی طرف۔

مکن کہ این گل خودرو برای خویشتن است	چو رای عشق زدی با تو گفتم ای بلبل

یہاں مخاطب وہ شخص ہے جو طریق عشق کو اس غرض سے اختیار کرے کہ حسب خواہش ثمرات ومواجید اس پر مرتب ہوں گے پس فرماتے ہیں کہ اگر (اس غرض سے) عشق اختیار کرنے کی رائے قرار دی ہے تو میں کہہ چکا ہوں یعنی کہے دیتا ہوں کہ ایسا مت کرو اس واسطے کہ یہ موجود بالذات (خودرو اس سے کنایہ ہے کہ اس کی روئیدگی بلا کسی کی صنعت کے ہوتی ہے) کائنات سے مستغنی ہے (برای خویشتن اس سے کنایہ ہے اور خودرو میں۔ اشارہ علت استغنا کی طرف کر دیا گیا یعنی موجودیت بالذات سبب ہے استغناء کا) اور جو مستغنی بالذات ہوگا اس پر دوسرے کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس اثر کی وجہ سے دوسرے کی خواہشیں پوری کیا کرے بلکہ جو امر خود اس کے علم میں قرین حکمت ہوگا وہی کرے گا پس جو شخص اس طریق کو اختیار کرے تجویزوں سے قطع نظر کرے اور نامرادی کو مراد سے افضل سمجھے ونعم ما قیل اگر مرد عشقی کم خویش گیر + وگرنہ رہ عافیت پیش گیر +۔

کہ نافہاش ز بند قبای خویشتن است	بمشک چین وچگل نیست حسن گل محتاج

یعنی محبوب کے خود بند قبا ہی سے نافے پیدا ہوتے ہیں مقصود یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے

کمالات ذاتی ہیں مستفادعن الغیر نہیں گویا اس میں من وجہ تفسیر ہے شعر سابق کی۔

مرد بخانۂ ارباب بے مروت دہر	کہ کنج عافیت درسرای خویشتن است

اس میں نہی ہے حرص واظہار حاجت عند الخلق سے جو کہ شرائط طریق سے ہے۔

بسوخت حافظ و در شرط عشق وجانبازی	ہنوز بر سر عہد ووفاے خویشتن است

در حرف جار متعلق برابا ودر خویشتن است یعنی باوجود مصائب کے او عشق سے منہ نہیں موڑا۔
اس میں اشارہ ہے کہ جو ظاہری و باطنی بلیات اس راہ میں پیش آ ئیں ان کا برداشت کرنا واجب ہے کما قیل۔

ناخوش تو خوش بود برجان من	دل فدای یار دل رنجان من+

غزل

صوفی از پر تو می راز نہانی دانست	گوہر ہرکس ازین لعل توانی دانست

پرتو می اثر عشق۔ راز نہانی معرفت حق۔ گوہر طینت و استعداد۔ لعل مراد شراب کہ مصداقش عشق است ولطافت شاعری درایراد الفاظ متناسبہ مخفی نیست۔ یعنی سالک کو عشق کے اثر سے حق تعالی کی معرفت حاصل ہوگئی آ گے فرماتے ہیں کہ اس عشق کے واسطے سے ہر شخص کی طینت واستعداد معلوم کر سکتے ہو اس طرح کہ جو شخص صالح الاستعداد ہے وہ یا اس میں ساعی ہے یا کم از کم قائل اور جو شخص فاسد الاستعداد ہے وہ اس کا مخالف اور معاند۔

شرح مجموعۂ گل مرغ سحر داند وبس	نہ کہ ہر کو ورقے خواند ومعانی دانست

مجموعہ مراد مرتبہ اجمال بقرینہ لفظ شرح یعنی یوں تو محبوب کی معرفت اجمالیہ سب ہی کو حاصل ہے مگر کسی قدر اس کی تفصیل کہ قرب وقبول میں دخل رکھتی ہو یہ صرف طالب ہی کو نصیب ہے نہ اس کو کہ اوراق کا درس کرتا ہو اور مافی الاوراق کے معانی لغویہ واصطلاحیہ جان گیا ہو۔ مقصود یہ کہ یہ علم وجدانی ہے استدلالی نہیں۔ اور بعض نسخوں میں مصرعہ ثانیہ میں کہ پہلے ہے اور نہ پیچھے ہے تو اس صورت میں معانی کے قبل واو نہیں ہونا چاہئے اور معنی یہ

ہوں گے کہ مرید مصر کے سوا کسی کے نہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات تمکین کہ جس نے
اوراق پڑھ لیے ہوں وہ ان معانی و اسرار کو جانتا ہو اس لئے مقید بالمدرسیت کا اس سے
آگاہ ہونا ضرور نہیں مقصود ترغیب ہے تصفیہ باطن کی کہ یہ علوم قلب پر وارد ہوں۔

بجز از عشق تو باقی ہمہ فانی دانست	عرضہ کردم دو جہان بر دل کار افتادہ

باقی مفعول ہے دانست کا وہ ہمہ تاکید وہ فانی مفعول ثانی۔ کار افتادہ آنکہ او را کار عشق افتادہ۔
مقصود یہ ہے کہ محب بجز محبت غیر کے کسی طرف ملتفت نہیں ہوتا تمام دنیا کی طرف تو مطلقاً اور تمام
آخرت کی طرف بالذات یعنی مقصود ہونا آخرت کی مرتب بالعرض ہے اس کے منافی نہیں۔

محتسب نیز ازین عیش نہانی دانست	آن شد اکنون کہ ز ابنائے عوام اندیشم

محتسب سے مراد وہ منکر جو قدرت ایذاء کی رکھتا ہو اور عوام سے مراد وہ منکرین جو اس کی
قدرت نہ رکھتے ہوں مقصود یہ ہے کہ عشق میں نہ ابناء عوام سے اندیشہ کرے نہ ایذاء باللسان سے۔

ورنہ از جانب ما دل نگرانی دانست	دلبر آسائش ما مصلحت وقت ندید

دل نگرانی یائی مصدری دل نگران ای مشتاق شدن اس میں نہایت مفید مسئلہ کی تعلیم
ہے یعنی اشتیاق کے موافق جو احوال پیش نہیں آتے تو محبوب کو اطلاع تو ہمارے اشتیاق کی
ہے مگر ہماری اس آسائش کو جو احوال مرادہ کے وارد ہونے سے حاصل ہوتی ہماری مصلحت
کے خلاف جانتے ہیں اس لئے انکار نہیں فرمایا جا۔

ع کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔

ہر کہ قدر نفس باد یمانی دانست	سنگ و گل را کند از یمن نظر لعل و عقیق

ہر کہ قابل کند و یمن بمعنی برکت و باد یمانی فیض رحمانی کہ کسی بنفس رحمانی تعبیر است
ماخوذ از روایت مشہورہ علی الالسنہ انی لاجد نفس الرحمان من قبل الیمن کہ
در حق اویس قرنی یا اہل یمن وارد شدہ یعنی از یمن اثر فیض الٰہی می یابم کہ متوجہ حق از ان
طرف ظاہر خواہد شد۔ مطلب یہ کہ جو شخص فیض رحمانی کی قدر دانی کرے گا اور اس کے
قابل ہونے کے لئے قابلیت پیدا کرے گا اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اس کو صفت کمال کے ساتھ

قوت تکمیل بھی عطا ہوگی کہ وہ سنگ وگل یعنی ناقص کو لعل وعقیق یعنی کامل کر دے گا خواہ مباشرۃً اگر خدمت ارشاد اس کے متعلق ہے خواہ تسبباً اگر یہ خدمت اس کے متعلق نہیں اس طرح سے کہ اس کو دیکھ کر اس کے احوال سن کر ناظرین وسامعین متاثر ہوتے ہیں۔

ای کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی	ترسم این نکتہ تحقیق ندانی دانست

تحقیق متعلق نفی یا نفی و دانست مصدر ست ای دانستن ندانی بحذف مضاف ای طریق دانستن ندانی واغلب کہ بجای ندانی نتانی باشد پس توجیہ ظاہر است مقصود اس کا بھی مثل مقصود شعر ثانی کے ہے کہ علم عاشقی درسی واستدلالی نہیں ذوقی ووجدانی ہے۔

می بیاور کہ نہ ناز د بگل باغ جہان	ہر کہ غارتگری باد خزانی دانست

یعنی دولت محبت کہ باقی ہے حاصل کرو جس نے فنای دنیا کو چشم تحقیق سے دیکھ لیا ہوگا وہ بھی اسباب عیش وسرور پر مغرور نہ ہوگا۔

حافظ این گوہر منظوم کہ از طبع انگیخت	اثر تربیت آصف ثانی دانست

حافظ مبتدا و دانست خبر۔ این گوہر منظوم مفعول اول دانست واثر الخ مفعول ثانی وانگیخت لازم وآصف ثانی مرشد کہ نائب آصف اول ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم است۔ مطلب ظاہر ہے مقصود اشارہ اس طرف ہے کہ ملفوظات طیبات مملو با فادات کا صدور متکلم اپنی جانب سے نہ سمجھے بلکہ مرشد کا فیض سمجھے۔

غزل

حاصل کارگہ کون ومکان این ہمہ نیست	بادہ پیش آر کہ اسباب جہان این ہمہ نیست
از دل وجان شرف صحبت جانان غرض ست	ہمہ آن ست وگرنہ دل وجان این ہمہ نیست
منت سدرہ وطوبے ز پئے سایہ مکش	کہ چو خوش بنگری ای سرو روان این ہمہ نیست
دولت آنست کہ بے خون دل آید بکنار	ورنہ با سعی وعمل باغ جنان این ہمہ نیست
پنجروزے کہ درین مرحلہ مہلت داری	خوش بیاسای زمانے کہ زمان این ہمہ نیست

بر لب بحر فنا منتظریم اے ساقی	فرصتے دان کہ ز لب تا بدہن این ہمہ نیست
زاہد ایمن مشو از بازی غیرت زنہار	کہ رہ صومعہ تا دیر مغان این ہمہ نیست
دردمندے چو من سوختہ زار و نزار	ظاہرا حاجت تقریر و بیان این ہمہ نیست
از تجلی کن اندیشہ و چون گل خوش باش	زانکہ تمکین جہان گذران این ہمہ نیست
نام حافظ رقم نیک پذیرفت ولے	پیش رندان رقم سود و زیان این ہمہ نیست

ان اشعار میں کئی امر کی تعلیم ہے۔ ایک دنیا کی طرف مطلق التفات نہ کرنا نہ متاع کی طرف وہو فی الشعر الاول والرابع نہ جاہ کی طرف وہو فی الشعر التاسع والعاشر نہ عمر کی طرف وہو فی الخامس والسادس نہ اپنے جسم و روح کی طرف۔ وہو فی الشعر الثانی۔ دوسرے نعماء جنت کا بالذات طالب نہ ہونا وہو فی الشعر الثالث تیسرے عجب سے وہو فی الشعر السابع اور شعر ثامن اور دوسرے اشعار کے بعض بعض نسخوں میں کسی امر کی تعلیم نہیں محض عشق کی طلب اور اپنے دردِ عشق کے ظاہر و بے پردہ ہونے کا بیان ہے اور اس میں حاجت بمعنی محتاج ہے اور بعض نسخوں میں دردمندی من بیائے مصدری و اضافت الی ضمیر المتکلم المنفصل ہے اس میں بھی حاجت بمعنی احتیاج ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ یہ تمام کارخانہ دنیا کا کچھ بھی نہیں بس درد عشق ہم کو عطا فرما دیجئے اور دل و جان جو عطا ہوا ہے محض مقصود اس سے یہ ہے کہ دل قرب محبوب کے قابل ہو اور جان کو اس کی تحصیل میں استعمال کرے پس تمام تر دولت تو یہ قرب ہے ورنہ دل و جان بیکار ہیں۔ اور سدرہ و طوبیٰ سے اگر تم کو سایہ مطلوب ہے جو کہ حظ نفس ہے تو ناحق اس کے طالب ہوئے سالک کی قامت میں سرودان کے ہے اگر غور کرکے دیکھو تو محض حظ نفسانی کے لئے وہ مطلوب نہیں ہاں بوجہ محل قرب ہونے کے مطلوب ہو تو اور بات ہے اور دنیا کی دولت جو اس قدر مصیبت سے حاصل ہوئی دولت ہے کہ محنت اس کی راحت پر غالب رہتی ہے اس شان کی دولت تو اگر جنت بھی ہو تو کچھ نہیں۔ یہ مبالغہ کے لئے محض فرض و تقدیر ہے کیونکہ دولت جنت تو واقع میں اس شان کی نہیں ہے بلکہ بہت ہی کم محنت میں بہت ہی بڑی یعنی غیر متناہی راحت میسر ہوتی ہے پس یہ اس حال میں داخل

ہو گئی جس کو بے خون دل آید کہہ رہے ہیں یعنی دولت تو وہ ہے جس میں مشقت نہ ہو یعنی اس دولت کی مقدار کے اعتبار سے وہ مشقت کالعدم ہو اور وہ دولت قرب ہے اور جنت بھی کہ مقام قرب ہے، دنیا میں جو تم کو چند روزہ عمر مل گئی ہے اس میں آسائش حقیقی کا سامان کرلو اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ صعوبات دنیا سے آسائش اختیار کرو اور اس کا بھی حاصل وہی ہوگا کیونکہ اس آسائش سے بھی وہی آسائش حقیقی مقصود ہے اور زمانہ کچھ بھی نہیں یعنی فانی و منقضی ہے یوں ہی عمر ختم ہو جائے گی۔ اور چونکہ عمر باقی نہیں پس ہم موت کے انتظار میں ہیں اور اسی کو بس فرصت سمجھو جو کچھ بھی نہیں یعنی اس قدر قلیل جتنا فاصلہ لب سے دہن تک ہوتا ہے پس اے ساقی عنایت ازلی یا اے مرشد اس فرصت میں مدد فرمایئے کہ کچھ لے جائیں اور اے زاہد خشک تو جو اپنے تقدس پر مغرور ہے یاد رکھنا کہ غیرت الٰہی کے تصرفات عجیبہ سے بے خوف مت ہو تا کہ صومعہ سے۔ دیر مغان تک بہت فاصلہ نہیں اگر غیرت نے کام کر دیا تو مسلمان سے کافر بنا دینا کچھ مشکل نہیں۔ اور جیسا میں دردمند ہوں ایسے شخص کو تقریر و بیان کی حاجت نہیں میرا حال طشت از بام ہے اور پردہ دری و رسوائی سے کہ خلاف جاہ ہے کبھی پروا نہ کرنا اور ہر حال میں خوش رہو کیونکہ اس جہان فانی کا جاہ و تمکین کوئی چیز نہیں اور گو بفضل خداوندی حافظ کا نام صلاح و خوبی میں مشہور ہو گیا لیکن عشاق کے نزدیک نیک نامی و بدنامی کا سود و زیان کچھ بھی نہیں ہے۔

غزل

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست	آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

مطلب یہ کہ جب تک عشق باقی ہے اس کے آثار شورش و سوزش منقطع نہیں ہوتے یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے مقصود یہ ہے کہ عمر بھر کو اس کے شدائد کے تحمل کیلئے آمادہ رہنا چاہیئے طمع عافیت کی نذر رکھنا چاہیئے۔

آندم کہ دل بعشق دہی خوش دمی بود	درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

یعنی اس کے اختیار کرنے کے لئے جبکہ شیخ کامل سے مناسبت مذاق معلوم ہو جائے یا

اضطراری طور پر اس کے آثار ظاہر ہوں پس دوش واعظ بیعت کردہ یعنی امر فیج ہے اور اس کے فیضان کا وقت اچھا وقت ہے۔

مارا بمی عقل مترسان و می بیار	کان شحنہ در ولایت ما ہیچ کارہ نیست

یعنی اس کے شدائد دیکھ کر عقل مانع ہوتی ہے مگر ہم اس کے اس حکم کو واہی سمجھتے ہیں اور فیض عشق کے طالب ہیں۔

از چشم خود بپرس کہ ما را کہ میکشد	جانا گناہ طالع و جرم ستارہ نیست

قطع نظر اس عنوان خاص سے کہ بپرس و جرم ستارہ نیست جس کا سبب شورش عشق ہے کہ ایک قسم کا عذر بھی ہے اصل مضمون یہ ہے کہ عاشق جن شدائد سے متاثر ہوتا ہے اس کا اصل سبب محبوب کی تجلیات کا ظہور و خفا ہے اور اسباب طبعیہ سے جو شدائد ہوتے ہیں مثل مرض و فقر وغیرہ وہ اس سے چنداں متاثر نہیں ہوتا۔

در پیش چشم پاک توان دید چون ہلال	ہر دیدہ جای جلوۂ آن ماہ پارہ نیست

ہلال چونکہ باریک بہت ہوتا ہے (اس لئے اس کو دیکھنے کے لئے چشم کا امراض سے مبرا ہونا ضروری ہے اسی طرح محبوب کے مشاہدہ کے لئے دیدۂ بصیرت کا مبرا ہونا خلل علمی و عملی سے شرط ہے ورنہ ہر دیدہ اس کی تجلی کا محل نہیں ہے اس میں ازالۂ رذائل کی تعلیم ہے۔

فرصت شمر طریقۂ رندی کہ این نشان	چون راہ گنج بر ہمہ کس آشکارہ نیست

اس میں طریقۂ مقصودہ یعنی طریق عشق کا بیان کرتے ہیں کہ اس کی قدر کرو ملامت اور عام پسندیدگی اس سے نہیں کہ اس کے آثار اکثر ملامت کے لائق ہیں اور بعض بظاہر ملامت و قبیح معلوم ہوتے ہیں۔

نگرفت در تو گریۂ حافظ بہیچ روی	حیران آن دلم کہ کم از سنگ خارہ نیست

ترکیب کم از سنگ خارہ نیست عرفاً نسبت ذم کے لئے مستعمل ہے اگر عرف سے قطع نظر کر کے محض اس کا مضمون لغوی دیکھا جائے تو یہ حاصل ہے کہ صلابت کا کہ وہ بھی لفظ سنگ سخت کے معنی میں ہے اور اگر مقصود ثانی دیکھا جائے تو یہ کنایہ ہے عدم تاثر سے مضمون یہ ہے کہ دل آپ میں محبوب کے انفعال اور تاثر نہیں ہر شخص کا اس سے صادر ہوتا ہے اور وہ

اور حکمت سے ہوتا ہے پس اس میں اشارہ ہو جائے گا کہ اپنے اعمال وطلب کو موثر نہ سمجھے اور اگر اس تاویل پر بھی طبیعت اباکرے تو مرشد کی شان میں کہہ دینا اہون ہے کہ مخلوق کے ادب کے لئے معنی مجازی کافی محافظ ہے فقط۔

غزل

چہ لطف بود کہ ناگاہ رشحۂ قلمت	حقوق خدمت ما عرض کرد بر کرمت
بنوک خامہ رقم کردۂ سلام مرا	کہ کارخانۂ دوران مباد بے رقمت
نگویم از من بیدل بسہو کردی یاد	کہ در حساب خرد نیست سہو بر قلمت
مرا ذلیل مگردان بشکر این نعمت	کہ داشت دولت سرمد عزیز و محترمت
بیا کہ باسر زلفت قرار خواہم کرد	کہ گر سرم برود برندارم از قدمت
زحال ماولت آگہ شود مگر وقتے	کہ لالہ بردمد از خاک کشتگان غمت
روان تشنۂ مارا بجرعۂ دریاب	چو میدہند زلال خضر بجام جمت
صبا زروی تو باہر گلے حدیثے کرد	رقیب کے رہ غماز داد در حرمت
دلم مقیم درتست حرمتش میدار	بشکر آنکہ خدا داشتہ است محترمت
ہمیشہ وقت تو ای عیسی نفس خوش باد	کہ جان عاشق دل خستہ زندہ شد بدمت
کمین کہست وتو خوش تیز میروی حافظ	مکن کہ گرد برآید زشہ رو عدمت

شرح میں ہے این غزل بجواب مرشدست یعنی مرشد کا کوئی خط وغیرہ آیا ہے اس کے جواب میں لکھ رہے ہیں کہ یہ کیسی عنایت ہوئی کہ آپ کی چکیدگی کلک نے اچانک یعنی جبکہ پہلے سے توقع بھی نہ تھی ہماری خادمیت کے حقوق آپ کے کرم کے روبرو پیش کئے (یہ اسناد مجازی ہے یعنی رشحۂ قلم سبب ہو گیا بذل کرم کا) آپ نے نوک خامہ سے مجھ کو سلام لکھا ہے اللہ تعالی سے دعا ہے کہ زمانہ کو آپ کے نقش ہستی سے خالی نہ رکھے (یعنی آپ ہمیشہ قائم رہیں) میں (بعضے ناشکروں کی طرح کہ وہ کہا کرتے ہیں کہ ادھر بھول کر کیسے متوجہ ہو گئے)

یوں نہ کہوں گا کہ مجھ کو بھولے سے یاد کر لیا ہے اس واسطے کہ بروی عقل سلیم آپ کے قلم میں سہو کا احتمال نہیں (یعنی خط لکھنے سے عنایت ہی کا قصد ہے اور کوئی غرض دنیوی نہیں جو کہ محاورہ میں اس کہنے سے کہ کیسے متوجہ ہو گئے یہی مقصود ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ غرض پرستی سے آپ کی شان ارفع ہے اور اس سے مطلق سہو کی نفی مقصود نہیں اب میں چاہتا ہوں کہ آئندہ بھی ایسے ہی الطاف ناموں سے یاد رکھئے بے اتفاقی کر کے) مجھ کو اس نعمت کے شکرانہ میں ذلیل نہ کیجئے کہ دولت سرمد نے آپ کو عزیز اور محترم رکھا ہے۔ میری طرف متوجہ ہو جایئے کہ میں آپ کے جذبۂ محبت سے یہ عہد (مکرر) کروں گا کہ اگر میرا سر بھی جاتا رہے تب بھی آپ کے قدم سے نہ اٹھاؤں گا مکرر اس لئے کہا کہ خود وقت ارادت کے یہ عہد قالاً یا حالاً ہو بھی چکا ہے اب یہ تجدید بشکرانہ کرم نامہ کے ہے آگے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں کہ) ہمارے دل (کی محبت) کا (پورا) حال آپ کو معلوم تو ہو جائے گا مگر اس وقت معلوم ہوگا جب آپ کے مقتولان محبت کی قبروں پر لالہ جم آئے گا (یعنی جب وہ مر جائیں گے ابھی اتنا معلوم نہیں مقصود یہ ہے کہ ہم کو اس درجہ کی محبت ہے تو اسی درجہ کی توجہ کے خواہاں ہیں سلام و پیام سے زیادہ یاد رکھئے اور) ہماری جان تشنہ کو ایک جرعۂ توجہ سے سرفراز کیجئے جبکہ آپ کو جام جم میں آب حیات خضری عطا کیا جاتا ہے (یہ کنایہ ہے فیوض الہیہ سے اور) قاصد نے ہر طالب سے آپ کی حکایتیں بیان کیں (یعنی جس طرح میرے پاس خط آیا اور طالبین کے پاس بھی رقعے پر چے یا زبانی پیام اس قاصد کے ہاتھ پہنچے جس پر بحکم رشک محبت کہتے ہیں کہ) پہرہ وار نے (رقیب بمعنی محافظ) آپ کے حرم میں غماز (یعنی قاصد من ہذہ الحیثیۃ) کو کب اور کس وقت رستہ دے دیا تھا کہ اس نے دوسرے گلوں سے آپ کی حکایتیں بیان کیں۔ یہ مضمون ناشی ہے سکر سے کما قیل۔

عشق ست و ہزار بدگمانی	با سایہ ترا نمے پسندم

(آگے مثل شعر ثالث کے پھر طالب استمرار توجہ ہوتے ہیں کہ) میرا دل آپ کے دروازہ پر پڑا ہے اس کا پاس رکھئے اس نعمت کے شکر میں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو محترم بنایا ہے (آگے دعا پر جواب کو ختم پر لانا چاہتے ہیں کہ) اے مسیحا دم خدا تعالیٰ ہمیشہ آپ کو خوش

رکھے کہ آپ کے کلام تحریری سے عاشق دل خستہ کی جان زندہ ہوگئی (آگے بطور جملہ زیادہ حد ادب کے بالکل ختم کرنا چاہتے ہیں جس میں بعضے شوخ مضامین کی جو کہ اس جواب میں سرزد ہوئے ہیں معذرت بھی ہے یعنی مخاطبت مرشد کی یہ مثل کمین گاہ کے ایک نازک مقام ہے اور تم مطلق العنان تیز چلے جاتے ہو ایسا مت کرو کبھی عدم یعنی ہلاکت روحانی کی شاہراہ سے تمہاری گرد مختفی نظر آئے یعنی بے ادبی میں ہلاک نہ ہو جاؤ (شہرہ) مخفف شاہراہ (اس میں ایک گونہ تعلیم بھی ہوگئی کہ اگر غلبہ محبت میں کوئی بے ادبی ہو جائے فی الفور معذرت کرلے) اور اگر ترکیب عیسی نفس باضافۃ ثابت نہ ہو چنانچہ میری نظر سے نہیں گزرا تو دوسرا نسخہ لے لیا جائے یعنی عیسی صبا اس تقدیر پر اس کی تقریر شکریہ قاصد کے ساتھ بہتر ہوگی کہ اس کے گفتگوی قاصدانہ سے طالب کو حیات و فرحت میسر ہوئی واللہ اعلم۔

غزل

زگریہ مردم چشمم نشستہ در خون ست	ببین کہ در طلبت حال مردمان چون ست
بیاد لعل لب و چشم مست میگونت	ز جام غم مئے لعلے کہ میخورم خون ست
زمشرق سرکوی آفتاب طلعت تو	اگر طلوع کند طالعم ہمایون ست
حکایت لب شیرین کلام فرہادست	شکنج طرہ لیلے مقام مجنون ست
دلم بجو کہ قدت ہمچو سرو دلجو یست	سخن بگو کہ کلامت لطیف و موزون ست
ز دور بادہ بجان راحتم رسان ساقی	کہ رنج خاطرم از جور دور گردون ست
از ان زمان کہ ز دستم برفت یار عزیز	کنارہ دیدہ من ہمچو رود جیحون ست
چہ گونہ شاد شود اندرون غمگینم	باختیار کہ از اختیار بیرون ست
زبیخودی طلب یار مے کند حافظ	چو مفلسے کہ طلبگار گنج قارون ست

یہ غزل غالبا حالت قبض کی ہے کہ تمام اشعار میں فراق کا شکوہ اور وصل کی تمنا مذکور ہے۔ یعنی غایت گریہ سے میری پتلی خون میں غرق ہوگئی اے محبوب ذرا طالبوں کے حال کو تو

دیکھئے آپ کی یاد میں (جو کہ فراق کے وقت ہے) جام غم سے جو شراب کہ میں نوش کرتا ہوں وہ شراب خون ہے یعنی خون پیتا ہوں اگر آپ کی تجلی ہو جائے تو میری قسمت بڑی اچھی ہے۔ (اور اے سامعین میرے اس ذکر فراق ووصال کا اور اس تعلق عشق کا تعجب مت کرو کیونکہ عشاق تو ہر حال میں محبوب ہی کا ذکر کیا کرتے ہیں چنانچہ) فرہاد کا کلام یہی ہوگا کہ لب شیریں کی حکایت کرے اور مجنوں (کے دل) کا مقام بس شکنج زلف لیلیٰ ہی ہوگا (اے محبوب) ہماری خاطر داشت کیجئے اور ہم سے خطاب کیجئے یعنی تجلیات وواردات سے مشرف فرمایئے اور بادہ فیض سے مجھ کو راحت پہنچایئے کہ جور فراق سے میرا دل رنجیدہ ہے جب سے میرا محبوب میرے ہاتھ سے گیا ہے یعنی جدا ہوا ہے غایت گریہ سے میری آنکھوں کی آغوش یا دامن کا کنارہ (علی اختلاف النسختین واختلاف المعنیین فالمعنی الاول بکسر الکاف والثانی بفتحہا کذا فی الغیاث) رودجیحون بن گیا ہے۔ اور میرا دل غمگین کیونکر (اس حالت فراق میں) قصد واختیار سے خوش ہو (یعنی لوگ سمجھاتے ہیں کہ میاں دل کو خوش رکھو تو کیسے خوش رکھوں) کیونکہ یہ تو اختیار سے خارج ہے (خوشی تو جب ہی میسر ہوگی جب فراق مبدل بوصال ہو) اور یہ خوشی مرتب طبیعت میں ہے اور عقلی خوشی عین حالت فراق مصطلح میں بھی جبکہ اس کے مصالح پر اجمالاً یا تفصیلاً نظر کی جائے ممکن اور واقع ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ حافظ جو محبوب (کے وصال) کی درخواست کر رہا ہے حالانکہ (طالب اور مطلوب میں کچھ مناسبت چاہئے اور وہ یہاں مفقود ما للتراب ورب الارباب پس) اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مفلس (اپنے حوصلہ سے زیادہ) گنج قارون کا طالب ہو تو یہ درخواست (ایسی بے عقلی کی) محض ناشی بیخودی سے ہے (بیخودی میں عقل کو موافقت ومخالفت پر نظر نہیں رہتی اور طلب یار کے ترجمہ میں جو احقر نے لفظ وصال نکال دیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ نفس طلب بمعنی طلب رضا تو عین مقتضیٰ عقل ہے اور مامور بہ شریعت میں۔ اسی طرح طلب لقاء آخرت میں اور گو حوصلہ سے وہ بھی زائد ہے مگر امر شرعی اور وعدۂ حقیقی اس پر غالب ہے اور اس وعدہ ہی کی فرع ہے عطاء تحمل البتہ یہ مواجید خاصہ جو اصطلاحی وصل ہے شرعاً بھی مامور بہ نہیں اور ان کے درپے ہونا تعلیم عقل صحیح کے بھی خلاف اسی لئے اکابر منع بھی کرتے ہیں

شعر میں اس کا ذکر ہے اور باوجود اس کے طلب کرنا شعر میں اس کا عذر ہے۔

غزل

زان یار دلنوازم شکریست با شکایت	گر نکتہ دان عشقی خوش بشنو این حکایت
بی مزد بود و منت ہر خدمتے کہ کردیم	یا رب مباد کس را مخدوم بے عنایت
رندان تشنہ لب را آبے نمید ہد کس	گویا ولے شناسان رفتند از ولایت
در زلف چون کمندش ایدل مپیچ کانجا	سرہا بریدہ بینی بے جرم و بے خیانت
این راہ را نہایت صورت کجا توان بست	کش صد ہزار منزل بیش ست در بدایت
چشمت بغمزہ ما را خون خورد و می پسندی	جانا روا نباشد خونریز را حمایت
ہر چند بردی آبم رو از درت نتابم	جور از حبیب خوشتر کز مدعی رعایت
ای آفتاب خوبان می سوزد اندرونم	یک ساعتم بگنجان در سایۂ سرایت
در این شب سیاہم گم گشتہ راہ مقصود	از گوشہ برون آ ای کوکب ہدایت
از ہر طرف کہ رفتم جز وحشتم نیفزود	زنہار ازین بیابان وین راہ بے نہایت
عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ	قرآن ز بر بخوانی با چاردہ روایت

اس غزل کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی باطنی شدید حالت میں گرفتار ہیں اور کشود کار میں توقف ہوا پس غایت وحشت سے مرشد پر بھی جھنجلاتے ہیں اور دوسرے اہل ارشاد کی بھی شکایت کرتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ اپنے یار دلنواز یعنی مرشد کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں بوجہ دلنوازی کے مجھ کو راہ پر ڈال دیا اور رہنمائی کی مگر یہ شکریہ شکایت کے ساتھ بھی مقرون ہے وہ شکایت شعر ثانی و ثالث میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اب دستگیری کر کے اس مخمصہ موجودہ سے رہائی نہیں دیتے اگر تم رازدان عشق ہو تو اس حکایت کو اچھی طرح سنو وہ یہ ہے کہ ہم جس قدر خدمت بجالائے نہ اس کا کچھ صلہ ملا نہ اس کا احسان مانا یعنی نہ کچھ معاوضہ ملا نہ اس کی قدر کی گئی۔ مراد معاوضہ و قدر سے یہی ہے کہ اس عقبہ میں میری

مدد کی جاتی۔ خدا کرے کسی کو ایسا مخدوم بے مہر نہ ملے آگے عام شکایت ہے کہ پیاسوں کو کوئی پانی نہیں، وجہ معلوم ہوتا ہے سارے ولی اس ملک سے کہیں چلے گئے ہیں یہاں کوئی نہیں رہا کہ ایک پیاسے کی پیاس کو نہیں بجھا سکتے۔ (ولی شناس کنایہ ولی سے ہے کیونکہ ولی را ولی می شناسد شاید اس تعبیر سے مبالغہ مقصود ہو کہ ولی تو کیا اگر کوئی ولی شناس ہی ہوتا تو خیر کسی ولی کا پتہ ہی بتلاتا کہ اس سے رجوع کرتا) تنگ ہو کر کہتے ہیں کہ مرشد سے کوئی جی نہ لگاتا کہ وہاں بے گناہ سرکاٹا جاتا ہے (شاید مسترشد پر اس کے بے موقع تقاضا و پریشان گوئی سے کوئی ڈانٹ پڑ گئی ہوگی یہ تنگی اس سے ہوئی اور بے جرم سے مراد جرم خفیف ہے پریشانی میں اپنا جرم خفیف ہی نظر آتا ہے یہی عذر ہے اس بیبا کی کا۔ آگے راہ عشق کا بے پایاں ہونا بیان کرتے ہیں کہ) اس طریق کا انتہا کہاں ہو سکتا ہے۔ جس کی ابتدا ہی میں لاکھوں عقبات ہیں۔ (آگے عتاب کی شکایت ہے کہ) آپ کی نگاہ عتاب نے اور رہا سہا برباد کر دیا حضرت خونریز کی حمایت اچھی نہیں یعنی اس عتاب کا استمرار مناسب نہیں اور گو آپ نے اس عتاب سے ذلیل و خوار کیا مگر میں بھٹنے والا نہیں ہوں مدعیان مشیخت وارشاد یعنی شیخان مزور کی رعایت سے آپ کی کہ مستحق محبت ہیں تنگی اور بے التفاتی ہی اچھی ہے (لا قتضاء الحجۃ الراحتہ ولبناء ہ علے مصالح) اور اب میری سوزش بہت بڑھ گئی ہے اپنے خانۂ عنایت کے سایہ میں تھوڑی دیر مجھ کو بھی جگہ دے دیجئے اس شب سیاہ یعنی حالت حیرت میں میرا راہ مقصود گم ہو گیا ہے اے ہادی ادھر توجہ فرمایئے (اور آفتاب اور سایہ کا مقابلہ اور شب سیاہ اور کوکب کا مقابلہ ظاہر اللطف ہے) میں جہاں گیا وحشت ہی زائد ہوئی اس بادیہ خونخوار و ناپیدا کنار سے بھی پناہ ہے (مقصود اس سے محض استعظام ہے نہ کہ استعاذہ۔ آگے نفس کو امید دلا کر تسلی دیتے ہیں کہ) اگر تم اتنے بڑے عالم بھی ہو کہ قرآن مجید چودہ روایت کے ساتھ تم کو حفظ ہو تب بھی اس طریق میں تمہارا فریادرس العشق ہی ہوگا علوم مکتسبہ فریادرسی نہ کریں گے یعنی عقبات سے نجات کے لئے درسیات کافی نہ ہوں گی۔ بس استقامت علی الطلب ہی سے کوئی لطیفہ غیبی ایسا وارد ہوگا کہ ترقی کی راہ کھول دے گا۔ اور بعض نسخوں میں کز خود ہے یعنی عشق ایسی فریادرسی کرے گا جس سے از خود یعنی بطور موہبت کے تم ایسے علامہ بن جاؤ گے مگر اس صورت میں الفاظ قرآن مراد نہ ہوں گے بلکہ اسرار جو کہ قلب پر فائض ہوتے ہیں اور چودہ روایت کی

توجیہ دو ہو سکتی ہیں یا تو چودہ قرأت سات مشہور اور باقی غیر مشہور اور یا سات مشہور قرأت کے سات ائمہ ہیں اور ہر امام کے دو دو راوی یہ چودہ روایتیں ہوئیں۔

غزل

اس غزل کے بعض اشعار محبوب حقیقی کے معاملہ پر منطبق ہو سکتے ہیں اور بعض مرشد کے معاملہ پر۔

یا رب سببے ساز کہ یارم بسلامت	باز آید بر ہاندم از چنگ ملامت
خاک رہ آن یار سفر کردہ بیارید	تا چشم جہان بین کنمش جائے اقامت

غالباً مرشد سفر میں ہیں اور اشتیاق سے یا انقطاع فیوض سے حالت خستہ ہے جس پر ناواقف ملامت کرتے ہیں اس لئے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کوئی ایسا سامان کر دیجئے کہ مرشد آ جائیں جس سے میری حالت درست ہو جائے تا کہ خلائق کی ملامت سے بچ جاؤں اب شدت اشتیاق سے کہتے ہیں کہ ان کی راہ کی خاک ہی لا دو تا کہ اپنی چشم جہان بین کو اس خاک کا مقام بناؤں اور شعر اول کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لائمین اس کی محبت میں اس لئے ملامت کرتے ہیں کہ اس کو دیکھا نہیں وہ آ جائے تو سب اس کو دیکھ لیں اور پھر ملامت چھوڑ دیں جیسا زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا جمال لائمات کو دکھلا کر کہا تھا فذلکن الذی لمتننی فیہ اور مرشد پر اس کا انطباق اس طرح ہو سکتا ہے کہ بعض غیر معتقدین ان سے ارتباط پر ملامت کرتے ہوں گے جو ان کے کمالات کے مشاہدہ پر ختم ہو جائے گی۔

فریاد کہ از شش جہتم راہ ببستند	آن خال وخط و زلف و رخ و عارض و قامت

اس میں بیان ہے اپنی حالت حیرت کا کہ راہ بستند عبارت اسی سے ہے اور یا وہ عبارت ہے اس سے کہ ایسا اسیر کیا کہ رہائی ہی متصور نہیں اور دونوں کا سبب عشق ہے۔ اشیاء مذکورہ مصرعہ ثانیہ کو سبب کہنے سے یہی مراد ہے۔ ایک حاشیہ میں ہے لفظ شش لطفے دارد کہ خال وخط وغیرہ در شعر ہمین عدد واقع ست اور یہ محبوب حقیقی و مرشد ہر دو پر منطبق ہو سکتا ہے۔ اور فریاد کرنا توجیہ ثانی پر اس اسیری کے زوال کی تمنا نہیں بلکہ شدت اضطراب اس کا منشاء ہے۔

امروز کہ در دست تو ام مرحمتے کن	فردا کہ شوم خاک چہ سود اشک ندامت

اس میں خطاب ہے مرشد کو کہ میرے حال پر توجہ کیجئے ورنہ جب میں مر جاؤں گا اور آپ اپنی بے توجہی کو یاد کر کر کے افسوس کیا کریں گے اس وقت کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سب شدت اشتیاق کے مخاطبات ہیں جس کی وجہ شبہ بے التفاتی کا ہے اور بعض اوقات واقع میں بھی مرشد سے باقتضاء طبیعت بشری توجہ الی المسترشد میں کوتاہی ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکیمانہ تنبیہ ہے۔

اے آنکہ بتقریر و بیان دم زنی از عشق	ما با تو نداریم سخن خیر و سلامت

اس میں خطاب اس شخص کو ہو سکتا ہے جو احوال خاصہ پر (مثل ما ذکر فی الاشعار السابقۃ) عاشق کو ملامت کرتا ہے اور اس سے تحقیق سبب اضطراب کی کرتا ہے پس جواب دیتے ہیں کہ عشق کے آثار قالی نہیں حالی ہیں اور خیر و سلامت مختصر ہے مثل مشہور ما بخیر و شما بسلامت کا۔

درویش مکن نالہ ز شمشیر احبا	کاین طائفہ از کشتہ ستانند غرامت

اس میں تسلی ہے طالب کی کہ ان مرشدوں کے (کہ محبوب ہیں) معاملہ سے نالاں مت ہو کہ یہ حضرات مسترشدین ہی کا جو کہ خود ہی مصیبت باطنی میں مبتلا ہیں قصور نکالا کرتے ہیں۔ کشتگی اسی مصیبت زدگی کو اور غرامت بمعنی جرمانہ و تاوان اسی قصور نکالنے کو کہا اس عنوان سے تعبیر کرنا محض ضیق قلب سے ہے ورنہ فی نفسہ تنبیہ ہے اس پر کہ بعض اوقات یہ باطنی مصیبتیں واقع میں سالک کی بے اعتدالی یا بے علمی سے پیش آ جاتی ہیں۔

در خرقہ زن آتش کہ خم ابروئے ساقی	بر می شکند گوشہ محراب امامت

اس میں بیان ہے اس کا کہ بعض اوقات طالب کو تنگی اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ مرشد اس کے کسی امر محبوب للنفس کو چھڑاتا ہے مثلاً ترفع کو چھڑا کر تذلل کے لئے ارشاد کیا نفس پر گران گزرا اس کشاکش میں ضیق ہو گیا اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ ایسے امر میں اطاعت کرنا ضروری ہے اور اعتقاد ضرورت اور عقد ہمت سے پھر وہ تنگی زائل ہو جاتی ہے پس خرقہ سے مراد ترفع و اظہار بزرگی ہے اور یہی مراد ہے گوشہ محراب امامت سے اور ابرو کا حسن چونکہ خم سے بڑھ جاتا ہے اس سے مراد ہے حسن ادا و تعلیم مرشد اور بر می شکند سے مراد ہے امر بازالہ ترفع۔ ممکن ہے کہ اوپر کے شعر میں جس کو غرامت کہا تھا اس شعر میں اسی

غرامت کی یہ ایک مثال ہو۔

حاشا کہ من از جور و جفائے تو بنالم	بیداد لطیفان ہمہ لطف است و کرامت

یہ گویا ترجمہ ہے ضرب الحبیب زبیب اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مرشد کی سختی سرتاسر مصلحت ہوتی ہے اس سے شاکی اور تنگ نہ ہونا چاہئے۔

کوتہ نکند بحث سر زلف تو حافظ	پیوستہ شد این سلسلہ تا روز قیامت

اس میں خطاب ہوسکتا ہے محبوب حقیقی کو اور بحث سر زلف سے مراد سخن عشق و محبت ہے یعنی چونکہ عشق و آثار عشق باقی اور لاانقطاع عندحد ہے اس کی حکایت بھی غیر منقطع ہے۔

غزل

اس میں مدح اور طلب ہے عشق کی اور بیان ہے اس کے بعض آثار کا اور تحریض ہے اس کے شدائد کے تحمل پر۔

ساقیم خضرست وی آب حیات	توبہ از می چون کنم ہیہات ہات
بادۂ تلخ از لب شیرین لبان	در حلاوت می برد آب از نبات
چون دم عیسیٰ نسیم او ز لطف	مردۂ صد سالہ را بخشد حیات
جز بآب آتشین یعنی شراب	حل نمی گردد مرا این مشکلات
روزی ما بین کہ از دیوان عشق	جز مے ہجران نشد مارا برات
شاد باد ا روح آن رندے کہ او	بر سر کوئے مغان یابد وفات
حاصل عمر تو حافظ در جہان	بادۂ صافی ست باقی ترہات

یعنی مرشد قاسم فیض عشقی ہے اور شراب آب حیات ہے تو پھر کیونکر عشق کو ترک کروں یہ نہایت بعید ہے (ہیہات بعد) ہاں لاؤ (ہات اس فعل بمعنی الامر) اور محبوب کے لب سے تو بادہ تلخ بھی قند و مصری سے افضل ہے (مراد اس سے یہ ہے کہ جو شدائد محبوب کی طرف سے عشق میں پیش آویں وہ لذات سے بھی زیادہ لذت بخش ہیں اور محبوب کے واردات یا

کلام مرشد دم عیسے کی طرح مردہ دلوں کے لئے حیات بخش ہیں اور معرفت کے یہ مسائل مشکلہ بدون عشق کے کافی طور پر (محض بحث و بیان سے) حل نہیں ہوتے۔ آگے عشق کی ایک شدت کا بیان کرتے ہیں کہ ہماری غذا دیکھو کہ دفتر عشق میں ہمارے حصہ میں صرف شراب ہجر آئی ہے (مراد اس سے قبض ہے برات بمعنی نصیب و قسمت) آگے اس شخص کو دعا دیتے ہیں جو راہ عشق سے مرتے دم تک نہ ہٹے آگے مقطع میں اطلاع دیتے ہیں کہ بجز محبت الہیہ کے عمر کو جن مشاغل و مقاصد میں صرف کیا جائے سب فضول اور بیکار ہیں۔

غزل

یہ غزل مرشد کی جدائی میں لکھی گئی ہے کذا فی الشرح۔

شربتے از لب لعلش نچشیدیم و برفت	روی مہ پیکر او سیر ندیدیم و برفت
گوئی از صحبت ما نیک بہ تنگ آمدہ بود	بار بر بست و بگردش نرسیدیم و برفت
بسکہ ما فاتحہ و حرز یمانی خواندیم	وز پیش سورۂ اخلاص دمیدیم و برفت
سرز فرمان خطم گفت کشش تا نزوم	ما سر خویش ز خطش نہ کشیدیم و برفت
عشوہ میداد کہ از کوئے ارادت نروم	دیدی آخر کہ چسان عشوہ خریدیم و برفت
شد چمان در چمن حسن و لطافت لیکن	در گلستان وصالش نچمیدیم و برفت
گفت از خود ببرد ہر کہ وصالم طلبد	ما با میدوی از خویش بریدیم و برفت
صورت او بلطافت اثر صنع خداست	ما بروئیش نظر سیر ندیدیم و برفت
ہمچو حافظ ہمہ شب نالہ و افغان کردیم	کای دریغا بوداعش نرسیدیم و برفت

در شعر ثانی بگردش ای بغبار او۔ و در شعر ثالث حرز یمانی نام دعائے کہ برائے حصول مقاصد میخوانند و ہمچنان فاتحہ و برائے تسخیر قل ہو اللہ را خوانند۔ و در شعر خامس عشوہ فریب مراد وعدہ کہ بوفا نرسد و در شعر سابع از خود ببرد یعنی فانی شود۔ مطلب بعد حل مفردات و تعیین غرض کے بالکل ظاہر ہے اور بعض اشعار سے شبہ خلف وعدہ کا ہوتا ہے اس کا دفع یہ ہے کہ یا تو وہ وعدہ مقید تھا کسی قید کے ساتھ اور یا مقصود وعدہ سے بذل توجہ تھا جس کا خلف ثابت نہیں۔

غزل

اس میں بیان ہے عشق کے آثار خاصہ و عامہ کا۔

ما راز ارزوی تو پروای خواب نیست	بے روی دلفریب تو بودن صواب نیست
در دور چشم مست تو ہشیار کس ندید	کو دیدہ کز تصور چشمت بخواب نیست
در ہر کہ بنگرم ہمہ از تو مبتلا ست	یک دل ندیدہ ام کہ ز عشقت خراب نیست
ہر کو بدست عشق تو شد کشتہ بر ورت	او را ز انجناب سوال و جواب نیست
حافظ چو ذرہ بود تہ در آفتاب یافت	عاشق نباشد آنکہ چو ذرہ او بتاب نیست

یعنی تمہارے اشتیاق میں نیند اڑگئی اور آپ کا ذکر دوام ضروری ہے اور آپ کے عشق کے دورہ اور اثر عام سے ایک بھی اپنی حالت میں نہیں ہر شخص محو ہے (خواب بمعنی محو) مقصود اشارہ اس مسئلہ کی طرف ہے کہ ہر شخص جس کسی چیز کی محبت میں اس چیز کے کسی کمال کی وجہ سے مبتلا ہے اس کمال کا مرجع بالذات حقیقت میں ذات واجب ہے پس متعلق اس محبت کا واقع میں ذات حق ہے اسی لئے تصور چشمت کہہ دیا مگر محب کو اسکی اطلاع نہیں جیسے دیوار تابان کا عاشق واقع میں عاشق آفتاب ہے مگر بے خبر اسی لئے اس محبت پر کوئی نفع مرتب نہیں ہوتا پھر اس مسئلہ کے بیان سے کیا فائدہ سو فائدہ یہ ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کا کمال اور اس کمال کی وجہ سے واجب المحبۃ والاطاعت ہونا ثابت ہوگیا۔ اس کے بعد کے شعر اور ہر کہ بنگرم میں یہی مضمون ہے۔ آگے عشق کا اثر آخرت میں ظاہر ہونے والا مذکور ہے کہ مقتول عشق کا حساب و کتاب جناب باری میں نہ ہوگا لانہ شہید اکبر للحدیث الصحیح المجاہد من جاہد نفسہ۔ آگے تحمل بلیات عشق کی ہمت دلاتے ہیں اپنی نظیر پیش کرکے بھی کہ اس کو تقویت ہمت میں بڑا دخل ہے اور قاعدہ کلیہ بیان کرکے بھی جس کا ماخذ حدیث صحیح ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل او نحوہ۔

غزل

خم زلف تو دام کفر و دین ست	ز کارستان او یک شمہ این ست

یعنی کفراور دین دونوں مسخر جمال محبوب ہیں اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں سے مضل اور ہادی دونوں ہیں اور اسماء و صفات سب جمیل اور مقتضی ظہور ہیں پس اسم ہادی مقتضی ہوا خلق دین کو اور اسم مضل مقتضی ہوا خلق کفر کو پس دونوں مخلوق اپنے خلق میں دونوں اسموں کے جمال کے تابع ہوئے یہی مراد ہے مسخر اور عاشق ہونے سے اور چونکہ یہ امر عجیب ہے کہ دو متضاد چیزوں سے کسی کا جمال ظاہر ہو ورنہ اکثر محبوبان مجازی میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک امر سے ان کا حسن پسند خاطر ہوتا ہے تو اس کی ضد اس کی پسندیدگی کو کم کر دیتی ہے اس لئے مصرعہ ثانیہ میں اس کے عجیب ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ قال الروی ۔

عالمم بر لطف و بر قہرش بجد + ای عجب من عاشقم بر ہر دو ضد + ۔

جمالت معجز حسن ست لیکن	حدیث غمزہ ات سحر مبین ست

یہ لیکن استدراک کے لئے نہیں بلکہ ترقی کے لئے ہے یعنی یہ خوبی تو ہے ہی لیکن ایک دوسری خوبی بھی ہے جیسے عربی میں اس معنی کے لئے لفظ بید آتا ہے۔ مقصود جمال اور استتار کہ غمزہ اس سے عبارت ہے دونوں کا کمال بیان کرنا ہے۔ اور بعض نسخوں میں بجائے معجز حسن است کے معجز جیسے است ہے حاصل یہ ہوگا کہ جمال تو محیی ہے اور استتار قاتل ہے جیسے سحر مہلک ہوتا ہے۔

بر آن چشم سیہ صد آفرین باد	کہ در عاشق کشی سحر آفرین ست

چشم کو عاشق کش کہنا اگر باعتبار غمزہ یعنی نگاہ ہٹا لینے کے ہے کہ کنایہ ہے استغناء سے تب تو شعر بالا کا مصرعہ ثانیہ اور یہ شعر متحد المعنی ہے اور اگر باعتبار نظر و التفات کے ہے تو عاشق کش کہنا اس معنی کر ہے کہ عشق کو اور زیادہ کر دیا جس سے قلب زیادہ مجروح و بیتاب ہوگیا اور یہ اثر مشاہدہ جمال میں بھی ہے اور صد آفرین باد سے محض مدح مقصود ہے نہ کہ دعا۔ اور سحر آفرین کہتے ہیں ساحر کامل کو۔

عجب راہیست راہ عشق ہیہات	کہ چرخ ہفتمش ہفتم زمین ست

اس میں بیان ہے طریق عشق کے علو کا کہ یہ چرخ ہفتم اس کی زمین ہفتم ہے یعنی وہ چرخ ہفتم سے بھی اعلیٰ ہے اور توجیہ اس کی یہ ہوسکتی ہے کہ مورد عشق کا قلب اور روح ہے اور

یہ لطائف باین معنی فوق العرش ہیں کہ عرش منتہای امکنہ ہے اور یہ بوجہ تجرد کے لامکانی ہیں پس خارج از امکنہ ہوئے اور فوق العرش اور لامکانی کا چرخ ہشتم اور مکانی سے رتبۂ اعلیٰ ہونا ظاہر ہے لتنزہ المجرد من ظلمۃ المادۃ التی ہی فی غیر المجرد۔

تو پنداری کہ بدگو رفت و جان برد	حسابش با کراما کاتبین ست

اعراب کراما کاتبین حکائی است۔ یا تو مقصود اس سے تعلیم ہے سالک کی ترک غیبت وغیرہ کے لئے اور یا تہدید ہے معترضین علی العشاق کی۔

زچشم شوخ تو کے جان تو ان برد	کہ دائم با کمان اندر کمین ست

مقصود یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی دلربائی دائم ہے نہ مثل محبوبان مجازی کے کہ زوال حسن سے دلربائی بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اور کمان سے مراد ابرو ہے کہ چشم کے متصل ہوتی ہے۔

لبت را آب حیوان گفتم اما	چہ جائے آب کان ماء معین ست

ماء معین مراد ماء جنت ماخوذ از قولہ تعالیٰ فی الواقعۃ وکاس من معین یعنی آب حیوان میں چونکہ یہ نقصان ہے کہ گو حیات طویلہ بخشتا ہے مگر حیات ابدی نہیں بخشتا اس لئے وہ تشبیہ انقص ہے اس لئے کم از کم ماء معین سے تشبیہ دینا چاہئے گو ناقص وہ بھی ہے مقصود یہ ہے کہ واجب کی تشبیہ ممکن سے تام نہیں پس یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ ایسی تشبیہات وتمثیلات سے قیاس الغائب علی الشاہد میں مبتلا نہ ہو جائے جیسا بہت سے جہلاء صوفیا اپنے عقائد بگاڑ لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی اگر اس کی ضرورت ہو تو کسی قدر کامل سے چاہئے گو اس کے مقابلہ میں وہ بھی ناقص ہو مگر پھر اقرب الی الادب ہے۔

مشو ایمان زکید نفس ایمن	کہ دل تہ دو کنون در بند دین ست

یا تو یہ مقصود ہے کہ طریق عشق میں بعض احوال ایسے پیش آتے ہیں کہ اگر علم حقیقت یا ہادی کامل نہ ہو تو دین کا اندیشہ ہے پس سالک کو تحذیر ہے اس مکر الٰہی سے لان المکر مختلف الوانہ باختلاف احوال الممکور۔ اور یا آمادہ کرنا ہے بے دین رنگی کے زوال کے لئے جو کہ اثر ہے عشق کا کیونکہ اہل رسم نے بہت سے قیود وزوائد دین کے اندر اغراض نفسانیہ سے

داخل کر رکھے ہیں اسی طرح صورت ریاء کو دین بنا رکھا ہے یہ سب حذف ہو جاتے ہیں۔ اور یا دین مرادف ہے ایمان کا اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے اور طریق عشق میں بعض اوقات معلومات سے ذہول محض ہو جاتا ہے پس ایمن مشتو تحذیر کے لئے نہ ہوگا بلکہ مجاز آمحض اطلاق وتنبیہ وتشبیہ کے لئے۔

زجام عشق مے نوشید حافظ	مدامش مستی رندی ازین ست

اس میں بھی بیان ہے بعض آثار عشق کا اور تقریر ظاہر ہے۔

غزل

دیدی کہ یار جز سر جور وستم نداشت	بشکست عہد ما واز وہیچ غم نداشت
یارب مگیرش ارچہ دل چون کبوترم	افگند وکشت وحرمت صید حرم نداشت

یہ مرشد کی بے التفاتی کے تو ہم پر محمول ہو سکتا ہے اور عہد یا تو حالی ہے اور یا بیعت کے وقت کا قالی کہ ہم تمہاری تربیت کریں گے۔ اور شعر ثانی کا منشاء غلبۂ محبت ہے کہ اس کی تکلیف اس پر بھی گوارا نہیں۔ اور اس میں یہ تعلیم بھی ہوگئی کہ مرشد سے کسی حال میں تعلق محبت کم نہ کرے۔

بر من جفا زبخت بد آمد وگرنہ یار	حاشا کہ رسم جور وطریق ستم نداشت

پہلا کلام سکر کا تھا یہ صحو کا ہے یعنی جس حرمان پر تنگی ہو رہی ہے اس کا سبب ہے تو بھی مرشد کی نہیں بلکہ نقصان ہے اپنی استعداد کا تنبیہ اور واقع میں وہ حرمان نہیں بلکہ ہر شخص کی تربیت اس کی استعداد کے موافق ہے۔

دل اسحمہ جفا کہ بخواری کشید ازو	ہر جا کہ رفت ہیچ کسش محترم نداشت

اشارہ اس طرف ہے کہ تنگ ہو کر در مرشد کو چھوڑ کر دوسری طرف رجوع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اہل نسبت میں سے باوجود علم کے ایسے شخص کی کوئی قدر نہیں کرتا اور جو قدر کرے وہ صاحب تکمیل نہیں اس سے نفع نہیں حاصل ہو سکتا اور اگر اس شخص نے نہ جانا یا تو یہ دلیل عدم

خلوص کی ہے جو خود مانع نفع ہے۔

ساقی بیار بادۂ و با مدعی بگو	انکار ما مکن کہ چنیں جام جم نداشت

طلب ہے زیادۂ عشق کی اور جواب ہے منکر کا کہ ہمارا جام یعنی قلب کاشف اسرار الہیہ ہے اور جام جم کاشف اسرار کونیہ تھا قاین ہذا من ذاک اور ایسے ظلم شریف کا جلوہ گاہ قابل انکار نہیں۔

ہر رہروے کہ رہ بحریم درش نبرد	مسکین برید وادی و رہ در حرم نداشت

اس میں تنبیہ ہے ان لوگوں کی غلطی پر جو سلوک میں مقصود اصلی یعنی قرب و رضا کو چھوڑ کر غیر مقصود مثل مواجید و تصرفات و کشوف وغیرہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ مقصود تک نہیں پہنچتے گو کتنا ہی مجاہدہ کریں اس میں بھی بہت لوگ مبتلا ہیں۔

خوش وقت رند مست کہ دنیا و آخرت	بر باد داد و ہیچ غم از بیش و کم نداشت

بیان ہے فضیلت عاشق کا کہ دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور آخرت کو گو ترک نہیں کرتا مگر اس کو ملتفت الیہ بالذات نہیں سمجھتا پس بر باد داد مفہوم عام ہے دونوں کو شامل۔

حافظ ببر تو گوئے فصاحت کہ مدعی	ہیچش ہنر نبود و خبر نیز ہم نداشت

مطلب یہ کہ تم مضامین عشق کلام فصیح سے کہے جاؤ اور مدعی منکر و مانع کی طرف التفات نہ کرو کہ نہ اس کو ہنر عشق حاصل ہے کہ اسکا محقق ہو اور نہ کچھ سنی سنائی خبر رکھتا ہے کہ مقلد ہو اس لئے اس کا انکار قابل التفات نہیں۔ اور بعض نسخوں میں گوی سعادت ہے یعنی تم تحصیل سعادت عشق میں لگے رہو اور مدعی کی طرف الخ۔

غزل

بروای زاہد و دعوت مکنم سوی بہشت	کہ خدا در ازل از بہر بہشتم نسرشت
بکجو از خرمن ہستی نتواند برداشت	ہر کہ در راہ فنا در رہ حق دانہ نکشت
تو و تسبیح و مصلی و رہ زہد و ورع	من و میخانہ و ناقوس و رہ و دیر و کنشت

منعم از می مکن ای صوفی صافی کہ حکیم	در ازل طینت ما را ز مے صاف سرشت
صوفی صاف بہشتی نبود زانکہ چو من	خرقہ در میکدہ بار بمی ناب نہشت
لذت از حور بہشت ولب حوضش نبود	ہر کہ او دامن معشوق خود از دست بہشت
حافظا لطف حق ار با تو عنایت دارد	باش فارغ ز غم دوزخ و شادی بہشت

زاہد سے مراد ایسا شخص ہے جو محض اعمال کو کمال سمجھتا ہے گو اس میں محبت وخلوص نہ ہو اور صوفی صافی بھی اسی کو کہا صوفی باعتبار اس کے دعویٰ کے یا تمسخراً اور صافی اس اعتبار سے کہ خلوص سے صاف ہے کذا فی الشرح۔ اور بہشت اور حور اور لب حوض سے مراد اعمال ہیں کہ وہ کسی درجہ میں سبب ہیں ان مذکورات کے یعنی جبکہ اعمال میں خلوص ہو مگر یہاں مطلق اعمال مراد ہیں والو من غیر خلوص اور تسبیح ومصلی وغیرہ اور خرقہ سے اعمال کا مراد ہونا بہت ہی ظاہر ہے۔ اور میخانہ وانحواتہا اور می اور میکدہ اور دامن معشوق سے مراد محبت وخلوص بعد حل ان مفردات کے مطلب اشعار کا ظاہر ہے کہ بدون اخلاص کے اعمال کا بیکار ہونا بیان کر رہے ہیں اور یہی معنی ہیں بہشتی نبود کے جو کہ شعر خامس میں ہے یعنی عدم اخلاص فی العمل کا یہ مقتضا ہے گو اخلاص فی الایمان بہشتی ہونے کا سبب بن جائے۔ اور شعر ثانی میں فنا کا شرط بقا ہونا مذکور ہے اور مقطع میں جنت ودوزخ کا ملتفت الیہ بالذات نہ ہونے کی تعلیم کر رہے ہیں۔ اور مرغوب فیہ ومہروب عنہ ہونے کی نفی نہیں کرتے۔

غزل

اے نسیم سحر آرام گہ یار کجاست	منزل آن مہ عاشق کش عیار کجاست
شب تار است ورہ وادی ایمن درپیش	آتش طور کجا وعدۂ دیدار کجاست

یہ اشعار حالت قبض واستتار کے ہیں جس میں تجلیات ومشاہدات کی تمنا کر رہے ہیں۔ اور شب تار اور وادی ایمن سے مراد اسباب تجلی مثلاً طلب ومجاہدہ وذکر وشغل وغیرہ۔

ہر کہ آمد بجہان نقش خرابی دارد	در خرابات مپرسید کہ ہشیار کجاست

اگر خرابی سے مراد فنا ہے تب تو تعلیم ہے مراقبہ موت کی اور مصرعہ ثانیہ بطور مثل کے ہے یعنی چنانکہ درخرابات ہشیار نباشد ہمچنین در جہان کسے بے خرابی نباشد۔ اور اگر مراد اس سے صعوبت قبض ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ کوئی سالک اس سے خالی نہیں پس اس میں ایک گونہ تسلی ہے اور اس صورت میں خرابات سے مراد طریق اور ہشیار سے مراد سالم اس صعوبت مذکورہ سے اور یہ حکم باعتبار اکثر کے ہے۔

آنکس ست اہل بشارت کہ اشارت داند	نکتہ ہاہست بسے محرم اسرار کجاست

شاید اشارہ اس طرف ہو کہ ہم اپنے کلام میں بلسان اشارت نکات تصوف کے بیان کرتے ہیں جوان اشارات کو سمجھ لے اس کو بشارت ہو اور نکات از قبیل علوم مکاشفات کے ہم کو بہت سے معلوم ہیں مگر چونکہ محرم اسرار کم ہیں اس لئے بقدر ضرورت بعضے نکات از قبیل علوم معاملہ بیان کر دیئے ہیں۔ اس تقریر پر اس میں دلالت ہو گئی اس پر کہ ایسے اشعار سے کسی ظاہری لفظ کو کسی عقیدہ کا مدار نہ ٹھہرالیا جائے بلکہ جو مسئلہ دوسرے دلائل واضحہ سے ثابت ہو اس کو ان اشعار پر منطبق کر لیا جائے نہ یہ کہ خود ان اشعار سے اخذ اور استدلال کیا جائے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

ہر سر موی مرا با تو ہزاران کارست	ما کجائیم و ملامت گر بیکار کجاست

مطلب یہ کہ طریق باطن امر وجدانی ہے جسکو معاملہ پڑتا ہے وہ تو سمجھتا ہے اور جس کو معاملہ نہیں پڑا اس کو اس کا ذوق اور ادراک نہیں ہوتا پس ملامت غلطی ہے اور کار و بیکار سے مراد یہی معاملہ اور عدم معاملہ ہے۔

عاشق خستہ زدرد و غم ہجر تو بسوخت	خود نپرسی تو کہ آن عاشق غمخوار کجاست
بادہ و مطرب و گل جملہ مہیاست ولی	عیش بے دوست مہیا نشود یار کجاست
عقل دیوانہ شد آن سلسلۂ مشکین کو	دل ز ما گوشہ گرفت ابروی دلدار کجاست

ان میں بھی آثار استتار کے ہیں اور خود نپرسی عبارت ہے استغناء سے اور بادہ وغیرہ سے مراد اشغال و اعمال اور عقل دیوانہ شد کے معنی ہیں عقل زائد شد۔ اور دل ز ما گوشہ گرفت

سے مراد ہے دل گم شد اور سلسلۂ مشکین اور ابرو دلدار سے مراد تجلیات جن کی تمنا ہے اور تقریر مطلب کی سب ظاہر ہے۔

دلم از صومعہ وصحبت شیخ ست ملول	یار ترسا بچہ کو خانۂ خمار کجاست

صومعہ وصحبت شیخ سے مراد اعمال ظاہری بے محبت اور صحبت زاہد خشک۔ اور ترسا بچہ سے مراد مرشد عشق شبیہ للحسن ولو تفاوت بالظاہر والباطن اور خمار سے مراد بھی یہی۔ یعنی زاہدان خشک وزہد خشک وصول الی المقصود کے لیے کافی نہیں مربی باطن کی ضرورت ہے۔

حافظ از باد خزان در چمن دہر مرنج	فکر معقول بفرما گل بیخار کجاست

گل بیخار کجاست بیان ہے فکر معقول کا اس میں تسلی ہے حالت مذکورہ بالا پر یعنی راحت خالی از محنت عالم میں موجود نہیں پس ایسی حالت شاق کے پیش آنے سے پریشان مت ہو۔

غزل

خواب آن نرگس فتان تو بے چیزے نیست	تاب آن زلف پریشان تو بے چیزے نیست
از لبت شیر روان بود کہ من میگفتم	کین شکر گرد نمکدان تو بے چیزے نیست
چشمۂ آب حیات است دہانت اما	زیر لب چاہ زنخدان تو بے چیزے نیست
جان من باد فدائے تو یقین میدانم	در کمان ناوک مژگان تو بے چیزے نیست
مبتلائی بغم ومحبت و اندوہ و فراق	ای دل این نالہ وافغان تو بے چیزے نیست
دوش باد از سر کویش بگلستان بگذشت	ای گل این چاک گریبان تو بے چیزے نیست
درد عشق ار چہ دل از خلق نہان میدارد	حافظ این دیدۂ گریان تو بے چیزے نیست

اس غزل کے سات شعر میں سے اول کے چار اشعار میں محبوب کے کمالات اور ان کمالات کے آثار اور اخیر کے تین اشعار میں محب کے حالات اور ان حالات کے موثرات مذکور ہیں پس لفظ چیز کہ ردیف میں ہے اول کے اشعار میں بمعنی اثر ہے اور اخیر کے اشعار میں بمعنی موثر اور اول کے اشعار میں مجموعہ مفردات سے مراد مجموعہ مطلق کمالات ہیں خاص

مفردات سے خاص کمالات مراد نہیں کہ ہر ایک میں تحقیق وجہ شبہ کی ضرورت ہو اور چشم نرگس کی خوبی خواب سے اور زلف کی خوبی تاب یعنی پیچ سے بڑھ جاتی ہے محض چشم و زلف کی مناسبت سے یہ لائے گئے ہیں۔ اور از لبت شیر روان بود کنایہ ابتدائی ظہور سے ہے اور شکر سے مراد لب اور تمکدان سے مراد دہاں مقصود یہ ہے کہ محبوب کے جو کمالات ظاہر ہوئے وہ بے وجہ نہیں بلکہ مقصود اس سے خاص آثار کا مرتب کرنا تھا جن میں سے اعظم آثار عشاق کا فریفتہ کرنا ہے۔ اور اخیر کے اشعار کا مقصود یہ ہے کہ عشاق کا نالہ و افغان اور گریبان چاک اور دیدۂ گریان بے وجہ نہیں بلکہ اسکا سبب موثر کوئی امر عظیم ہے یعنی عشق۔ اور شعر سادس میں ظاہر مدلول کے اعتبار سے حسن التعلیل ہے یعنی ای گل شگفتگی میں تیرا جو گریبان ہوا ہے چاک ہو گیا ہے معلوم ہوتا ہے وہ ہوا کوئے محبوب سے گزر کر گلستان میں آئی ہو گی اس لئے اس میں یہ اثر پیدا ہو گیا اور مدلول باطنی کے اعتبار سے عاشق کو خطاب ہے کہ جس عشق سے تیرا گریبان چاک ہوا ہے یہ ایک جاذبہ ہے جو جناب محبوب سے تجھ پر وارد ہوا ہے۔

غزل

دیدمش دوش کہ سرمست و خرامان میرفت	جام می بر کف و در مجلس رندان میرفت
چون ہمی گفتمش ای مونس دیرینہ من	سخت میگفت دل آزردہ و پریشان میرفت
نقش خوارزم و خیال لب جیحون می بست	با ہزاران گلہ از ملک سلیمان میرفت
میشد آنکس کہ جز او جان سخن کس نشناخت	من ہمی دیدم و از کالبدم جان میرفت
گفتم اکنون سخن خوش کہ بگوید با ما	کان شکر لہجہ خوشگوی سخندان میرفت
لابہ بسیار نمودم کہ مرو سود نداشت	زانکہ کار از نظر رحمت سلطان میرفت
پادشاہا ز کرم از سر جرمش بگذر	چکند سوختہ از غایت حرمان میرفت
چون بشد آن صنم از دیدۂ حافظ غائب	اشک ہموارہ ز رخسار بدامان میرفت

معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کسی امر پر آزردہ ہو کر چلے گئے ہیں اس معاملہ کو لکھ رہے ہیں۔

ہزار شکر کہ حافظ زراہ میکدہ دوش	بکنج زاویۂ طاعت و عبادت رفت

اس غزل میں بیان ہے فضل و آثار عشق کا اور سعادت سے یہی مراد ہے اور کنج میکدہ اور خانہ ارادت بھی اسی کو کہا ارادت کا ترجمہ ہے مریدی اور بعض نسخوں میں ہے از خانۂ اس صورت میں ارادت کے معنی یا ترکی مریدی کے ہیں جس سے اعراض ضروری ہے اور یا ارادہ سے مراد ارادہ و خواہش حظوظ ہے اس کا ترک بھی ضروری ہے۔ اور رطل و ردکشان سے مراد بھی عشق ہے اور رموز غیب سے مراد تمام رموز غیب نہیں کیونکہ کشف لوازم ولایت سے نہیں بلکہ خاص رموز عشق ہیں اور ان کا وقوع ظاہر ہے کہ عالم شہادت ہی میں ہوتا ہے مگر بوجہ غیر مدرک بالعقول العامہ ہونے کے رموز کہہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصول عشق سے اسرار عشق کہ وجدانی ہیں مدرک ہوتے ہیں۔ اور معرفت سے مراد علم معرفت مراد یہ کہ میرے ملفوظات میں نکات سعادت یعنی عشق کے مذکور ہیں۔ اور رندی سے مراد بھی عشق ہے۔ اور کوکب ولادت سے مقصود یہ ہے کہ میرا مذاق فطری عشق ہے۔ اور وست کے معنی ہیں طرز وروش کذا فی الغیاث اور بعض نسخوں میں بطرز دگر لکھا ہے۔ اور زیادہ واضح میں سہل یہ ہے کہ خطاب مرشد کو ہو یعنی پہلے تو آپ کو میرے حال پر توجہ تھی مگر اب کچھ طرز بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ میری بیماری اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ خالی تسلی و ہمدردی سے کام نہیں چلتا مرشد کے تصرف کی ضرورت ہے (اشارہ اس طرف ہے کہ تصرف یعنی ہمت و توجہ کی ایسے وقت احتیاج ہوتی ہے جبکہ تعلیم محض نافع نہ ہو اسی واسطے اکابر نے تصریح کی ہے جب طالب ذکر سے متاثر نہ ہو تو شیخ ہمت سے کام لے) آگے مقطع میں اس پر شکر کرتے ہیں کہ سکر سے صحو میں آگئے کیونکہ آخری حالت میں صحو ہی ہو جاتا ہے۔ اور بعض نسخوں میں زراہ کی جگہ براہ اور بکنج کی جگہ زکنج ہے اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ زہد ریائی سے عشق و خلوص میں آگئے و کلاہما صحیح۔

غزل

خمے کہ ابروی شوخ تو در کمان انداخت	بقصد جان من زار ناتوان انداخت

خم سے ابرو کا حسن بڑھ جاتا ہے مراد اس سے ظہور حسن ہے یعنی ظہور جمال سے محبوب

حقیقی کا یہ مقصود تھا کہ طالبوں کو تعلق و تعشق ہو اور اس سے حصر اس مقصود میں لازم نہیں آتا
قال اللہ تعالیٰ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار
لآیات لاولی الالباب اس سے ظاہر ہے کہ خلق کائنات میں کہ مظہر جمال ہے حکمت
اعتبار کی ہے اور اعتبار پر معرفت اور معرفت پر محبت کا ترتب ظاہر ہے پس ظہور جمال میں
حکمت ترتب محبت کی ثابت ہوگئی۔

شراب خوردہ وخوی کردہ کے شدی بچمن	کہ آبروی تو آتش درارغوان انداخت

شراب خوردہ مست کنایہ از استغناء کہ موجب افزونی ربودگی دل عاشق باشد۔ وعرق کردہ مراد ازان با کمال جمال چہ عرق بررویٔ موجب از دیاد حسن ست۔ چمن دل عاشق۔ ارغوان چون سرخ باشد کنایہ از دل خونین عاشق یا پارۂ از دل چنانکہ ارغوان جزوی از چمن باشد ولطافت لفظ آبروی پر ظاہرست۔ مضمون شاعرانہ میں تو حسن التعلیل ہے کہ ارغوان کے خونیں ہونے کی وجہ محبوب کا چمن میں گزر کرنا ہے کہ اس کو دیکھ کر وہ خونبار ہو گیا اور مقصود معنوی وہ ہی ہے جو اوپر کے شعر میں تھا کہ ظہور جمال محبوب سبب ہو گیا دل عاشق کے خونیں ہونے کا اور کے شدی سے مقصود اثبات ہے نہ کہ استفہام یعنی خود میدانی۔

بیک کرشمہ کہ نرگس بخود فروشی کرد	فریب چشم تو صد فتنہ در جہان انداخت
زشرم آنکہ بروی تو نسبتش کردند	سمن بدست صبا خاک در دہان انداخت
بہ بزمگاہ چمن دوش مست بگذشتم	کہ از دہان تو ام غنچہ در گمان انداخت
بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد	صبا حکایت زلف تو درمیان انداخت

ان چاروں شعر میں امر مشترک حسن محبوب کو ترجیح دینا ہے دوسرے محبوبوں کے حسن پر خاص خاص عنوان سے۔ چنانچہ شعر اول میں نرگس پر چشم کو اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ نرگس نے دعویٰ سے ایک ہی کرشمہ کیا تھا کہ اس کے مقابلہ میں تیری فریب چشم نے صد ہا فتنے برپا کر دیئے اور ایک کرشمہ اس لئے کہا کہ اس کا حسن ناقص اور متناہی ہے گویا صد کے مقابلہ میں ایک۔ اور شعر ثانی میں روی محبوب کو سمن پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ کہیں کسی نے سمن کو

تیرے رخ سے تشبیہ دے دی تھی شرم کے مارے اس نے اپنے منہ میں صبا کے ہاتھوں خاک جھونک لی یعنی ہوا سے جو خاک اڑ کر اس پر جا پڑی گویا اس کی وجہ یہ ہے۔ شعر ثالث میں دہن کو غنچہ پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ میں جو چمن میں گزرا اس کی وجہ یہ ہے کہ غنچہ کو دیکھ کر تیرے دہن کا خیال آ گیا ورنہ میرا چمن اور غنچہ سے کیا سروکار کیونکہ غنچہ ناقص ہے اور دہان کامل۔ اور شعر رابع میں زلف کو بنفشہ پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ بنفشہ اپنے کو آراستہ کر رہا تھا کہ صبا نے تیری زلف کی حکایت اس سے بیان کر دی بچارہ شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

کنون بآب مئی لعل خرقہ مے شویم	نصیبۂ ازل از خود نمی توان انداخت

نمی توان انداخت ای نمی توان دور کرد یعنی مذاق عشق میرا فطری و جبلی ہے و جبلی گر دو وجبلی نگر دو فلا ینفع اللوم۔

نبود رنگ دو عالم کہ نقش الفت بود	زمانہ طرح محبت نہ این زمان انداخت

غالباً اشارہ ہے مضمون کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف الخ کی طرف پس یہ محبت جو احببت میں مذکور ہے دو عالم کے وجود پر سابق ہے اور یہ محبت حادثہ اسی کا فیض ہے مقصود اس سے مدح ہے محبت کی۔

من از ورع می و مطرب ندیدی ہرگز	ہوای مغبچگانم درین و آن انداخت

این و آن اشارہ بسوی می و مطرب۔ و مغبچگان محبوبان و الجمیعۃ تجنس یعنی یہ آثار عشقیہ کی احیاناً فعل ظاہر تقوی ہو جاتے ہیں محض غلبہ عشق سے صادر ہوتے ہیں پس معذور کہنا چاہئے۔

جہان بکام دل اکنون شود کہ دور زمان	مرا بہ بندگی خواجۂ زمان انداخت

خواجۂ زمان سے مراد مرشد کامل اس میں اپنے نفس کو بشارت دیتے ہیں کہ اب سب کام مرضی موافق ہو جائیں گے اور اس میں اشارہ ہے کہ مرشد کامل میسر ہونے کے بعد تسلی اور امید کامیابی کی رکھنا چاہئے پریشانی چھوڑ دینا چاہئے گو مفصلاً کوئی امر فہم میں نہ آئے۔

مگر کشائش حافظ درین خرابی بود	کہ قسمت ازلش در مئی مغان انداخت

خرابی سے مراد عشق کہ مخرب ظاہر ہے یعنی میرے لئے جو طریق عشق تجویز ہوا ہے

معلوم ہوتا ہے میری تربیت اسی سے وابستہ ہے۔

غزل

روشن از پرتو رویت نظرے نیست کہ نیست	منت خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست
ناظر روی تو صاحب نظرانند ولے	سر گیسوی تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

شعر اول کے مصرعہ اولی میں جمال محبوب کے ظہور کا اور شعر ثانی کے مصرعہ ثانیہ میں اس کی محبت کا عام ہونا اور اس کے مصرعہ اولی میں معرفت کا خاص ہونا اور شعر اول کے مصرعہ ثانی میں اس معرفت میں محبوب ہی کی منت وفضل ہونا مذکور ہے اور یہ ظہور ومحبت کا عموم سب کے اعتبار سے ہے خواہ کسی کو ادراک ہو یا نہ ہو جن کو ادراک ہے ان کو بلا واسطہ ہے جن کو ادراک نہیں ان کو بواسطہ ہے۔ اور شعر اول کے مصرعہ ثانیہ کی تقریر یہ ہے کہ جن لوگوں کی بصر درست ہوگئی ہے یہ ان کا کمال نہیں ہے بلکہ طفیل ہے آپ کے خاک در کا پس اس میں اشارہ ہو جائے گا کہ کسی خوبی کو اپنی سعی کا ثمرہ نہ سمجھے بلکہ فضل خداوندی سمجھے۔

اشک غماز من ار سرخ بر آید چہ عجب	خجل از کردۂ خود پردہ درے نیست کہ نیست

پردہ در غماز۔ اصل مضمون تو ثابت کرتا ہے اثر عشق سے اشک خونیں کے نکلنے کو اور عنوان میں بطور حسن التعلیل کے ایک شاعری لطافت ہے کہ یہ سرخی خجالت سے ہے اور خجالت غمازی سے اور غماز باعتبار دلالت علی العشق کے کنایہ۔

کمر کین بمن خستہ چہ بندی کہ زمہر	بر میان دل و جانم کمرے نیست کہ نیست

کین قہر۔ واستفہام چہ بندی برائے ترحم۔ وزمہر بیان کمرے در مصرعہ ثانیہ بمعنی پٹکہ ولمیان بمعنی کمر۔ مطلب یہ کہ میری کمر جان و دل پر تو عشق کے تمام پٹکے بندھے ہوئے ہیں یعنی میں ہر طرح خادم و عاشق ہوں مجھ پر ترحم فرمایئے اور قہر نہ کیجئے۔

تا بدامن نہ نشیند ز نسیمت گردے	سیل اشک از نظرم بر گزرے نیست کہ نیست

گزر راہ و بتا ور نسیمت مضاف الیہ دامن۔ ترجمہ تو یہ ہے کہ اس خیال سے کہ ہوا چلنے

سے کبھی آپ کے دامن پر گرد نہ بیٹھ جائے میں تمام سڑکوں پر سیل اشک آنکھوں سے بہاتا ہوں تاکہ گرد جمی رہے اور مقصود یہ ہے کہ میں اس لئے روتا رہتا ہوں تاکہ محبوب کے دامن خاطر پر میری بادتقصیر سے غبار نہ بیٹھ جائے یعنی تاکہ ہمارے گناہوں سے ناراض نہ ہو جائیں پس اس میں اشارہ ہوگا کہ بندہ کو ہمیشہ نادم اپنے افعال پر رہنا چاہئے۔

نادم از شام سر زلف تو ہر جا نزند	باصبا گفت وشنیدم سحرے نیست کہ نیست

شام سے تشبیہ زلف کی باعتبار سیاہی کے ہے اور مقابلہ اس کا سحر سے لطافت شاعری ہے۔ ترجمہ لفظی تو یہ ہے کہ میں صبا سے ہر سحر کو یہ گفت وشنید رکھتا ہوں کہ تیری زلف کی حکایت ہر جگہ بیان نہ کرے اور بلسان اشارت مقصود یہ ہے کہ میں اہل معرفت کو سمجھاتا ہوں کہ اسرار باطنی ہر مجلس میں نہ کہیں بلکہ جب مخاطب صحیح ہو۔ اس میں نہی ہے افشاء اسرار سے غیر اہل کے سامنے۔

من ازین طالع شوریدہ برنجم ورنہ	بہرہ مند از سر کویت دگرے نیست کہ نیست

مطلب یہ کہ محبوب کی طرف سے بخل افاضہ میں نہیں مگر میرا نقصان استعداد موجب خسران ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کمی کا سبب اپنی حالت ہوتی ہے نہ کہ محبوب کی بے توجہی۔ اور طالب صادق کی کمی باعتبار اس کی کسی خاص خواہش کے ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ وہ کمی ہی اسکے حق میں مصلحت ہے مثلاً بعضے طالب مواجید کے ہوتے ہیں اور وہ ان کے لئے خلاف مصلحت ہوتے ہیں۔

از خیال لب نوشین تو ای چشمۂ نوش	غرق آب وعرق اکنون شکری نیست کہ نیست

نوش شیرین وگوارا و آب حیات کذا فی الغیاث یعنی شکر بھی محبوب کے خیال لب سے غرق آب عرق ہے مقصود یہ ہے کہ محبوبان مجازی محبوب حقیقی کے روبرو ناقص ہیں اس ابتلا سے غرض یہ ہے کہ ادھر التفات مت کرو۔

آب چشمم کہ بر و منت خاک درتست	زیر صد منت او خاک درے نیست کہ نیست

یعنی میرا آب چشم تو آپ کی خاک در کا ممنون ہے کیونکہ اسی کے اشتیاق میں وہ رواں ہوا

ہے اور دوسرے خاک در اس آب چشم کے ممنون ہیں کیونکہ وہ آب چشم کثرت گریہ سے ہر جگہ بہتا پھرتا ہے پس سب کو اس سے حصہ ملا۔ اور بلسان اشارت اس میں بیان اس کا ہے کہ جس طرح سالک پر حق تعالیٰ کا احسان ہے اسی طرح کسی درجہ میں سالک کا احسان دوسروں پر ہے کہ وہ ان کی رہبری کرتا ہے بلکہ اس کی حالت محبت وطلب یا گریہ ونالہ کی دیکھ کر بھی دوسروں کو نفع پہنچتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے مضمون من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کی طرف۔

از وجود آنقدرم نام ونشانے ست کہ ہست	ورنہ از ضعف در آنجا اثرے نیست کہ نیست

مطلب ظاہر ہے کہ غایت ضعف کا بیان کر رہے ہیں جس سے تمام قوۃ زائل ہو گئی صرف وجود کا حکم باقی ہے اور اس میں بیان ہے اثر عشق کا۔

شیر در بادیۂ عشق تو روباہ شود	آہ ازیں راہ کہ در وے خطرے نیست کہ نیست

مطلب یہ کہ طریق عشق میں کہ پر خطر ہے بڑے بڑے اقویاء عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس میں بھی اشارہ ہے تعلیم شکستگی کی طرف کہ یہاں زاری کا کام ہے زور کا کام نہیں کما قال الرومی فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ + جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ +

نہ من دل شدہ از دست تو خونیں جگرم	از غم عشق تو پر خون جگرے نیست کہ نیست

جگرے نکرہ تحت نفی میں ہونے سے عام ہے اور عام بمعنی کثیر کے بھی آتا ہے پس اگر مراد کثرت ہے تو ظاہر ہے کہ عشاق حق کثرت سے ہیں اور اگر عموم ہی مراد ہے تو عشق عام ہے بواسطہ وبلا واسطہ ومع الادراک وبلا ادراک کو اور اس کا عموم لجمیع القلوب صحیح ہے۔

از سر کوے تو رفتن نتوانم گامے	ورنہ اندر دل بیدل سفرے نیست کہ نیست

یعنی سفر تو بڑے بڑے دل میں آتے ہیں مگر غلبہ عشق سے ایک قدم بھی کہیں نہیں جا سکتا۔ سفر سے مراد میلان الی العادات الطبعیہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشق سے امور طبعیہ کا ازالہ نہیں ہوتا البتہ مغلوب ہو جاتے ہیں پس احیانا وسوسہ یا صدور کسی امر طبعی کا مستبعد نہیں نہ منافی کمال ہے جیسا بعض منکرین معاندین خفیف خفیف امور پر اعتراض کیا کرتے ہیں یا بعضے ناواقف طالبین ایسے امور پر عقیدت میں فتور ڈال دیتے ہیں۔

تو خود ای شعلۂ رخشندہ چہ داری در سر — کہ کباب از حرکات جگرے نیست کہ نیست

چہ داری در سر یعنی چہ خیال وچہ ارادہ داری وحرکات کنایت از ظہور وخفا ورافت وصورت استغناء اور یہ استفہام سوال کے لئے نہیں بلکہ اثبات کے لئے ہے یعنی ان معاملات میں کہ عشاق کے ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ کوئی بڑی ہی حکمت ومصلحت ہے اس میں اشارہ ہوگیا کہ جو کچھ ادھر سے پیش آئے اس پر راضی رہے اور یہ نہایت معین ہے سلوک پر۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز	ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

اس کا بھی وہی مقصود ہے جو غزل ہذا کے شعر سادس تادم از شام الخ کا ہے یعنی علوم مکاشفات علی الاطلاق اور علوم معاملہ جو اپنے ساتھ متعلق ہیں نااہل سے نہ کہنا چاہئے۔

بجز این نکتہ کہ حافظ زتو ناخشنود ست	در سراپائے وجودت ہنرے نیست کہ نیست

زتو ناخوشنود ست کے یہ معنی نہیں کہ از تو ناراض ست یعنی یہ از صلہ کا نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے یعنی اور از جانب او کا ہے مسرت رد نمود۔ اس میں شکایت ہے مرشد کی بے توجہی کی کہ توجہ جو مایہ مسرت ہے کبھی نصیب نہ ہوئی حاصل یہ کہ آپ میں سب خوبیاں ہیں مگر اتنی کسر ہے کہ بے توجہی کی عادت ہے۔ یہ مضمون ذرا بسط کے ساتھ ردیف الالف غزل صبا بالطف بگو شعر جز این قدر الخ کی شرح میں لکھا جا چکا ہے دیکھ لیا جائے۔

غزل

کس نیست کہ افتادہ آن زلف دوتا نیست	در رہ گزری نیست کہ دامی ز بلا نیست
روے تو مگر آئینۂ لطف الٰہی ست	حقا کہ چنین ست درین روی وریا نیست
زاہد دہدم توبہ ز روی تو زہے روے	ہیچش ز خدا شرم وز روی تو حیا نیست
نرگس طلبد شیوۂ چشم تو زہے چشم	مسکین خبرش از سر و در دیدہ حیا نیست
از بہر خدا زلف میارای کہ ما را	شب نیست کہ صد عربدہ با باد صبا نیست
باز آی کہ بے روی تو ای شمع دل افروز	در بزم حریفان اثر نور و ضیا نیست

وی میشد و گفتم صنما عہد بجا آر	گفتا غلطا ای خواجہ درین عہد وفا نیست
تمار غریبان سبب ذکر جمیل ست	جانا مگر این قاعدہ در شہر شما نیست
چون چشم تو دل می بردار گوشہ نشینان	دنبال تو بودن گنہ از جانب ما نیست
گر پیر مغان مرشد ماشد چہ تفاوت	در ہیچ سرے نیست کہ سری زخدا نیست
گفتن بر خورشید کہ من چشمۂ نورم	دانند بزرگان کہ سزاوار سہا نیست
عاشق چہ کند گر نخورد تیر ملامت	با ہیچ دلا ور سپر تیر قضا نیست
در صومعۂ زاہد و در خلوت عابد	جز گوشۂ ابروی تو محراب دعا نیست
ای چنگ فرو بردہ بخون دل حافظ	فکرت مگر از عزت قرآن خدا نیست

یہ تمام غزل بجز مقطع کے قبل والے شعر کے معاملات متعلقہ مرشد پر منطبق ہے یعنی ہر شخص (مراد بکثرت) آپ کے شیدا ہیں جس طرف آپ گزرتے ہیں طالبین مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں آپ کا سیما آئینہ لطف الٰہی ہے جیسا حدیث میں ہے اذا راؤ ذکر اللہ اور یہ امر بالکل بلا روی و ریا کہتا ہوں (یعنی خوشامد و تصنع سے نہیں کہتا) زاہد خشک مجھ کو آپ کے سلسلے سے ہٹانا چاہتا ہے ذرا منہ تو دھو رکھے اس زاہد کو نہ خدا کی شرم رہی نہ آپ کے کمالات کی وہ زاہد بیچارہ کہ نرگس کی طرح جو کہ بشکل چشم ہے مگر بینائی سے معرا شیخ بن کر آپ سے تشبہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی بیعت کی طرف بلاتا ہے چشم نرگس بالمعنی المذکور بھی عجب چشم ہے کہ آپ کی چشم کا مقابلہ کرتی ہے اس غریب کو حقیقت (ترجمہ سر بالکسر) کی خبر نہیں اور نہ آنکھ میں حیا ہے ہم تو آپ کے پورے معتقد ہیں اور کمالات کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں (وہذا ہو المراد بقولہ زلف میارا) جیسا کہ شیوخ احیاناً کسی مرید کی استواری عقیدہ کی مصلحت سے ایسا کرتے ہیں وفی ہذا قیل ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید کیونکہ ہمیشہ ویسے ہی غمازین ومخالفین سے ہمارا عہدہ اور رہتا ہے اب اظہار کمال سے ان کو اور حسد ہوگا اور وہ زیادہ مخالفت کریں گے ہمارا عہدہ اور بڑھے گا اور ترجمہ لفظیہ شعر ہذا کی یہ تقریر ہے

کہ تم اپنی زلف کو قرار بے حرکت کرو کیونکہ صبا اس کو پریشان کرے گی اور اس پر ہمارا دل اس سے
عہد و وفا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ پریشان کرنا ایک قسم کی مزاحمت خوش ترکیبی کی ہے اس
لئے میں نے اس کو شبیہ مخالفت سے قرار دیا اور اگر یہ شبہ ہو کہ پریشان کرنے سے اور بھی
حسن میں افزونی ہوتی ہے یہ مخالفت کیا ہوئی جواب یہ ہے کہ بالذات تو مخالفت ہی ہے
بامر عرض سبب ازدیاد حسن کا ہو جاتا ہے سو بزرگوں کی مخالفت سے بھی اسی طرح ان کے
کمالات کی دولی خوبی ظاہر ہوتی ہے اور یہ امر مشابہ ہے۔ آگے بزرگانی میں مرشد کو اپنی
طرف متوجہ کرتے ہیں اور بدون ان کے مجلس کا فیض سے خالی ہونا ظاہر کرتے ہیں آگے
ہے تو بھی محروم و مسموم کی شکایت ہے اور مرشد کا جواب دربارۂ عہد وفا تہمت یہ حسب مذاق
مخاطب کے ہے جس نے عہد بجا آر کہنے میں گستاخی کی ہے ورنہ جواب یہ ہے کہ میرا عہد
بالتوجہ جن شرائط سے مقید تھا وہ شرطیں نہیں رہیں۔ آگے تمام غزل یا اخیر کا حاصل کل شعر
بالا کے ہے اور اسی کے مثل اس میں بھی شوخی ہے۔ آگے اپنے اس عشق و تعلق شدید کا سبب
بتاتے ہیں کہ جب گوشہ نشین جو دوسری طرف بھی یعنی عبادات و ریاضات میں متوجہ و
مشغول ہیں آپ کی محبت سے خالی نہیں حالانکہ ایک طرف تعلق ہونا مانع ہوتا ہے دوسری
طرف تعلق ہونے کو تو اگر ہم پیچھے پیچھے پھریں تو ہماری کیا خطا کیونکہ ہم کو تو ابھی کوئی مشغولی
بھی نہیں بجز مرشد کی تلاش ہی شغل ہے اور اگر ہم نے مذاق عشق کا مرشد اختیار کرایا تو
ملامت کرنا زاہد وغیرہ کا ہم پر کیوں الزام دیتا ہے ہر سر میں (یعنی بکثرت) خدا تعالیٰ کی طلب
ہے (والموت یعنی عمر عند بالسر) اور طالب بنا رہبر اپنے مذاق کے موافق تلاش کرتا ہی ہے سو
ہم نے بھی تجویز کر لیا آگے اس زاہد کی شفقت کو نصیحت ہے کہ کامل کے سامنے دعوی نہ سوجھ
ہے۔ آگے ملامت سے اپنی بے پروائی بیان کرتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں جو تھا ہو چکا اب
کریں۔ آگے دو مصرعوں میں خطاب محبوب حقیقی کو ہے کہ سب مالک آپ ہی کے طالب
ہیں اس سے بھی شاید زاہد کو تنبیہ ہو کہ پھر ہماری طلب پر کیوں ملامت کرتا ہے قطع ان تقریر
تفسیر الشعر کہ پیر مغان الخ آگے مرشد کو محکم ہو کر کہتے ہیں کہ ہے تو بھی سے کیوں گل
کرتے ہو جو ملتا ہو تو قرآن جو سینہ کا ترجمان کر دو واعظ رحمن استماع پذیر اعلیٰ تھے۔

غزل

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست	کرم نما وفرود آ کہ خانہ خانۂ تست
بلطف خال وخط از عارفان ربودی دل	لطیفہای عجب زیر دام ودانۂ تست
دلت بوصل گل ای بلبل چمن خوش باد	کہ در چمن ہمہ گلبانگ عاشقانۂ تست
علاج ضعف دل ما بلب حوالت کن	کہ آن مفرح یاقوت در خزانۂ تست
بہ تن مقصرم از دولت ملازمت	ولے خلاصہ جان خاک آستانۂ تست
چہ جای من کہ بلرزد سپہر شعبدہ باز	ازین حیل کہ در انبانۂ بہانۂ تست
من آن نیم کہ دہم نقد دل بہر شوخے	در خزانہ بمہر تو ونشانۂ تست
تو خود چہ لعبتی ای شہسوار شیرین کار	کہ توسنے چو فلک رام تازیانۂ تست
سرود مجلست اکنون فلک برقص آورد	کہ شعر حافظ شیرین سخن ترانۂ تست

شرح میں ہے این غزل در جدائی مرشد ست میں کہتا ہوں کہ بعض اشعار کا محبوب حقیقی کے متعلق ہونا زیادہ انسب ہے وقلیل ما ہو۔ رواق سقفے کہ در مقدم خانہ سازند اور شرح میں ہے رواق منظر چشم مردمک دیدہ کذا فی اصطلاح الشعراء اب معنی شعر اول کے ظاہر ہیں اور شعر ثانی میں خطاب محبوب حقیقی کو کہا جانا بہتر ہے کہ عارفین کا جاذب اسی کا کمال ہے گو یہ بھی احتمال ہے کہ مرشد کا مرجع العارفین ومحبوب العارفین ہونا بیان کرتے ہوں اور زیر دام ودانہ ہونا کنایہ ہے مخفی ہونے سے معنی یہ ہوئے کہ آپ کے پاس عجب لطائف مخفیہ ہیں مراد ان لطائف سے وہی کمالات ہیں جو کہ جاذب عارفین ہیں اور شعر ثالث میں دعا دیتے ہیں کہ آپ کو خدا تعالیٰ ہمیشہ مشرف بوصال رکھے کہ عالم میں تمام تر آپ ہی کے ارشادات کے فیوض ہیں۔ شعر رابع میں درخواست حنان لطف کی کہ تعلیم وتلقین بھی اس میں داخل ہے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے امراض باطنی کا علاج ہے بعض امراض مثل حزن ووسوسہ کم تو جہی کا تو نفس خطاب اور بعض کا عمل بحسب تعلیم۔ اور شعر خامس میں کہتے ہیں کہ گو ظاہر جسم کے

اقصور سے میں آپ کی خدمت میں حاضر رہنے سے مقصر ہوں (کیونکہ جدائی کی حالت میں مجبور ہیں) لیکن روح وقلب سے آپ ہی کے آستانہ پر پڑا ہوں اور یہ شعر محبوب حقیقی کے خطاب میں بھی ہوسکتا ہے اور معنی ظاہر ہیں کہ اس سے قرب واتصال جسمانی نہیں ہے کیونکہ اتصال جسمانی موقوف ہے متصلین کی جسمیت پر جو ممتنع ہے۔ اور شعر سادس میں کہتے ہیں کہ میں تو کیا چیز ہوں آپ کی مخفی تدبیروں اور مخفی حکمتوں سے بڑے بڑے عاقل عاجز ہیں۔ شاید اس سے مقصود یہ ہو کہ اگر سالک کو کوئی مرتبہ ناگوار پیش آئے تو اس کو قرین حکمت سمجھے یا یہ مقصود ہو کہ اپنے تصرفات وغیرہ پر ناز نہ کرے شاید وہ استدراج نہ ہو یہ شعر محبوب حقیقی ہی کی شان میں ہوسکتا ہے۔ شعر سابع میں کہتے ہیں کہ میں محبوبات مجازی کے ساتھ دل کو وابستہ نہیں کرتا خزانہ قلب کے دروازہ پر آپ ہی کی مہر ونشان لگا رکھا ہے اس میں مذمت ہے تعلق محبوبان مجازی کی۔ شعر ثامن میں لعبت جو آیا ہے اس کے معنی ہیں کھلونا چونکہ وہ کھلونا خوبصورت اور خوبصورتی کی وجہ سے محبوب ہوتا ہے حاصل معنی اس کے محبوب ہوئے یعنی آپ کی محبوبیت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ فلک جو ایک جسم ہے جس پر کسی کی قدرت نہیں چلتی آپ کے تحت القدرۃ ہے اور اس کو محبوبیت کا اثر اس لئے کہنا صحیح ہے کہ قدرت ایک کمال عظیم ہے اور کمال سبب ہے محبوبیت حق تعالیٰ کا بھی مسخر قدرت اور مسخر کمال اور مسخر محبوبیت سب کہنا صحیح ہے بالخصوص جب قالتا اتینا طائعین پر نظر کی جائے تو بلاواسطہ بھی مسخر محبوبیت کہنا بے غبار ہے کیونکہ طوع خود حاصل ہے محبت کا۔ یہ شعر محبوب حقیقی ہی کی شان میں ہوسکتا ہے اور شعر تاسع میں سچے کلام کی کہ وصف معشوق میں ہے مدح کرتے ہیں کہ آپ کی مجلس میں جو سرود ہوتا ہے اس کا اثر فلک پر بھی ہوتا ہے یعنی جو شئے کسی سے متاثر نہ ہو وہ بھی متاثر ہوتی ہے کیونکہ حافظ کا کلام آپ کے تذکرہ مدح پر مشتمل ہے اور آپ کی مجلس میں اسی کا سرود ہوتا ہے اس میں بیان ہے تاثیر کلمات عشقیہ کا۔

غزل

ساقی بیا کہ یار ز رخ پردہ برگرفت	کار چراغ خلوتیان باز درگرفت
آن شمع سرگرفتہ دگر چہرہ برفروخت	وآن پیر سالخوردہ جوانی ز سر گرفت

حاشیہ میں ہے واین شعر در حال بسط بعد قبض گفتہ۔ پردہ مفعول برگرفت وضمیر فاعل راجع بسوی یار۔ کار چراغ اخ اخ مراد رونق تازہ گرفت۔ شمع سر گرفتہ وپیر سال خوردہ کنایہ از دل کہ از افسردگی چون شمع کہ قریب مردن باشد نزدیک بود کہ سرد پردہ ظلمت کشد وچو پیر ضعیف شدہ بود پس از بسط مسرور شد۔ یا مراد از شمع سر گرفتہ واردات کہ مخفی وسرور گریان شدہ بودند۔ یا معنی سر گرفتہ آنکہ گل اوگرفتہ باشد کہ از ان پس روشن می شود پس مراد برین تقدیر دل باشد و پس واشارہ باین باشد کہ ہمین شان بسط بعد قبض می شود مایوس نباید بود واللہ اعلم۔

آن عشوہ داد عشق کہ مفتی زرہ برفت	وان لطف کرد دوست کہ دشمن حذر گرفت

مفتی سے مراد خواص منکرین اور دشمن سے مراد عوام منکرین یعنی عشق کے آثار ہم پر اس طرح وارد ہوئے کہ خواص مذکورین بھی متاثر ہو گئے اور عوام بھی دم بخود رہ گئے اس اثر کے دوام ترتب کا حکم نہیں کرتے بلکہ احیاناً ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخالفین پر بھی اثر پڑنے لگتا ہے کما ذکرہ بحنا۔

زنہار زین عبارت شیرین ودل فریب	گوئی کہ پستہ تو سخن در شکر گرفت

یہ زنہار استعاذہ کے لئے نہیں بلکہ استعظام کے لئے ہے یعنی اللہ اکبر محبوب کا کلام کس درجہ شیرین ہے گویا اس کے پستہ دہن نے اپنے سخن کو شکر میں لپیٹ رکھا ہے۔ مقصود بیان کرنا ہے ایک کمال محبوب کا تا کہ غیر طالبین کو طلب اور طالبین کو زیادت قلب پیدا ہو۔

بار غمے کہ خاطر ماخستہ کردہ بود	عیسے دمے خدا بفرستاد وبرگرفت

برگرفت یعنی دور کرد آن بار غم را۔ اس میں شکر یہ ہے مرشد کا کہ ان کی ہمت یا تلقین سے قبض رفع ہوا ہوگا۔

ہر سرو قد کہ برمہ وخور حسن می فروخت	چون تو در آمدی پئے کار دگر گرفت

حسن می فروخت یعنی تفاخری کرد۔ مطلب یہ ہے کہ جو اپنے کو ماہ وخور سے بھی زیادہ حسین سمجھتے تھے جب محبوب حقیقی کا حسن ظاہر ہو گیا وہ اور کام میں لگ گئے کنایہ اس سے ہے کہ دعویٰ چھوڑ دیا اور بہتر ہے کہ اور کام سے مراد عاشقی ہو یعنی وہ خود ہی عاشق ہو گئے پس در آمدی سے مراد در آمدی بر دلہای ایشان اور اگر در آمدی کے معنی ہوں در آمدی بردلہای

طالبان تو معنی یہ ہوں گے کہ جن طالبین کے سامنے محبوبان مجازی دعویٰ کرتے تھے جب ان طالبین کے قلوب میں آپ کی معرفت ہوگئی اور ان حسینوں نے اپنی بے قدری دیکھی اور امید التفات نہ رہی اپنے دوسرے کام میں لگ گئے۔

زین قصہ ہفت گنبد افلاک پر صداست	کوتہ نظر ببین کہ سخن مختصر گرفت

این قصہ سے مراد عشق ہے۔ مطلب یہ کہ عشق کا سب میں اثر ہے کوتاہ نظر اس کو صرف بعض آدمیوں ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور ان کو ملامت کرتے ہیں۔ عشق سے مراد مطلق انجذاب الی اللہ خواہ مع الشعور ہو یا باشعور اور شعور کے ساتھ خواہ خود اس انجذاب کا ادراک ہو یا نہ ہو اور خواہ بلا واسطہ ہو یا بواسطہ جیسا اس کے قبل بھی بعض جگہ بیان کیا گیا ہے اس تقریر پر اس میں جواب ہوگا لائم کو اور ممکن ہے کہ فضیلت عشق کی بیان کرنا ہو۔

حافظ تو این دعا زکہ آموختی کہ یار	تعویذ کرد شعر ترا و بزر گرفت

دعا سے مراد مطلق کلام کہ مشتمل ہے ثنا پر۔ تعویذ کرد یعنی اور احتمل تعویذ شمار کرد یعنی گرامی داشت و بزر گرفت یعنی خرید چنانچہ تعویذ زامی خرند مراد آنکہ شعر را گرامی داشت وبر آن صلہ داد از لطف وکرم خویش۔ اور یار سے مراد اگر محبوب حقیقی ہے تو زکہ میں کاف سے بھی وہی مراد ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز عند اللہ مکرم ہو اس کی تعلیم کرنے والا اور کون ہوگا تو نے بھی سوا ان کے کس سے سیکھا ہے یعنی ان ہی سے سیکھا ہے پس مقصود یہ ہوگا کہ جو عمل مبرور صادر ہو جائے وہ ان ہی کا احسان ہے مغرور نہ ہو۔ اور اگر یار سے مراد مرشد ہو تو کاف میں دو احتمال ہیں ایک تو وہی جو مذکور ہوا پس مقصود یہ ہوگا کہ مرشد کی عنایت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ کاف سے مراد بھی مرشد ہو اور آموختن ظاہری ہو یعنی یہ ان ہی کی تعلیم وتلقین کا فیض ہے اور آموختن کے اس معنی پر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یار سے مراد محبوب حقیقی ہو اور کاف سے مراد مرشد۔

غزل

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعان گفت	فراق یار نہ آن میکند کہ بتوان گفت

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر	کنایتے ست کہ از روزگار ہجران گفت
نشان یار سفر کردہ از کہ پرسم باز	کہ ہر چہ گفت برید صبا پریشان گفت
فغان کہ آن مہ نامہربان دشمن دوست	بترک صحبت یاران خود چہ آسان گفت
غم کہن بمئی سالخوردہ دفع کنید	کہ تخم خوشدلی این ست پیر دہقان گفت
من ومقام رضا بعد ازین وشکر رقیب	کہ دل بدرد تو خو کرد وترک درمان گفت
گرہ بباد مزن گرچہ برمراد وزد	کہ این سخن بمثل باد با سلیمان گفت
مزن بچون و چرادم کہ بندۂ مقبل	قبول کرد سخن ہر سخن کہ جانان گفت
بعشوہ کہ سپہرت دہد زراہ مرو	ترا کہ گفت کہ این زال ترک دستان گفت
بیار بادہ بخور زانکہ پیر میکدہ دوش	بے حدیث غفور ورحیم ورحمان گفت
کہ گفت حافظ از اندیشۂ تو آمد باز	من این نگفتہ ام آنکس کہ گفت بہتان گفت

یہ غزل حالت قبض پر منطبق ہوتی ہے۔ پیر کنعان یعقوب علیہ السلام اور ہول قیامت روزگار ہجران سے کنایہ اور شعبہ ہونا اس لئے صحیح ہے کہ حقیقت عذاب کی بعد عن الحق ہے اور سب انواع عذاب کے اس کے آثار وطرق ہیں۔ اور سفر کردہ کے معنی ہیں در حجاب شدہ مجازاً کیونکہ سفر سبب ہے حجاب کا۔ اور برید صبا سے مراد ہیں شیوخ غیر محققین جو قبض کی حکمتیں نہیں جانتے اور طرح طرح سے اس کے ازالہ کی تدبیریں کرتے ہیں اور بعض اوقات وہ تدبیریں سب ناکافی ہوتی ہیں کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو قبض ہی سے تربیت مقصود ہوتی ہے مطلب یہ ہوا کہ اس استتار کے متعلق کس سے تحقیق کروں کہ ان غیر محققین سے تو کوئی بات جمعیت بخش نہیں ملی پریشان ہی کو کہا (برید بمعنی قاصد) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ غیر محقق سے احوال باطنی میں رجوع نہ کرے اور نامہربان کا ترجمہ ہے قاہر کہ قہر ضد مہر ست اور نعوذ باللہ مطلق مہر کی نفی مقصود نہیں بلکہ خاص اسی معاملہ میں جس میں قہر ہوا ہے ظاہر ہے کہ مہر نہیں ہوا اور یہ باعتبار صورت کے ہے ورنہ قبض بھی عین مہر ہے البتہ

وہ لطف بصورت قہر ہے تنگدلی میں صرف قہر کے پہلو پر نظر پڑتی ہے اور چونکہ تمکین کے ساتھ انواع معاملات ابتلاء کے پیش آتے ہیں اور ابتلاء بصورۃ خلاف محبت ہے اس لئے دشمن دوست باضافت کہہ دیا یعنی کیسی آسانی سے اپنے تمکین سے فراق اختیار کرلیا اور آسان ہونا اس کا ترجمہ ہے و کان ذلک علی اللہ یسیرا آگے ایک تعلیم محققین کی حالت قبض کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ان غموں کا اصل علاج عشق ہے یعنی عشق و محبت ہی کو مقصود سمجھو دوسرے ثمرات سے کہ واردات بھی اس میں داخل ہیں قطع نظر کرو اور وہ حاصل ہی ہے پس اگر دوسرے ثمرات نہیں ہیں نہ سہی قال الرومیؒ ۔

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست	تو بمان ای آنکہ چون تو پاک نیست

بس اس سے پوری تسلی ہوجاتی ہے گو قبض رفع نہ ہو اسی تسلی کو خوشدلی کہا گیا اور شیخ محقق کو پیر دہقان کہا گیا اور می سالخوردہ چونکہ قوی ہوتی ہے مراد اس سے عشق کامل ہے جس کے آثار میں سے ہے خواہشوں کا فنا ہوجانا آگے بھی گویا اسی مضمون کا اعادہ بعنوان دیگر ہے کہ آئندہ سے میں رضا اختیار کروں گا اور رقیب سے مراد وہی غیر محققین کہ وہ طالب بھی ہیں مگر دوسرے طالب کے لئے موصل الی الحبیب نہیں بلکہ تعلیم ناقص سے طالب کے پریشان کرنے والے ہیں اور یہی شان ہوتی ہے رقیب کی ان کا شکر اس لئے ادا کرتے ہیں کہ ان کی تعلیم کے ناکافی ہونے کا تجربہ ہو کر دل یکسو ہوگیا اور تزاید غموم سے کہ ایک غم قبض کا تھا دوسرا تدبیرات کے غیر مفید ہونے کا اور بھی دل کو عادت پڑگئی اور اخیر میں علاج چھوڑ دیا کہ حقیقت میں یہی علاج تھا اس لئے رقیب کا بھی شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کے حصول میں اس کو بھی من وجہ دخل ہے آگے بسط پر مغرور نہ ہونے کو فرماتے ہیں (گرہ بباد زدن تکیہ و اعتماد برکار بے بقا کردن کذا فی الغیاث) آگے مضمون رضا کا اعادہ ہے اور حالانکہ ظاہراً مقام رضا علی الفعل کا ہے مگر تخن اس لئے کہا کہ کلام خداوندی میں رضا علی الفعل کا امر ہے تو اس کو قبول کرنے سے رضا علی الفعل حاصل ہوگی اور یا جانان سے مراد مرشد یعنی مرشد نے جو یہ علاج بتایا ہے گو تمہاری سمجھ میں نہ آئے مگر مان لینا کہ یہ اطاعت نافع ہوگی اور آگے بھی امر ہے

ترک غرور علی البسط کا اور یہ کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ زائل نہ ہوگا اسی کو دستان کہا گیا اور سپہر بمعنی زمان کی طرف نسبت اسناد مجازی الی الزمان ہے پس اس کا فاعل ہونا لازم نہیں آتا اور زال باعتبار کہنہ ہونے کے کہا اور دستان چونکہ لقب زال پدر رستم کا بھی ہے اس لئے اس کی لطافت شاعری ظاہر ہے اور چونکہ اوپر عشق کو علاج بتایا ہے اور اس میں بعضے ناواقف بوجہ اس کے بعض آثار کے شبہ غیر مشروع ہونے کا ڈال دیتے ہیں اور یہ شبہ مانع ہوتا ہے اس کے اختیار کرنے سے اس لئے اس وسوسہ کو دفع کرتے ہیں اور علی سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اگر فرضا ایسا ہو بھی تو نصوص رحمت ومغفرت کے یاد کرو۔ آگے مقطع میں یہ بتلاتا ہے کہ قبض وغیرہ کیسے ہی شدائد پیش آئیں محبوب حقیقی یا مرشد سے تعلق قطع نہ کرنا چاہئے ثبات چاہئے۔

غزل

اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا تا کہ عشاق اس کے لئے تیار رہیں اور گھبرائیں نہیں۔

مدام مست میدارد نسیم جعد گیسویت	خرابم میکند ہردم فریب چشم جادویت

اس میں بیان ہے فریفتگی عاشق کا علی الدوام جو کہ اثر ہے عشق کا۔

پس از چندین شکیبائی شبے یارب توان دیدن	کہ شمع دیدہ افروزیم در محراب ابرویت

توان دیدن مقصود استفہام ست۔ افروزیم صیغہ جمع متکلم۔ اس میں طلب ہے تجلی کی یا قرب کی اول امر طبعی ہے دوسرا امر عقلی اول تقدیر پر شکیبائی سے مراد قبض ہے اور تقدیر ثانی پر مجاہدہ ومشاق اور اظہار شکیبائی سے دعویٰ مقصود نہیں بلکہ استمالت۔

سواد لوح بینش را عزیز از بہر آن دارم	کہ جان را نسخۂ باشد ز نقش خال ہندویت

لوح بینش مردمک چشم کذا فی الشرح۔ نسخہ صحیفہ ہندو سیاہ۔ ترجمہ لفظی یہ ہے کہ میں پتلی کی سیاہی کو اس لئے محبوب رکھتا ہوں کہ محبوب کے خال سیاہ کا وہ میری ذات کے لئے ایک نمونہ اور دفتر مطالعہ ہے یعنی پتلی چونکہ مشابہ خال محبوب کے ہے اس لئے اس کو عزیز سمجھتا ہوں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ایک اثر عشق کا یہ بھی ہے کہ محبوب سے جن چیزوں کو تعلق ہے ان سے بھی محبت رکھے فی الحدیث اللھم ارزقنی حبک وحب من

یحبک وحب عمل یقربنی الی حبک و مثل ذلک۔

تو گر خواہی کہ جاوید آنجہان یکسر بیار آئی	صبارا گو کہ بر دار دزمانے برقع از رویت

مقصود یہ بیان کرتا ہے کہ محبوب کے جمال وکمال کا انکشاف قلوب کی عمارت ونورانیت ہے پس یہ نور بھی اثر عشق کا ہوا کیونکہ اس کا سبب کہ انکشاف ہے خود مسبب ہے محبت سے اور آنجہان سے مراد یا تو عالم ابصار ہے جو اوپر کے شعر میں مذکور ہے یعنی اگر خواہی کہ دیدہ ہارا ہمیشہ با نور داری پس پیش دیدہ با متجلی بباش۔ اور اگر اس شعر کا ماقبل سے اتصال ملحوظ نہ رکھا جائے تو آنجہان سے مراد ہر وہ مقام ہوگا جہاں تجلی ہو یعنی جس مقام کو منور کرنا ہو اسی مقام میں تجلی فرمایئے پس آن کا مشار الیہ مصرعہ ثانیہ سے مفہوم ہوگا۔

وگر رسم فنا خواہی کہ از عالم براندازی	بیفشان زلف تا ریزد ہزاران جان زہر موئیت

اس میں اس کا بیان ہے کہ تعلق مع اللہ سے حیات جاوید حاصل ہوتی ہے۔ ہرگز نمیرد آنکہ الخ اور حیات سے مراد حیات لذیذہ ہے بقابلہ لایموت فیہا ولا یحییٰ اہل النار اور یہ حیات بھی اثر عشق کا ہے۔

من وبادصبا مسکین دو سرگردان و بے حاصل	من از افسون چشمت مست واو از بوئے گیسویت

اس میں بیان ہے عموم آثار عشق کا کہ میری طرح اور بھی عشاق ان آثار سے متاثر ہیں۔

من از لطف صبا دارم سپاس نکہت جانان	وگر نہ کے گذر بودے سحرگاہان ازین سویت

یعنی نکہت جانان جو مجھ تک پہنچ گئی جس کا میں شکر گزار ہوں سو یہ بدولت لطف صبا کے ہے ورنہ محبوب کا ادھر کا ہے کو گزر رہوتا کہ میں بلاواسطہ اس نکہت سے کامیاب ہوگا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ مرشد کا شکر گزار رہنا ضروری ہے کہ اس کی بدولت معرفت میسر ہوئی ورنہ بلاواسطہ ہادی کے کسی کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی خواہ وہ ہادی نبی ہو یا ولی یا الہام ملک جس کے پاس نبی وغیرہ نہ پہنچیں اور احیاناً وہ مشرف ہو جائے وقد ذم اللہ تعالیٰ قوما ارادوا الوصول بلاواسطۃ فقال وقال الذین لایعلمون لولا یکلمنا اللہ الخ پس نکہت جانان مشکور علیہ ہے مشکور نہیں بلکہ مشکور باد صبا ہے اور یہ بھی ایک اثر ہے محبت کا کہ واسطہ وصول کی شکر گزاری کرے۔

سواد دیدہ ہر وقتی بخون دل ہمی دیدم	عزیز ش دارم این ساعت بیاد خال ہندویت

بخون دل ہمی دیدم یعنی دشمن میداشتم کذا فی الحاشیۃ۔ یہ شعر ہم معنی ہے اس غزل کے شعر ثالث سواد لوح الخ کا جس کی شرح گزر چکی۔

زہے ہمت کہ حافظ رست از دنیا و از عقبیٰ	نیاید ہیچ در چشمش بجز خاک سر کویت

اس میں بیان ہے عشق کے اس اثر کا کہ دنیا متروک اور عقبیٰ غیر ملتفت الیہ بالذات ہو جاتی ہے۔

غزل

مردم دیدۂ ما جز برخت ناظر نیست	دل سرگشتۂ ما غیر ترا ذاکر نیست

اس میں بضمن حکایت اشارۃً تعلیم ہے طالب کو کہ بجز مطلوب حقیقی کے کسی طرف التفات نہ کرے۔

اشکم احرام طواف حرمت می بندد	گرچہ از خون دل ریش دمی طاہر نیست

اس میں تعلیم ہے کہ عجز و پریشانی میں بھی طلب سے تقاعد نہ کرے اور پریشانی کو مانع نہ بنائے جیسے معذور کو حکم ہے کہ گو دم سے طہارت نہ ہو مگر اس کو مانع نہ سمجھے جیسے بعضے لوگ ایسے احوال یعنی عجز و معذوری میں معطل ہو جاتے ہیں۔

بستۂ دام قفس باد چو مرغ وحشی	طائر سدرہ اگر در طلبت سائر نیست

بستۂ دام باد دعائی بہلاکت ست۔ و طائر سدرہ جبرئیل مراد و سالک۔ و سائر روندہ و مراد ساعی و مجاہد۔ اس میں تعلیم ہے مجاہدہ و تحمل مشاق کی سلوک میں اور تہدید ہے استحقاق ہلاکت سے اس کے خلاف میں و ہذا کقول الرومی ؎ ہر کہ این آتش ندارد نیست باد۔

عاشق مفلس اگر قلب دلش کرد نثار	مکنش عیب کہ بر نقد روان قادر نیست

اس میں تعلیم ہے کہ عبادات کے کمال پر قادر ہونے کا انتظار نہ کرے جیسے بھی ہو جائے ترک نہ کرے وہی مفتاح مقصود ہو جاتی ہے اور کمال عبادت بھی تدریجاً اسی سے میسر ہو جاتا ہے بہت لوگ اس انتظار میں عمر بھر بطالت میں گرفتار رہے ہیں۔

عاقبت دست بر آن سرو بلندش برسد	ہر کہ را در طلبش ہمت او قاصر نیست

اس میں تعلیم ہے طلب میں عالی ہمتی کی اور بشارت ہے وصول الی المقصود کی اس کے ذریعہ سے۔

از روان بخشی عیسی نزنم پیش تو دم	زانکہ در روح فزائی چو دست قادر نیست

اگر اس میں خطاب محبوب حقیقی کو ہو تو معنی بے تکلف ہیں اور اس میں اس مسئلہ کا بیان ہو جائے گا کہ کمالات ممکن کمال واجب کے سامنے لاشی محض ہیں اور قاعدہ اس کی تصریح سے یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن و واجب میں تباین کا اعتقاد واجب ہے۔ اور حلول و اتحاد کا اعتقاد باطل۔ اور اگر خطاب مرشد کو ہو تو عیسی سے مراد مجازاً دوسرے شیوخ جو مدعی احیاء قلوب کے ہیں ان کے زعم کے اعتبار سے ان کو عیسی کہہ دیا پس تعلیم اس کی ہوگی کہ اپنے شیخ کو سب شیوخ سے افضل یعنی نافعیت میں اکمل سمجھے جیسا کہ در روح فزائی کی قید اس کا قرینہ بھی ہو سکتا ہے یعنی تربیت باطنی میں آپ کے برابر نہیں۔ اور مجاز پر محمول کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اعتقاد تفضیل ولی کا نبی پر کفر ہے۔

منکہ از آتش سودای تو آہے نہ زنم	کے توان گفت کہ بر داغ دلم صابر نیست

دلم مبتدا و صابر خبر و داغ بلا اضافت ست۔ اس میں تعلیم ہے تحمل و صبر کی اور یہ کہ زیادہ کمال ضبط ہی میں ہے کہ اس میں باطن کی بھی زیادہ ترقی ہے اور ابعد عن الریا بھی ہے کہ عوام اکثر اہل شورش کو زیادہ کامل سمجھتے ہیں اور جو قادر ہی نہ رہے وہ مستثنیٰ ہے۔ اور بعض نسخوں میں آہے بزنم مطلب یہ ہو جائے گا کہ میں جو کبھی کبھی ایک آدھ آہ کر دیتا ہوں تو مجھ کو غیر صابر نہ سمجھا جائے مگر جب طاقت ہی ضبط کی طاق ہو جائے تو مجبوری ہے ورنہ باختیار آہ نہیں کرتا۔ قال الشیخ ۔ تسلیم سر در گریبان برند + چو طاقت نماند گریبان درند +۔

روز اول کہ سر زلف تو دیدم گفتم	کہ پریشانی این سلسلہ را آخر نیست

روز اول سے مراد جس روز متکلم کو انکشاف آثار عشق کا ہوا ہے یعنی میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس کے آثار لاتقف عند حد ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ عشاق کو ہمیشہ ان آثار کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔

سر پیوند تو تنہا نہ دل حافظ راست	کیست آنکس سر پیوند تو در خاطر نیست

پیوند وصل مطلب یہ کہ آپ کے بہت عشاق ہیں اس میں تعلیم ہو سکتی ہے اس کی کہ کوئی اپنے عشق و محبت پر ناز نہ کرے یہاں ایسے ایسے بے انتہا ہیں۔

غزل

یہ غزل مرشد کے فراق میں ہو سکتی ہے اور اس میں اشارہ اس تعلیم کی طرف ہو سکتا ہے کہ مرشد سے کمال محبت شرط نفع ہے طبعی ہو یا عقلی۔

بے مہر رخت روز مرا نور نماندہ است	وز عمر مرا جز شب دیجور نماندہ است
ہنگام وداع تو ز بس گریہ کہ کردم	دور از رخ تو چشم مرا نور نماندہ است

دور از رخ تو ترکیب میں حال ہے جس میں کردم عامل ہے اور ضمیر متکلم کی ذوالحال۔ اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ جملہ دعا ہو مطلب یہ کہ میں جو کہہ رہا ہوں چشم مرا نور نماندہ است اور ایک معنی کر ای محبوب تم بھی میری چشم ہو تو خدا نہ کرے تمہاری نسبت نہیں کہتا اس بے نوری کو خدا تمہاری ذات سے دور رکھے۔

من بعد چہ سود ار قدمے رنجہ کند دوست	کز جان رمقے در تن رنجور نماندہ است

چہ سود کی وجہ ظاہر ہے کہ تربیت باطن کی بعد مرگ نہیں ہوتی لانقطاع العمل۔

می رفت خیال تو ز چشم من و می گفت	ہیہات ازین گوشہ کہ معمور نماندہ است

خیال سے مراد عکس مرئی کا جو پتلی میں پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسکے لئے محاذاۃ شرط ہے جب محبوب محجوب ہو گیا تو وہ عکس بھی زائل ہو گیا پس کہتے ہیں کہ وہ خیال بھی میرے گوشۂ چشم کے غیر معمور رہنے پر افسوس کرتا تھا مقصود اس ادعا سے مبالغہ ہے اپنی خرابی حالت کے بیان میں۔

نزدیک شد آندم کہ رقیبان تو گویند	دور از درت آن خستۂ رنجور نماندہ است

دور از درت حال ہے یعنی بہت جلد میرے مرنے کی خبر سن لوگے اور رقیبان کی اضافت ضمیر مخاطب کی طرف ادنی ملابست سے ہے یعنی رقیبان من کہ در عشق تو شریک من

آب حیوان قطرۂ از لعل ہمچون شکرش	قرص خورعکسے ز روی آن مہ تابان ماست

یعنی آب حیات اس کے لب سے اور قرص خور اس کے رخ سے کمتر ہے۔ اس میں بیان ہے محبوب حقیقی کے حسن کے سامنے محبوبان مجازی کے حسن کے کم ہونے کا۔

تا نفخت فیہ من روحی شنیدم شد یقین	بر من این معنی کہ ما زان وےم وی زان ماست

یقین بمعنی متیقن و این معنی اسم شد و یقین خبر شد۔ یعنی اس آیت میں جو اضافہ تشریفیہ ہے اس سے اختصاص آدم علیہ السلام کا حق تعالیٰ کے ساتھ اور ان کے واسطے سے بنی آدم کا معلوم ہو گیا خصوص جبکہ مطلق انسان کے لئے بھی قرآن میں اسی قسم کی اضافۃ آئی ہے۔ ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ اور ظاہر ہے کہ اختصاص نسبت فی الجانبین ہے اس لئے ما زان وےیم و وے زان ماست ثابت ہو گیا۔ مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو بدو خلقت میں شرف و اختصاص اپنی ذات پاک کے ساتھ بخشا ہے اگر کوئی ضائع نہ کرے وہ باقی رہتا ہے ورنہ ضعیف یا زائل ہو جاتا ہے پس اس میں تعلیم ہے اس کو تضییع سے محفوظ رکھنے کی اور تضییع ہوتی ہے غفلت و معصیت سے پس مقصود ان سے نہی کرنا ہے۔

ہر دلے را اطلاعے نیست بر اسرار غیب	محرم این سر معنی دار علوی جان ماست

غیب سے مراد عشق کہ اکثروں سے اس کے اسرار و آثار مخفی ہیں اور معنی دار صفت اول سر کی اور علوی صفت ثانیہ اس کی یعنی یہ جو راز با معنی عالیشان ہے اس سے ہم ہی واقف ہیں شاید مقصود اس سے یہ ہو کہ نا واقفوں کو واقفوں سے دعویٰ ہمسری نہ چاہئے جیسا ہمسری با انبیا بر داشتند + اولیا را ہمچو خود پنداشتند + بلکہ ان سے بہ نیاز و اقتباس فیوض پیش آنا چاہئے۔

چند گوئی ای مذکر شرح دین خاموش باش	دین ما در ہر دو عالم صحبت جانان ماست

یہ مطلب نہیں کہ دین کی شرح سننا نہیں چاہتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تو دین حقیقی کی شرح جانتا نہیں پھر بیان کرنے سے کیا فائدہ تو صرف صورت دین کو جانتا ہے جس میں اعمال بے خلوص و بے معیت حق ہوں ہمارے نزدیک تو دین حقیقی کی روح معیت حق ہے جس سے تو تعرض ہی نہیں کرتا پس اعمال کی نفی بھی نہ ہوئی بلکہ تعلیم ہے خلوص کی کہ شرائط سلوک سے ہے۔

حافظا تا روز آخر شکر این نعمت گذار	کاں صنم از روز اول داوری و رمان ماست

روز آخر روز مرگ۔ از روز اول یعنی از ابتداء وجود ما۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ سے ہم پر فضل رہا ہے۔ اس میں تعلیم ہے شکر کی کہ واجبات سلوک سے ہے۔

غزل

امروز شاہ انجمن دلبران یکی ست	دلبر اگر ہزار بود دل برآن یکے ست
من بہر آن یکے دل و دین داده ام بباد	تعلیم کن کہ حاصل ہر دو جہان یکے ست
سودائیان عالم پندار را بگوے	سرمایہ کم کنید کہ سود و زیان یکے ست
قطع زبان بدعوی عشقش کشاده اند	ای من غلام آنکہ دلش با زبان یکے ست
حافظ بر آستانہ دولت نہاده سر	دولت دران سرست کہ با آستان یکے ست

اس غزل میں تعلیم ہے اخلاص کی کہ توحید حقیقی ہے۔ یعنی کوئی محبوب مطلوب نہیں سلطان المحبوبین ایک ہی ہے اور گو ظاہر میں بہت سے محبوب ہیں مگر دل ایک ہی پر ہے (یہاں برحرف جار اور آن اسم اشارہ ہے اس میں ارشاد ہے کہ التفات ذات واحد ہی کی طرف چاہئے اور دین کے برباد کرنے کے دو معنے ہو سکتے ہیں یا تو زہد ریائی کہ اخلاص سے ریا مرتفع ہو ہی جائے گا اور یا دین بمعنی ایمان مرادف ہے تصدیق و علم کا اور بعض احوال عشقیہ میں علم و شعور بھی مختل ہو جاتا ہے اور حاصل ہر دو جہان کے معنے یہ ہیں کہ چیز یکہ ہر دو جہان حاصل کردنی ست اور یکے سے مراد وہی جو آن یکے میں مراد ہے اور سودا بمعنی خیال یعنی جن لوگوں نے طاعات سے طرح طرح کے خیال مال و جاہ وغیرہ کے پکا رکھے ہیں ان سے کہہ دیا جائے کہ اس سرمایہ مال و جاہ کو دل سے کم کرو کہ ان کا حصول کہ سود ہے اور عدم حصول کہ زیان ہے سب برابر ہے یعنی طاعت سے اور ہی مقصود ہے خواہ یہ امور ہوں یا نہ ہوں اور نرے دعوے محبت سے کیا ہوتا ہے قلب و لسان میں موافقت ضروری ہے یعنی جس طرح زبان سے اقرار ہے خلوص کا اسی طرح قلب میں بھی خلوص ہونا چاہئے اور حافظ نے تو روئی اخلاص

آستانہ پر رکھ چھوڑا ہے وہی شخص با دولت ہے جو اس آستانہ پر سر کو فدا کر دے یعنی دوسرے کی طرف توجہ نہ کرے اور یہ بدون اخلاص کے ہوتا نہیں یعنی اخلاص اختیار کرے۔

غزل

المنۃ للہ کہ در میکدہ بازست	زان رو کہ مرا بر در او روی نیازست
خمہا ہمہ در جوش و خروش اند ز مستی	وان می کہ در آنجاست حقیقت نہ مجازست

یعنی چونکہ میں اس درگاہ میں عجز و زاری رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ دروازہ فیض مفتوح ہے اور فیوض کا ورود ہے (اس میں اشارہ دو امر کی طرف ہوگیا ایک یہ کہ توجہ رحمت الٰہیہ کے لئے عادۃً توجہ عبد کی شرط ہے قال تعالیٰ انلزمکموھا وانتم لھا کارھون. وقال علیہ السلام ان اللہ لایستجیب الدعاء من قلب لاہ. دوسرا امر یہ کہ پھر بھی حق تعالیٰ ہی کا احسان ہے کیونکہ ہمارا عمل ناقص ان کی رحمت کاملہ کے متوجہ ہونے میں موثر نہیں ہوسکتا) اور چونکہ رحمت الٰہیہ متوجہ ہے اس لئے قاسمان فیوض (کہ ملائکہ ہیں یا مرشدین) سب جوش میں ہیں (چنانچہ طالب صادق کو نفع پہنچانے کے لئے سب مستعد ہوتے ہیں ملائکہ عقلاً اور بشر طبعاً بھی) اور جو شراب وہاں ہے وہ حقیقت ہے مجاز نہیں یعنی اس کا اثر دائمی ہے عارضی نہیں مثل خمر ظاہری کے کہ تاثیر اس کی عارضی ہے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق + ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اس مدح میں ترغیب ہے اس کے تحصیل کی۔

از وی ہمہ مستی و غرورست و تکبر	وز ما ہمہ بیچارگی و عجز و نیازست

مستی وغیرہ سے مراد استغناء بمعنی عدم احتیاج۔ نہ بمعنی بے توجہی وتقابلش بعجز و نیاز ہم قرینہ بر آن ست مطلب یہ کہ اس کو ہم سے حاجت نہیں ہم کو اس سے حاجت ہے۔ اس میں عقیدہ کی بھی تصحیح ہے اور اس کی بھی تعلیم ہے کہ محتاج کو طلب میں کمی نہ چاہئے۔

شرح شکن زلف خم اندر خم جانان	کوتہ نتوان کرد کہ این قصہ درازست

شرح مضاف مضاف بہ شکن واو مضاف بزلف واو مضاف بجانان وخم اندر خم صفت زلف مجموعہ مفعول نتوان کرد۔ مراد اس سے یا تو محبوب کے کمالات ہیں کہ غیر متناہی بالفعل ہیں اور یا آثار عشق کے ہیں کہ لاتقف عند حد ہیں پس یا مدح محبوب کی مقصود ہے اور یا مدح محبت کی۔

بار دل مجنون و خم طرۂ لیلیٰ ست
رخسارۂ محمود و کف پای ایاز ست

بار بمعنی دخل یا بارگاہ۔ مطلب یہ کہ دل مجنون کا مرجع خم زلف لیلیٰ ہے اسی طرح رخسارہ محمود کا قرارگاہ کف پائے ایاز ہے۔ اس میں تعلیم ہے کہ محب کو غیر محبوب کی طرف التفات نہ چاہئے اور نیز محبوب کے ساتھ عجز و نیاز سے پیش آنا چاہئے۔

بر دوختہ ام دیدہ چو باز از ہمہ عالم
تا دیدۂ من بر رخ زیبای تو باز ست

اس کا بھی حاصل وہی ترک التفات الی ماسوی المحبوب ہے اور تشبیہ باز سے اس لئے دی کہ اس کی آنکھیں باندھے رکھتے ہیں شکار کے وقت کھول دیتے ہیں۔

راز یکہ برخلق نہفتیم و نگفتیم
با دوست بگوییم کہ او محرم راز ست

تعلیم اس کی ہے کہ اپنے حالات باطنی ہر کس و ناکس سے نہ کہے صرف اپنے شیخ یا اس کے مثل کوئی مربی ہو اس ہی سے کہے۔

در کعبۂ کوی تو ہر آنکس کہ در آید
با قبلۂ ابروی تو در عین نماز ست

اس میں نماز کی روح کا بیان ہے صورت نماز کی نفی نہیں۔ ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص آپ کے کعبہ محبت میں پہنچ گیا وہ آپ کے قبلۂ ابرو کی طرف متوجہ ہو جانے سے عین نماز کے اندر داخل سمجھا جائے گا۔ یعنی روح نماز یہ ہے کہ محبت کے ساتھ متوجہ الی الحق ہو جائے اگر یہ نہیں ہے تو صورت نماز جسد بے معنی ہے پس اس میں تعلیم ہے تکمیل صلوٰۃ کی نہ کہ اکتفاء معنی محض پر کہ صورت کا مفروض ہونا خود منصوص ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معنی کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہی صورت ہے و اذا فات الشرط فات المشروط۔

ای مجلسیان سوز دل حافظ مسکین
از شمع بپرسید کہ در سوز و گداز ست

اس میں بیان اپنے سوز و گداز کا بھی ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ عاشق کے حال کے

ادراک کے لئے عاشقی ہی شرط ہے پس مبادرت الی الانکار خوب نہیں۔

غزل

میر من خوش میروی کاندر سراپا میرمت	ترک من خوش میخرامی پیش بالا میرمت
گفتہ بودی کے بمیری پیش من این تعجیل چیست	خوش تقاضا میکنی پیش تقاضا میرمت
عاشق مہجور مخمورم بت ساقی کجاست	گو خرامان شو کہ پیشش قد رعنا میرمت
ایکہ عمری شد کہ تا بیمارم از مژگان تو	تو نگاہے کن کہ پیش چشم شہلا میرمت
گفتۂ لعل مست ہم درد بخشد ہم شفا	گاہ پیشش درد گہ پیشش مداوا میرمت
خوش خرامان میروی چشمم بد از روی تو دور	دارم اندر سر خیال آنکہ در پا میرمت
گرچہ جای حافظ اندر خلوت وصل تو نیست	ای ہمہ جای تو خوش پیشش تو ہر جا میرمت

میر من یعنی ای امیر و سردار من پیشم متعلق بمیری۔ این تعجیل جواب ست از عاشق شہلا نوعی ست از نرگس کہ در گل آن بجای زردی سیاہی می باشد مشابہ چشم انسان و شہلا بمعنی چشم سیاہ کہ مائل بسرخی باشد۔ گفتۂ صیغۂ مخاطب اس تمام غزل میں اپنی جانبازی کا بیان ہے ہر حالت میں اور محبوب کی ہر ادا میں چنانچہ اشعار میں وہ احوال و معاملات مختلفہ مذکور ہیں اور جانبازی کو لوازم عشق سے بتلانا یہی فائدہ ہے اس حکایت سے اور ترجمہ ظاہر ہے۔

غزل

کنون کہ می دمد از بوستان نسیم بہشت	من و شراب فرح بخش و یار حور سرشت
چمن حکایت اردی بہشت مے گوید	نہ عاقل ست کہ نسیہ خرید و نقد بہشت
بمی عمارت دل کن کہ این جہان خراب	بران سرست کہ از خاک ما بسازد خشت
وفا مجوی ز دشمن کہ پرتوے ندہد	چو شمع صومعہ افروزی از چراغ کنشت
مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست	کہ آگہست کہ تقدیر برسرش (سرم) چہ نوشت

گدا چرا نہ زند لاف سلطنت امروز	کہ خیمہ سایہ ابرست و بزمگہ لب کشت
قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ	کہ گرچہ غرق گناہ است میرود بہ بہشت

اس تمام غزل کا حاصل یہ ہے کہ وقت کو مغتنم سمجھ کر کچھ سرمایہ نجات و قرب جمع کر لینا چاہئے۔
اور نسیم بہشت تا موسم بہار نسیم سے مراد آخرت اور نقد سے دنیا نہیں ہے کہ خلاف
سیاق و سباق ہے بلکہ تحقیق ہے مصروف کی کہ وقت کو آگے اوقات کے دھوکہ میں ٹالتا ہے۔
در ان سرست یعنی در آن خیال مست مطلب یہ کہ یہ عالم دریچہ ہلاک ہے یعنی مرنا
یقینی ہے پھر کیوں نہ لئے ہوا اور دشمن سے مراد یا تو جہان خراب جو کہ اوپر کے شعر میں مذکور
ہے یعنی زمانہ کسی سے وفا نہیں کرتا کہ اس کو ہلاک نہ کرے اور یا نفس و شیطان کہ اعدی
عدوک الذی بین جنبیک اور ان الشیطان للانسان عدو مبین مسلّم ہے معنی یہ
ہوں گے کہ ان کے دھوکہ میں مت آؤ اور وقت کو مت ٹالو کما قال تعالیٰ ولا یغرنکم باللہ
الغرور۔ اور پرتو سے تا چراغ یہ علت ہے ماقبل کو تشبیہ کے رنگ میں اور پرتو کی شد وجہ جزا
مقدم ہے اور مصرعہ ثانیہ شرط موخر ہے اور شمع مفعول ہے افروزی کا معنی یہ ہیں کہ اگر صومعہ کی
شمع (مراد صومعہ سے مسجد ہے بقرینہ تقابل) بت خانہ کے چراغ سے روشن کرلو تو وہ کچھ نور
نہیں دیتا (یہ مطلب نہیں کہ اس میں روشنی نہیں ہوتی) بلکہ مقصود یہ ہے کہ کسی وجہ سے بوجہ
قبیح ہونے کے اس فعل میں ظلمت ہے یعنی جس طرح کنشت سے نور لینا مستقبح ہے اسی طرح
دشمن سے وفا کی امید رکھنا مستقبح ہے اور اس تشبیہ کا تناسب اس طرح ہے کہ کسی رای پر عمل کرنا
گویا اپنی عقل کو اس شخص کی عقل سے نور دینا ہے پس مأخوذ منہ کا شیٔ مذموم ہونا مشبہ مشبہ بہ
دونوں میں مشترک ہے۔ نامہ سیاہی میں یا مصدری ہے یعنی نامہ سیہ شدن بمعنی گنہگاری
مطلب یہ کہ معاصی پر مجھ کو ملامت مت کرو (یعنی ایسی ملامت جس میں ہوئی تحقیر و ترفع
آئے) اور کاف سر مصرعہ ثانیہ پر کہ امیہ ہے اور سرش کی ضمیر مست کی طرف ہے اور بعض
نسخوں میں سرم ہے اور وہ بہت ظاہر ہے اور اس کا حاصل حدیث کا مضمون ہے الاعمال
بالخواتیم اس کی مناسبت اس مقام سے یہ ہوئی کہ خود اپنی عمر کو غنیمت سمجھ کر کام میں لگو

دوسروں کے در پہ کیوں ہوے کہ بے سود ہے اور یا مقصود یہ ہو کہ میں نے اپنے لئے ذخیرہ بنانے کو عشق تجویز کیا تو اس پر خشک مزاج ملامت کرنے لگے جیسا کہ بعض افعال یا اقوال مستی میں اس قسم کے صادر ہو جاتے ہیں اور گو وہ گناہ نہیں مگر بزعم معترض اس کو تعلیم کر کے جواب دیا تقریر جواب کی ظاہر ہے اور میں کہ گدا ہوں حشمل لاف سلطنت کے کیوں نہ مسرور ہوں کہ موقع دولت عشق حاصل کرنے کا میسر ہے پس خیمہ الخ اس سے کنایہ ہے۔ آگے مقطع میں ارشاد اس کا ہے کہ اہل معصیت یا اہل ملامت کو حقیر نہ سمجھو اور اس کا حاصل بھی وہی دونوں امر ہو سکتے ہیں جو شعر لکن الخ کی شرح میں مذکور ہوئے ہیں۔

لطیفہ بعض حواشی میں شعر مقطع کے متعلق ایک قصہ عجیب لکھا ہے جو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔ منقول ست کہ حافظ ازین جہان رحلت فرمود مردمان بسبب اعمال رندانہ او بنماز جنازہ نمی پرداختند ناگہان شخصے گفت کہ این رند بر پارہائے سفال چیزے می نوشت و در سبوی انداخت از سبو پارہ سفال بردارید ہر چہ دران نوشتہ یابید بر آن عمل کنید چون این امر قرار یافت یکے از بچان ازان سبو پارۂ سفال برآورد چون دیدند ہمین شعر نوشتہ یافتند ازان وقت معتقد حافظ شدند و از جملہ اشعارش دیوان مرتب کردند و نماز جنازہ خواندند۔ انتہی۔

ردیف الثاء

غزل

درد ما را نیست درمان الغیاث	ہجر ما را نیست پایان الغیاث
دین و دل بردند و قصد جان کنند	الغیاث از جور خوبان الغیاث
در بہائے بوسۂ جانے طلب	میکنند این دلستانان الغیاث
خون ما خوردند این کافر دلان	ای مسلمانان چہ درمان الغیاث
داد مسکینان بدہ اے روز فضل	از شب یلدای ہجران الغیاث
ہر زمانم درد دیگر میرسد	زین حریفان بردل وجان الغیاث

گشتہ ام سوزان و گریان الغیاث	ہمچو حافظ روز و شب بے خویشتن

شعر اول حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے شعر ثانی میں بھی اسی سے تنگدلی کا اظہار ہے کہ اس میں جان جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور جور کے معنے لغوی مراد نہیں کہ ترک عدل ہے بلکہ محض بمعنی قہر کے ہے گو صورۃً ہی ہو اور معنی لطف ہو۔ اور خوبان کی جمعیت جنسیت کے لئے ہے اور دین سے مراد زہد ہے گو صادق ہی ہو کہ عشق کے غلبہ سے اس کے آثار بھی مغلوب ہوجاتے ہیں اور شعر ثالث میں بوسہ سے مراد تجلی مشروط لفنا ہے اور چونکہ وہ موقوف ہے فنا پر اس لئے در بہائے اغ کہا گیا۔ اور جانے مفعول ہے اپنے مابعد کے فعل کا اور طلب می کنند ایک فعل ہے اور شعر رابع میں کافر دلاں کے معنی ہیں سنگین دلان لانهم قيل فيهم ثم قست قلوبكم من بعد ذلک فهي كالحجارة کنایہ ہے استغناء وعدم تاثر سے پس نظر باعتبار معنی لغوی کے اس میں کوئی عقلی اشکال نہیں جیسا صمد اسماء الہیہ سے ہے اور ماخذ اس کا لغۃً وہ ہے جو قاموس میں ہے الصمدة صخرة راسة في الارض مستوية بها او مرتفعة اور لفظ کفر بھی لغۃً قبیح نہیں قال تعالیٰ فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ اور اگر اس شعر کو محبوبان مجازی کے حق میں کہہ دیا جائے اور غرض اس کی تحقیر کی جائے تا کہ ان سے اعراض کریں تو یہ اشکالات راساً متوجہ ہی نہ ہوں گے گو سیاق وسباق کے اعتبار سے قدرے بعید ہے اور قدرے اس لئے کہا کہ غزل میں ہر شعر مستقل ہوتا ہے تو بہت زیادہ بعید نہیں۔ اور شعر خامس میں روز فضل سے مراد روز وصل ہے بقرینہ تقابل کے اور اس میں اشارہ ہے اس طرف کو کہ وصل محض فضل ہے استحقاق سے نہیں۔ اور شعر سادس میں حریفان کے معنی ہیں یاران اور جمعیت جنس کے لئے ہے۔ اور شعر سابع میں بےخویشتن بمعنی بےخود حال ہے۔

ردیف الجیم

غزل

سزد کہ از ہمہٗ دلبران ستانی باج	چرا کہ بر سر خوبان عالمی چون تاج
دو چشم شوخ تو برہم زدہ خطا و ختن	بچین زلف تو ماچین و ہند دادہ خراج
بیاض روی تو روشن چو عارض خورشید	سواد زلف تو تاریکتر ز ظلمت داج
لب تو خضر و دہان تو آب حیوان ست	قد تو سرو و میان تو موی و گردن عاج

داج شب تاریک دراصل داجی بودہ۔ مقصود مشترک ان اشعار کا تفضیل ہے محبوب کی دوسرے محبوبوں پر سب صفات میں اور واجب کا فضل ممکن پر ظاہر ہے اور غرض اس سے ترجیح ہے غیر اللہ سے۔

ازین مرض بحقیقت کجا شفا یابم	کہ از تو درد دل من نمیرسد بعلاج

مصرعہ ثانیہ کا یہ مطلب نہیں کہ تم میرا علاج نہیں کر سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے میرے درد دل کے علاج کی نوبت نہیں پہنچتی یعنی میرا علاج نہیں کرتے پھر اور کس طرح شفا ہوگی کیونکہ شفا تو آپ ہی کے علاج میں منحصر تھی۔ یہ تنگی ہے خاص حالات و واردات کے انقطاع سے۔

دہان تنگ تو دادہ بآب خضر بقا	لب چو قند تو برد از نبات مصر رواج

اس شعر کا بھی وہی مطلب ہے جو اول کے اشعار چارگانہ کا۔

چرا همی شکنی جان من ز سنگدلی	دل ضعیف کہ ہست او بنازکی چو زجاج

چہ اعتراض کے لئے نہیں بلکہ استفادہ حکمت کے لئے ہے اور جان من منادی ہے اور دل ضعیف مفعول ہے می شکنی کا۔ زجاج کانچ۔ سنگدلی کی تحقیق اس سے اوپر کی غزل میں گزرچکی ہے اور زجاج سے تشبیہ بوجہ ضعف کے ہے خلق الانسان ضعیفاً اس میں نص ہے۔ باقی تقریر شعر کی ظاہر ہے۔

قتادہ در دل حافظ ہوائے چونتو شہے	کمینہ بندہ خاک درتو بودے کاج

کاج بمعنی کاش۔ مصرعہ اول میں اظہار ہے اپنے عشق کا اور مصرعہ ثانیہ میں تمنا ہے عنایت کی یعنی کاش آپ کے ملازمان درگاہ میں داخل اور شمار ہوتا گو ادنٰی ہی درجہ میں سہی۔

ردیف الحاء

غزل

اگر بمذہب تو خون عاشق ست مباح	صلاح ماہمہ آن ست کان تراست صلاح

اس میں رضا و تسلیم کا اظہار ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ شدائد و مکارہ میں بھی حکمت ہوتی ہے اس پر بھی رضا چاہئے۔

سواد موی تو تفسیر جاعل الظلمات	بیاض روی تو تبیان فالق الاصباح

مقصود اس سے کمال بیان کرنا ہے صفات محبوب کا۔ تقریر ظاہر ہے۔

زدیدہ ام شدہ صد چشم درکنار روان	کہ خود شنا نکند درمیان آن ملاح

یعنی اتنا پانی نکلا ہے کہ اس میں ملاح بھی جو کہ شناوری میں کامل ہوتا ہے شناوری نہیں کرسکتا۔ مقصود بیان کرنا ہے کثرت گریہ کا جو کہ بعض احوال کے طاری ہونے سے واقع ہوتا ہے۔

لب چو آب حیات تو ہست قوت روح	وجود خاکی ما را از وست قوت راح

راح شراب یعنی تو ہیکہ از شراب حاصل می شود۔ اس میں بیان ہے صفت قیومیت کا جس کا استحضار و مراقبہ معین ہے کمال توحید کا۔

زچنگ زلف کمندت کے نیافت خلاص	نہ از کمانچہ ابرو و تیر غمزہ نجاح

یعنی نجاح نیافت۔ بیان کرتا ہے کمال محبوبیت اور اس پر عموم تحسین کے مرتب ہونے کا بمعنی کثرت تحسین یا استیعاب جبکہ محبت کو بواسطہ و بلا واسطہ ومع الادراک و بلا ادراک سے عام لیا جائے کماذکر غیر مرۃ۔

بیا کہ خون دل خویشتن تحل کردم	اگر بمذہب تو خون عاشق ست مباح

یعنی بیا وقتل کن اس سے وہی مقصود ہے جو مطلع کے شعر سے مقصود ہے۔

نداد لعل لبش بوسہ بصد تلبیس	نیافت کام دل من از و بصد الحاح

لعل لبش فاعل نداد و بوسہ مفعول و مراد بتلبیس تملق مجازاً کہ از جانب طالب باشد و کام مفعول نیافت و دل فاعل او۔ مقصود دونوں جملوں سے باوجود طلب واہتمام کے اپنی ناکامی کا بیان کرنا ہے جس کی وجہ واقع میں یہ ہوتی ہے کہ طالب کی بعض خاص خواہش اس کی مصلحت کے خلاف ہوتی ہے کماذکر غیر مرۃ۔

صلاح و توبہ وتقوے زما مجو زاہد	ز رندو عاشق و مجنون کسے نہ جست صلاح

اس کا حاصل وہی ہے جو بارہا مذکور ہوا ہے کہ ہر طالب کا مذاق جدا ہوتا ہے دوسرا طریق اس کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔

پیالہ چیست کہ بریاد تو کشیم قدح	ونحن نشرب شربا کذالک الاقداح

پیالہ جام صغیر بقرینہ مقابلہ قدح کہ پیالہ بزرگ باشد کمافی الغیاث۔ شربا مفعول مطلق ست از نشرب والاقداح مفعول بہ است مراد و معنی کذلک ای علی الدوام مقصود اس سے طلب ترقی ہے مراتب قرب ووصول میں اور اشارہ ہے اس کی تعلیم کی طرف کہ طالب کو ایسا ہی چاہئے اور یہ ترقی موقوف ہے استقامت علی العمل والمجاہدہ پر پس اس میں بھی فتور وخلل نہ ڈالے قال الرومیؒ ای برادر بے نہایت در گہے ست + ہر چہ بروے میرسی بروے مایست۔

دعای جان تو ورد زبان حافظ باد	مدام تا کہ بود گردش مساو صباح

دعا بمعنی ثناء و جان بمعنی نفس و ذات۔ شاید اس میں اشارہ ہو استقامت علی العمل والمجاہدہ کی طرف جو موقوف علیہ ہے ترقی مراتب قرب ووصول کا جس کی تقریر اوپر گزر چکی۔

غزل

بہ تن ہلال محرم بخواہ ساغر راح	کہ ماہ امن و امان ست و سال صلح و صلاح
عزیز دار زمان وصال را کاندم	مقابل شب قدر ست و روز استفتاح
نزاع برسر دنیای دون کسے نکند	بآشتی ہبرای نور دیدہ گوے فلاح
دلا تو فارغی از کار خویش وی ترسم	کہ کس درت نکشاید چو گم کنی مفتاح
بیار بادہ کہ روزش بخیر خواہد بود	ہر آنکہ جام صبوحش نہد چراغ صباح

ان اشعار میں ترغیب ہے عمر کو غنیمت سمجھنے کی اور عمل میں سعی کرنے کی اور ماہ محرم سے سال شروع ہوتا ہے اور نیز وہ اشہر حرم سے ہے جس میں امن وامان ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہے اس سے کہ ابھی تمہاری عمر کی ابتداء ہے۔ بایں معنی کہ ختم نہیں ہوئی اور وقت بھی امن وامان کا ہے کہ کوئی مزاحم عمل کا نہیں جس کی ایک وجہ بھی مناسب مقام مقطع سے پہلے شعر میں مذکور ہے کہ شاہ عادل کی حکومت کا زمانہ ہے اور زمان وصال سے مراد زمانہ امکان وصال یعنی مہلت عمل اور مقابل بمعنی مماثل۔ اور روز استفتاح کہتے ہیں پانزدہم رجب کو جس کی وجہ تسمیہ غیاث میں اس طرح لکھی ہے در رحمت ودرہای بہشت درین روز کشادہ می شود ودر کعبہ نیز بجہت زائران کشادہ می شود۔ وبعضے گویند کہ زبان عیسیٰ علیہ السلام درین روز کشادہ شد میں کہتا ہوں اول وجہ غالباً بناء علی المشہور ہے ورنہ کوئی روایت اس کے متعلق نظر سے نہیں گزری تقریر دونوں شعروں کی ظاہر ہے چونکہ اکثر حرص دنیا مانع ہو جاتی ہے سعی للآخرۃ سے اس لئے نزاع الخ میں اس کی مذمت کردی اور مراد کسی نہ کند سے یہ ہے کہ کس کہ معتد بہ باشد نکند اور گوی مفعول ہے ببر کا گوی بردن فعل مشہور ہے۔ اور دلا الخ میں ایقاظ ہے غفلت سے۔ اور مفتاح سے مراد عمر ہے کہ مفتاح عمل ہے یعنی اگر یوں ہی ختم ہوگئی تو پھر باب سعادت مفتوح نہ ہوگا لقولہ تعالیٰ ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی۔ آگے بیار بادہ الخ میں عمل کے لئے اپنی مستعدی ظاہر کر رہے ہیں تا کہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو خصوصاً اس مستعدی کی جو علت بیان فرمائی وہ تو ترغیب عام ہی کے لئے موضوع ہے اور مصرعہ اولی میں

روز سے مراد روز حشر لینا بہتر ہے اور مصرعہ ثانیہ میں جام صبوح سے مراد عشق و محبت اور چراغ صباح سے مراد آفتاب اور ضمیر شین کی راجع ہو آنکھ کی طرف اور چونکہ آفتاب نکلتا ہے شب کے ختم ہونے پر اس لئے بقول بعض محققین یہ کنایہ ہے دم واپسین سے یعنی ہر کس کہ جام صبوح پیش او چراغ صباح نہد روز ش بخیر باشد مطلب یہ کہ ہر کہ اعشق و محبت دم واپسین تک پیش آ روز روز حشر ش بخیر خواہد بود حاصل یہ ہوا کہ روز مرگ کی حالت میں آ جائے کہ وہ مشغول بعمل و طاعت ہو کما قال تعالیٰ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

لطیفہ ان اشعار کی شرح لکھنے کی تاریخ اتفاق سے ۳ یا ۴ محرم ہے علی اختلاف الحسابین کہ ان شبوں تک کا ماہ ہلال کہلاتا ہے (ای سبع فی قول) پس بحث ہلال محرم کی شرح کا اس تاریخ میں لکھا جانا ایک اتفاق غریب ہے۔

کہ رنگ صبح نداند ز فالق الاصباح	کدام طاعت شایستہ آید از من مست

اس میں تنبیہ ہے کہ عمل و سعی کر کے مغرور نہ ہو بلکہ خاتمہ سے ڈرتا رہے ترجمہ یہ ہے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ مجھ سے کوئی اطاعت شائستہ خاتمہ کے وقت صادر ہوگی یا نہ ہوگی کیونکہ صبح کا یعنی دم واپسیں کا (کما ذکر فی شرح شعر قبلہ) رنگ ڈھنگ معلوم نہیں کہ فالق الاصباح کی جانب سے کس طرح ظاہر ہو اور مست یعنی حیران یہ تو اس مضمون کی وجہ سے کہا یا بوجہ خائف ہونے کے کہا کما فی قولہ تعالیٰ وتری الناس سکاریٰ الخ۔

براحت ای دل و جان کوش در مسا و صباح	زمان شاہ شجاع ست و دور حکمت شرع

اول کے اشعار کی تائید ہے کہ زمانہ شاہ عادل و متشرع کا ہے کوئی کسی کو ستاتا نہیں سکتا خوب راحت سے عمل میں سعی کرتے رہو۔

کہ بشکفد گل عیشت ز شعلہ مصباح	بروی صبح چو حافظ شبی بروز آور

شعلہ مصباح کنایہ آفتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اپنی عمر کو کہ زمانہ ہجران ہے بامید صبح وصل کے کہ روز واپسین نصیب ہوگا ختم کر دو (اور رہا وہ امید کے لوازم میں سے بے عملی) کہ ایسا کرنے سے آفتاب نکلتے ہی تمہارا گل عیش شگفتہ ہوگا یعنی کامیاب ہو گے۔

ردیف الخاء

غزل

دل من در ہوای روے فرخ	بود آشفتہ ہمچون موے فرخ
بجز ہندوی زلفش ہیچ کس نیست	کہ برخوردار شد از روے فرخ
سیاہ نیک بخت ست آنکہ دائم	بود ہمراز و ہمزانوے فرخ
شود چون بید لرزان سرو آزاد	اگر بیند قد دلجوے فرخ
بدہ ساقی شراب ارغوانی	بیاد نرگس جادوے فرخ
دو تا شد قامتم ہمچون کمانے	زغم پیوستہ چون ابروے فرخ
نسیم مشک تاتاری خجل کرد	شمیم موی عنبر بوے فرخ
اگر میل دل ہر کس بجائے ست	بود میل دل من سوے فرخ
غلام خاطر آنم کہ باشد	چو حافظ چاکر ہندوے فرخ

فرخ کی نسبت بعض محققین وشراح نے لکھا ہے نام شخصے کہ گوشہ خاطر حافظ بظاہر متعلق باو بود پس اس صورت میں یہ بہتر ہے کہ اس غزل کو ابتدائی زمانہ یعنی قبل حصول عشق حقیقی پر محمول کیا جائے اور اگر فرخ سے مراد مطلق محبوب ہو جیسا محاورات میں لیلیٰ اور سلمیٰ اور شیرین اور عذرا سے مطلق محبوب مراد ہوتا ہے تو اس تاویل کی ضرورت نہیں۔ اور شعر ثالث میں سیاہ نیک بخت است خبر مقدم ہے اور آنکہ الخ مبتدا موخر ہے نہ کہ بالعکس لفساد المعنی اور مراد اس سے زلف ہے اور مطلب اس کا اور شعر ثانی کا متحد ہے اور نسیم مشک تاتاری مفعول ہے خجل کرد کا اور شمیم الخ فاعل ہے اس کا۔ اور شعر متصل بالمقطع میں اشارہ ہے وحدت مطلوب یا وحدت مطلب کی طرف۔ اور مقطع میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبوب کے متعلقین و متوسلین سے محبت رکھنا عین محبت محبوب ہے جیسے حدیث اللھم ارزقنی حبک وحب من یحبک۔ باقی اشعار کی تقریر مطلب ظاہر ہے۔

عرض حال

ردیف الثاء المثلثہ کے ختم تک دیوان حافظ ایک خمس بقدر سے زائد ہے چونکہ زیادہ مقصود اس شرح کے شروع کرنے سے صرف یہ امر تھا کہ اس کلام کا طرز معلوم ہو جاوے تاکہ مطالعین دیوان اغلاط و زلات اعتقادیہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں اور ایک بڑی کتاب کا خمس ایک معتدبہ مقدار ہے جس کی شرح سے مقصود مذکور باحسن واکمل وجوہ حاصل ہو سکتا ہے اور جس کی قوت سے بقیہ کا حل بھی ذرا تدبر سے ممکن ہے اور اسی بناء پر خود ان اجزاء موجودہ میں بھی اخیر کی غزلوں کی شرح میں کسی قدر اختصار ہو گیا ہے کیونکہ اولوں میں مسائل مناسب کلام کا تفصیلی حل مابعد کے اجمالی حل کے لئے مغنی سمجھا گیا غرض اسی ردیف الثاء سے آگے لکھنے کا ارادہ نہ تھا سو جس طرح کلید مثنوی ایک دفتر کا جو کہ سدس ا مجموعہ ہے حل اور شرح ہے اسی طرح بحمد اللہ اس شرح سے بھی ایک خمس دیوان کا حل بقدر ضرورت ہو گیا جس کے مطالعہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ علاوہ مناسبت طرز دیوان کے خود سب کل کثیرہ شعر فن معلوم ہو جائیں گے پس اب اسی عرض حال پر شرح ہذا کو ختم کرتا ہوں مگر چونکہ اتفاق سے اس کا خاتمہ ایسی غزل پر ہوا ہے جو کہ ظاہراً ایک محبوب مجازی کے متعلق ہے اس لئے بنظر جلالت شان دیوان کہ سراسر حقیقت و عرفان ہے مناسب معلوم ہوا کہ ردیف الدال کے چند اشعار جو کہ عرفان سے لبریز اور محبوب حقیقی کے عشق انگیز ہیں اس مقام ختم پر درج کر دیئے جائیں اور چونکہ ردیف الدال متن کے نسخہ میں اور غزل سے اور شرح بدر الشروح کے نسخہ میں اور غزل سے شروع ہے اس لئے دونوں غزلوں کے تین تین شعر اول اور آخر اور وسط کے تبرکاً نقل کر کے اس عرض حال کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اور معتقدین بالکتاب کے خاتمہ بالخیر کے لئے دعا کرتا ہوں۔

اشعار غزل اول ردیف الدال موافق نسخہ متن

ابر آذاری بر آمد باد نو روزی وزید	وز می میخواہم و مطرب کہ میگوید رسید
غالبًا خواہد کشود از دولتم کاری کہ دوش	من ہمی کردم دعا و صبح آمین میدمید
تیر عاشق کش ندانم بر دل حافظ کہ زد	این قدر دانم کہ از شعر ترش خون میچکید

اشعار غزل اول ردیف الدال موافق نسخہ شرح

انانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند	آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند
بے معرفت مباش کہ در من یزید عشق	اہل نظر معاملہ با آشنا کنند
حافظ مدام وصل میسر نمی شود	شاہان کم التفات بحال گدا کنند

وکان ھذا فی الیوم الرابع من شھر اللہ المحرم ۱۳۲۷ ھجریۃ فی بلدۃ تھانہ بھون صینت من الفتن وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین فی السر والعلن۔

۱؎ مجملہ لطائف آنست کہ ابتدای کلام حافظ و این شعر متقارب المعنی مستعد پس ختم برین نہایت لطافت دارد ۱۲ منہ

۲؎ در ختم بر شعر ہذا ہم لطیفہ ایست و آن اینکہ از بعضے ثقات شنیدہ ام کہ در بدو حال حافظ تا آن گاہ کہ بمرشدی کامل نرسیدہ بودند بالہام الٰہی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ برای تربیت باطن حافظ در شیراز تشریف آوردند و حافظ را طلبیدند پس تو لیدہ حال وحشت بال آمد نظر بر شیخ افتادن ہمان بود و این شعر بر زبان روان شدن ہمان حضرت شیخ توجہ خاص نمودند و القاء نسبت را و خود گرفتند از ان وقت حافظ را کمالات و حالات روز افزون رو نمود پس ختم برین شعر کہ ابتدای عرفان از ہمیں و نہایت مناسبت دارد ۱۲ منہ

تائيد الحقيقة

بالآيات العتيقة

بسم الله الرحمن الرحيم

حمدًا وسلامًا للسامعين اعلم وفقني ووفقك الله تعالى للمعرفة الحقيقة والتحقيق بها اني لما فرغت من تاليف رسالة حقيقة الطريقة اتفق لي بعد برهة من الزمان السفر الى بهاولفور حين مضى اربعة من شهر من سنة ١٣٢٤ للهجرة فعثرت هناك على كتاب سماه الكاتب في الفهرس شواهد احكام الصوفية من القرآن ففرحت بمطالعة لما رأيته موافقا لغرضي من الرسالة المذكورة واستعرته من مالكه فاعارني بارك الله فيه فعدت معه الى الوطن ورأيت ان الفها بعد تلخيصه لما فيه من الطول في بعض المطالب وخفاء الاستدلال في بعضها وحيث مست الحاجة الى تصرف فيه سوى التلخيص من زيادة قليلة او تغيير يسير احطته بقوسين وسميته تائيد الحقيقة بالآيات العتيقة فبعونه ابتدائي والى المبلغ انتهائي

سورة البقرة: قوله تعالى والله محيط بالكفرين وقال في آيات اخرى وكان الله بكل شيء محيطا وان ربي بما يعملون محيط وان ربك احاط بالناس واحاط بما لديهم وهذه الآيات كلها دالة على صحة قول من يقول من العلماء الصوفية ان الله تعالى بكل مكان غير انهم لا يعلمون كيفية كون مكان الله (اي يقولون بالاحاطة الذاتية لا بمعنى الاحاطة الصفاتية كاهل الظاهر) وليس من ضرورة الاحاطة ان يكون المحيط والمحاط عليه جسما وانما تفسير الاحاطة ان لا يكون المحاط عليه بعيدا عن المحيط ولا المحيط بعيدا عنه

ثم ان ذلك مشهور من مشائخ الصوفية كلهم نحو جنيد والشبلي وابن عطاء وغيرهم.
روي عن جنيد انه تكلم عنده رجل فاشار الى السماء فقال لا تشر الى السماء فانه معك فهذا دليل على انه ما خصص مكان الله تعالى بالعرش ولا بجهة

دون جهة فافهم (ويكون الاستواء على العرش متشابها او ماولا على اختلاف المسلكين و ورد في الحديث اطلاق المكان حيث قال ارتفاع مكاني) قوله تعالى ادخلوا في السلم كافة

اعلم ان السلم في التصوف هو موت النفس عن الصفات الذميمة وعن الدنيا والآخرة مع انه حي قائم لايتحرك ولا يسكن الا لله تعالى وظاهر ان مطلق ذلك ليس بسلم لان المخصوصة قائمة بقدر مالم تمت وشرطنا ان يكون ذلك السلم حال حيوته لان هذا خطاب الاحياء في الدنيا باقامة التكاليف دون اهل المقابر قوله تعالى والله يقبض ويبسط يقبض اجزاءه عن كل ما سواه ويبسط هم اليه وهو الحفظة فافهم (يعني ان الآية بعموم لفظها يشمل هذا القبض والبسط كما انها تشمل قبض الارزاق وبسطها ايضا)

قوله تعالى قال بلى ولكن ليطمئن قلبي وهذا دليل على ان الايمان يزيد ليصير طمانينة وهو الذي يسميه الصوفية يقينا ثم تلك الزيادة يكون بالرؤية والوجدان وهذه الآية دالة على ان الايمان مع الشك (اى عدم حصول الاطمينان) كائن ولا ينفيه الشك وذلك في قوله تعالى فان كنت في شك مما انزلنا اليك الآية (وفي قوله عليه السلام نحن احق بالشك من ابراهيم قلت وهو احسن تفاسير الشك)

سورة آل عمران: قوله تعالى ويحذركم الله نفسه وهذه الآية وامثالها دالة ظاهرة على صدق مقالة مشائخ حيث قالوا ان العارف لا يخاف الا ذاته تعالى ولا يخاف عذاب النار ولا فوات نعيم الجنة ولا الدنيا بجميع ما فيها ويدل على مثل ذلك ايضا قول النبي صلى الله عليه وسلم اللهم انى اعوذ بك منك قوله تعالى والى الله المصير يعني الى الله نفسه وذاته مصير كل بر وفاجر وكل قريب وبعيد فاما الفاجر فمصيره الى الجحيم .... المصير يحط السخط والا والاعتقاد فيه البعض من الحق تعالى وكل ذلك صفات لله تعالى وانما مصير الابرار الى الله تعالى في دار السلام والى الدرجات العلى.

قوله تعالى قل ان كنتم تحبون الله المحبة اصلها الا زيادة فتصير .... الى ان تصير محبة ثم لاتزال تزداد حتى تكمل فلا الشوق والعشق يعني محبة مصحوبة بالالتهاب ثم بحصول عند ازدياد المحبة مع فقد الوصال فان حصل الوصال زال الالتهاب ولا يزال يزداد ثم يزداد حتى يكمل واذا كمل مع

الوصال فهو الرضوان وليس الشوق والالتهاب ان يكون المحبة كاملة بل ربما يكون ناقصة ومع هذا يلتهب التهابا محرقا لفقد الوصال فافهم

قوله تعالى اني نذرت لك ما في بطني محررا يعني عبدا خالصا عن كل شيء سوى عبوديتك يقال فيه

حرٌّ خالص صاف والحرية اعلى مقامات الاولياء في العبودية وغلط اهل الاباحة فظنوا بذلك حرية النفس عن عبودية الحق بارتفاع التكاليف عنه هذا باطل تنفرها من الشهوة والهوى فان الحرية كمال العبودية صفاءً وخلوصاً

قوله تعالى قال يا مريم اني لك هذا انه كان ذلك الرزق فاكهة لمريم صلوات الله عليها ولم تكن سنة فدل على ان ذلك كرامة لها وليس معجزة لزكريا النبي عليه السلام لان زكريا لم يعلم بذلك وتعجب ولو كان معجزته

قوله تعالى حاكيا وابرئ الاكمه والابرص واحيي الموتى وهذا يدل على صحة ما قال المشايخ ان العبد يتخلق باخلاق الله اضاف ابراء الاكمه والابرص واحياء الموتى الى عيسى عليه السلام وقيد باذن الله وهذا عند مشايخ الصوفية غير محال ان يقدر الله من شاء من عباده على ذلك.

قوله تعالى لايتخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون الله هذه الاية دالة على بطلان قول الحلولية من الصوفية يقولون ان الانسان المنعم العالم العامل هو الرب القائم في شخص الانسان اذا يرى شيئا فانما يرى الرب بالرب ويسمع الرب بالرب ويعلم الرب بالرب وهذا اثبت الوحدانية ومن قال بالحلول فاني بأكثر من واحد قوله تعالى ولكن كونوا ربانيين اي كونوا متخلقين باخلاق ربكم متصرين بمصائر الوبكم والرباني منسوب الى الرب تعالى بالعبودية له فكون العبد ربا مستحيل وكونه ربانيا مطلوب جميل.

قوله تعالى ولا يامركم ان تتخذوا الملئكة والنبيين اربابا المشايخ قالوا ان اتخاذ الملئكة اربابا هو ذكرهم بالقلب له والالتفات اليهم بخاطر القلب وخطرات السر

قال ابن عطاء اياك ان تلاحظ مخلوقا وانت تجد الى ملاحظة الحق سبيلا قال الواسطي في هذه الاية لايحطرك باسرارك تعظيمهم ولا الفكر في مذاهبهم وقلت المراد ملاحظة مقصودة والا فملاحظة الخلق بالشفقة والرحمة او من حيث ان الله تعالى اوجب الايمان بالنبيين والملئكة فمطلوب في الشرع

قوله تعالى الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم يعني يذكرون الله

فی جمیع الاحوال دائماً ابداً لان احوال الناس لا یخرج من هذہ الاحوال
الثلثۃ وهو القیام والقعود والاضطجاع ثم لابد للانسان من النوم والاکل
والشرب فعلم ان المراد منه الذکر بالروح والقلب فانه یمکن فی الاحوال
کلها (ای هو اعظم فرد من المراد لا انه ینحصر فیه المراد)

سورۃ النساء: قوله تعالی ولا تؤتوا السفهاء اموالکم فالسفیه عند المشایخ
هو النفس ای لا تصرفوا فی اموالکم الا علی خلاف النفس والهوی فان مالت
النفس الی البذل (ای مطلقه احتمال لحظ النفس) فامسک وان مالت الی
الامساک فابذل ولا تتبع النفس فی هواها ولا تلتفت الیه الا زجراً وردعاً ولا
تشاوره فانه سفیه وشاور العقل والدین واعمل ما یامرانک (والمقصود من
هذا التقریر اشتراک الحکم باشتراک العلة فی السفهاء والنفس لا تفسیر
السفهاء بالنفوس فافهم).

قوله تعالی ومن یخرج من بیته مهاجراً الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد
وقع اجره علی الله قوله تعالی من بیته ای مما یسکن الیه القلب من اشیاء النفس
کالنفس والهوی والشهوات مهاجراً عن کل ما سوی الله تعالی وسوی
رسوله صلی الله علیه وسلم فلو مات قبل التمکن فقد وقع اجره علی الله لزم
الله تعالی الصدق نیته وایصاله الی مقصوده وهو الله تعالی والمقصود ان اسم
الهجرة یعنی هجرة وتسمیة المرید مهاجراً وارد فی الحدیث والمهاجر من
هجر ما نهی الله عنه ورسوله

قوله تعالی ومن احسن دیناً ممن اسلم وجهه ای نفسه وذاته وصفاته وشخصه
وجوارحه کلها لله خالصاً مخلصاً ویحسن کل اعماله لله علی وفق رضاء الله.

قوله تعالی واتخذ الله ابراهیم خلیلاً هو المحب المختص ببعض الامور
الشریفة العظیمة من حبیبه فعلی هذا کان کل خلیل حبیباً ولم یکن کل
حبیب خلیلاً وعلی هذا کل انبیاء الله تعالی اخلاء الله تعالی وهکذا سائر
الاولیاء والعرفاء وفائدة تخصیصه بهذا الذکر انه لم یکن لله تعالی خلیل
(بهذه المثابة) فی زمانه غیره.

سورۃ المائدۃ: قوله تعالی یهدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلام والسبل
جمع السبیل وقالوا السبل الی الله تعالی کثیرة لا تحصی وهذه آیة تدل علی
صحة قولهم (ای فی الصفة المعروفة الان بعنوان طرق الوصول الی الله بعدد
انفاس الخلائق وهذه کلها ترجع الی طریق واحد مستقیم فاما ما لم یرجع الیه

والتصفية بالمجاهدة وهديناهم الى صراط مستقيم ليجهدوا لنا ويوافقوا الى طريقنا.

قوله تعالى اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده في هذه الآية دلالة ظاهرة على ان المريد لابد له من شيخ يقتدى به.

قوله تعالى ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا او قال اوحي الي ولم يوح اليه شيء عام في كل مدع كذاب سواء يدعي النبوة او الولاية كيف ما كان مهما كان كاذبا دخل تحت هذه الآية.

قوله تعالى فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام وهو تسليم النفس والقلب والدنيا والآخرة وما فيهما كلها الى الله تعالى واختيار الله وحده ويشرح صدره اي يجعل لبه واسعا حتى يسع الخروج عن اسلم ويزول مختلر وسئل النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك قال نور يقذف في القلب فينشرح به.

سورة الاعراف: قل امر ربي بالقسط اي بالعدل وهو ان لا تميل الى شيء سوى الله تعالى.

قوله تعالى وادعوه مخلصين له الدين قال بعض المشايخ الاخلاص نسيان رؤية الخلق لدوام النظر الى الخالق قوله تعالى كلوا واشربوا ولا تسرفوا اي خذوا من الدنيا ستر العورة وسد الجوعة لحسب الا ان يؤذيكم الحر والبرد فالبسوا ما يدفع الحر والبرد ولا تزيدوا على ذلك تتعمقوا في لين اللباس وطيب الطعام ولا تجملا ولا افتخارا على الفقراء فانه اسراف.

قوله تعالى والبلد الطيب يخرج نباته باذن ربه فالبلد الطيب يدخل في عمومه نفس المؤمن وفيه بيان لظهور ماليه استعداده بالذكر والطاعة

قوله تعالى فاذكروا آلاء الله لعلكم تفلحون امرهم بذكر آلاء الله لكي يؤدي الى محبة الله فان القلوب مجبولة على حب من احسن اليها وهو نوع من المراقبة.

قوله تعالى وما ارسلنا في قرية من نبي الا اخذنا اهلها بالبأساء والضراء لعلهم يضرعون فالله تعالى يدعو عباده الى باب لطفه فان ابوا فبعنفه

قوله تعالى فتم ميقات ربه اربعين ليلة وقال عليه السلام من اخلص لله تعالى اربعين يوما فطريقتهم ماخوذ من هذه الآية والحديث قوله تعالى ساصرف عن آياتي الذين يتكبرون في الارض بغير الحق اي عن كراماتي ومشاهداتي الذين يتكبرون على عباد الله الفقراء والضعفاء والاولياء وهذه الآية دالة على كون المتكبرين بغير حق محجوبين عنها للاولياء والعرفاء

ويدل ايضا على ان التكبر نوعان بحق وبغير حق فالتكبر بالحق هو تكبر

الفقراء على الاغنياء والضعفاء على الاقوياء والمومنين على الكافرين.

قال الله تعالى اذلة على المومنين اعزة على الكفرين قوله تعالى فرجع موسى الى
قومه غضبان وذلك دلالة على جواز ان يغضب الشيخ المربي على مريده.

قوله تعالى واتل عليهم نبأ الذي اتيناه آياتنا اى الكرامات فانسلخ منها.

اعلم ان الانسلاخ نوعان انسلاخ من خير الى خير وانسلاخ من شر الى
خير وذلك هي تبدل هذه الصفات وهي الحقد والحسد والكبر واضرابها
بصفات حميدة وهو الفناء واما الانسلاخ من خير الى شر فهو انعكاس السالك
الى الابتداء بالمقامات والدرجات التى ارتقى فيها فينزل عنها واذا نزل الى
ابتدا وهو مقام الايمان فربما يبقى على ذلك ومنهم من لا يبقى والعياذ بالله
تعالى حتى يتسافل ومنهم من يسقط من اعلى مقاماته بمرة واحدة الى اسفل
السافلين كاللعين ابليس وبلعام بن باعوراء ولو شئنا لرفعناه بها الى عليين
وهذا دليل على انه تعالى لم يرفعه بعد الى درجات المشاهدة (لان الواصل
لا يرجع والفاني لا يرد) ولكنه اخلد الى الارض اى اختار الدنيا ورضي به فطفقه
تعالى بين ان نزوله الى السافل انما كان بكسبه وسوء اختياره لنفسه وهذا
ايضا دليل على انه كان بعد في مقامات الكسب والطريقة (لان ما بعد
الكسب ليس اختياريا فلا يقدر معه على الاخلاد اليها.

وهذه الآية دالة على ان الولي لا ينبغي ان يأمن مادام حيا في دار التكاليف
(وبلوغه الى ما بعد الكسب لا يعلم به يقينا فعسى لم يبلغ)

قوله تعالى لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم آذان
لا يسمعون بها اعلم ان القلوب جمع واحدها قلب وانه يستعمل لمسميات
كثيرة والاقرب الى افهام العوام قلب البدن ثم قلب النفس في قلب البدن ثم
قلب القلب فهو قلب النفس ثم في هذه القلب العقل والروح الذي نسميه
سرا وهذا السر قلب القلب الذي فيه العقل ثم العقل والسر نوران روحانيان ثم
المعاني بعد ذلك سر السر وقلبه وعينه معطوف على العقل والروح لالهم.

فقوله تعالى لهم قلوب لا يفقهون بها عنى به القلب الذي هو محل السر
والعقل (لان قلب البدن كانوا يفقهون به مدركاته) وقوله ولهم اعين وقوله
لهم آذان انما اراد بذلك عيون القلب وآذان القلب لانهم كانوا يسمعون
ويبصرون بحواسهم الظاهرة اولئك كالانعام بل هم اضل لانه ليس للانعام
والبهائم عيون وآذان في قلوبهم كما للانسان هذه العيون والآذان الباطنة

ومع ذلک ضلوا فکانوا اضل من الانعام والبهائم ونزلت بهذا التقریر ماقالوا بوجود اللطائف فی الانسان.

قوله تعالی ان ولیی الله الذی نزل الکتب وهو یتولی الصلحین بزیادة التوفیق والعصمة والهدایة الی الحق مالایتولی غیر الصلحین بل یکلهم الی انفسهم قوله ان الذین اتقوا اذا مسهم طئف من الشیطان تذکروا فاذاهم مبصرون یعنی اذا مسهم الشیطان بالوسوسة والتشویش وارسال الستور وارخاء الحجاب علی القلب تذکروا الله تعالی وذکروا اسمه ثم اذا تذکروا یرد الله تعالی عنهم ویرفع حجبه ویبصر قلب الذاکرو ان ابلغ کلمة الذکر فی افادة تصفیة السر انماهو کلمة لا اله الا الله وانه مجرب.

قوله تعالی واذکر ربک فی نفسک ای بقلبک لان النفس باطن فالذکر فیه یکون باطنا ضرورة.

سورة الانفال: قوله تعالی انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله الی قوله ورزق کریم نزلت فیما یختص بالصوفیة ویختص الصوفیة به وهی احوال القلوب

سورة التوبه: قوله تعالی اذ یقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا ای بالنصرة والعصمة لابالذات لان الله تعالی مع کل مخذول ومنصور وظالم و مظلوم بالذات لکن الحزن انما ینبغی اذا علم انه تعالی معه بالنصرة لا بالخذلان ولان الظاهر من حال الصدیق انه کان یعلم ان الله تعالی قریب منهما اقرب من حبل الورید انما کان خوف حیث لم یعلم النصرة والعصمة من الله تعالی لانه ربما ینصر وربما لاینصر.

قوله تعالی قاتلوا الذین یلونکم من الکفار یعنی ابدأ بنفسک ان کانت کافرة تسلم وتنقاد وتطمئن ثم قاتل سائر اعدائک الهوی والشهوات والشیاطین الاقرب فالاقرب قوله تعالی لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم هکذا یجب ان یکون المربی فی التصوف.

سورة یونس: قوله تعالی بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمه هذه کلمة عامة وان نزلت بسبب تکذیبهم القران والغالب فی سجایا بنی آدم ان یکفروا یکذبوا علم مالم یعلموا.

ومنه قیل الناس اعداء ماجهلوا.

وقال الله تعالی فی سورة الاحقاف فی هذا المعنی ایض واذلم یهتدوا به

فیسقولون هذا افک قدیم فان کل ذلک توبیخ لکل مکذب یکذب الانبیاء والاولیاء فیما یعلمون منهم ویسمعون.

سورة هود علیه السلام: قوله تعالیٰ وکلا نقص علیک من انباء الرسل مانثبت به فوادک ان ذلک یدل علی ان احول الاولیاء والعرفاء ولا تخلوا ایض عن مثل ذلک السلوک سیما عند اجتماع الناس علی تشکیکهم فیماهم فیه ان ذلک خیالات وماخولیات ووسواس الشیاطین وهو اجس النفوس والقاء العفاریت وامثالها وکان قصص الانبیاء وحکایات المشایخ المتقدمة والتفکر فی احوالهم تثبیتا لفوادهم علی ما هم فیه کما للانبیاء ولهذا قالوا لابد للسالک من الشیخ الماهر الفاضل العارف بواقعات المشایخ واحوالهم واوقاتهم فافهم.

قوله تعالیٰ والیه یرجع الامر کله دلالة علی صحة مایقوله المشایخ فی السیر الی الله تعالیٰ ان کل شیء فی السیر والرجوع الی الله دائما حتی یصل الیه فاذا وصل الی الله جل وعلافقد انتهی سیره الی الله تعالیٰ ومن هنا قال ان الی ربک المنتهی وان الصالحین یتنعمون فی صفات الالطاف والکرم وان الصالحین یحترقون بنیران القهر والنقم.

سورة یوسف علیه السلام: قوله تعالیٰ اذ قال یوسف لابیه یا ابت انی رایت احد عشر کوکبا الی اخر الآیات الثلثة فیها علوم کثیرة من علوم التصوف.

الاول قوله تعالیٰ انی رایت دل علی بطلان من یقول ان رویا الصوفیة فی واردالهم وواقعاتهم واحوالهم خیالات لاوجودلها.

الثانی ان المرید المبتدی لابد له من شیخ ناصح یرشده الی مطلوبه ویعلم صلاحه وفساده فی سیره فان یوسف علیه السلام رجع الی ابیه ثم ارشده امره باخفاء ه عن حساده.

الثالث دلت الآیة علی انه یجب علی المرید اخفاء واقعاته عن جمیع الناس غیر شیخه.

الرابع دلت الآیة علی ان الشیطان اذارأی آثار النبوة والولایة وامثالها عند انسان فانه یقوم بافساد ذلک علیه قال ان الشیطان للانسان عدو مبین.

الخامس قوله تعالیٰ قد جعلها ربی حقا دل فحواه ان منها مالا یجعلها الله تعالیٰ حقا وصدقا فدلت علی انه قد یکون من الرویا مایکون خیالا واضغاث احلام.

قوله تعالیٰ ادعوا الی الله علی بصیرة انا هذا دلیل علی ان الشیخ یجب ان

يكون بصيرا داعيا لمن يدعوا اليه مريده.

سورة الرعد: قوله تعالى ان الله لايغير مابقوم حتى يغيروا مابانفسهم (دخل في عمومه) لا يحجب اولياءه عن المشاهدة مالم يغيروا اورادهم ومعاملاتهم قوله تعالى الذين امنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله اى يذكرونه باللسان والقلوب يسبحونه ويهللونه ويطمئنون الى ذلك ويفرحون به.

سورة الحجر. قوله تعالى ان في ذلك لايات للمتوسمين روى ان النبى صلى الله عليه وسلم قال اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله ثم قرأ ان في ذلك لايات للمتوسمين فدلت الاية على صحة ماذكرناه من الفراسة وهى الامور التى لايراها عامة الناس.

قوله تعالى فاصدع بما تومر واعرض عن المشركين اى اداء الرسالة ثم ارجع الى الخلوة وطالب مشاهدة الحق تعالى ومن هنا اخذ المشايخ المحافظة على الخلوة عن الناس (بعد اداء ماعليهم للخلق من النصح والارشاد.

سورة النحل: قوله تعالى واذا قرأت القران فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم انه ليس له سلطان على الذين امنوا وعلى ربهم يتوكلون دلت الاية على ان الاستعاذة بالله من الشيطان مفسدة للشيطان ومانعة من وسواسه ودلت ايضا على ان ليس للشيطان قوة وقدرة على المومنين المتوكلين على الله تعالى قوله تعالى من عمل صالحا من ذكر او انثى وهو مومن فلنحيينه حيوة طيبة هو العيش مع الله تعالى والفهم عن الله والاستغناء بالله لايريد بدلا ولا منه حولا.

قوله تعالى ادع الى سبيل ربك وذلك على الطريقة المعروفة عند الصوفية بالحكمة هى فطنة الشيخ المربى وفهمه لكل مايصلح لكل احد من المريدين فان طباعهم مختلفة فمنهم من يصلح له كثرة الصوم ومنهم من يصلح له كثرة الصلوة ومنهم من يصلح له القيام والصيام معا ومنهم من لايصلح له كثرة ذلك وانما يصلح الزهد عن الدنيا ومنهم من يصلح له الكسب ومنهم من يصلح له الخدمة ومنهم من يصلح له العنف والشدة في المجاهدة على النفس ومنهم من يصلح له الرفق والتسهيل فادراك ذلك هى الحكمة المذكورة هنا والموعظة الحسنة هى تسهيلهم في اعمال الطريقة بالمداراة والرفق والشفقة الكاملة عليهم مع اعلامهم بانه لايريد بذلك الا علو مقاماتهم وارتفاع درجاتهم وحالتهم بالتى هى احسن اى

كانهم بعبارات لطيفة وكلمات طيبة ولين لهم وحل اليهم ولاتغلظ عليهم حيث تعثروا منهم وتدعوا وتصرف فانه اوقع في قلوبهم وانفع لهم ما كان ذلك تعليما لمشايخ الصوفية.

وكذا قول الله تعالى فبما رحمة من الله لنت لهم الاية وكذا كل ما في القرآن من كيفية المصاحبة مع الاصحاب والشفقة على الامة والشفاعة لهم ودعائهم الى الله تعالى خطاب المشايخ الصوفية انها يجب عليهم استعمالها مع المريدين.

سورة بني اسرائيل: قوله تعالى اولئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب ويرجون رحمته ويخافون عذابه والوسيلة الى الله تعالى هي التي يتوسل بها الوصال اليه جل وعلا وذلك هو المجاهدات والاذكار باللسان والقلب والمراقبات في الخلوات وكل من كان اقرب الى الله تعالى يعني من كان اوصل اليه فهو اشد طلباً للوسيلة لانه مضى وصال وقرب الا وفوقه درجات الوصال بلانهاية ومن كان اقرب كان اعرف به وكان اشد طلبا للزيادة.

سورة الكهف: قوله تعالى وربطنا على قلوبهم وهذا يكون حال كل مريد صادق الارادة يربط على قلبه وسره فلا يبالي بابتلاء ولا يضجر بالمشاق ويكون الله كافله وكاليه ويربيه في الرتبة حتى يصل اليه ويستقر لديه هكذا وعد الله تعالى للسالكين في طريقه بقوله عز وجل والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا.

قوله تعالى لو اطلعت عليهم لوليت منهم فرارا ولملئت منهم رعبا اي مهما تقف على ما عليهم من الرهبة الحق تعالى (الخ) وان لله تعالى صفة نظرا وتجليا مختلفا واذا نظر الى عبد من عباده بصفة الجلال والهيبة هاب ذلك العبد وتاه من رآه وكذا اذا نظر الى عبد بصفة اللطف والجمال صار ذلك العبد لطيفا جميلا في اعين الخلق من رآه تاه والها وان تجلى له بتلك الصفة الدالة لذة وسرور الجمال ولطفه.

قوله تعالى واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه لايريدون الا وجهي خاصة لا الدنيا ولا العقبى.

قوله تعالى واذ قال موسى لفتاه لا ابرح حتى ابلغ مجمع البحرين او امضي حقبا فالاية تقتضي ان يكون المريد في ارادته وبيته في طلب الشيخ المرشد الى ذلك الشان حتى يجد المقصود. قوله تعالى فلما جاوزا قال لفتاه اتنا

عدالنا تدل على ان المسافر المريد لوكان معه معلوم من الزاد جاز.
قوله تعالى حتى اذا اتيا اهل قرية استطعما اهلها دلت تلك الآية على ان المتوكل وان كان بالغا في توكله جازله الاستطعام عن الناس ودل ذلك ايضا على انه يجوزان يكون للمريد مريد اخرو تلميذ. فانه كان موسى مريد خضرو يوشع مريد موسى وتلميذه.
قوله تعالى علمناه من لدنا علما هو العلم بالاشياء المغيبة التي لاتعرف بالعقل والشرع والحواس بل بالالهام).
قوله تعالى قال له موسى هل اتبعك الآية تدل على ان المريد لايصاحب ويتبع الشيخ الاباذنه وكذلك تدل على ان الاعلى جاز ان يتلمذ لمن هوادنى منه في علم يوجد عنده.
قوله تعالى انك لن تستطيع معي صبرا دل على انه يجوز للشيخ ان يصد المريد من صحبته قوله تعالى قال فان اتبعتني فلا تسالني تدل على انه لايعترض على الشيخ.
قوله تعالى قال لا تواخذني الخ وقال ان سالتك ان جميع ذلك يدل على ان مريد الشيخ يجب ان يكون حمولا متواضعا للشيخ وان كان الشيخ يؤذيه ويستخف به.
قوله تعالى سانبئك بتاويل مالم تستطع عليه صبرا دلت الاية بفحواها على انه لاينبغي الشيخ ان يعمل عملا بحضرة المريد ظاهره منكر كيلا يقع في الانكار في الباطن ولواتفق له مثل ذلك يجب عليه ان يزيل انكارهم ببيان ماعمل وتاويل ماصدر منه ودلت الاية ايضا على ان الشيخ اذا ضجر عن المريد واراد ان يفارقه لاينبغي ان يفارقه بلاعذر ظاهر.
سوره مريم: قوله تعالى وهزى اليك بجذع النخلة قيل هذه كرامة مريم.
(**سوره طه**: قوله تعالى الرحمن على العرش استوى واستواء ه على العرش خاصة تجل خاص بصفة خاصة للعرش ومثاله على سبيل التقريب مثال الشمس على الارض يعني شعاعه اذا شرق على الارض بلاحجاب سحاب.
قوله تعالى اذا وحينا الى امك وام موسى من اولياء الله حيث كلمها الملائكة كرامة لها قوله تعالى والقيت عليك محبة مني يعني اطلعت عليك بصفة

العاصی ان یکله الله تعالیٰ الی معصیة فلا ینبه ولا یوفق له الا فاقة عن غفلته ویرخص باعذار فاسدة.

قوله تعالیٰ انا اٰتیک به قبل هذا قول اٰصف قال ذلک عند غلبة الحال وهو فی عین الجمع وهذا کلام الله اجراه علی لسانه کقوله سبحانی اجری علی لسان ابی یزید وقوله انا الحق علی لسان الحسین وامثالها کثیر کما قال من الشجرة یا موسیٰ انی انا الله ثم مثل ذلک الکرامات کثیرا مایکون لاولیاء الله تعالیٰ وهی طی الارض والنفاذ فی الجدار وامثالها.

سورة القصص: قوله تعالیٰ ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها روی عن یوسف بن الحسین الرازی انه قال امرت ام موسیٰ بامرین ان ارضعیه فالقیه فی الیم ونهیت بنهیین ولا تخافی ولا تحزنی وبشرت بشارتین انا رادوه الیک وجاعلوه من المرسلین فلم ینفعها ذلک دون الربط علی القلب

سورة العنکبوت: قوله تعالیٰ ولذکر الله اکبر ای اکبر فی النهی عن الفحشاء والمنکرو نفی الکبر والخیلاء ومحو الاوصاف الذمیمة وذلک مجرب عند المشایخ ولا سیما لا اله الا الله

سورة الروم: قوله تعالیٰ ذلک خیر للذین یریدون وجه الله ای یریدون ذات الله (التی هی المقصودة بالذات لا الدنیا ولا الاخرة)

سوره لقمٰن: قوله تعالیٰ واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة فالظاهرة الجوارح کالعین والاذن واللسان والاسنان والید والرجل وامثالها والباطنة النفس والقلب والعقل والسر والخفی (سورة الم السجدة)

قوله تعالیٰ یدعون ربهم خوفا وطمعا قال جعفر خوفا من ربهم وطمعا من ربهم (کما یدل علیه ذکر ربهم قبل وعدم مرذکر معمول خوفا وطمعًا بعد)

سورة الاحزاب: قوله تعالیٰ یایها الذین اٰمنوالاتکونوا کالذین اٰذوا موسیٰ هذا نهی لعامة المومنین الذین یوذون الانبیاء والاولیاء والمومنین المطلقین بمالا یعلمون

سورة السبا: قوله تعالیٰ وما انفقتم من شئ فهو یخلفه یدل بعموم لفظ شی علی ان من بذل بالموحدة شیئًا من البدن اوالروح اوالراحة لله تعالیٰ یبدله الله خیرا منه)

سوره فاطر: قوله تعالیٰ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ای لایستوی اهل الله واهل الشیطان.

سوره یٰس: قوله تعالیٰ والقراٰن الحکیم الی قوله صراط مستقیم اقسم الله تعالیٰ

بعقران ان السید صلوات اللہ علیہ نبی مرسل کسائر المرسلین ولفائدۃ الیمین طمانینۃ قلب السید فانہ وان کان عالما بانہ من المرسلین لکنہ مفتقر الی زیادۃ الطمانینۃ

سورۃ والصّٰفّٰت: قولہ تعالٰی انی ذاھب الی ربی رھذا ھو الذی یقول المشایخ فالسیر الی اللہ عزوجل فی الطریقۃ المشہور عندھم وان ذٰلک مرغوب محبوب

سورۃ صٓ: واذکر عبادنا ابراھیم واسحٰق ویعقوب اولی الایدی والابصار یعنی اولی القوۃ علی النفس والھوی والشیطان واذا بصار یعنی بصیرۃ النفس والعقل والقلب والسر والخفی

سورۃ الزمر: قولہ تعالٰی افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نورمن ربہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا النور اذا دخل جوفہ انفسح لذٰلک صدرہ وانشرح قالوا یا رسول اللہ فھل لذٰلک من علامۃ قال نعم التجافی المتعالی عن دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود وحسن الاستعداد الموت قبل نزولہ قولہ تعالٰی تقشعر منہ جلود (ھذا ھو نوع من الوجد) ۔

سورۃ المؤمن: قولہ تعالٰی یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور دلیل علی وجوب تزکیۃ الباطن مع الظاھر

سورۃ حٰمٓ السجدہ: قولہ تعالٰی واما ینزغنک من الشیطٰن نزغ ای یلقی فی باطنک وظاھرک فساد کالحقد والحسد والغضب والریاء والعجب والکذب والسب والضرب بغیر حق فاستعذ باللہ فانک لاتقدر بنفسک علی طرد الشیطان ۔

سورۃ الشوریٰ: قولہ تعالٰی فان یشا اللہ یختم علی قلبک ان قلت علینا غیر الحق روی انہ قرأ بعضھم ھذہ الایۃ والشبلی خلفہ فلما سمع ذٰلک من الامام فی صلوتہ جعل یقول ھکذا یخاطب الاحباب (فدل علی وجوب الخوف من سلب الحال۔

سورۃ الزخرف: قولہ تعالٰی ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانا یعنی من اعرض عن اللہ تعالٰی ذاتہ وصفاتہ او تکالیفہ (وفیہ دلالۃ علی تسلط الشیاطین علی المحجوبین

سورۃ الدخان: قولہ تعالٰی ولقد اخترنٰھم علی علم علی العٰلمین وما یقترفون من الجنایات لم یوثر ذٰلک فی سابق حکمنا بالاجتباء والاختیار لھم (وفیہ دلالۃ علی ان المراد لایکلہ اللہ تعالٰی الی نفسہ)

سورۃ الجاثیہ: قوله تعالی وله الکبریاء فی السموات والارض انه نص علی ان کبریاء ه تعالی فی السموات والارض والکبریاء صفة الذات ولا ینفک عن الذات (فالآیة تدل علی احاطة ذاته تعالی)

سورۃ الفتح: قوله تعالی ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله قالت الحلولیة هذه الآیة دلت علی ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یکن هو البشر وانما کان هو الله تعالی وهذا غلط منهم فان قوله انما یبایعون الله فیه اثبات مبایعتهم مع الله تعالی ولیس فیها نفی مبایعتهم مع النبی علیه الصلوٰة والسلام۔

سورۃ النجم: قوله تعالی وان الی ربک المنتهی ای لافکرة فی الله عزوجل۔

سورۃ القمر: قوله تعالی کذلک نجزی من شکر ای نجزی بنجاتهم وهلاک اعداء هم کل ولی شاکر۔

سورۃ الواقعه: قوله تعالی فاما ان کان من المقربین هذا دلیل ان لایقرب الی الله الامن قربه الله۔

سورۃ الحدید: قولہ تعالی الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله الآیة یعنی الم یان اوان خشوع قلوب المومنین وخشوعها وانشراحها واتساعها لذکر الله ای لمشاهدته تعالی ومناجاته جل وعلا۔

سورۃ المجادله: قوله تعالی استحوذ علیهم الشیطان فانساهم ذکر الله وعلامة ذلک ان لایتذکر العبد سیده وان ذکر یکره ویکره صحبة العلماء والصلحاء ویختار صحبة الحمقاء والمساقر وامثالهم یفرح بصحبتهم ویهتز بمجالستهم ویکون الحرام احب الیه من الحلال والمعصیة احب من الطاعة ویفتخر بمعاصیة ویباهی بها علی الناس ویلوم الناس علی الطاعات فهذا هو الذی استحوذ علیه الشیطان قوله تعالی ایدهم بروح منه اید بالرشاش الذی رش علی النفس۔

سورۃ الحشر: قوله تعالی لو انزلنا هذا القران علی جبل لرأیته خاشعا متصدعا من خشیة الله یعنی لوتجلی صفة من صفات الله وتلک الصفة کا لعظمة والجلال قال ابن عطاء اشار الی انه لا یقوم شی لصفات ولا یبقی مع تجلیه الامن قواه الله تعالی علی ذلک وهو قلوب العارفین فقاموا به لابغیره فهو القائم بهم۔

سورۃ الممتحنه: قوله تعالی لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال افضل الایمان الحب فی الله والبغض فی الله۔

(قوله تعالی یا یها النبی اذا جاء ک المؤمنات یبایعنک الآیة فیه اثبات البیعه)

سورة الدهر: قوله تعالی فمن شاء اتخذ الی ربه سبیلا یعنی بالسبیل الی الله تعالی طریقة الصوفیة یعنی من شاء الله ذاته وصفاته سلک سبیله

سورة الشمس: قوله تعالی ونفس وما سواها سوی النفس علی وجه صلحت لتحمل الامانة وجعل لها وجهین وجه التقوی ووجه الفجور وذلک قوله تعالی فالهمها فجورها وتقواها وجعل بین الوجهین وجه اللوم فان مالت الی الفجور والعصیان فهی امارة بالسوء. وان مالت الی التقوی فهی الطمانینة فاذا عملت سیئة ندمت سریعة فهی لوامة لامت نفسها وذمت هواها ولعنت شیطانها وغضبت شهواتها ومقتت لذاتها وتابت مما عملت من السیئة فاذا تمت التوبة نصوحا فهی الآن دخلت فی عالم الطمانینة فعلیها المحافظة حتی لایرجع قبل مذاق الطمانینة فاذا ذاقت کانت الاقامة علیها اسهل ومع هذالابد من المحافظة حتی یعود ویصیر الطمانینة صفة لازمة لها ویسهل علیها الحفظ ولایامن الرجوع والنکس مادام فی دار التکلیف والنفس واحدة وانما لها جهات ووجوه کالبدن شخص واحد مرة صحیح ومرة مریض ومرة میت.

سورة الناس: قوله تعالی من الجنة والناس دلت علی تکون الوسواس من شیاطین الانس والجن وبحمدالله تم ماًرمته ذاالحین ولعلی اوفق بعد لاکثر من هذا فی شرح مسائل اخری من ایات القران وقد فرغت من هذا التلخیص فی اربعة ایام من اخر النصف الاول من جمادی الاولی سنه ۱۳۲۷ھ والحمدلله اولا واخرا وباطنا وظاهرا والصلوة علی رسوله ومن معه متوافرا متکاثرا.

تائید الحقیقة بالآیات العتیقة

ترجمہ از حضرت مولانا شاہ لطف رسول صاحب رحمہ اللہ

ہم حمد کرتے ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اور سلام بھیجتے ہیں ہمیشہ کے لئے جان تو خدا تعالیٰ مجھ کو اور تجھ کو حقیقت کے پہچاننے اور اس کے ساتھ متصف ہونے کی توفیق عنایت کرے کہ جب میں رسالہ حقیقت الطریقہ کے لکھنے سے فارغ ہوگیا۔ تو ایک مدت کے بعد جبکہ ۱۳۲۷ ہجری کے چار مہینے گزر چکے تھے مجھ کو سفر بہاولپور کا اتفاق پڑا اور وہاں مجھ کو ایک کتاب ملی جس کا نام کاتب نے فہرست میں شواہد احکام الصوفیہ من القرآن لکھا تھا اس کو دیکھ کر میں خوش ہوا اس لئے کہ اس کو اپنی اس غرض کے موافق پایا جو رسالہ مذکورہ کے لکھنے سے تھی اور اس کو میں نے مالک صاحب سے عاریۃً طلب کیا انہوں نے مجھ کو عاریۃً دیدی اللہ تعالیٰ ان کا بھلا کرے پھر میں اس کو لے کر اپنے وطن آیا اور مناسب معلوم ہوا کہ اس کتاب کو بھی اس رسالہ میں خلاصہ کر کے شامل کر دوں کیونکہ اس کے بعض مضامین میں کسی قدر طوالت تھی اور بعض میں استدلال خفی تھا (اس لئے خلاصہ کرنا پڑا) اور اگر تلخیص کے علاوہ کسی اور تصرف کی مثلاً ایک ادھ لفظ بڑھانے کی یا کچھ تغیر وتبدل کی ضرورت پیش آئی تو اسکو (امتیاز کے لئے) قوسین کے اندر محصور کر دیا اور میں نے اس کا نام رکھا تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ رکھا سو اسی کی مدد سے میری ابتداء ہے اور اسی سے وصول الی المنتہا ہے سورہ بقرہ قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ سب کافروں کو گھیرے ہوئے ہے اور دوسری آیتوں میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے اور بلاشبہ آپ کے رب نے سب لوگوں کو گھیر رکھا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے ان کے پاس کی چیزوں کو گھیر رکھا ہے اور یہ سب آیتیں ان لوگوں کے قول کی صحت پر دال ہیں جنہوں نے علماء صوفیہ میں سے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر

جگہ ہے مگر ہم کو خدا تعالیٰ کے مکان ہونے کی کیفیت معلوم نہیں یعنی یہ حضرات احاطہ ذاتیہ کے بھی قائل ہیں اور اہل ظاہر کی طرح صرف احاطہ صفاتیہ ہی کے قائل نہیں) اور احاطہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ محیط اور محاط دونوں جسم ہوں تفسیر احاطہ کی صرف یہی ہے کہ محاط محیط سے بعید نہ ہو اور نہ محیط محاط سے بعید ہو پھر (جاننا چاہئے) کہ یہ قول جمیع مشائخ صوفیہ میں جیسے جنید اور شبلی اور ابن عطاء وغیرہ مشہور ہے جنیدؒ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے آپ کے حضور میں اثناء گفتگو میں آسمان کی طرف اشارہ کیا آپ نے فرمایا کہ آسمان کی طرف اشارہ نہ کر کیونکہ وہ تیرے ساتھ ہے سو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت جنید نے اللہ تعالیٰ کے مکان کو عرش کے ساتھ خاص نہیں کیا اور نہ ایک جہت کے ساتھ دوسری جہت کو چھوڑ کر خاص کیا خوب سمجھ لو (اور استواء علی العرش یا تو متشابہ ہوگا یا مؤول علی حسب اختلاف المسلکین اور حدیث میں لفظ مکان کا اطلاق آیا ہے جیسا کہ فرمایا اور قسم ہے میرے مکان کی بلندی کی) قول اللہ تعالیٰ کا داخل ہو تم تسلیم میں پورے پورے جان تو کہ تسلیم تصوف میں یہ ہے کہ نفس صفات ذمیمہ اور دنیا و آخرت سے مرجائے باوجودیکہ وہ زندہ اور باقی رہے حرکت کرے تو اللہ ہی کے لئے ساکن ہو تو اللہ ہی کے لئے اور جو اس کے خلاف ہو وہ تسلیم نہیں کیونکہ جتنی کسر نفس کے مرنے میں ہے اتنی ہی منازعت باقی ہے (پس لامحالہ تسلیم کے خلاف ہے) اور ہم نے اس مسلم کے لئے حالت حیات میں ہونے کی شرط اس لئے کی کہ یہ خطاب احکام تکلیفی کے قائم رکھنے کا ان لوگوں کو ہے جو دنیا میں زندہ ہیں اہل قبور کو نہیں۔ قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ سمیٹ لیتا ہے اور پھیلا ہوتا ہے اپنے دوستوں کو ان سے ماسوی اللہ کو چھڑا کر سمیٹ لیتا ہے اور اپنی طرف کشادگی (راہ کی) عنایت فرماتا ہے اور یہی جذبہ کہلاتا ہے سو خوب سمجھ لو (یعنی آیت اپنے عموم الفاظ سے اس قبض و بسط کو شامل ہے جس طرح یہ آیت قبض و بسط واردات کو بھی شامل ہے) قول اللہ تعالیٰ کا عرض کیا ابراہیم علیہ السلام نے (کہ میں ایمان کیوں نہ رکھتا) ولیکن (مشاہدہ واحیاء کی اس لئے درخواست کرتا ہوں) تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان بڑھتا ہے بڑھتے بڑھتے اطمینان بن جاتا ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کو صوفیہ یقین سے تعبیر کرتے ہیں پھر یہ

زیادتی کبھی رویت سے اور کبھی وجدان سے حاصل ہوتی ہے اور یہ آیت دال ہے اس پر کہ ایمان شک کے ساتھ (یعنی عدم حصول اطمینان کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اور شک (بالمعنی المذکور) سے اس کی نفی نہیں ہوتی اور یہی معنی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں تو اگر آپ کو اس چیز میں جس کو ہم نے آپ پر اتارا ہے کچھ شک ہو آخر آیت تک اور اسی طرح قول نبی علیہ السلام میں بھی کہ ہم شک کرنے کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں تک کہ شک کی تفسیروں میں یہ تفسیر سب سے اچھی ہے۔

سورہ آل عمران قول اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور جوان کے حقد مین مشائخ کے اس مقولہ کے صدق پر کھلی دلالت کر رہی ہیں جہاں حضرات نے فرمایا ہے کہ عارف بجز ذات خدائی برتر کے کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور نہ عذاب دوزخ سے ڈرتا ہے اور نہ نعیم جنت کے فوت ہونے سے اور نہ تمام دنیا کے فوت ہونے سے اور ایسے ہی مضمون پر قول نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی دلالت کرتا ہے اے اللہ میرے میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی آپ سے۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے یعنی اللہ کی ذات کی طرف ہر نیکوکار اور ہر بدکردار اور ہر قرب والے اور ہر بعد والے کا لوٹنا ہے سو بدکردار کو لوٹنا تو دوزخ کی طرف ہوگا جو غضب کی لکڑیوں سے روشن کی گئی ہے اور حق تعالیٰ کے غصہ اور انتقام اور ناخوشی کے ایندھن سے بھڑکائی گئی ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں اور نیکوکاروں کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف دار السلام ہیں اور جنت در چون کی طرف ہوگا۔

قول اللہ تعالیٰ کا آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو محبت کی بنیاد ارادہ ہے پھر وہ ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ محبت ہو جاتی ہے اور پھر محبت بڑھتی رہتی ہے حتی کہ کامل ہو جاتی ہے لیکن شوق اور عشق سو وہ محبت مشتعلہ کو کہتے ہیں اور اشتعال اس وقت ہوتا ہے جب محبت ترقی پر ہو اور وصال مفقود ہو پھر اگر وصال حاصل ہو گیا تو اشتعال جاتا رہتا ہے اور وہ محبت ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے جس کی بڑھتی ہو یہاں تک کہ کمال کو پہنچ جاتی ہے اور جب محبت وصال کے ساتھ کامل ہو جاتی ہے تو اس کا نام رضا ہے اور شوق اور اشتعال کے لئے کمال محبت لازم نہیں بلکہ بسا اوقات محبت ناقص ہوتی ہے اور باوجود اس کے وصال

مفقود ہونے کی وجہ سے اس میں سخت اشتغال زندہ ہوتا ہے خوب سمجھ لو۔

قول اللہ تعالیٰ کا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں نے اس کو تیرے نام پر خالص کر دینے کی نذر کی یعنی بجز آپ کی بندگی کے اور سب چیزوں سے اس کو خالص کر دیا چنانچہ کہا جاتا ہے طین حری یعنی خالص اور صاف مٹی اور حریہ اولیاء اللہ کے اعلیٰ مقامات عبودیت سے ہے اور اہل اباحت نے غلطی کی کہ اس سے یہ سمجھ گئے کہ تکالیف شرعی مرتفع ہو کر نفس خدا کی بندگی سے آزاد ہو جائے اور محض باطل ہے جس کو انہوں نے محض شہوت اور خواہش نفسانی کی وجہ سے اختیار کیا ہے کیونکہ حریہ تو یہ ہے کہ بندگی میں اعلیٰ درجہ کی صفائی اور خلوص ہو جائے قول اللہ تعالیٰ کا فرمایا زکریا علیہ السلام نے یہ کہاں سے تم کو ملا آخر آیت تک یہ رزق مریم علیہا السلام کے لئے ایک میوہ تھا اور آپ پیغمبر نہ تھیں جو اس سے ثابت ہوا کہ یہ آپ کی کرامت حق اور زکریا علیہ السلام کا معجزہ نہ تھا کیونکہ اول تو زکریا علیہ السلام کو اس کی خبر نہیں ہوئی اور آپ نے تعجب ظاہر فرمایا دوسرے مریم علیہا السلام نے یہ نہیں کہا کہ یہ آپ کا معجزہ ہے قول اللہ تعالیٰ کا بطور حکایت کے عیسیٰ علیہ السلام سے اور میں خدا کے حکم سے اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور جذامی کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو یہ مضمون مشائخ صوفیہ کے اس قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے کہ بندہ اخلاق خداوندی سے متصف ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے مادر زاد اندھے زندہ کرنے کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا اور اذن الٰہی کی قید لگا دی اور یہ مشائخ صوفیہ کے نزدیک محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس پر قادر کر دے قول اللہ تعالیٰ کا ہم خدا کو چھوڑ کر باہم ایک دوسرے کو رب نہ بنادیں یہ آیت ان لوگوں کے قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہے جو صوفیہ میں سے حلول کے قائل ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان مجھ دار باعلم وعمل ہے جو انسان کی صورت میں قائم ہے جب وہ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو گویا رب بذریعہ رب کے دیکھتا ہے اور رب بذریعہ رب کے سنتا ہے اور رب بذریعہ رب کے علم رکھتا ہے حالانکہ اس مقام پر وحدانیت کو ثابت فرمایا ہے اور جو لوگ حلول کے قائل ہیں وہ واحد سے زیادہ کے قائل ہیں پس ان کا قول منافی آیت کے ہوا قول اللہ تعالیٰ کا ولیکن ہو جاؤ تم رب والے یعنی تم اپنے پروردگار کے

اخلاق کے ساتھ متصف ہو جاؤ اپنے قلوب کی بصیرت سے مبصر ہو جاؤ اور ربانی منسوب ہے رب برتر کی طرف بندگی کے طور پر (تو بندہ کا رب ہونا محال ہے اور اس کا ربانی ہونا امر مطلوب وخوبی ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا اور نہ وہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ فرشتوں کو رب بنانا یہ ہے کہ ان کا دل سے ذکر کرے اور ان کی طرف خطرہ قلبی اور خطرات سری سے التفات کرے ابن عطاء نے فرمایا ہے) کہ مخلوق کی طرف التفات کرنے سے بچے رہو جبکہ التفات الی الحق کے اسباب میسر ہیں۔

واسطیؒ نے اس آیت میں فرمایا کہ تمہاری باطن میں ان کی تعظیم کا خطرہ نہ واقع ہو اور نہ ان کے اوصاف میں غور کرنے کا خطرہ واقع ہو میں کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ مقصودیت کے طور پر یہ التفات نہ ہو ورنہ شفقت اور رحمت کے ساتھ خلق کی طرف التفات کرنا یا اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور فرشتوں کے ساتھ ایمان لانے کو واجب کہا ہے خود شریعت میں مطلوب ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا وہ اہل عقل ایسے ہیں کہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے لیٹے یعنی اللہ کا ذکر سب حالتوں میں ہمیشہ ہمیشہ کیا کرتے ہیں کیونکہ آدمیوں کے حالات ان احوال ثلثہ سے باہر نہیں ہوتے اور وہ کھڑا ہوتا ہے اور بیٹھتا ہے اور لیٹتا ہے پھر انسان کے لئے سونا اور کھانا اور پینا بھی ضرور ہے تو معلوم ہوا کہ مراد اس سے ذکر روحی اور قلبی ہے کیونکہ وہ جمیع احوال میں ممکن ہے (یعنی وہ مراد کی فرد اعظم ہے نہ یہ کہ مراد اسی میں منحصر ہے)

سورۃ نساء قول اللہ تعالیٰ کا اور تم بے وقوفوں کو اپنا مال مت دو۔ سو بے وقوف کا مصداق مشائخ کے نزدیک نفس ہے یعنی اپنے مالوں میں وہی تصرف کرو جو نفس اور خواہش کے خلاف ہو تو اگر نفس خرچ کرنے کی طرف مائل ہو (یعنی جس خرچ میں کچھ احتمال حظ نفس کا ہو تو ترک جاؤ اور اگر بخل کی طرف مائل ہو تو خرچ کرو اور نفس کا اتباع اس کی خواہش میں مت کرو اور نہ اس کی طرف بجز اس پر زجر و توبیخ رکھنے کے التفات کرو اور نہ اس سے مشورہ لو کیونکہ وہ بے وقوف ہے اور عقل اور دین سے مشورہ لو اور جو کچھ یہ دونوں کہیں اس پر عمل کرو (مقصود اس تقریر سے سفہاء اور نفس کے حکم کا مشترک ہونا ہے بوجہ اشتراک علت کے نہ کہ سفہاء کی تفسیر کرنا نفوس کے ساتھ خوب سمجھ لو۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کے واسطے ہجرت کرنے کی غرض سے نکلے پھر اس کو موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے گھر سے یعنی ان اشیاء دنیویہ سے جس کے ساتھ اس کو دلچسپی جیسے نفس اور خواہش اور شہوات اور مہاجر سے مراد یہ کہ جو چیز اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہو اس کو چھوڑ دینے والا ہو تو ایسا شخص اگر قبل حصول مراد کے مر گیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت رہے گا اس کی نیت کو پورا کرنا اور اس کو مقصود تک کر دو اللہ تعالیٰ ہے پہنچا دینا اللہ کے ذمہ ہو گا (اور مقصود آیت کی تفسیر نہیں ہے بلکہ ایک ہجرت کا دوسری ہجرت پر قیاس کرنا ہے اور مرید کو مہاجر فرمانا خود حدیث میں وارد ہے کہ بڑا مہاجر وہ شخص ہے جو اس کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے)

قول اللہ تعالیٰ کا اور اس سے زیادہ اچھا دین میں کون شخص ہے جو اپنے رخ کو مطیع کر دے یعنی اپنے نفس کو اور اپنی ذات کو اور اپنی صفات کو اور اپنے جسم کو اور اپنے اعضاء کو سب کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص تسلیم کر دے اور اپنے سب کاموں کو اللہ کے لئے اس کی رضامندی کے موافق کر دے قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا خلیل وہ محبت ہے جو محبوب کی جانب سے بعض معاملات شریفہ عظیمہ کے ساتھ مخصوص ہو تو اس بناء پر خلیل حبیب ہے اور ہر حبیب خلیل نہیں اور اس بناء پر اللہ تعالیٰ کے سب نبی اس کے خلیل ہیں اور اسی طرح تمام اولیاء اور عارفین بھی اور فائدہ ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص ذکری کا یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں کوئی دوسرا (اس مرتبہ کا) اللہ کا خلیل نہ تھا۔

سورہ مائدہ قول اللہ تعالیٰ کا اللہ تعالیٰ اس قرآن سے اس شخص کو سلامتی کے رستے دکھلاتا ہے جو اس کی رضامندی کا اتباع کرے۔ سبل جمع ہے سبیل کی اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ رستے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے بہت ہیں جن کا شمار نہیں اور یہ آیت ان کے قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے (یعنی اس مسئلہ پر جواب اس عنوان سے مشہور ہے کہ طرق وصول الی اللہ کے باندازہ انفاس خلائق ہیں اور ان سب طریقوں کا مرجع ایک ہی مستقیم طریق ہے اور جس طریقہ کا مرجع یہ مستقیم طریق نہ ہو۔ اس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دوسرے

رستوں کا اتباع مت کرو قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ ہی پر توکل کرو (یہ منجملہ مقامات سالکین کے ہے) قول اللہ تعالیٰ کا اور تم تلاش کرو اللہ کی طرف ذریعہ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ زندوں میں ذریعہ شیخ ہے (یعنی وہ اس کے عموم میں داخل ہے) اور اس کے رستہ میں مجاہدہ کرو یعنی اللہ کے رستہ میں یہ صوفیہ کے مجاہدہ کا حکم ہے (یعنی آیت اس کو بھی عام ہے۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور مت خرید و میری آیتوں کے عوض میں متاع قلیل کو مذاق تصوف پر یہ معنی ہیں نہ خرید و متاع قلیل میری ان کرامتوں اور فراستوں کے عوض میں جو کہ تجھ سے مشہور ہوگئیں حالانکہ میں نے تم کو تو اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے تم دنیا (کا مال وجاہ) وصول کرو۔ قول اللہ تعالیٰ کا تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شرع اور ایک طریق مقرر کیا یہ آیت ما تقدم پر دلالت کرتی ہے یعنی اس آیت کے مضمون پر یھدی به الله من اتبع الخ یعنی بطریق اثبات ایک نظیر کے دوسری نظیر سے نہ بطریق داخل کرے جزئی کے تحت میں کلی کے کیونکہ اس شرع اور طریق میں بعضے منسوخ ہیں قول اللہ تعالیٰ کا اے رسول پہنچا دیجئے جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے یعنی اور اس کشف و مشاہدہ کو نہ پہنچائے جس کے ساتھ ہم نے آپ کو خاص کیا ہے (اور تبلیغ کا امر نہیں کیا) کیونکہ یہ لوگ اس کے برداشت کی قوت نہیں رکھتے ہیں۔ اور یہ مضمون مشائخ کے اس مقولہ کی صحت پر دال ہے کہ مناسب نہیں کہ اپنے واقعات لوگوں سے بیان کرے اور اگر ضرورت پڑے تو صرف شیخ سے کہے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد اس پر کافی دلیل ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے کہ اے میرے بیٹے تم اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے مت بیان کرنا۔

قول اللہ تعالیٰ کا جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کئے ہیں ان لوگوں کو اس میں کچھ گناہ نہیں جو انہوں نے کھالیا بشرطیکہ ڈرتے رہیں اور ایمان پر قائم رہیں اور نیک عمل کریں پھر ڈرتے رہیں اور ایمان پر رہیں پھر ڈرتے رہیں اور احسان یعنی اخلاص اختیار کریں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایمان کے تین درجے قائم کئے پھر چوتھے درجے کو احسان بنادیا (جو عبارت ہے تصوف سے)

قول اللہ تعالیٰ کا اور ایسی چیزوں سے سوال مت کرو کہ اگر تم سے بیان کردی جائیں تو تم

درمیان میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور صرف اللہ ہی کو اختیار کرے اور کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو یعنی اس کے قلب کو وسیع کردیتا ہے یہاں تک کہ جس چیز کو ترک اور سپرد کیا ہے اس کے نکل جانے کی اور جس چیز کو اختیار کیا ہے اس کے آ جانے کی اس میں گزارش...... اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا آپ نے فرمای اکہ وہ ایک نور ہے جو دل میں ڈال دیا جاتا ہے پھر وہ اس کی وجہ سے کشادہ ہو جاتا ہے۔

سورہ اعراف آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھ کو عدل کا حکم کیا ہے اور عدل یہ ہے کہ تو کسی چیز کی طرف بجز اللہ کے مائل نہ ہو۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور اس کی عبادت کرو اسی کے لئے دین کو خالص کر کے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ خالق پر علی الدوام نظر رکھنے کی وجہ سے خلق پر نظر کرنے کو فراموش کردے۔

قول اللہ تعالیٰ کا کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی مت کرو۔ یعنی دنیا سے بقدر ستر ڈھانکنے کے اور بھوک روکنے کے لو اور بس مگر یہ کہ تم کو گرمی اور سردی تکلیف دے تو اس قدر اور چھین لو جو گرمی اور سردی کو دفع کردے اور اس پر زیادتی مت کرو تنعم کے طور پر جیسے نرم لباس اور خوش خوراکی اور نہ آرائش کے طور پر اور نہ غریبوں کے مقابلہ میں تفاخر کے طور پر کیونکہ یہ اسراف ہے قول اللہ تعالیٰ کا اور پاکیزہ شہر سے اس کی کھیتی نکلتی ہے خدا کے حکم سے تو پاکیزہ شہر (کے عموم میں داخل ہے) نفس مومن (اور اس آیت میں نفس مومن کے اندر جو استعداد ذکر وطاعت کی ہے اس کے ظہور کا بیان ہے) قول اللہ تعالیٰ کا سو یاد کرو تم اللہ کی نعمتوں کو تا کہ تم کو فلاح ہو اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمتوں کے یاد کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ وہ یاد کرنا محبت الٰہی کا سبب بن جائے کیونکہ اپنے محسن کی محبت قلوب کا امر جبلی ہے (اور یہ ایک قسم کا مراقبہ ہے) قول اللہ تعالیٰ کا اور ہم نے کسی بستی میں نبی نہیں بھیجا۔ مگر اس کے رہنے والوں کو سختی اور مصیبت کے ساتھ پکڑا تا کہ وہ عاجزی کریں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی درگاہ کی طرف لطف سے بلاتا ہے پھر اگر وہ انکار کرتے ہیں تو سختی سے بلاتا ہے قول اللہ تعالیٰ کا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی مدت مقررہ پوری کر دی چالیس رات اور فرمایا نبی علیہ السلام نے جو شخص اللہ کی چالیس دن اخلاص سے عبادت کرے تو ان حضرات کا طریقہ (چلہ کشی) اس

آیت اور حدیث سے ماخوذ ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا عنقریب میں پھیلاؤں گا اپنی نشانیوں
سے ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں یعنی اپنی کرامتوں اور اپنے مشاہدوں سے
ان لوگوں کو (دور رکھتا ہوں) جو خدا کے بندوں یعنی فقیروں اور کمزوروں اور ولیوں پر تکبر
کرتے ہیں اور یہ آیت دال ہے ناحق تکبر کرنے والوں کے محجوب ہونے پر کمالات اولیاء
و عارفین سے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تکبر دو قسم پر ہے حق اور ناحق سو تکبر حق مریدوں
کا تکبر ہے امیروں پر اور کمزوروں کا زور مستعدوں پر اولیاؤں کا کافروں پر فرمایا اللہ تعالیٰ نرم
ہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں سخت ہیں کافروں کے مقابلے میں (یہی مراد صورت تکبری) قول
اللہ تعالیٰ کا لوٹے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے اور یہ آیت دال
ہے اس پر کہ شیخ مربی کو اپنے مرید پر غصہ کرنا جائز ہے (جب کوئی داعی ہو)

قول اللہ تعالیٰ کا اور آپ ان کافروں کو اس شخص کی حکایت پڑھ کر سنائیے جس کو ہم
نے اپنی نشانیاں دی ہیں یعنی کرامتیں پھر وہ ان سے نکل بھاگا جاننا چاہیے کہ انسلاخ دو قسم پر
ہے ایک خیر سے نکلنا شر کی طرف اور ایک شر سے نکلنا خیر کی طرف اور یہ دوسری قسم بدل جانا
ان صفات کا یعنی کینہ اور حسد اور تکبر اور ان کے امثال کا صفات حمیدہ کے ساتھ اور فنا بھی
ہے اور خیر سے شر کی طرف نکلنا یہ ہے کہ جو شخص مقامات اور درجات تک جس میں وہ ترقی
کر رہا ہے...... ہو پھر ابتدا کی طرف لوٹ آئے اور ان مقامات سے اتر آئے اور جب
ابتداء کی طرف سالک اترتا ہے اور وہ مقام ہے ایمان کا تو اکثر اوقات اسی حالت پر باقی
رہتا ہے اور بعضے اس پر بھی نہیں ٹھہرتے یہاں تک کہ نعوذ باللہ اسفل السافلین (یعنی کفر)
تک گر جاتے ہیں اور ان میں سے بعضے نعوذ ہی اسفل السافلین تک گر جاتے ہیں جیسے
ابلیس لعین اور بلعم بن باعوراء اور اگر ہم چاہتے ہیں اس کو ان نشانیوں کے ساتھ بلند کر دیتے
علیین تک اور یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو درجات مشاہدہ تک جو نہیں بلند
کیا تھا کیونکہ اصل راجع نہیں ہوتا اور فانی واپس بھی نہیں ہوتا لیکن وہ مائل ہو گیا زمین کی طرف
یعنی دنیا کو اختیار کر لیا اور اس کے ساتھ راضی ہو گیا سو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ اس کا
نیچے اترنا اس کے نفس اور اس کے سوء اختیار سے تھا جو اس نے اپنے نفس کے لئے تجویز کیا تھا

اور یہ اس کی بھی دلیل ہے کہ وہ ہنوز مقامات کسب اور ریاضت میں تھا (کیونکہ جو کسب کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ اختیاری نہیں تو اس کے ساتھ دشمن کی طرف مائل نہیں ہو سکتا) اور یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ ولی کو ناموس ہونا مناسب نہیں جب تک وہ دار التکلیف میں زندہ ہے (اور مابعد قلب تک پہنچنا یقینا معلوم ہو نہیں سکتا تو کیا عجب کہ ہنوز پہنچا نہ ہو۔

قول اللہ تعالیٰ کا ان کے ایسے دل ہیں جس سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کے ایسی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے ایسے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں نہیں جاننا چاہئے کہ قلوب جمع ہے اس کا واحد قلب ہے اور قلب بہت معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور قریب عوام کے قلب بدن ہے پھر قلب بدنی میں قلب نفس ہے پھر نیز اور قلب ہے جو قلب نفس سے بھی زیادہ لطیف ہے تو وہ قلب نفس کے اندر ہے پھر اس قلب میں عقل اور روح ہے جس کو ہم سر کہتے ہیں اور سر اس قلب کا قلب ہے جس میں عقل ہے پھر عقل اور سر یہ دونوں روحانی نور ہیں پھر خفی ہے بعد اس کے جو سر السر ہے اور (اسی طرح اس کا دل اور اس کی آنکھ ہے خوب سمجھ لو تو قول اللہ تعالیٰ کا ان کے ایسے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور اس سے وہ قلب ہے جو کہ سر و عقل ہے (اس لئے کہ قلب بدن سے تو وہ اس کے مدرکات کو سمجھتے تھے) اور قول اللہ تعالیٰ کا اور ان کی ایسی آنکھیں ہیں اور قول اللہ تعالیٰ کا ان کے ایسے کان ہیں مراد ان سے قلب کی آنکھیں اور قلب کے کان ہیں وجہ اس کی یہ کہ وہ جو ان کے ظاہر ہے تو سنتے دیکھتے تھے یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں کیونکہ چوپائے اور جانوروں کے دلوں میں آنکھیں اور کان نہیں جیسا کہ انسان میں یہ آنکھ اور کان باطنی ہیں اور پھر باوجود اس کے یہ لوگ بے راہ ہو گئے تو چوپایوں اور جانوروں سے بھی زیادہ بے راہ ٹھہرے (اور اس تقریر سے وہ ثابت ہو گیا جس کے یہ حضرات قائل ہیں یعنی وجود لطائف کا انسان میں) قول اللہ تعالیٰ کا میرا تو کارساز اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہی نیکوں کی کارسازی کرتا ہے یعنی وہ توفیق دے کر اور حفاظت فرما کر اور ہدایت الی الحق فرما کر کہ حق ان لوگوں کی کارسازی نہیں کرتا جو نیک نہیں ہیں بلکہ ان کو ان کے نفوس کے حوالہ کر دیتا ہے قول اللہ تعالیٰ کا جو لوگ ڈرتے ہیں جب ان کو کوئی گشت کرنے والا شیطانی اثر چھو لیتا ہے تو وہ ذکر کرتے ہیں

پھر وہ دفعتہ دیکھنے لگتے ہیں یعنی جب ان کو شیطان چھوتا ہے وسوسہ ڈال کر اور پریشان کر کے اور پردے اور حجاب قلب پر ڈال کر تو وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کا نام لیتے ہیں پھر جب وہ ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے وہ پردے دور کر دیتا ہے اور اٹھا دیتا ہے اور قلب ذاکر کو بینا کر دیتا ہے اور کلمات ذکر میں سب سے زیادہ مفید تصفیہ سر میں کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اور یہ مجرب ہے قول اللہ تعالیٰ کا اور اپنے رب کو اپنے نفس میں یاد کر یعنی اپنے دل سے کیونکہ نفس باطن ہے پس جو ذکر اس میں ہوگا وہ بھی ظاہر بات کے باطن ہوگا۔

سورۂ انفال قول اللہ تعالیٰ کا پس مومن تو وہی لوگ ہیں کہ جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے اس دل تک روزی عزت کی ہے یہ آیت ان چیزوں کے ذکر میں نازل ہوئی جو صوفیہ کے ساتھ خاص ہیں اور صوفیہ ان کے ساتھ خاص ہیں اور وہ احوال قلب ہیں (سورہ توبہ)

قول اللہ تعالیٰ کا جبکہ آپ اپنے ساتھی سے کہتے تھے کہ غم نہ کرو بالیقین اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی مدد اور حفاظت سے نہ ذات سے کیونکہ ذات سے تو اللہ تعالیٰ پر مخذول اور منصور اور ظالم اور مظلوم کے ساتھ ہے لیکن غم جب ہی دور ہوتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیف کی معیت نصرت کے ساتھ ہے فقدان کے ساتھ نہیں اور اس نے ظاہر حضرت صدیق کے حال سے یہ ہے کہ ان کو یہ تو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ دونوں سے قربت میں رگ گردن سے بھی قریب ہے صرف خوف اس وجہ سے تھا کہ آپکو اللہ کی طرف سے مدد اور حفاظت کا ہونا یقیناً معلوم تھا کیونکہ کبھی اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں اور کبھی مدد نہیں بھی کرتے کیونکہ وہ ان کا اختیاری فعل ہے) قول اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں سے قتال کرو جو کافروں میں سے تمہارے قریب ہوں یعنی ابتدا اپنے نفس سے کرا گروہ کافر ہو کہ وہ مطیع اور فرمانبردار اور ...... ہو جائے گا پھر اپنے باقی دشمنوں یعنی ہوائے نفسانی اور شہوات اور شیاطین سے مقابلہ کرنا جو سب سے اقرب ہو پھر اس کے بعد جو اقرب ہو۔

قول اللہ تعالیٰ کا یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسے رسول تشریف لائے ہیں کہ ان پر شاق ہے تمہارا مشقت میں پڑنا تمہاری بھلائی پر حریص ہیں مسلمانوں کے ساتھ شفقت کرنے والے مہربان ہیں ایسا ہی تصوف کی تربیت کرنے والے کو ہونا واجب ہے۔

سورہ یونس قول اللہ تعالیٰ کا بلکہ ان لوگوں نے جھٹلایا اس چیز کو جس کے علم کا احاطہ بھی نہیں کیا یہ کلیہ عام ہے گو سبب نزول اس کا صرف ان کا قرآن کو جھٹلانا ہے اور اکثر آدمیوں میں غالب خصلت یہ ہے کہ جس کو وہ نہیں جانتے اس کی تکذیب اور انکار کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ لوگ جس کو نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سورہ احقاف میں اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے اور جبکہ یہ کفار قرآن نہیں سمجھ سکے تو اب یہی کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹی باتیں ہیں تو یہ سب ہر ایسے شخص کی توبیخ کے لئے ہے جو ایسے امر کا انکار کرے جس کو انبیاء اولیاء سے معلوم کرے اور سنے (سورۂ ہود علیہ السلام) قول اللہ تعالیٰ کا اور اخبار انبیا میں سے ہم ایسے خبریں آپ سے بیان کرتے ہیں جس سے آپ کے قلب کو ہم مضبوط کردیں یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ احوال اولیاء اور عارفین کے بھی اس قسم کے سلوک سے خالی نہیں ہوتے (یعنی اثنا سلوک میں ایسے احوال پیش آتے ہیں کہ ان کے تدبر کے لئے اکابر کے حالات یاد دلانے کی ضرورت ہوتی ہے بالخصوص جب لوگ ان کے واردات میں شک ڈالنے پر جمع ہوں کہ یہ خیالات اور مالیخولیا اور وسوسہ شیطانی اور خطرات نفسانی اور القاء شیطانی ہیں اور اس قسم کی باتیں کہتے ہیں اور انبیاء کے قصے اور مشائخ متقدمین کی حکایتیں اور ان حضرات کے حالات میں غور کرنا یہ سب ان کی واردات و حالات موجودہ پر ان کی ثبات قلب کا سبب ہو جاتے ہیں جس طرح انبیاء کے لئے تھا اور اسی لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ سالک کے لئے ایسا شیخ ضرور ہونا چاہئے جو ماہر ہو فاضل ہو واقعات مشائخ کو اور ان کے حالات اور اوقات کو خوب جانتا ہو خوب سمجھ لو۔ قول اللہ تعالیٰ کا اور اسی کی طرف ہر امر لوٹتا ہے اس میں مشائخ کے اس مقولہ کی صحت پر دلالت ہے جو انھوں نے سیر الی اللہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سیر اور رجوع میں ہمیشہ رہتی ہے یہاں تک کہ اس تک پہنچ جائے پھر جب وہ اللہ تک پہنچ جاتی ہے تو اس کی سیر الی اللہ ختم ہو جاتی ہے اور اسی مقام سے فرمایا ہے بے شک تیرے رب ہی کی طرف انتہا ہے اور (بعد ختم ہونے کے) نیک لوگ صفات لطاف و کرم سے عیش حاصل کرتے ہیں اور بد بخت قہر و غضب کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ (سورہ یوسف علیہ السلام) قول اللہ تعالیٰ کا جبکہ کہا یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ

میں نے دیکھے گیارہ ستارے آخر آیات۔ اللہ تک ان آیتوں میں علوم تصوف میں سے بہت سے علوم ہیں اول قول اللہ تعالیٰ کا ... ان لوگوں کے قول کے بطلان پر دلالت کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ صوفیہ کے خواب ان کی واردات اور واقعات اور احوال کے بارہ میں خیالات ہیں جن کا واقعی وجود نہیں دوسرے یہ کہ مبتدی مرید کے لئے ایک ایسا شیخ خیرخواہ ہونا ضروری ہے کہ اس کو اس کے مقصود کی ہدایت کر سکے اور اس کے صلاح و فساد کو جان سکے کیونکہ یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کی طرف رجوع کیا پھر انہوں نے ان کو مصلحت کی بات بتلائی اور ان کو وہ خواب حاسدوں سے چھپانے کا حکم فرمایا۔ تیسری آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ مرید پر واجب ہے کہ اپنے واقعات بجز شیخ کے سب سے چھپائے آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ شیطان جب کسی میں نبوت اور دین کے پاور اس طرح کے آثار دیکھتا ہے تو وہ اس حالت کے بگاڑنے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے چنانچہ فرمایا کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے پانچویں قول اللہ تعالیٰ کا قد جعلہا ربی حقا یعنی میرے پروردگار نے اس خواب کو سچ کر دیا اس کا مضمون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بعضے خواب ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو سچ اور مطابق واقع کا ... ... آیت ان پر دلالت کرتی ہے کہ بعضے خواب خیال اور پریشان خواب ہوتے ہیں۔

قول اللہ تعالیٰ کا بلاتا ہوں اللہ کی طرف اس طور پر کہ میں بصیرت پر ہوں یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ کو صاحب بصیرت صاحب دعوت ہونا ضروری ہے اس امر میں جس کی طرف مرید کو بلاتا ہے۔ (سورہ رعد) قول اللہ تعالیٰ کا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت نہ بدلے ان کے کتابے بھی داخل ہے) کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو مشاہدے سے محجوب نہیں کرتا جب تک وہ اپنے اوراد اور معاملات کو نہ بدلیں۔ قول اللہ تعالیٰ کا جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کے مطمئن ہوتے ہیں اللہ کی یاد سے یعنی زبان اور دل سے اس کا ذکر کرتے ہیں اور تسبیح و تہلیل کرتے ہیں اور اس سے مطمئن ہوتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں (سورۃ الحجر) قول اللہ تعالیٰ کا بیشک اس قصہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فراست رکھتے ہیں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فراست مومن سے ڈرو کیونکہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ان فی ذلک

لآیات للمومنین پس یہ آیت فراست عارفین کے صحیح ہونے پر دال ہے اور فراست ایسے امور کا نام ہے جن کو عام لوگ نہیں دیکھتے قول اللہ تعالیٰ کا سو آپ کو جو حکم ہے اس کو ظاہر کر دیجئے اور مشرکوں سے الگ ہو جایئے یعنی پیغام حق ادا کر دیجئے پھر خلوت کی طرف رجوع کیجئے اور مشاہدہ حق تعالیٰ کا مراقبہ کیجئے اور اسی مقام سے مشائخ نے خلوت پر محافظت رکھنے کو اخذ کیا ہے (یعنی خلائق کا جو ان پر حق ہے نصیحت اور ہدایت کرنا اس کے ادا کرنے کے بعد یہ ہونا چاہئے) سورہ نحل قول اللہ تعالیٰ کا اور جب آپ قرآن پڑھنے لگتے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے شیطان مردود سے کیونکہ اسکو غلبہ ان لوگوں پر نہیں ہوتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں آیت دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگنا شیطان سے شیطان کو عاجز کر دینے والا ہے اور اس کے وسوسوں سے مانع ہوا اور اس پر بھی دلالت ہے کہ شیطان کو قوت اور قدرت ان مسلمانوں پر نہیں جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں قول اللہ تعالیٰ کا جو شخص نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اسکو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آرام پانا اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ کو سمجھنے لگنا اور اللہ کے ساتھ مستغنی ہو جاتا ہے پس یہ حالت نہ تبدیل کو مقتضی ہے اور نہ تحویل کو قول اللہ تعالیٰ کا آپ اپنے رب کے رستہ کی طرف بلایئے اور یہ رستہ ہی ہے جو طریقت کے نام سے صوفیہ کے نزدیک مشہور حکمت کے ساتھ مراد اس سے دانا ہونا ہے شیخ تربیت کنندہ کا اور اس کا ان تمام امور کو سمجھنا جو ہر ایک مرید کے لئے مناسب ہو کیونکہ مریدوں کی طاقتیں مختلف ہوتی ہیں سو انہیں سے بعضے تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کثرت صوم مناسب ہوتا ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ تکثیر نماز ان کے لئے مناسب ہوتی ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے نماز اور روزہ دونوں بہتر ہوتے ہیں اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے ان امور کی کثرت مناسب نہیں ہوتی صرف زہد عن الدنیا ہی نہیں ہوتا۔ بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کسب مناسب ہوتا ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے خدمت کرنا

مناسب ہوتا ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے نفس پر مجاہدہ کرنے میں
سختی اور تشدد ۔۔۔ ہوتا ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے نرمی اور آسانی
کرنا لائق ہوتا ہے قوانین اسور کا سمجھنا حکمت مذکورہ ہے اس کو یاد رکھو اور اچھی نصیحت کے
ساتھ مراد ان سے کام لینا ہے اعمال طریقہ میں اور آ اور نرمی اور پوری شفقت کے ساتھ اور
ساتھ ہی اس کے یہ بھی بتلا دی کہ اس سے اس کا بجز اس کے اور کچھ مطلب نہیں کہ ان کے
مقامات بلند ہوں اور ان کے درجے بلند ہوں اور ان سے گفتگو اچھے طریق سے کیجئے کہ وہ
بہتر ہو یعنی ان سے گفتگو کیجئے لطیف عبارت سے اور اچھے لفظوں سے اور ان کے ساتھ نرم
رہیے اور ان کی طرف متوجہ رہئے اور جب ان کو امر و نہی کیجئے اور ان کو بلایئے اور کسی امر
سے ہٹایئے تو ان پر بوجھ نہ ڈالئے کیونکہ یہ طریق ان کے دلوں میں زیادہ اثر کرنے والا ہے
اور ان کے لئے زیادہ نافع ہے اور اس میں تعلیم ہے مشائخ صوفیہ کی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا
یہ ارشاد کہ اللہ ہی کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اخیر آیت تک اور اسی طرح
قرآن میں جو کیفیت اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہنے کی اور امت پر شفقت کرنے اور ان
کے لئے سفارش کرنے کی اور انکو اللہ کی طرف بلانے کی مذکور ہے وہ سب مشائخ صوفیہ کو بھی
اس بات کا مخاطب ہے کہ ان امور کو مریدوں کے ساتھ عمل میں لانا ان پر واجب ہے۔

(سورۃ بنی اسرائیل) قول اللہ تعالیٰ کا یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے
پروردگار کی طرف ذریعہ تلاش کرتے ہیں جو ان میں زیادہ صاحب قرب ہے اور وہ اللہ کی
رحمت کے ساتھ اور امید وار اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں اور اللہ کی طرف ذریعہ
سے مراد وہ چیز ہے جو خدائے بزرگ و برتر کے وصال کا ذریعہ بنائی جائے اور وہ مجاہدات
اور اذکار لسانی و قلبی اور خلوت کے مراقبات ہیں اور جس شخص کو اللہ کا قرب زیادہ ہوگا یعنی جو
شخص واصل زیادہ ہوگا اور ذریعہ کا زیادہ طالب ہوگا کیونکہ کوئی وصال اور قرب ایسا نہیں
جس سے اوپر وصال کے اور بے انتہا مراتب نہ ہوں اور جس کو قرب زیادہ ہوگا وہ اللہ کا
پہچاننے والا بھی زائد ہوگا اور زیادتی کا طلب کرنے والا بھی بہت ہوگا۔

سورۂ کہف قول اللہ تعالیٰ کا اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا ۔ور یعنی حال ہوتا ہے

مرید صادق الارادۃ تاکہ اس کے قلب اور سر کو مضبوط کر دیا جاتا ہے پھر وہ بلا کی پروا نہیں کرتا اور مصیبتوں سے متغیر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کا خبر گیران اور کفایت کرنے والا ہو جاتا ہے اور (سلوک کی) وادیوں میں اس کو گزارتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے پاس اس کو قرار ہو جاتا ہے ایسا ہی وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رستہ میں چلنے والوں سے۔

لقولہ عزوجل اور جو لوگ ہمارے لئے کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے رستے بتلا دیں گے قول اللہ تعالیٰ کا اے مخاطب اگر تو ان کو جھانک کر دیکھے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور رعب سے بھر جائے یعنی ان پر جو آچار ہیبت حق تعالیٰ کے ہیں جب تو ان پر واقف ہو (الخ) اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یعنی نظر اور تجلی مختلف ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کی طرف صفت جلال و ہیبت سے نظر فرماتا ہے تو یہ بندہ بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے اور جو شخص اس کو دیکھتا ہے وہ بھی شوریدہ عقل ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب اپنے بندہ کی طرف صفت لطف و جمال سے نظر کرتا ہے تو یہ بندہ خلقت کی آنکھوں میں لطیف اور جمیل ہو جاتا ہے جو شخص اس کو دیکھتا ہے فریفتہ ہو کر شوریدہ عقل ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس صفت سے اس پر تجلی فرماتا ہے تو خود اس کو جمال سے لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ روک کر رکھئے جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اس کی ذات کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نہیں چاہتے ہیں مگر خاص میری ہی ذات کو یعنی نہ دنیا کو نہ عقبیٰ کو۔ قول اللہ تعالیٰ کا اور جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے فرمایا کہ میں جب تک .... کے ملنے کی جگہ تک نہ پہنچ لوں گا سفر سے نہ رکوں گا یا برسوں تک چلتا ہی رہوں گا۔ آیت کا مقتضا یہ ہے کہ مرید کا ارادہ اور نیت شیخ کی طلب میں اس شان کا ہونا چاہئے یہاں تک کہ مقصود پالے۔

قول اللہ تعالیٰ کا پھر جب دونوں آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ۔ اس بات پر دلالت ہے کہ مرید مسافر کے ساتھ اگر توشہ معین ہو تو جائز ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا یہاں تک کہ جب دونوں ایک بستی کے لوگوں کے پاس پہنچے تو اس بستی کے لوگوں سے کھانا مانگا یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ متوکل کو گو کہ اپنے توکل میں کمال کو پہنچا

ہو لوگوں سے کھانا مانگنا جائز ہے اور یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ مرید کے لئے دوسرا مرید اور شاگرد ہونا جائز ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے طالب تھے اور یوشع موسیٰ علیہ السلام کے مرید اور شاگرد تھے۔ قول اللہ تعالیٰ کا ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم دیا تھا وہ ایسے پوشیدہ چیزوں کا علم ہے جو عقل اور شریعت اور حواس سے معلوم نہ ہو سکیں (بلکہ الہام سے معلوم ہوں) قول اللہ تعالیٰ کا حضرت خضر سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں تمہارے ساتھ رہوں یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مرید اپنے شیخ کی رفاقت اور صحبت بدون اس کے حکم کے نہ کرے اور اسی طرح اس پر دلالت کرتی ہے کہ افضل کو ایسے شخص کی شاگردی کرنا جو کم درجہ کا ہو کسی ایسے علم میں جو اس کے پاس ہو جائز ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا حضرت خضر نے کہا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے۔ دلالت اس پر ہے کہ شیخ کو جائز ہے کہ مرید کو اپنے پاس رہنے سے روک دے۔ قول اللہ تعالیٰ کا کہا خضر نے سو اگر تم میرے ساتھ رہو تو مجھ سے سوال نہ کرنا اس پر دلالت ہے کہ شیخ پر اعتراض نہ کرنا چاہئے۔ قول اللہ تعالیٰ کا مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے الخ اور فرمایا اگر پوچھوں میں الخ یہ سب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شیخ کے مرید کو واجب ہے کہ متحمل ہو شیخ کے رو برو بست رہے۔ ....

قول اللہ تعالیٰ کا ابھی تم کو اس کا مطلب بتا دوں گا جس پر تم صبر نہیں کر سکتے مضمون آیت اس پر دلالت کرتا ہے کہ شیخ کو مرید کے سامنے ایسا کوئی کام کرنا مناسب نہیں جس کا ظاہر ایسا ہو کہ وہ باطن میں جتلا ہے ان کا رد ہو جائے اور اگر اس کو ایسا اتفاق ہو تو اس پر واجب ہے کہ ان کے انکار کو اپنے عمل کی حقیقت بیان کرکے اور اپنے اس فعل کی تاویل کر کے زائل کر دے۔ اور آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ شیخ جب مرید سے تنگ ہو جائے اور اس کو چھوڑ دینے کا ارادہ کرے تو اس کو مناسب نہیں کہ مرید سے بدون ظاہری عذر کے مفارقت کرے (سورہ مریم) قول اللہ تعالیٰ اور اپنی طرف درخت کھجور کی ڈالی ہلاؤ بعضوں نے کہا کہ مریم علیہا السلام کی کرامت ہے۔ (سورہ طہ) قول اللہ تعالیٰ کا عرش پر رحمان جلوہ گر ہوا اور اللہ تعالیٰ کا تو عرش پر مستوی ہونا ایک خاص . ہے عرش پر ایک خاص صفت کے ساتھ اور مثال اس کی بطور تفہیم کے آفتاب کی مثال ہے زمین پر یعنی اس کی شعاعیں جب بدون حجاب

ابر کے زمین پر چمکیں (کہ تابش شمس الارض پر مرقت نہیں مگر شعاع کے واسطہ سے ارض کے ساتھ اس کو ایک............

قول اللہ تعالیٰ کا جبکہ جس نے تمہاری ماں سے پوشیدہ کہا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اولیاء اللہ سے تھیں کیونکہ ان سے فرشتوں نے بطور ان کی کرامت کے کلام کیا تھا۔ قول اللہ تعالیٰ کا اور میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی یعنی صفت محبت کے ساتھ میں نے تم پر تجلی کی اور اپنی محبت سے جو کہ تمہارے ساتھ متعلق ہے میں نے تم میں نظر کی تو صفت محبت کے ساتھ تم پر میری تجلی کرنے سے صفت محبوبیت کی تم کو حاصل ہوگئی تو جس شخص نے تم کو دیکھا تم سے محبت کرنے لگا اور تفسیر............ وہ چھوہار ڈالنا ہے جو کہ حدیث میں مذکور ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا رشاش ارواح پر فائض فرمایا) قول اللہ تعالیٰ کا اور پسند کر لیا میں نے تم کو اپنی ذات کے لئے یعنی میں نے تم کو ایسی حالت پر پیدا کیا کہ بجز میری عبادت کے تم میں کسی دل پسند) چیز سے مناسبت نہیں ہوئی۔ قول اللہ تعالیٰ کا آپ کہئے کہ اے میرے رب میرے علم میں زیادتی کیجئے کیونکہ کوئی زیادتی علم کی ایسی نہیں جس کے اوپر بہت سی بے انتہا زیادتیاں نہ ہوں قول اللہ تعالیٰ کا اور جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا تو اس کے لئے زندگی تنگ ہے کیونکہ جس شخص کو ذکر قلبی وسری میسر نہیں ہے وہ تنگی اور تاریکی میں ہے نہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ سے وہ کچھ کہہ سکتا ہے اور نہ ملکوت میں داخل ہوتا ہے اور نہ جبروت تک اس کو ترقی ہوتی ہے اور زمین پر جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔

سورہ انبیاء۔ جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلی سابق ہوئی یعنی ہماری محبت ان کی ساتھ ازل میں سابق ہوئی (اور یہی سابقہ) استعداد ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتداء المحبوب کی جانب سے ہے۔ (سورہ حج) اور ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی آپ سے پیشتر نہیں بھیجا مگر جب وہ کوئی خیال کرتا تھا تو شیطان اس کے خیال میں کچھ ڈال دیتا تھا تو جب نبی اور رسول کا یہ حال ہے تو ولی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ القاء شیطانی سے مامون رہے اور اگر ماہر (یعنی اس بات کا سمجھنے والا کہ اس میں کیا اصل ہے اور کیا القاء ہے) نہ ہو تو اس کو اپنے کسی واقعہ پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے تاوقتیکہ اپنے شیخ کے روبرو پیش نہ کرے۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ کے بارہ میں جہاد کرو۔ یہ وہی ہے جس کا مشائخ سیر فی اللہ نام رکھتے ہیں۔ (سورہ مومنین) پس برتر ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے یعنی وہموں سے اور گمانوں سے اور فکروں سے اور...... اور علموں سے (سورہ نور) قول اللہ تعالیٰ کا آپ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ بعض مشائخ نے کہا کہ اپنے سر کی آنکھیں نیچی رکھیں نامحرم عورتوں سے اور گلوب کی تخصیص جمیع اسوی اللہ ہے۔ قول اللہ تعالیٰ .... غافل کرتی ہے ان کو تجارت اور .... اللہ کی یاد سے اور اور یہی خلوت در انجمن ہے اور یہ حال نبیوں اور بڑے بڑے ولیوں کا ہے اور ایسے اولیاء کم ہوتے ہیں اور بعضے ان میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ اس پر صرف خلوت میں قادر ہوتے ہیں اور بعضے جب ان پر حالت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس وقت اس پر قادر ہوتے ہیں اور بعضے جب سونے اور جاگنے کے درمیان ہوتے ہیں تو صرف اس وقت اس پر قادر ہوتے ہیں اور بعضے اس وقت اس پر قادر ہوتے ہیں جب غرق ہو کر سو جائیں اور یہ شخص واصلین میں سب سے ادنیٰ اور کم رتبہ کا ہے۔

(سورہ فرقان) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جاننا چاہئے کہ یہ آیت بڑی حجت ہے اس قول کے صادق ہونے کی جس کی طرف عارفین گئے ہیں یعنی جس شخص کا قلب اللہ کے سوا کسی اور چیز سے متعلق ہو وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہے (محبت میں) (سورۃ الشعراء) قول اللہ تعالیٰ کا سو میں تم لوگوں سے بھاگ گیا اسی مقام سے کہا گیا ہے کہ جس امر کی برداشت نہ ہو سکے اس سے علیحدہ ہو جانا پیغمبروں کو طریقہ ہے (سورہ نمل) قول اللہ تعالیٰ کا یا ایہا جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مرغوب کر دیا ہے۔ بڑی سزا عاصی کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی معصیت پر چھوڑ دے پھر نہ اس کو متنبہ کرے اور نہ غفلت سے ہوش میں آنے کی توفیق دے اور وہ العوعذروں سے گنجائش حاصل کرتا ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا میں اس تخت کو آپ کے پاس لائے دیتا ہوں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آصف کا قول ہو یہ بات غلبہ حال میں جبکہ وہ عین جمع میں تھے کہہ دی اور یہ کلام اس کا تھا کہ اس کو ان کی زبان پر جاری کر دیا تھا جیسے قول سبحانی کو بایزید کی زبان پر جاری کر دیا تھا اور انا الحق کو منصور

کی زبان پر اور اس قسم کے واقعات بہت ہیں درخت سے آواز دی کہ اے موسیٰ میں اللہ ہوں پھر دوسری بات یہ ہے کہ ایسی کراماتیں اولیاء اللہ سے بہت ہوا کرتی ہیں اور وہ مسافت بعیدہ کا زمانہ قصیرہ میں قطع کرتا ہے اور دیوار سے پار ہو جاتا اور اسی کے مثل اور بھی ہے (سورہ قصص) قول اللہ تعالیٰ کا قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیں اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ رکھتے۔ یوسف بن حسین رازی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دو باتوں کا حکم ہوا ان کو دودھ پلاؤ پھر ان کو دریا میں ڈال دو۔ اور دو باتوں سے ممانعت کی گئی۔ اور نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو۔ اور دو باتوں کی بشارت دی گئی ہم ان کو تمہارے پاس لوٹانے والے ہیں اور ان کو رسولوں میں سے کرنے والے ہیں سو مگر بدون ربط قلب کے یہ سب پورے طور سے نافع نہ ہوا۔ (سورہ عنکبوت) قول اللہ تعالیٰ کا اور البتہ ذکر اللہ کا بہت بڑا ہے .... سے روکتے ہیں برائی اور فحش کے دور کرتے .... اور صفات ذمیمہ کے لٹاتے ہیں اور شیخ کے نزدیک یہ مجرب ہے خاص کر لا الٰہ الا اللہ کا ذکر۔ (سورہ روم) قول اللہ تعالیٰ کا یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو وجہ اور کے طالب ہیں یعنی ذات الٰہی کے طالب ہیں (جو کہ وہی مقصود بالذات ہے نہ دنیا نہ آخرت)

(سورہ لقمان) قول اللہ تعالیٰ اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کیں سو ظاہری نعمتیں تو اعضاء ہیں جیسے آنکھ اور کان اور زبان اور دانت اور ہاتھ اور پیر اور ان کی مانند اور باطنی نعمتیں نفس اور قلب اور عقل اور سر اور خفی ہیں سورہ الم السجدہ قول اللہ تعالیٰ کا پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ہم ولید کے ساتھ کہا جعفر نے اپنے پروردگار سے ڈر کر اور اپنے پروردگار سے امید رکھ کر (جیسا کہ ربہم کا پہلے ذکر کرتا اور معمول خوفا وطمعا کو ذکر نہ کرنا اس پر دال ہے)

(سورہ احزاب) قول اللہ تعالیٰ کا اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تھی یہ عام مسلمانوں کو ممانعت ہے جو انبیاء اور اولیاء اور مومنین متقین کو ایسے امور (کی تہمت) سے تکلیف پہنچاتے ہیں جن کی ان کو خبر بھی نہیں۔ (سورہ سبا قول اللہ تعالیٰ کا اور جو چیز تم خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ جس کا بدلہ دے گا یہ آیت عموم لفظی سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص اپنے بدن اور روح اور راحت میں

سے کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے لئے صرف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے اچھا اس کو بدلہ دے گا۔

(سورہ فاطر) قول اللہ تعالیٰ کا اور زندے اور مردے برابر نہیں یعنی اللہ والے اور شیطان والے برابر نہیں۔ (سورہ یٰس) قول اللہ تعالیٰ کا اور قسم ہے قرآن حکمت والے کی صراط مستقیم تک اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم کھائی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے ہوئے نبی ہیں جیسے اور تمام اور فائدہ قسم کا آپ کے قلب کا مطمئن کرنا ہے کیونکہ آپ کو جانتے تھے کہ آپ رسولوں میں سے ہیں ولیکن مزید اطمینا کی احتیاج آپ کو بھی ہو سکتی ہے (سورہ والصفت) قول اللہ تعالیٰ کا میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں یہ وہی ہے جس کو مشائخ کہتے ہیں یعنی ان کی طریقہ مشہور ہیں سیر اللہ کی طرف ہوتی ہے اور یہ کہ سیر مرغوب اور محبوب ہے (سورہ ص) اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو صاحب قوۃ اور صاحب بصیرت تھے یعنی صاحب قوت تھے۔ نفس اور نفسانی خواہشوں اور شیطان پر اور صاحب بصیرت یعنی بصیرت نفس اور عقل اور قلب اور سر اور خفی کی۔ (سورہ زمر) قول اللہ تعالیٰ کا تو کیا جس شخص کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہو۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیکن نور پس جب داخل ہوتا ہے اس شخص کے باطن میں تو اس کی وجہ سے سینہ اس کا کشادہ ہو جاتا ہے اور کھل جاتا ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ تو کیا اس کی کوئی علامت ہے فرمایا ہاں دھوکے کے گھر سے دور ہونا اور ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا اور موت کے لئے قبل اس کے آنے کے اچھی طرح آمادہ ہو جانا۔ قول اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے کھالوں کے بال (یہ ایک قسم ہے وجد کی) (سورہ مومن) قول اللہ تعالیٰ کا وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور جو دل پوشیدہ رکھتے ہیں یہ ایت دلیل ہے اس پر کہ تزکیہ ظاہر کے ساتھ تزکیہ باطن بھی واجب ہے

(سورہ حم السجدہ) قول اللہ تعالیٰ کا اور اگر اثر کرے تیرے اندر شیطان کی طرف سے کوئی اثر یعنی تیرے ظاہر اور باطن میں کوئی فساد ڈال دے جیسے کینہ اور حسد اور غصہ اور ریا اور عجب اور کذب اور گالی اور مارنا ناحق تو اللہ کی پناہ مانگ کیونکہ تو خود شیطان کے دفع کرنے پر قادر نہیں۔

سورہ شوریٰ قول اللہ تعالیٰ کا سو اگر اللہ ارادہ کرے تو تیرے دل پر مہر لگا دے اگر تو ہم پر سچ کے علاوہ کوئی اور بات کہے مروی ہے کہ ایک امام نے یہ آیت پڑھی اور شبلیؒ اس کے پیچھے تھے سو جب انہوں نے یہ آیت اپنی نماز میں امام سے سنی تو فرمانے لگے کہ (اللہ اکبر) اس طرح تو اچھے لوگوں سے خطاب ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ سلب حال سے خوف کرنا واجب ہے)

(سورہ زخرف) قول اللہ تعالیٰ کا اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بنا رہے اس کے لئے ہم ایک شیطان مقرر کر دیں گے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے احکام سے اعراض کرے (اور اس میں دلالت ہے کہ محجوبین پر شیاطین مسلط ہوتے ہیں)(سورہ دخان) قول اللہ تعالیٰ کا اور ہم نے ان کو پسند کر لیا علم سے تمام جہان کے لوگوں پر اور جو خطائیں ان سے سرزد ہوتی ہیں اس کا اثر ہمارے حکم ازلی اجتباء اور اختیار میں نہیں ہوتا (اور اس میں دلالت ہے اس پر کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نفس کے حوالہ نہیں کرتا (سورہ جاثیہ) قول اللہ تعالیٰ کا اور اسی کے لئے ہے بڑائی آسمانوں اور وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ قائلین حلول نے کہا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آدمی نہ تھے بس آپ خدا ہی تھے اور یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ اس قول میں کہ وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ سے ان کے بیعت کرنے کا اثبات ہے اور اس میں نبی علیہ السلام سے ان کے بیعت کرنے کی نفی نہیں ہے (سورہ نجم) قول اللہ تعالیٰ کا اور آپ کے رب کی طرف منتہی ہے یعنی اللہ عزوجل کی ذات میں فکر نہیں چلتا (کیونکہ سب چیزوں کہ ان میں فکر بھی ہے منتہا الی الرب فرماتا ہے پس فکر فی الرب منتفی ہوا (سورہ قمر) قول اللہ تعالیٰ کا ایسی ہی جزا دیتے ہیں ہم شکر کرنے والے کو یعنی ہم ہر دل شاکر کو جزا دیتے ہیں اس طرح کہ ان کو نجات دیتے ہیں اور ان کے اعداء ہلاک ہوتے ہیں۔

(سورہ واقعہ) قول اللہ تعالیٰ کا پس اگر ہوگا ان لوگوں سے جو مقرب کئے گئے ہیں یہ دلیل ہے اسکی کہ اللہ کا مقرب وہی ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مقرب بنالے (سورہ الحدید) قول اللہ تعالیٰ کا کیا وہ وقت مسلمانوں کے لئے نہیں آیا ہے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں آخر آیت تک یعنی کیا اللہ کی یاد کے لئے مسلمانوں کے دلوں کو جھکنے اور پست

ہو جانے اور کھل جانے اور وسیع ہو جانے کا وقت نہیں آیا یعنی اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ اور اس کے ساتھ مناجات کے لئے (سورہ مجادلہ) قول اللہ تعالیٰ کا مسلط ہو گیا ان پر شیطان تو اس نے ان کو غافل کر دیا اللہ کے ذکر سے۔ اور اس کی یہ ہے کہ بندہ اپنے آقا کا ذکر نہ کرے اور اگر کوئی ذکر کرے تو اس کو برا معلوم ہو اور ناگوار ہو صحبت علماء اور صلحاء کی اور پسند کرے احمقوں اور مسخروں اور اس قسم کے لوگوں کی صحبت کو اور خوش ہو ان کی صحبت سے اور محظوظ ہوتا ہو ان کی مجالست سے اور حرام اس کو زیادہ پسند ہو حلال سے اور معصیت زیادہ محبوب ہو طاعت سے اور اپنے گناہوں پر فخر کرے اور لوگوں کے سامنے گناہوں پر شیخی بگھارے اور لوگوں کو طاعت پر ملامت کرے تو یہ ایسا شخص ہے جس پر شیطان مسلط ہو گیا۔ قول اللہ تعالیٰ کا قوت دی ان کو ایک روح سے اپنی طرف سے یعنی قوت دی اس رشاش نور سے جو نفس پر بیز کا گیا۔ (سورہ الحشر) قول اللہ تعالیٰ کا اگر اتارتے ہم اس قرآن کو پہاڑ پر تو اس کو بھی تو دیکھتا کہ پست ریزہ ریزہ ہو گیا ہے خدا کے خوف سے یعنی اگر کوئی بھی صفت صفات خداوندی سے تجلی کرتی اور یہ صفت جیسے عظمت اور جلال ہے ابن عطا نے فرمایا کہ اشارہ اس امر کی طرف کیا ہے کہ اسکی صفات کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی اور اس کی تجلی کے سامنے بجز اس کے جس کو اللہ تعالیٰ ہی قوت دے دے کوئی باقی نہیں رہ سکتا اور وہ عارفوں کے قلب ہیں تو وہ اللہ کے ساتھ قائم ہیں نہ اس کے غیر کے ساتھ تو اللہ یعنی اس کی تجلی قائم ہے ان کے ساتھ۔

(سورہ ممتحنہ) قول اللہ تعالیٰ کا نہ بناؤ تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ افضل الایمان یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے عداوت کرے (قول اللہ تعالیٰ کا اے نبی جب آپ کی خدمت میں مسلمان عورتیں بیعت کی غرض سے حاضر ہوں آخر آیت تک اس میں بشارت ہے معیت کا) (سورہ دہر) قول اللہ تعالیٰ کا سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے۔ مراد سبیل الی اللہ سے صوفیہ کا طریق ہے یعنی جو شخص اللہ کے ذات و صفات کو چاہے اس کے رستہ پر چلے۔ (سورہ شمس) قول اللہ تعالیٰ کا اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی کہ جس نے درست کیا اس کو نفس کو اسطور سے درست کیا کہ وہ بار امانت اٹھانے کے لائق

ہو گیا اور اس کے لئے دو جہتیں بنائیں ایک جہت تقویٰ کی اور ایک جہت نافرمانی کی اور یہی مراد ہے قول اللہ تعالیٰ میں پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری کو اور ان دونوں جہتوں کے درمیان ایک جہت بالستہ کی بنائی سو اگر نفس نافرمانی اور گناہ کی طرف مائل ہو تو اس کا نام امارہ بالسوء ہے اور اگر پرہیزگاری کی طرف مائل ہوا تو اس کو مطمئنہ کہتے ہیں پھر جب وہ گناہ کر کے جلد پشیمان ہو تو اس کا نام لوامہ ہے کہ اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور خواہشوں کی مذمت کرتا ہے اور اپنے شیطان پر لعنت کرتا ہے اور اپنی شہوت پر غصہ کرتا ہے۔ اور اپنی لذتوں کو مبغوض رکھتا ہے اور جو گناہ اس نے کیا اس سے توبہ کر لیتا ہے پھر جب اس کی خالص توبہ کامل ہو جاتی ہے تو وہ اب عالم اطمینان میں داخل ہو جاتا ہے سو اس کو اپنی محافظت ضروری ہے تاکہ قبل حصول مذاق اطمینان پھر واپس نہ ہو جائے پھر جب اس کو یہ ذوق نصیب ہو جاتا ہے تو اطمینان پر قائم رہنا سہل ہو جاتا ہے مگر پھر بھی ضروری ہے کہ محافظت رکھے جب تک کہ خوگر نہ ہو جائے اور اطمینان اس کی عادت لازمہ نہ ہو جائے اور محافظت اس پر آسان نہ ہو جائے اور جب تک دار التکلیف میں ہے رجوع اور واپسی سے امن نہیں ہو سکتا اور نفس ایک ہی ہے اس کی صورتیں اور جہتیں مختلف ہیں جیسے میں ایک جسم ہے کبھی صحیح ہے کبھی مریض ہے کبھی مردہ ہے۔ (سورہ ناس) قول اللہ تعالیٰ کا جن اور آدمیوں سے دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ وسوسہ شیاطین انس اور شیاطین جن دونوں کی طرف سے ہوتے ہیں اور شکر خدا کا کہ اس وقت جس کا میں نے قصد کیا تھا تمام ہوا اور شاید بعد میں کسی وقت اس سے زائد بعضے دوسرے مسائل کی جو آیات قرآن سے ثابت ہیں شرح کرنے کی مجھ کو توفیق دی جائے۔ اور میں جمادی الاولے ۱۳۲۷ھ کے نصف اول کے چار روز میں اس تلخیص سے فارغ ہوا۔ اور اللہ ہی کے لئے تعریف ہے اول میں بھی اور آخر میں بھی اور باطن میں بھی ظاہر میں بھی اور رحمت نازل ہو اس کے رسول پر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان پر بسیار در بسیار۔

حقیقۃ الطریقہ
من
السنۃ الانیقۃ

الحمدللہ الذی نورالارض والسماء وھو یھدی لنورہ من یشاء والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سیدنا محمد سید الانبیاء من صدرہ مشکوۃ فیھا مصباح لاھتداء وھو للذین امنوا ھدی وشفاء وعلی الہ الاتقیاء وصحبہ الاصفیاء وورثتہ من العلماء والاولیاء الذین لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ التی تنھی عن الفحشاء وینفقون فی السراء والضراء یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار لیجزیھم اللہ احسن الجزاء ویزیدھم اللہ من فضلہ واللہ یرزق من یشاء بغیر احصاء من احبھم واتبعھم کان مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصلحاء ومن ابغضھم وعاداھم کان من اھل الشقاء من الذین اعمالھم للسمعۃ والریاء کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان کالماء اوابعدھا عن الصفاء والجلاء + والنور والضیاء کظلمات فی بحر لجی یغشہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب وھباء ظلماء فوق ظلماء۔

بعد حمد وصلوٰۃ مدعائے ضروری یہ ہے کہ ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقائد واصلاح اعمال

ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمال باطنی کی اصلاح کرے قرآن مجید میں بے شمار آیات اور حدیث میں بے انتہا روایات اس کی فرضیت پر صراحۃً دال ہیں گو اکثر اہل ظاہر بسبب پابندی ہوا و ہوس اس دلالت سے غافل ہیں کون نہیں جانتا کہ قرآن و حدیث میں زہد و قناعت و تواضع و اخلاص و صبر و شکر و حب الٰہی و رضا بالقضاء و توکل و تسلیم وغیرہ ذالک کی فضیلت اور ان کی تحصیل کی تاکید اور ان کے اضداد حب دنیا و حرص و تکبر و ریا و شہوت و غضب و حسد و نحوہا کی مذمت اور ان پر وعید وارد و مذکور ہے پھر ان کے مامور بہ اور ان کے منہی عنہ ہونے میں کیا شبہ رہا اور یہی معنی ہیں اصلاح اعمال باطنی کے اور یہی مقصود اصلی ہے طریقت میں جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ ثابت ہے اور اسی کے ساتھ تجربہ اس کا بھی شاہد ہے کہ اس اصلاح کا مدار اعظم عادۃ اللہ میں صحبت و خدمت و اطاعت ان حضرات کی ہے جو اپنی اصلاح کر چکے ہیں اور جہاں صحبت ظاہری میسر نہ آئے تو صحبت معنوی یعنی ان حضرات کے حالات و حکایات کا مطالعہ قائم مقام صحبت ظاہری کے ہو کر کسی درجہ میں کفایت کر سکتا ہے اور یہی راز ہے کہ نصوص میں بکثرت صحبت نیک کی ترغیب اور صحبت بد سے ترہیب آئی ہے اسی طرح آیات و احادیث میں مقبولان الٰہی کے قصص جابجا آئے ہیں اور یہ بھی بشہادت تجربہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ تاثیر صلحاء کی صحبت ظاہری یا معنوی کی موقوف ہے اس پر کہ ان کے ساتھ عقیدت و محبت ہو ورنہ عمر بھر بھی کچھ نفع نہیں ہوتا اور جس طرح کہ اہل اصلاح کی صحبت نافع و مفید ہے اسی طرح اہل فساد کا قرب اور تعلق خاطر مضر اور مہلک ہے اور اس زمانہ میں بوجہ قلت علم و نیز غلبۂ ہوائے نفسانی اصلاح باطنی طرف اول تو اکثر کو التفات ہی نہیں پھر اگر کسی کو خیال بھی ہوتا ہے اور اس ضرورت سے کسی کی صحبت کا جویا ہوتا ہے تو چونکہ اکثر طبائع میں اعتدال علمی و عملی بہت کم ہے یا تو تشدد و تعصب زیادہ ہے اور یا مداہنت و ضعف دینی بڑھا ہوا ہے اس لئے دو امر قوی مانع طریق و سد راہ ہو جاتے ہیں متشددین تو کاملین و اہل حق کے بعض اقوال یا افعال یا احوال کی کنہ اور لم نہ سمجھنے سے ان کو مخالف سنت قرار دے کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ان کی برکات سے محروم رہتے ہیں بلکہ بعض

اوقات گستاخی و بے ادبی کرکے اپنی عاقبت کو پرخطر کر لیتے ہیں اور مداہنین اور ضعیف الاعتقاد لوگ ناقصین و اہل باطل کے تمام اقوال و افعال و احوال کو بلا تحقیق شریعت دل و جان سے قبول کر کے ان کی صحبت و خدمت اختیار کر کے اور ان کے محب و معتقد بن کر دنیا و دین ضائع کر بیٹھتے ہیں اس لئے سخت ضرورت واقع ہوئی کہ قرآن و حدیث سے طریقت کی حقیقت دکھلا دی جائے تاکہ اس کے بعد اہل کمال پر انکار نہ ہو اور ناقصین پر اعتقاد نہ ہو متشددین کا افراط کہ بعضے ان میں باوجود تحصیل علم کے کاملین کو ناقص اور ان کی حالت کو خلاف شریعت اور یہ کہ دین میں اس کی کچھ اصل نہیں گمان کرتے ہیں ...... رفع ہو جائے اور مستعقدوں کی تفریط کہ ناقصین اور مبطلین کو کامل اور ان کی حالت کو باوجود خلاف شریعت ہونے کے عین حقیقت اور یہ کہ عین قرب و وصل ہے سمجھتے ہیں . . . . رفع ہو جائے اور امر حق کا اعتدال بین الافراط و التفریط ہے متعین و متحقق ہو جائے۔

یہ رسالہ جس کا نام بمقتضائے مضمون مزبور کے "حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ" رکھا گیا ہے بعد فراغ رسالہ "الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد" کے لکھا گیا ہے اور دونوں رسالوں میں جیسا صورت زمانی کے ساتھ مشارکت معانی بھی ہے کہ دونوں میں اتباع کاملین کا مضمون ہے ایک میں اصلاح ظاہری کے اعتبار سے دوسرے میں اصلاح باطنی کے اعتبار سے۔ اور اس رسالہ کے اول میں ایک مقدمہ ہے اور آخر میں ایک خاتمہ اور درمیان کے مضامین جن کے ابواب کی مجمل فہرست مقدمہ میں آئی ہے مقاصد ہیں۔

مقدمہ

اوپر تمہید میں گزر چکا ہے کہ مقصود اصلی اس طریق باطن میں اصلاح اعمال باطنی ہے اوران اعمال کو اصطلاح میں اخلاق ومقامات کہتے ہیں لیکن جس طرح ہر مقصود کے ساتھ اس کے کچھ متعلقات بھی ہوا کرتے ہیں اسی طرح اس اصلاح مذکور کے ساتھ بھی بہت سے امور اس کے متعلق ہیں' پھران متعلقات میں سے بعض امور وہ ہیں جو بمنزلہ ثمرات غیر اختیاریہ اصلاح مذکور کے ہیں' ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں' اور بعض امور ان ثمرات کے معین وبمنزلہ اسباب حصول ہیں' ان کو اشغال کہتے ہیں' اور بعض امور کسی اشتباہ کا دفع یا کسی مرض باطنی کا علاج یا کسی عمل کا طرز وطریق ہے' اس کو تعلیمات سے تعبیر کرنا مناسب ہے' اور بعض امور اختیاری یا غیر اختیاری ان ثمرات کے آثار ظاہری ہیں' ان کو علامات سے تعبیر کرنا زیبا ہے' اور بعض امور از قبیل نصوص ان اخلاق وصفات محمودہ پر بشارت دینے والے ہیں ان کو فضائل کہنا لائق ہے' اور بعض امور از قسم افعال اختیاریہ بمنزلہ امور طبعیہ اس قوم کے ہیں' ان کو عادات وآداب کہنا مناسب ہے' اور بعض افعال از قسم افعال مباحہ مبنی بر بعض مصالح غیر ضروریہ ہیں ان کو رسوم کہا جائے تو بہتر ہے' اور بعض امور محض تحقیقات علمیہ ہیں ان کو مسائل کہنا چاہئے' اور بعض امور از قسم عبارات ہیں ان کو اقوال کہنا چاہئے' اور بعض امور ظاہر نظر میں حدود جواز سے متجاوز معلوم ہوتے ہیں اگر واقع میں وہ داخل حدود ہیں تو ان کی نسبت جو تاویل اور تطبیق کی جائے اس کو توجیہات کہنا خوب ہے' اور اگر واقع میں بھی خارج حدود ہیں تو اس میں تنبیہ کی حاجت ہے' جس کو اصلاح کہنا چاہئے اور بہت کم ایسے امور رہ گئے ہوں گے کہ ان کلیات میں سے کسی کی فرد نہ ہوں ان کو متفرقات کہا جائے گا۔

پس کل مقاصد ومتعلقات کی مجمل فہرست یہ ہوئی:

۱- اخلاق ۲- احوال ۳- اشغال ۴- تعلیمات

۵- عبادات ۶- فضائل ۷- عادات ۸- رسوم

۹- مسائل ۱۰- اقوال ۱۱- توجیہات ۱۲- اصلاح

۱۳- متفرقات

ان مضامین میں سے جن کے مدلول کا نصوص اور قرآن و حدیث میں مذکور ہونا ظاہر و مشہور ہے ان میں چونکہ التباس نہیں ہوتا جو منشا ہے افراط و تفریط کا اس لئے ان سے تعرض کرنے کی احتیاج نہ ہوئی نیز کتب فن میں مع دلائل وہ مدون بھی ہیں اور جن کا مدلول و مذکور ہونا غیر ظاہر و غیر مشہور ہے وہ محل التباس و منشا اشتباہ ہو سکتے تھے اور ہوتے ہیں اس لئے اس رسالہ میں صرف ایسے امور کے اثبات کے لئے نصوص و احادیث جمع کئے گئے ہیں جن کے ترجمہ کے بعد "ف" لکھ کر اثبات کی تقریر کر دی ہے اگرچہ ایسے کل امور کا اس میں استیعاب و احاطہ نہیں کیا گیا اور نہ آسانی سے ہو سکتا تھا لیکن تاہم ایک ایسا معتد بہ ذخیرہ ہے جس میں اکثر مہمات کی تحقیق ہو گئی ہے اور بقیہ امور کا قیاس کر لینا ان پر چنداں دشوار نہیں رہا اور ہر چند کہ مقتضا ترتیب کا یہ تھا کہ ان سب ابواب کے اصول و قواعد جدا جدا مکمل الحاق لکھے جاتے مگر اولاً دقت تسہیل ثانیاً ناظرین کی سہولت کے لئے سب کو مخلوط لکھتا چلا گیا لیکن اس قدر رعایت پھر بھی رکھی گئی کہ ہر حدیث یا آیت کے بعد کہ وہی مقاصد ہیں اس رسالہ کے جس جزئی کا اثبات مقصود ہوا استدلال سے قبل اس کے عنوان کلی کو تصریحاً لکھ دیا پھر استدلال کی تقریر کر دی اور حاشیہ پر بھی مقابلہ میں "ف" لکھ کر اس کے اوپر وہ عنوان کلی اور نیچے وہ جزئی لکھ دی گئی تاکہ اول نظر ہی میں معلوم ہو جائے کہ اس مقام پر فلاں کلی کی فلاں جزئی کا اثبات کیا گیا ہے اب اگر کسی وقت ان مضامین کو مرتب کرنا مصلحت معلوم ہو تو عنوانات مذکورہ کو متن یا حاشیہ کے مواضع متفرقہ سے بآسانی مجتمع کر کے مرتب کر لینا ممکن ہے۔ واللہ أسأل التوفیق فی کل عمل، والعصمۃ من الخطل والزلل۔

۱- مسئلہ تمثل

عند النسائی فی حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ حین جاء جبرئیل علیہ السلام یسأل عن امور الدین قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (وانہ لجبرئیل علیہ السلام نزل فی صورۃ دحیۃ الکلبی[1])

ترجمہ:۔ نسائی کی روایت میں اس حدیث میں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کچھ مسائل دین پوچھنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے تھے یہ بھی مذکور ہے کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں نازل ہوئے تھے۔

ف: کوئی ذات باوجود بقاء اپنی حالت وصفت کے کسی دوسری صورت میں ظہور کرے اس کو تمثل کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو صورت مثالی کہتے ہیں خواب و مکاشفات میں تو اکثر اشیاء متمثل ہوتی ہیں اور خرق عادت کے طور پر کبھی بیداری میں بھی تمثل ہوتا ہے اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام صورت بشریہ میں متمثل ہوئے یہ نہ تھا کہ فرشتہ سے آدمی بن گئے ورنہ استحالہ وانقلاب ہوتا قرآن مجید بھی اس کا مثبت ہے قال اللہ تعالی: ﴿فتمثل لها بشرا سویا﴾ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے روبرو ایک صحیح سالم بشر کی شکل میں متمثل ہو گئے اور اس سے جواز تناسخ کا دھوکہ نہ ہو جائے کیوں کہ تمثل میں ذات کو اپنی کسی حالت سے انتقال نہیں ہوتا اور تناسخ میں روح کا منتقل ہونا اختیار کیا گیا۔

۲- مسئلہ مقصودیت

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (المهاجر من هجر مانهی اللہ عنہ). (اخرجہ الخمسۃ[2])

---

[1] نسائی: الایمان، صفۃ الایمان والاسلام، رقم: ۴۹۹۳ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ وابی ذر رضی اللہ تعالی عنہ. لان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ.

[2] بخاری: الایمان، المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، رقم: ۱۰، ایضاً: رقاق الانتہاء عن المعاصی، رقم: ۶۴۸۴، ابوداؤد: الجہاد فی الہجرۃ، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "مہاجر (حقیقی) وہ شخص ہے جو ترک کردے ان امور کو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔"

ف ۔ مقصودیت معنی حضرات صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ظاہر بدون باطن کے قابل اعتبار نہیں اور مقصود اعمال سے ان کے حقائق و معانی ہیں اس حدیث میں اس پر صاف دلالت ہے کہ اگر کوئی شخص ظاہرا ہجرت کرے مگر جو اصلی غرض ہے ہجرت سے کہ نامرضیات حق سے کنارہ کرنا' اس کا اہتمام نہ کرے تو وہ حقیقتاً مہاجر نہیں' لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جاوے کہ ظاہر محض غیر مقصود ہے اصل یہ ہے کہ ہر باطن کے لئے جو ظاہر شارع نے تجویز کیا ہے بدون اس ظاہر کے وہ باطن حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

۳۔ تعلیم' عدم التفات الی الخطرات
(خطرات کی طرف توجہ نہ کرنا)

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ : قالوا یا رسول اللہ! ان احدنا لیجد فی نفسہ مالأن یحترق حتی یصیر حممۃ او یخر من السماء الی الارض احب الیہ من ان یتکلم بہ' قال: (ذاک محض الایمان). (رواہ مسلم[۱])

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کعل القطعت' رقم: ۲۴۸۱' نسائی: الایمان' صفۃ المسلم' رقم: ۴۹۹۹' کلھم عن عبداللہ بن عمرو بن العاص' قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ: الفتن' حرمۃ دم المؤمن' رقم: ۳۹۳۴ من حدیث فضالۃ بن عبید بلفظ المؤمن من امنہ الناس علی اموالھم وانفسھم' والمھاجر من ھجر الخطایا والذنوب' واخرجہ مسلم: اختصارا علی الجزء الأول فقط' یعنی: "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" (الایمان' بیان تفاضل الاسلام وای اُمورہ افضل' رقم' ۳۰' ۳۱' ۳۲) من حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص' وجابر' وابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنھم' وکذا الترمذی اخرجہ مختصرا (القیامۃ باب ـــــ رقم: ۲۵۰۳' والایمان' المسلم من سلم المسلمون الخ رقم: ۲۶۲۷' ۲۶۲۸) من حدیث ابی موسیٰ وابی ھریرۃ' وقال: حدیث ابی ھریرۃ حسن صحیح وفی الباب عن جابر' وابی موسیٰ' وعبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[۱] قلنا: اخرجہ ابوداؤد نحوہ' الأدب' رد الوسوسۃ رقم: ۵۱۱۲' عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ' وقال المنذری: اخرجہ النسائی واخرجہ احمد (۱/۳۴۰)' واخرجہ مسلم: (الایمان' بیان الوسوسۃ فی الایمان' وما یقولہ من وجدھا' رقم: ۱۳۳) عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سئل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الوسوسۃ' قال: "تلک محض الایمان" فالزیادۃ لاتوجد عند مسلم' وانما ھی لأبی داؤد' واحمد وانما دمج المؤلف حدیثین فی حدیث واحد۔

ترجمہ:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے بعض اپنے دل میں ایسے وساوس پاتا ہے، کہ اگر جل کر کوئلہ ہو جائے یا آسمان سے زمین پر گر جاوے یہ زیادہ گوارا ہے اس سے کہ وسوسہ کو زبان پر لاوے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ خالص ایمان کی علامت ہے۔"

ف: خطرات و وساوس کے دفع میں تن دہی و مبالغہ کرنا یا اس کے حزن میں مبتلا ہو جانا سالک کو بہت پریشان کرتا ہے، محققین اسی حالت کے موافق اس کا یہی علاج کرتے ہیں کہ اس کا غیر مضر ہونا سمجھا کر اس کو بے فکر کر دیتے ہیں اور اس سے معاً دفع بھی ہو جاتا ہے۔

۴۔ مسئلہ بیعت طریقت واصلاح اعمال

عن عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسعۃ او ثمانیۃ او سبعۃ فقال: "الاتبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟" فبسطنا ایدینا وقلنا: علی ما نبایعک یا رسول اللہ؟ قال: "علی أن تعبدوا اللہ، ولا تشرکوا بالھنا شیئاً وتصلوا الصلوت الخمس، وتسمعوا وتطیعوا" واسر کلمۃ خفیۃ قال، "ولا تسئلوا الناس شیئاً" فلقد رایت بعض اولئک النفر یسقط سوط احدھم فما یسأل احداً یناولہ ایاہ. (اخرجہ مسلم وابوداؤد والنسائی[1])

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے"؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو" اور ایک بات آہستہ فرمائی، وہ یہ کہ: "لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو" راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض

[1] مسلم: الزکاۃ' کراھۃ المسألۃ للناس' رقم: ۱۰۴۳، ابوداؤد: الزکاۃ' کراھیۃ المسألۃ رقم: ۱۶۴۲، نسائی: الصلاۃ' البیعۃ علی الصلوات الخمس، رقم: ۴۶۱، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ: الجہاد' باب البیعۃ، رقم: ۲۸۶۷

کی یہ حالت دیکھی ہے کہ ان کا چابک گر پڑتا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر ان کو دیدے۔

ف۔ حضرات صوفیہ کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصل معاہدہ ہے التزام احکام و اہتمام اعمال ظاہری و باطنی کا جس کو ان کے عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں بعض اہل ظاہر اس کو اس بنا پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول نہیں صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ حضراتؓ جن کے صحابہؓ ہیں اس لئے بیعت اسلام یقیناً نہیں کیونکہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمون بیعت سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہ تھی بلکہ بدلالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام واہتمام اعمال کے لئے ہے پس مقصود ثابت ہو گیا۔

ف: عادت تعلیم خفی للمصلحۃ

(مصلحت مرید کو خلوت میں خفیہ تعلیم دینا)

اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ مریدین کو خلوت میں خفیہ تعلیم فرماتے ہیں کبھی تو یہ سبب ہوتا ہے کہ وہ امر عام فہم نہیں ہوتا اس کے اظہار میں افتتان و اضلال عوام کا ہے اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ خفیہ تعلیم دلیل خصوصیت و اہتمام ہے اس میں طالب کے دل میں زیادہ وقعت اور منزلت ہوتی ہے اور یہ بھی نفع ہے کہ دوسرے طالبین اس کو سن کر حرص و تقلید نہ کریں جس کی حالت کے مناسب دوسری تعلیم ہے سو اس حدیث میں اس عادت کی اصل پائی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک امر مخفی طور سے فرمایا جس میں علاوہ بعض مصالح مذکورہ کے عجب نہیں کہ نفی الاطلاق ان کے واجب نہ ہونے کی طرف اشارہ ہو کیونکہ امور واجبہ کا مقتضا اعلان ہے بہر حال مطلق مصلحت سے اخفا ثابت ہو گیا۔

ف: مسئلہ مبالغہ در امتثال امر شیخ

(شیخ کے حکم کو بجالانے میں مبالغہ کرنا)

اکثر مریدین کا مقتضائے طبیعت ہوتا ہے کہ مرشد کے احکام ماننے میں اس قدر مبالغہ

کرتے ہیں کہ رعایتِ معنی کے ساتھ مدلولِ ظاہر الفاظ تک کا لحاظ رکھتے ہیں' اس حدیث سے اس کا اثبات فرماتا ہے' کیوں کہ یہ امر یقینی ہے کہ مراد منع کرنا تھا دوسرے کی چیز مانگنے سے نہ کہ اپنی چیز بطور استعانت مانگنے سے' مگر لفظ چوں کہ فی نفسہٖ اس کو محتمل تھا گو کہ احتمال قرائن کی وجہ سے یقیناً منتفی ہے' اس احتمال لفظی کی رعایت سے اپنی چیز مانگنے سے بھی احتیاط رکھی' جیسا دوسری حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اثناءِ خطبہ میں فرمایا کہ بیٹھ جاؤ' ایک صحابیؓ دروازہ سے آ رہے تھے سن کر وہیں بیٹھ گئے' حالانکہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تھا کہ اندر آ کر موقع پر بیٹھ جاؤ' کھڑے مت رہو' نہ یہ کہ آؤ بھی مت' یہ شعبہ ہے غایت احترام وتأدب شیخ کا جو کہ استفادہ باطنی کے لیے شرط اعظم ہے۔

۵- اصلاح' مصافحہ نہ کردن باز ناں در بیعت

(وقت بیعت عورتوں سے مصافحہ نہ کرنا)

عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها قالت: مامس رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم ید امرأة قط الا أن یاخذ علیها فاذا اخذ علیها فاعطته قال: "اذهبی فقد بایعتک". (رواه الشیخان وابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا' البتہ صرف زبانی بیعت لے لیتے تھے' جب زبانی عہد لینے پر وہ عہد دے دیتی فرماتے کہ: "جاؤ میں نے تم کو بیعت کر لیا"۔

ف: بعض ناواقف یا بے احتیاط درویش عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں' یہ عمل بالکل ناجائز ہے' بلا ضرورت اجنبی عورت کے بدن پر ہاتھ لگانا گناہ ہے' اس حدیث میں اس عمل کا ابطال اور رد ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون مربی اور عفیف ہوگا' جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں احتیاط فرمائی' تو دوسرے کسی پیر کو

---

[1] (۱) بخاری: الشروط' مایجوز من الشروط فی الاسلام والاحکام والمبایعة' رقم: ۲۷۱۳' مسلم: الامارة' المبایعة بعد فتح مکة علی الاسلام والجهاد والخیر' رقم: ۱۸۶۶' ابوداؤد: الخراج' والفیء' والامارة' رقم: ۲۹۴۱' قلنا: واخرجه الترمذی: التفسیر' سورة الممتحنة' رقم: ۳۳۰۶ وقال: حسن صحیح' قلنا: واخرجه ابن ماجة: الجهاد' بیعة النساء' رقم: ۲۸۷۵.

باپ یا فرشتہ سمجھ کر ایسی بے تکلفی و بے پردگی کو کیوں کر گوارا کیا جا سکتا ہے؟ حقیقت بیعت کی محض معاہدہ ہے، سو زبانی کافی ہے، مشائخ متاخرین نے تقویت اتصال کے لئے، نیز تسکین قلب عوام کے لئے کپڑے کا ایک گوشہ خود لینا اور دوسرا گوشہ مرید کو دینا معمول کر لیا ہے، اس کا مضائقہ نہیں بلکہ اگر مرد کے لئے بھی بضرورت یا بلا ضرورت زبانی بیعت پر اکتفا کیا جاوے مضائقہ نہیں، لیکن چوں کہ ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت لینا مسنون بیعت ہے اور مرد میں اس سے کوئی امر مانع نہیں، لہٰذا معنی اور صورت کا جمع کرنا اولیٰ ہے۔

۲- عادتِ اداے مقصود بہ رموز و عبارات غیر ظاہرہ برائے مصلحتے

(کسی مصلحت کی بنا پر اشارات و کنایات اور غیر واضح عبارات کے ذریعہ مقصود کو ادا کرنا)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أنه دخل السوق فقال: أراكم ههنا وميراث محمد صلى الله عليه وآله وسلم يقسم في المسجد، فذهبوا وانصرفوا وقالوا: ما رأينا شيئا يقسم رأينا قوما[1] يقرؤون القرآن قال: فذلكم ميراث نبيكم صلى الله عليه وآله وسلم. (رواه رزين)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بازار میں تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا کہ میں تم کو یہاں دیکھتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے، یہ سن کر لوگ ادھر کو چلے اور پھر لوٹ آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو کچھ بھی تقسیم ہوتے نہیں دیکھا، صرف ایک قوم کو دیکھا کہ قرآن کے پڑھنے میں لگ رہے ہیں، آپ نے فرمایا یہی تو میراث ہے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

ف: اکثر بزرگوں کی تقریر و تحریر میں بعض مضامین خلافِ ظاہر پائے جاتے ہیں، جن کی توجیہ و مراد سننے کے بعد بالکل صحیح و مطابقِ واقع کے ثابت ہوتے ہیں، کبھی اس کا سبب غلبہ حال ہوتا ہے، کبھی قصداً اخفا عوام سے، کبھی تشویق و ترغیب طالب کی کہ ابہام سے شوق تعیین ہوتا ہے اور بعد شوق جو تعیین ہوتی ہے وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے، اس حدیث میں اس عادت کا اثبات ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلحت تشویق کے لئے اولیٰ

[1] أخرجه الطبراني في الأوسط (۱۴۲۱)، كما في مجمع البحرين في العلم، فضل العالم والمتعلم (۱/۱۱۲)، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (۱/۱۲۴): إسناده حسن.

ابہام فرمایا جس سے ایہام معنی غیر مقصود کا ہوا حتی کہ واپسی کے بعد لوگوں نے تکذیب بھی کی مگر بعد تفسیر معلوم ہوا کہ کلام صادق ہے پس عبارات موہمہ دیکھ کر کسی صاحب کمال یا صاحب حال پر جرح و قدح نہ کرے کہ مثمر حرمان ہے۔

۷- عادتِ ادائے مقصود برموز

عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: کان رجل من الانصار، بیتہ اقصی بیت فی المدینۃ فکان لاتخطئہ الصلوٰۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قال: فتوجعنا لہ، فقلت لہ: یافلان! لو انک اشتریت حماراً یقیک من الرمضاء ویقیک من ھوام الارض قال: ام واللہ! ما احب ان بیتی مطنب ببیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ قال: فحملت بہ حملاً حتی أتیت بہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فاخبرتہ قال: فدعاہ، فقال لہ مثل ذلک وذکر انہ یرجو فی اثرہ الأجر فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "ان لک ما احتسبت"۔ (رواہ مسلم[۱]) (ج ۱ ص ۲۳۵)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے تھے جن کا گھر مدینہ میں بہت دور تھا پھر بھی کوئی نماز ان کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فوت نہ ہوتی تھی، ہم لوگوں کو ان کے حال پر ترس آیا، میں نے ان سے کہا میاں فلانے کیا خوب ہو اگر تم ایک دراز گوش خرید لو کہ تم کو گرم کنکر پتھر سے بچاوے اور حشرات الارض سے بھی حفاظت رہے، وہ شخص کہنے لگے یاد رکھو میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میرا گھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ سے متصل ہو، حضرت ابی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے کہنے پر مجھ کو بارِ عظیم ہوا حتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور سب قصہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا، انہوں نے ویسا ہی جواب دیا اور یہ عرض کیا کہ میں اپنے قدم سے چلنے میں امید ثواب کی رکھتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تم کو وہی ملے گا جس کا تم خیال رکھتے ہو۔

---

[۱] مسلم: المساجد، فضل کثرۃ الخطا الی المساجد، رقم: ۶۶۳۔ قلنا: واخرجہ ابوداؤد: الصلاۃ، فضل المشی الی الصلاۃ، رقم: ۵۵۷۔ قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ المساجد، الأبعد فالأبعد من المسجد أعظم أجرا، رقم: ۷۸۳۔

ف: مثل سابق اس میں بھی وہی تقریر ہے جو ابھی اس سے اوپر کی حدیث کے ذیل میں گزری: دیکھئے ان انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے عنوان سے یہ مضمون ادا کیا جس کے الفاظ نہایت ناگوار تھے اور اسی وجہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گراں گزرا عجب نہیں کہ اپنے اخلاص کے اخفاء کے لئے اس طرز کو اختیار کیا ہو یا اسی طرح کی اور کوئی مصلحت ہو آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت فرمانے پر مقصود اصلی واضح ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخفاء کی کوئی وجہ نہ تھی۔

ما حال دل را با یار گفتیم	نتواں نہفتن درد از طبیباں

تنبیہ: لیکن بلا کسی مصلحت معتد بہ کے ایسا عنوان موہم استعمال کرنا بنص "لاتقولوا راعنا" ونحو ذلک ممنوع ہے۔

۸-عادت خود را یا نفس را کافر وغیرہ گفتن بعضے اسباب

(کسی وجہ سے اپنے کو یا اپنے نفس کو کافر وغیرہ کہنا)

عن حنظلة بن الربیع الاسیدی رضی الله تعالی عنه کاتب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ـ قال: لقینی ابوبکر فقال: کیف أنت ؟ قلت نافق حنظلة، قال: سبحان الله! ماتقول؟ قال: قلت: نکون عند النبی صلی الله علیه وآله وسلم یذکرنا بالنار والجنة کانا رأی عین، فاذا خرجنا من عنده، عافسنا الازواج والاولاد والضیعات، ونسینا کثیراً قال: والله انی لأجد مثل هذا، فانطلقنا الی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ، وذکرنا له ذلک فقال: "والذی نفسی بیده لوتدومون علی ماتکونون عندی او فی الذکر لصافحتکم الملائکة علی فرشکم وفی طرقکم ولکن، یا حنظلة! ساعة وساعة" ثلث مرات. (اخرجه مسلم والترمذی[۱])

ترجمہ: حضرت حنظلہ بن ربیع اسیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور پوچھا کہ اے حنظلہ کیسے ہو؟ میں نے کہا حنظلہ یعنی میں تو منافق ہوگیا انہوں نے (تعجب سے

---

[۱] مسلم: التوبة، فضل دوام الذکر والفکر فی الآخرة رقم: ۲۷۵۰، ترمذی: صفة القیامة، باب حدیث حنظلة، رقم: ۲۵۱۴، عن حنظلة بن الربیع رضی الله تعالی عنه، وقال: حسن صحیح

فرمایا: سبحان اللہ کیا کہتے ہو، میں نے کہا کہ (اس لئے منافق کہتا ہوں کہ) ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جو ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو دوزخ، بہشت یاد دلاتے ہیں تو اس وقت ایسے ہوتے ہیں، گویا کھلی آنکھوں ان کو دیکھ رہے ہیں، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے آتے ہیں تو بیوی بچوں اور معاملات جائیداد میں آلودہ ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بہت سی باتوں کا خیال بھی نہیں رہتا، وہ فرمانے لگے واللہ ایسی حالت تو میں بھی پاتا ہوں، پھر دونوں صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جس حالت پر میرے پاس ہوتے ہو اگر تم لوگوں کو اس پر (یا یہ فرمایا کہ ذکر میں) دوام ہو جاوے تو تم سے بستروں پر اور سڑکوں پر ملائکہ مصافحہ کرنے لگیں، لیکن اے حنظلہ ایک ساعت کیسی ایک ساعت کیسی" یہ مضمون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار روایت فرمایا۔

ف: بعض بزرگوں کے کلام میں اپنے کو کافر کہہ دینا، نفس کو کہ اس کی حقیقت بھی عین اس شخص کی ذات ہے، (بعض صفات ذمیمہ کے اعتبار سے) کافر کہہ دینا خواہ بعض اعمال سیئہ و احوال ردیہ کے اعتبار سے یا کسی خاص اصطلاح کے اعتبار سے ہو، پایا جاتا ہے، جس پر ظاہر نظر میں شبہ ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے کو کافر کہے وہ مسلمان کب رہ سکتا ہے، اس حدیث میں اس عادت کی اصل پائی جاتی ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدم دوام غلبہ حال کے اعتبار سے اپنے کو منافق کہہ دیا جو یقیناً معنی حقیقی شرعی میں مستعمل نہیں کیونکہ اس کے لوازم سے کفر یعنی تکذیب اللہ و رسول کے ہیں، بلکہ محض اختلاف حالت غیبت و حضور میں تشبیہ کا لحاظ کر کے اصطلاح خاص پر بناء کر کے مجازاً کہہ دیا، اسی کی نظیر دوسری اصطلاح بھی ہے جس کا اعتبار کر لیا جاوے، مثلاً فانی پر بہ تعبیر معنی ستر کے مدلول لغوی کفر کا اور مناسب حال ہی کے ہے کافر اطلاق کر دیا جاتا ہے، کذا سمعت مرشدی، پس ان اصطلاحات پر کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں ہو سکتی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد میں کہ جو جواب آیا ہے اس مجوز کا رد نہیں ہے بلکہ اس کی بناء کے مذموم ہونے کی نفی ہے۔

ف: حال مشاہدہ

کسی امر کے استحضار اور خیال کا قلب پر غلبہ اور قوی ہو جانا مشاہدہ کہلاتا ہے' اس حدیث میں اس کا اثبات ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنت و دوزخ کی یاد کی نسبت یہ فرمایا کہ گویا کھلی آنکھوں دیکھنے لگتے ہیں آہ' مراد اس سے یہی غلبہ' استحضار ہے' اور مشاہدہ کے لغوی معنی مراد نہیں ہوتے بعضے ناواقفی سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔

ف: استغراق' برکت صحبت شیخ

جس طرح مجاہدات و ریاضات سے کسی کیفیت کا ورود ہوتا ہے' اسی طرح شیخ کی صحبت اور خطاب سے بھی ہو جاتا ہے' گو اس کو مثل اثر ریاضت کے رسوخ اور بقا نہیں ہوتا' چنانچہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ خدمت مبارک سے علیحدہ ہو کر تعلقات میں مبتلا ہو جاتے ہیں' اور بہت کی باتیں یاد نہیں رہتیں' اس سے ناشی ہے' اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس نسیان کا سبب اشتغال تعلقات تھا' کیونکہ خود یہ تعلق اور اشتغال بھی تو بقی کیفیت و ضعف وارد پر ہے' جس کا سبب وہی بعد خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ف: حال' کشف ملکوت (فرشتوں کا ظاہر ہونا)

اشغال و مراقبات سے جب نفس میں یکسوئی و استغراق غالب ہوتا ہے تو حسب مناسبت فطریہ احیاناً ملکوت وغیرہ کا انکشاف ہو جاتا ہے' اس حدیث سے اس کا امکان بلکہ وقوع معلوم ہوتا ہے' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ملائکہ تم سے مصافحہ کرتے' اس میں انکشاف سے بھی زیادہ ملاقات و مماسہ کا اثبات ہے۔

ف: مسئلہ' متضمن تعلیم تکوین و عدم دوام غلبہ حال (تغیر و تبدل اور غلبہ حال کا دائمی نہ ہونا)

اکثر سالکین اس سے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت ضعیف ہو گئی یا فلاں کیفیت زائل ہو گئی' شاید ہم کو تنزل ہو گیا ہو اور اس سے مایوس اور شکستہ دل ہو جاتے ہیں'

شیوخ کاملین نے ان کی غلطی رفع کرنے کے لئے تحقیق فرمایا ہے کہ حالت کا غلبہ دائم نہیں ہوتا بالخصوص مبتدی کہ اس کو بہت تغیر و تبدل پیش آتا ہے جس کو تلوین کہتے ہیں اور اہل تمکین کی بھی حالت میں ان کے مرتبہ کے موافق تفاوت ہوتا ہے اس حدیث سے اس کا بھی اثبات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک ساعت کیسی ایک ساعت کیسی غرض یہ لوازم سلوک سے ہے معترض نہ ہو اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے کہ وہ پریشانی البتہ مضر ہے۔

۹۔ تعلیم التوسط فی المجاہدہ (مجاہدہ و ریاضت میں میانہ روی اختیار کرنا)

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المسجد، فاذا حبل ممدود بین الساریتین فقال: "ما ھذا؟" قالوا: حبل لزینب فاذا فترت تعلقت بہ فقال: "لا حلوہ، لیصل احدکم نشاطہ فاذا فتر فلیقعد".

(اخرجہ البخاری وابوداؤد والنسائی) (۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان میں تنی ہوئی بندھی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ کیا چیز ہے"؟ حاضرین نے عرض کیا کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا کی رسی ہے جب وہ (عبادت سے) ماندہ و خستہ ہو جاتی ہیں تو اس سے لگ جاتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نہیں اس کو کھول ڈالو (نفل) نماز طبیعت کی تازگی تک پڑھنا چاہئے اور جب ماندگی اور تعب ہونے لگے تو بیٹھ جانا چاہئے۔"

ف: ائمہ سلوک نے اتفاق کیا ہے کہ مجاہدہ و ریاضت میں اس قدر افراط و غلو نہ کرے کہ طبیعت تھک ہو جائے یا صحت میں فتور پڑ جاوے اس حدیث میں اس تعلیم کی تصریح موجود ہے اور جن حضرات سے اس کی کثرت اور مبالغہ منقول ہے ان پر شبہ نہ کیا جاوے کیوں کہ غلبہ شوق و قوت محبت میں ان کو تو سستی و تنگی عارض نہ ہوتی تھی اور حدیث میں تعب کو قید پر مرتب فرمایا ہے۔

---

(۱) بخاری: التہجد، ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ رقم ۱۱۵۰، ق ف: واخرجہ مسلم: صلاۃ المسافرین، فضیلۃ العمل الدائم رقم ۷۸۴، ابوداؤد: (التطوع) باب النعاس فی الصلاۃ، رقم ۱۳۱۲، سنن: قیام اللیل، احیاء اللیل، الاختلاف علی عائشۃ فی احیاء اللیل رقم ۱۶۴۳، ق ف: واخرجہ ابن ماجۃ: اقامۃ الصلوات، المصلی اذا نعس، رقم ۱۳۷۱

۱۰۱—توجیہ دریا و آفتاب وغیرہ گفتن ذات وصفات حق را

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر دریا اور آفتاب وغیرہ کا اطلاق کرنا)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ. قال خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطا، وقال: "ھذا الانسان" وخط الی جانبہ خطا وقال: "ھذا اجلہ" وخط آخر بعیداً منہ وقال: "ھذا الامل" فبینما ھو کذٰلک اذ جاءہ الاقرب. (اخرجہ البخاری والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط کھینچ کر اس کی نسبت فرمایا کہ "یہ انسان ہے" اور ایک خط اس کے قریب کھینچ کر فرمایا کہ "یہ اس کی موت ہے" اور ایک خط اس سے دور کھینچ کر فرمایا کہ "یہ انسان کی آرزو اور امنگ ہے" پس انسان اسی حالت میں رہتا ہے (کہ آرزو پوری کروں) دفعۃً یہ پاس آنے والی چیز یعنی موت آ پہنچتی ہے۔

ف بہت سے بزرگوں کے کلام میں خصوص نظم میں ذات وصفات حق تعالیٰ پر کہیں دریا کا اطلاق آیا ہے کہیں آفتاب و سحاب کا جس پر قدیم کو حادث کہہ دینے کی قباحت اور سوء ادب کے علاوہ بطلان اتحاد و حلول کی مثل یعنی انحصار تعین وغیرہ محذورات ظاہراً لازم آتے ہیں اور توجیہ اور وجہ صحت اس کی یہ ہے کہ مقصود تمثیل و تشبیہ ہے نہ اتحاد اور تشبیہ میں کچھ محذور نہیں (کمشکوۃ فیھا مصباح) خود قرآن میں ہے غایت مافی الباب یہ کہ کوئی کلمہ دال علی التشبیہ کلام میں مذکور نہیں لیکن حذف کر دینا اس کا کلام فصحاء میں بکثرت پایا جاتا ہے سو یہ حدیث اس حذف کی تائید و تقویت میں صریح ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطوط کی طرف اشارہ فرما کر ان کو انسان اور اجل اور امل بتلا دیا یوں نہیں فرمایا کہ انسان کا، اجل کا، امل کا مثال ہے تو مقصود وہی ہے پس صحت اطلاق یقیناً ثابت ہوئی۔

البتہ دو امر قابل تحقیق باقی رہے ایک یہ کہ تشبیہ و تمثیل کے لئے وجہ تشبیہ و مناسبت کی

---

[1] بخاری: الرقاق، الامل وطولہ، رقم ۶۴۱۸، عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ. ترمذی: صفۃ القیامۃ، تمثیل طول الامل واقربہ من حرص المرء کلہ ھرم، عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم ۲۴۵۴ وقال: صحیح

تحقیق ضروری ہے، سو وہ کیا ہے دوسرے یہ کہ حسب تصریح محققین اسماء وصفات الٰہیہ توقیفی موقوف علی اذن الشارع ہیں، سو ان اطلاقات خاصہ کا اذن کہاں ہے، پس امر اول کی تحقیق اجمالاً یہ ہے کہ دریا و مثلہ میں وجہ تشبیہ ومشبہ بہ میں شیٔ واحد کا امور کثیرہ کے لئے منشا تحقق ہو جاتا ہے، گو مشبہ میں وحدت کا حقیقیہ ہونا اور مشبہ بہ میں وحدت کا اعتباریہ ہونا اور مشبہ میں منشائیت کا باعتبار علت فاعلیہ ہونا اور مشبہ بہ میں باعتبار علت مادیہ ہونا اور مشبہ میں منشاء کا مختار ہونا اور مشبہ بہ میں مضطر ہونا یہ امور مابہ الامتیاز والتفاوت بھی ہیں مگر تشبیہ میں قادح نہیں جیسا اہل علم پر مخفی نہیں اس کی تحقیق باحسن وجوہ قاضی مبارک نے بھی "شرح مسلم" میں کی ہے، اور آفتاب کی وجہ تشبیہ بہت ظاہر ہے یعنی مفید انوار ہونا۔

اور امر دوم کی تحقیق یہ ہے کہ توقیفیت اس اطلاق میں ہے جو بطور تسمیہ ہو مطلق اثبات اوصاف کمال میں نہیں پس اب اس میں کوئی اشکال نہیں رہا، اس توجیہ کے بعد اشعار ذیل اور جو ان کے مثل ہوں حل ہو جائیں گے، جن میں بعض تکفیر تک پہنچ گئے ہیں، اور بعض ظاہر کے معتقد ہو کر ملحد ہو گئے۔

مغربی فرماید

ز دریا موج گوناگوں برآمد	ز بیچونی برنگ چوں برآمد

مولوی رومی فرماید

آفتاب آمد دلیل آفتاب	گر دلیلت باید از وی رومتاب

حافظ فرماید

شراب لعل کش وروی مہ جبینان بیں	خلاف مذہب آنان جمال ایشان بیں

مراد بمہ جبینان تجلیات صفات حق

۱۱۔ تائیدِ قول موتوا قبل ان تموتوا

(مرنے سے پہلے مر جاؤ)

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: اخذ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بمنكبي وقال: "كن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل" (اخرجه البخاري والترمذي) وزاد الترمذي بعد قوله او عابر سبيل "وعد نفسك من اهل القبور"[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا کندھا پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ: "دنیا میں اس طرح رہ گویا تو مسافر ہے بلکہ گویا راہ میں گزر رہا ہے" (روایت کیا اس کو بخاری اور ترمذی نے) اور ترمذی نے عابر سبیل کے بعد یہ جملہ اور زیادہ روایت کیا ہے کہ: "اپنے کو اہل قبور میں سے شمار کر۔"

ف: یہ قول اس قوم کی زبان زد ہے، یہ حدیث اسی قول کے ہم معنی ہے پس اگر اس کو اس حدیث کی روایت بالمعنی کہہ جاوے مستبعد نہیں اور اکثر صریح اقوال ان حضرات کے بنام حدیث جو مشہور ہیں، اکثر ان کے مضامین احادیث میں وارد ہیں، اس لئے صوفیہ کرام کو وضع متن حدیث کہنا زیادتی ہے۔

ف: تحقیق مراقبہ

کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اس غرض سے کہ اس کے غلبہ سے اس کے مقتضا پر عمل ہونے لگے تصور رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے، جو اعمال مقصودہ قلب میں سے ہے، اس حدیث میں اس کا امر ہے کیوں کہ اہل قبور میں سے اپنے کو شمار کرنا عمل قلب کا ہے اور اثر جو اس پر مرتب ہے وہ تقلیل تعلقات وغیرہا اور مثل میت کے شہوت و غضب و اخلاق ذمیمہ کا مضمحل اور فنا و تفویض کا غالب ہو جانا ہے۔

---

[1] البخاري، الرقاق، قول النبي صلى الله عليه وآله وسلم كن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل، رقم: ۶۴۱۶، ترمذي: الزهد، ما جاء في قصر الأمل، رقم: ۲۳۳۳، قلنا: واخرجه ابن ماجة: الزهد، مثل الدنيا، رقم: ۴۱۱۴ كلهم عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه.

۱۲ - رسم تبدیلی اسم مناسب حال درویشی

(حالت درویشی کے مناسب نام میں تبدیلی)

وعن قيس بن أبي غرزة رضي الله تعالى عنه قال: كنا نسمى في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم السماسرة فمر بنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فسمانا باسم هو أحسن منه فقال: "يامعشر التجار! ان البيع يحضره اللغو والحلف فشوبوه بالصدقة". (رواه أبوداؤد والترمذي والنسائي)[1]

ترجمہ: حضرت قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سمسار یعنی دلال کہلاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو اس سے اچھے نام سے نامزد فرمایا کہ: "اے جماعت تاجروں کی! (وہ اچھا لقب بھی ہے) بیع و شرا میں لغو اور حلف کا اتفاق ہو جاتا ہے تم لوگ اس میں صدقہ کی آمیزش کردیا کرو۔"

ف: بعض خاندانوں میں دیکھا ہے کہ بعد بیعت کے مرید کو ایک نیا نام جس میں شاہ وغیرہ بھی ہوتا ہے عطا فرماتے ہیں، مثلاً برکت شاہ ورحمت شاہ وغیرہ، تو ممکن ہے کہ اس حدیث سے اس کا استنباط ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بجائے لقب سمسار کے حالت موجودہ کے مناسب تاجر لقب عطا فرمایا۔

۱۳ - شغل جمع خاطر

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: "اذا صلى احدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئاً فان لم يجد فلينصب عصاه فان لم

---

[1] أبوداود: البيوع، التجارة يخالطها الحلف واللغو، رقم: ٣٣٢٦، وسكت عنه المنذري، واكتفى بنقل كلام الترمذي. ترمذي: البيوع، التجار وتسمية النبي صلى الله عليه وآله وسلم إياهم، رقم: ١٢٠٨، وقال: حسن صحيح، ولانعرف لقيس عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم غير هذا. نسائي: البيوع، الأمر بالصدقة لمن لم يعتقد اليمين بقلبه في حال بيعه، رقم: ٣٣٦٨. قلت وأخرجه ابن ماجة: التجارات، التوقي في التجارة، رقم: ٢١٤٥

یکن معہ عصا، فلیخطط خطا ثم لا یضرہ ما مر امامہ"۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں کوئی شخص نماز پڑھنے لگے تو اس کو چاہئے کہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے (تاکہ سترہ ہو جاوے) اور اگر کوئی ایسی چیز نہ ملے تو اپنا عصا کھڑا کر لے اور عصا بھی پاس نہ ہو تو (سامنے) ایک خط کھینچ لے پھر جو کچھ بھی سامنے سے گزرتا رہے اس کو مضر نہیں۔"

ف: بزرگوں نے جو اشغال تجویز کئے ہیں ان سب سے مقصود اصلی یہ ہے کہ قلب کا انتشار جو بوجہ تشویش افکار کے ہے دفع ہو کر جمعیت خاطر و خیالات کی یکسوئی حاصل ہو تاکہ اس کے خوگر ہونے سے توجہ تام الی اللہ جو کہ مبتدی کو بوجہ غیب ہونے مدرک کے اور ہجوم ہونے افکار مختلفہ و خیالات حاضرات کے متعذر ہے سہل ہو جاوے، اشغال مختلفہ اس کے حیل و طرق ہیں۔ سترہ کا حکم اس شغل کا ماخذ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بتصریح علماء اسرار مقصود سترہ سے بھی جمع خاطر اور ربط خیال و نفی انتشار ہے جیسا کہ ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور سترہ اس کی تدبیر ہے۔

۱۴۔ علامت مقبول و غیر مقبول

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "ان اللہ اذا احب عبدا دعا جبرئیل فقال: انی احب فلانا فاحبہ قال: فیحبہ جبرئیل، ثم ینادی فی السماء، فیقول: ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء، ثم یوضع لہ القبول فی الارض، واذا ابغض عبدا دعا جبرئیل علیہ السلام فیقول: انی ابغض فلانا فابغضہ قال: فیبغضہ جبرئیل علیہ السلام ثم ینادی فی اھل السماء: ان اللہ یبغض فلانا فابغضوہ قال: فیبغضونہ ثم یوضع لہ البغضاء فی الارض" (رواہ مسلم)[2]

---

[1] ابو داود: الصلاۃ، الخط اذا لم یجد عصا، رقم: ۶۹۰۔ قال المنذری: قال سفیان بن عیینۃ لم نجد شیئا نشد بہ ھذا الحدیث ولم یجئ الا من ھذا الوجہ۔ وکان اسماعیل بن امیۃ اذا حدث بھذا الحدیث یقول: عندکم شیء تشدونہ بہ؟ وقد اشار الشافعی الی ضعفہ۔ وقال البیھقی: لا باس فی مثل ھذا الحکم ان شاء اللہ تعالی، ابن ماجۃ: الصلاۃ، ما یستر المصلی، رقم: ۹۴۳۔

[2] مسلم: البر، اذا احب اللہ عبدا امر جبرئیل علیہ السلام فاحبہ الخ رقم: ۲۶۳۷

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ: "اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم فلاں شخص سے محبت رکھتے ہیں تم بھی اس سے محبت رکھو پس جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان میں ندا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو چاہتے ہیں تم سب اس سے محبت رکھو سو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اہل زمین میں اس شخص کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو کسی شخص سے بغض ہوتا ہے تو اسی ترتیب مذکور سے اہل زمین کے قلوب تک اس کی مبغوضیت آجاتی ہے۔"

ف: اس حدیث میں اولیاء کی غیر اولیاء سے ایک شناخت مذکور ہے اس علامت سے طلب شیخ میں کام لینا چاہئے و نیز غیر مقبول سے احتراز لازم سمجھنا چاہئے حاصل اس کا یہ ہے کہ بلا کسی سبب و تعلق و نفع یا ضرر دنیوی کے اکثر خلائق کا کسی کی طرف میلان قلب اور گمان نیک ہونا علامت ہے اس شخص کے محبوب و مقبول ہونے کی اسی طرح بلا کسی لوث نفع و ضرر ظاہری کے اکثر لوگوں کا کسی سے نفرت کرنا اور اس کو اچھا نہ سمجھنا علامت ہے غیر مقبول عند اللہ ہونے کی اور جو صداقت یا عداوت کسی احسان یا رشتہ داری یا ضرر و تا موافقت معاملہ سے ہو اس کا اعتبار نہیں اور یاد رہے کہ جن لوگوں کی طینت میں خبث و فساد غالب ہے ان کا ادراک بھی غیر معتبر ہے۔

۱۵۔ فضیلت جماعت صوفیہ

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: قال اللہ تعالیٰ: "وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی". (رواہ مالک[۱])

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہو چکی ہے جو میرے ہی واسطے باہم ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور میرے ہی علاقہ سے

[۱] الموطا: جامع ماجاء فی الطعام والشراب، ماجاء فی المتحابین فی اللہ، رقم الصفحۃ: ۷۰۸، مکتبہ تھانوی۔

ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میرے ہی سبب ایک دوسرے کی زیارت و ملاقات کرتے ہیں اور میری ہی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں۔"

ف: یہ حدیث صوفیا اہل حق کی فضیلت اور ان کے لئے بشارت پر صاف دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ صفات جو حدیث میں مذکور ہیں اکمل وجوہ سے ان حضرات میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ پیر و مرید میں محبت اور پیر بھائیوں میں الفت۔ اسی طرح دوسرے بزرگوں سے تعلق اور جان و مال سے دریغ نہ کرنا اور دور دور دراز سے زیارت کے لئے سفر کرنا یہ امور ان حضرات میں محض خالصاً للہ اور بلا کسی دنیوی تعلق کے ہوتے ہیں۔

۱۴ – تجارت مباح اور ترک تعلقات

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ما اود ان لی متجرا علی درجۃ جامع دمشق اصیب فیہ کل یوم خمسین دینارا اتصدق بھا فی سبیل اللہ ولا تفوتنی الصلوۃ فی الجماعۃ وما بی تحریم ما احل اللہ تعالیٰ ولکنی اکرہ ان لا اکون من الذین قال اللہ تعالیٰ فیھم: ﴿رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ﴾. (اخرجہ رزین)[1]

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ جامع مسجد دمشق کی سیڑھیوں پر (کہ وہ جگہ زیادہ اجتماع کی ہے) میری تجارت ہو جس میں مجھ کو پچاس دینار روزانہ مل جایا کریں اور ان کو (روزانہ) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات بھی کر دوں اور جماعت کی کوئی نماز بھی فوت نہ ہو (یعنی ایسی حالت میں بھی پسند نہیں کرتا) اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرتا ہوں لیکن مجھ کو یہ امر ناگوار ہے کہ اس جماعت میں داخل نہ رہوں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور بیع ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی۔

ف: اکثر اصحاب طریقت نے اپنے لئے تکثیر تعلقات کو پسند نہیں کیا گو وہ تعلقات مباح ہی کیوں نہ ہوں اور اسی لئے متوکلانہ آزادانہ زندگی بسر فرمائی ہے حتیٰ کہ حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ نے ایک رئیس وارد وقت مکہ کو جو ہندوستان سے ہجرت مکہ معظمہ کا ارادہ رکھتے تھے تحریر فرمایا تھا کہ ریاست سے مکہ میں صرف اسی قدر آمدنی منگوانے کا انتظام کرنا

[1] اخرجہ احمد فی الزھد وعبد بن حمید عن ابی الدرداء کما فی الدر المنثور ۵/۴۳

جتنا تمہارے مصارف ضروریہ کے لئے کافی ہو جاوے' خیرات کے لئے اپنے پاس مت منگانا جس کی خدمت کرتا ہو وہاں سے وہاں ریاست سے متعلق کردینا تاکہ یہاں رہنے کی حالت میں قلب کو غیر اللہ کا اتنا تعلق بھی نہ رہے' سو اہل ظاہر اول خود اس درجہ تقلیل تعلقات مباحہ کو رہبانیت کہتے ہیں' پھر خصوصاً جو مضمون حضرت مرشدیؒ کے ارشاد میں ہے کہ ظاہراً یہ تعلق عبادت ہے اس کے قطع کو تو خدا جانے کیا کہیں گے' لیکن اس حدیث سے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاف یہی مذاق معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے باوجود تصدق کے بھی کثرت مال و تجارت کو پسند نہیں فرمایا' صحابیؓ پر رہبانیت یا ترک عبادت کا کب احتمال ہوسکتا ہے' راز اس میں یہی ہے کہ ان تعلقات سے غلبہ دوام حضور میں خلل آجاتا ہے' جیسا خود حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "مالی" میں اسکا رہبانیت نہ ہونا اور "تلھی" میں یہ راز بتلا دیا اور آیت کو ایک وجہ خاص پر محمول فرمایا' یعنی ترک تجارت و بیع پر باعتبار حالت اکثر طبائع کے محمول فرمایا اسی معنی میں کہا گیا ہے۔

ہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں

ہر چہ از یار وافتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

فائدہ: اور قرآن مجید کی اس آیت "لاتلھیھم" الخ سے بنا بر تفسیر مشہور کے صوفیاء کے قول خلوت در انجمن کا بھی اثبات ہوتا ہے۔

۱۷- عادت' امساک تبرکات شیوخ

(بزرگوں کے تبرکات کو رکھنا)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل فیہ قصۃ بیع الجمل فلما قدمت المدینۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لبلال: "اعطہ اوقیۃ ذھب وازدہ" فزادنی قیراطا فقلت: لاتفارقنی زیادۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکان فی کیس لی الی ان اخذہ اہل الشام یوم الحرۃ. (رواہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث میں جس میں شتر فروخت کرنے کا قصہ مذکور ہے مروی ہے جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مسلم: المساقاۃ، بیع البعیر واستثناء رکوبہ، رقم: ۱۱۵/۷۱۵، ۱۲۲۱/۳

نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو (یعنی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ایک اوقیہ سونا (قیمت شتر) دے دو اور (اوپر سے) کچھ زیادہ دیدو۔ پس انہوں نے مجھ کو ایک قیراط زیادہ دیا میں نے (دل میں) کہا کہ یہ زیادہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (علاوہ) دیا ہے یہ میری جان سے علیحدہ نہ ہوگی (یعنی اس کو اہتمام و حفاظت سے رکھوں گا) پس وہ میری تھیلی میں موجود رہی یہاں تک کہ اس کو اہل شام نے واقعہ حرہ میں لے لیا۔

اکثر اہل محبت کی عادت ہے کہ اپنے بزرگوں کی چیزیں برکت یا یادگار کے لئے نہایت اہتمام و ذوق و شوق سے رکھتے ہیں اس حدیث میں اس کی اصل صراحتاً موجود ہے۔

۱۸- عادت ترک نکاح بمصلحت

(کسی مصلحت کی بناء پر نکاح نہ کرنا)

عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انا وامرأۃ سفعاء الخدین کھاتین یوم القیامۃ امرأۃ آمت من زوجھا ذات منصب وجمال حبست نفسھا علی یتاماھا حتی بانوا او ماتوا[1] (اخرجہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "میں اور وہ عورت جس کے رخساروں کی رونق (محنت و مشقت سے) جاتی رہی ہو مثل ان دو انگلیوں کے (یعنی سبابہ اور وسطیٰ کے قریب) ہوں گے قیامت کے روز یعنی وہ عورت جو اپنے شوہر سے بیوہ ہوگئی ہو اور شان و صورت والی ہے اور اپنے کو اپنے یتیم بچوں (کی پرورش) کے لئے نکاح سے باز رکھا یہاں تک کہ وہ بڑے ہوکر) الگ ہوگئے یا مر گئے۔"

ف: بعض درویش آفات تعلقات سے بچنے کے لئے یا مشغولی مع اللہ میں نقصان و خلل کے احتمال سے نکاح نہیں کرتے بعض قاصر الفہم ان پر طعن ترک سنت کا کرتے ہیں، اس حدیث میں صریح اجازت بلکہ فضیلت ہے کہ جہاں بچوں کی ضاعت حقوق کا اندیشہ ہو

---

[1] ابو داؤد، الادب، فضل من عال یتامی، رقم ۵۱۴۹۔ قال المنذری: فی اسنادہ النھاس بن قھم ابو الخطاب البصری القاضی، ولا یحتج بحدیثہ.

نکاح نہ کرے، (بشرطیکہ اپنے دین کی حفاظت پر قادر ہو) جیسا عامہ نصوص سے معلوم ہے، جب بچوں کا ضیاع حق عذر ہے تو حق تعالیٰ کے حقوق و تعلقات خاصہ کا ضائع ہو جانا کیوں نہ عذر ہوگا (اور وہی شرط حفاظت دین یعنی کف نفس عن الحرام پر قدرت یہاں بھی معتبر ہے)

۱۹- عادت، قبول ہدایا از اہل اموال

(مالداروں سے ہدایا و تحائف لینا)

عن الأحنف بن قیس فی حدیث طویل قال: قلت: ای لأبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما تقول فی ھذہ العطاء؟ قال: خذہ، فان فیہ الیوم معونۃ فاذا کان ثمنا لدینک فدعہ. (اخرجہ الشیخان)[1]

ترجمہ: حضرت احنف بن قیس سے ایک حدیث مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ اس عطا کے باب میں (جو کہ سلاطین و امراء سے ماہانہ یا سالانہ ملتی ہے) کیا فرماتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ لے لیا کرو: کیوں کہ اس سے اس زمانے میں (فراغ قلب کے لئے) مدد ملتی ہے، لیکن جب وہ تمہارے دین کا معاوضہ ہو جائے تو چھوڑ دینا۔

ف: عام طور پر بزرگوں کی عادت ہے کہ فتوحات وغیرہا کو رد نہیں کرتے اس میں یہی فائدہ ہے کہ اطمینان خاطر میسر ہوتا ہے، اور تشویش رزق قلّ مشغولی بحق نہیں ہوتی، اس حدیث میں اس کے جواز کی صراحت ہے اور اسی حکمت کی طرف اشارہ ہے البتہ اگر محض محبت سے خدمت کرنا مقصود نہ ہو بلکہ کسی امر واجب یا محرم کے مقابلہ میں ہو تو اس حالت میں قبول کرنا ممنوع ہوگا، جیسا خود اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے اسی طرح اگر اس مال کے خبث کی وجہ سے گناہ اور دین کا ضرر ہو جب بھی رد متعین ہوگا ضرر دین سب میں امر مشترک ہے۔

۲۰- عادت، مبالغہ در تقلیل متاع

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا اطین حائطاً من خص، فقال: "ماھذا یا عبداللہ؟" فقلت: حائط اصلحہ فقال: "الامر اسرع من ذلک" وفی روایۃ: "ما اری

[1] لم احمد: بھذا اللفظ فی البخاری، مسلم: الزکاۃ، الکنازین للأموال والتغلیظ علیھم رقم: ۹۹۲/۳۵

الأمر الا اعجل من ذلک" (اخرجه ابوداؤد والترمذی و صححه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہو کر گزرے اور میں ایک پھوس کی دیوار کو لیپ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: "اے عبداللہ یہ کیا ہے"؟ میں نے عرض کیا حضرت ایک دیوار ہے جس کو درست کر رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "(موت کا) قصہ اس سے بھی بے تکلف آ جانے والا ہے" اور ایک روایت میں ہے کہ: "میں (موت کے) قصے کو اس سے بھی جلد تر آنے والا دیکھتا ہوں"۔

ف: اس عادت کی تقریر حدیث شمارہ ۹ کے تحت میں گزر چکی ہے، یہ حدیث بھی اس عادت کی ماخذ ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قلیل تعلق کو بھی ان کی شان کے مناسب نہ سمجھا۔

۲۱- حال، علوم وہبیہ وواردات قلبیہ

عن الحارث الأعور، عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم (فی فضیلة القرآن من حدیث طویل) "لایشبع منه العلماء، ولا یخلق علی کثرة الرد، ولا تنقضی عجائبه" (اخرجه الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت حارث اعور سے روایت ہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قرآن کی فضیلت میں) فرمایا کہ: "علماء اس سے سیر نہ ہوں گے اور باوجود کثرت تکرار کے یہ کبھی کہنہ نہ ہوگا اور اس کے عجائب ختم نہ ہوں گے۔"

ف: جب ذکر اللہ کی مواظبت اور ریاضات ومجاہدات کی کثرت سے ظلمات نفسانیہ و کدورات طبعیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے اور قلب وروح کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک نسبت خاصہ و تعلق مخصوص پیدا ہو جاتا ہے اس وقت قلب پر بلا واسطہ اسباب ظاہری تحصیل وسماع وغیرہ کے کچھ اسرار لطیفہ وعلوم شریفہ کا ورود والقا ہونے لگتا ہے، اس حدیث میں ورود کا اثبات ہے

---

[1] ابوداؤد: الأدب، باب من البناء، رقم: ۵۲۳۵، ۵۲۳۶، وسکت عنه المنذری، ترمذی: الزهد، قصر الأمل، رقم: ۲۳۳۵، وقال: حسن صحیح، قلنا: واخرجه ابن ماجة الزهد، باب فی البناء والخراب، رقم: ۱۶۰

[2] ترمذی: فضائل القرآن، ماجاء فی فضل القرآن، رقم: ۲۹۰۶، وقال: حدیث غریب، لا نعرفه الا من حدیث حمزة الزیات، واسناده مجهول، وفی حدیث الحارث مقال

کیوں کہ علم مدونہ منقولہ محدود و منقضی ہیں اور ان کی تحصیل کے بعد ان سے سیری بھی ہو جاتی ہے، یہ عدم انقضا و عدم شبع ان ہی علوم وہبیہ کے خواص میں سے ہے۔

۲۲- عادت، ذکر حلقہ

(حلقہ بنا کر ذکر کرنا)

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله تعالی یتلون کتب الله، ویتدارسونه بینهم الا نزلت علیهم السکینة وغشیتهم الرحمة، وحفتهم الملائکة، وذکرهم الله فیمن عنده" (اخرجه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "نہیں مجتمع ہوا کوئی مجمع کسی گھر میں اللہ کے گھروں میں سے کہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوں اور باہم اس کو پڑھتے پڑھاتے ہوں، مگر نازل ہوتی ہے ان پر کیفیت تسکین قلب کی اور ڈھانپ لیتی ہے ان کو رحمت اور گھیر لیتے ہیں ان کو ملائکہ اور ذکر فرماتے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ ان (ارواح وملائکہ) میں جو کہ اللہ کے پاس ہیں۔"

ف: بہت سے ذاکرین کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے سے دلچسپی ذکر میں اور تعاکس انوار قلب میں اور نشاط اور ہمت کا بڑھنا اور سستی کا دفع ہونا اور مداومت میں سہولت وغیرہ منافع حاصل ہوتے ہیں، اس کو ذکر حلقہ کہتے ہیں اس حدیث میں اس کی اصل مع اشارہ کے اس کی برکات کی طرف موجود ہے۔

ف: رسم، بناء خانقاہ بغرض اجتماع فی الذکر

(اجتماعاً ذکر کی غرض سے خانقاہ بنانا)

حضرات صحابہؓ و تابعینؒ بوجہ قوت قلب و قرب عہد فیض عہد تحصیل ملکہ ذکر میں محتاج خلوت مکانی کے نہ تھے، بعد میں تفاوت احوال و طبائع کے سبب عادۃً اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی، خلوت مکانی و بعد عن عامۃ الخلق پر اس وقت حضرات مشائخ میں خانقاہیں

۱؎ ابو داؤد: الصلاۃ، الوتر، ثواب قراءۃ القرآن، رقم: ۱۴۵۵ م وسکت عنه المنذری)

بنانے کی رسم بمصلحت محمودہ ظاہر ہوئی ہر چند کہ اس حدیث میں بنا علی المشہور بیوت اللہ کی تفسیر مساجد کے ساتھ کی گئی ہے، لیکن اطلاق لفظ اور اشتراک علت کی بناپر خانقاہوں کو بھی اس کے عموم میں داخل کرنا مستبعد نہیں، پس اس حیثیت سے یہ حدیث اس رسم کا ماخذ ہو سکتی ہے۔

ف: حال، کیفیت باطنی مسمی بہ نسبت

مشاہدہ شاہد ہے کہ اشتغال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیت غریبہ لذیذہ پیدا ہو جاتی ہے، اور مواظبت سے اس میں رسوخ ہو جاتا ہے، صوفیا کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں اس حدیث میں صراحتاً اس کا بیان ہے اور سکینہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

۲۳- عادت، ترک عبادات غیر واجبہ در غلبہ ذکر

(ذکر اللہ کے غلبہ میں طاعات و نوافل کو چھوڑ دینا)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ: یقول اللہ تعالیٰ "من شغلہ القراٰن عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین" (اخرجہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "حق تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص ایسا ہو کہ قرآن مجید اس کو مجھ سے کوئی چیز مانگنے سے (یعنی دعا کرنے سے) مشغول کر دے، (یعنی فرصت نہ لینے دے) میں جس قدر اور سائلوں کو (اور دعا، مانگنے والوں کو) دیتا ہوں، اس شخص کو سب سے زیادہ دوں گا۔"

ف: اکثر بزرگوں کے طریق میں کسی خاص ایک ذکر میں مرید کو مشغول کر دیتے ہیں اور نوافل و اوراد مختلف و طاعات متنوعہ حتی کہ بعض اوقات درس و تدریس یا وعظ و نصح (جب کہ علی التعیین یہ شخص اس کا مکلف نہ ہو) چھڑا دیتے ہیں جس کی لم اور راز معلوم نہ ہونے سے ظاہرین حیران ہوتا ہے۔

اور اجمالاً لم اس کی یہ ہے کہ ابتداء میں باطن اپنی جمعیت و انتشار میں تابع ظاہر کا ہوتا ہے، البتہ آخر میں معاملہ بالعکس ہو جاتا ہے، پس اگر اشتغال مختلف بحالہا باقی رکھے جائیں تو

---

[1] ترمذی: فضائل القرآن، باب.....، رقم: ۲۹۲۶ وقال: حدیث غریب

طبیعت میں یکسوئی اور خاطر میں اجتماع عادۃً ہرگز حاصل نہیں ہوتا جو کہ مطمح نظر ہے سلوک میں، پس یہ حدیث من وجہ اس طریق کی تقریر کر رہی ہے کہ قرآن میں ایک نوع ہے ذکر کی ایسا مشغول ہونا کہ دعا کی بھی خبر نہ رہے، (جو کہ فی نفسہٖ ایک عبادت عظیمہ ہے، مگر مرتبہ وجود بالذات تک نہیں پہنچی) مذموم نہیں قرار دیا گیا بلکہ اس پر ایک فضیلت کو مرتب فرمایا گیا ہے اور یہی حاصل تھا طریق مذکور کا۔

۲۴- تعلیم، عدم اہتمام لذت در ذکر و عبادت

(ذکر و عبادت میں حصول لذت کا اہتمام نہ کرنا)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ، والذی یقرأ القرآن ویتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران" (اخرجہ الخمسۃ الا النسائی[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص قرآن میں ماہر ہے وہ تو (درجہ میں) ان ملائکہ کے ساتھ ہے جو پیغام الٰہی کے سفیر اور مکرم اور نیک ہیں، اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس میں اٹکتا ہے اور رکتا ہے اور اس کو وہ دشوار ہے (یعنی چوں کہ اس میں وہ ماہر نہیں) اس کو دو ثواب ملیں گے۔"

ف: بعض اوقات ذکر اور عبادت میں حلاوت اور لذت محسوس نہ ہونے سے ناواقف دل تنگ ہو کر اس کو چھوڑ بیٹھتا ہے یا افسردہ خاطر ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ میرا یہ عمل محض عبث اور بے سود ہے، اور اس گمان میں ترقی باطنی رک جاتی ہے، کیوں کہ اس کا بڑا مدار یقین پر ہے، محققین نے تصریحاً فرمایا ہے کہ ذکر مقصود ہے لذت مقصود نہیں، بلکہ لذت نہ ہونے پر برابر مشغول رہنا اس میں بوجہ زیادہ مجاہدہ کے نفع زیادہ ہے، پس لذت نہ ہونا مضر نہیں بلکہ امر مذکور کے اعتبار سے نافع ہے، اس حدیث میں یہ تعلیم مصرح ہے کہ ایسی تلاوت کا موجب تضاعف اجر ہونا ارشاد فرمایا

---

[1] بخاری: التفسیر، سورۃ عبس، رقم: ۴۹۳۷، مسلم: صلاۃ المسافرین، فضل الماھر بالقرآن والذی یتعتع فیہ رقم: ۲۴۴ (۷۹۸) أبوداؤد: الوتر ثواب قراءۃ القرآن، رقم: ۱۴۵۴، ترمذی: فضائل القرآن، فضل القاری القرآن، رقم: ۲۹۰۴، وقال: حسن صحیح، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ: الأدب، ثواب القرآن، رقم: ۳۷۷۹

ہے اور اسکی علت کی طرف بھی" وہو علیہ شاق" میں اشارہ فرمایا جو حاصل ہے مجاہدہ کا۔

۴۵-مسئلہ، امکان انکشاف ملائکہ غیر نبی را

(انبیاء کے علاوہ (اولیاء اللہ) کو بھی فرشتے نظر آسکتے ہیں)

عن أسيد بن حضير رضي الله تعالى عنه قال: بينما هو يقرأ من الليل سورة البقرة وفرسه مربوط عنده، اذ جالت الفرس فسكت فسكنت، فقرأ فجالت، فسكت، فسكنت الفرس، ثم قرأ فجالت وكان ابنه يحيى قريبا منها فانصرف، فاخره ثم رفع رأسه الى السماء، فاذا مثل الظلة فيها امثال المصابيح، فلما اصبح حدث به النبي فقال: "اوتدري ماذاک؟" قال: لا، فقال: (تلک الملئكة دنت لصوتک ولو قرأت لاصبحت ينظر اليها الناس لا تتوارىٰ منهم". (اخرجه البخاري)[1]

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک شب کو سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا، دفعۃً گھوڑا اچھلا یہ پڑھتے پڑھتے خاموش ہو گئے وہ گھوڑا بھی ٹھہر گیا یہ پھر پڑھنے لگے وہ پھر اچھلنے لگا یہ پھر خاموش ہو گئے، وہ پھر ٹھہر گیا انہوں نے پھر پڑھنا شروع کیا وہ پھر اچھلنے لگا، اور ان کا لڑکا یحییٰ اس سے قریب تھا یہ وہاں سے چلے اور اس لڑکے کو ہٹا لیا پھر سر اٹھا کر جو آسمان کی طرف دیکھا تو اس میں ایک سائبان نظر پڑا جس میں چراغ سے معلوم ہوئے جب صبح ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جانتے ہو یہ کیا تھا"؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "یہ فرشتے تھے کہ تمہاری آواز سے نزدیک آ گئے تھے، اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح کے وقت تک وہ فرشتے یہاں ہی رہتے کہ سب لوگ ان کو دیکھتے اور وہ ان کی نظروں سے غائب نہ رہتے۔"

ف: محققین نے تصریح کی ہے کہ اولیاء اللہ ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ کلام وسلام بھی ممکن بلکہ واقع کہا ہے، اس حدیث میں صراحۃً اس کشف کا وقوع مذکور ہے، اور صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کرنا فرشتوں کا مروی ہے اور صرف اتنا ہی

---

[1] بخاري: فضائل القرآن، نزول السكينة والملائكة عند قراءة القرآن. رقم: ۵۰۱۸.

امر خواص نبوت سے نہیں بلکہ مامور بالتبلیغ العالم ہونا بھی اس کے ساتھ منضم ہے، جو غیر نبی میں مفقود ہے، پس اشتباہ غیر نبوت کا نبوت سے لازم نہیں آتا۔

ف: مسئلہ، امکان عدم ادراک کنہ کشف خود

(اپنے ہی کشف کی حقیقت کا ادراک نہ ہونا ممکن ہے)

اس حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا چنانچہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملائکہ کا کشف تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں، محققین نے بھی اس کی تصریح کی ہے، جو شخص اس تحقیق سے آگاہ ہو جائے گا وہ کشف میں اپنی فہم و رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا اور ایسا شخص بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔

۳۶- حال، علم وہبی

عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یا ابا المنذر! اتدری ای ایۃ من کتاب اللہ معک اعظم؟" قلت: ﴿اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم﴾ فضرب فی صدری وقال: "لیھنک العلم ابا المنذر" (اخرجہ مسلم وابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: "اے ابو المنذر تم جانتے ہو کہ ساری کتاب اللہ میں سب سے بڑی کونسی آیت تمہارے پاس ہے" میں نے عرض کیا کہ آیت الکرسی، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ: "تم کو یہ علم مبارک ہو اے ابو المنذر!"

ف: حدیث بست وکم کے ذیل میں اس کی تقریر گزر چکی ہے، اس حدیث میں بھی اس کا اثبات ہے کہ منجانب اللہ بطور الہام کے اعظم آیۃ کی تعیین ان کے قلب پر وارد ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارکباد دینے سے اس علم کی فضیلت بھی ظاہر ہے، اور یہ

---

[1] مسلم: صلاۃ المسافرین، فضل سورۃ الکھف وایۃ الکرسی، رقم: ۲۵۸ (۸۱۰) ابوداود: الوتر، ماجاء فی ایۃ الکرسی، رقم: ۱۴۶۰۔

جو فرمایا کہ سب سے بڑی آیت ہے، باعتبار ثواب خاص کے ہے، اس کی نظیر دوسری آیات اور سورتوں کے باب میں بھی وارد ہے، جس میں ہر مقام پر وجوہ اعتبارات مختلف کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی بناء پر باہم متعارض بھی نہ ہوں گی، مثلاً آیت الکرسی کا متضمن توحید ہونا باعث تضاعف ثواب خاص ہوسکتا ہے، وعلیٰ ہذا اور نہ صفات لازمہ لنفس القرآن میں جیسے کلام الٰہی ہونا، یا فصاحت و بلاغت میں معجزہ ہونا وغیرہا، ان میں قرآن کے سب اجزاء متساوی و متماثل ہیں اور اس معنی کے اعتبار سے بعض اجزاء کی اعظمیت پر کوئی اشکال نہیں۔

۴۷۔ مسئلہ تمثل جنی (جنات کا انسانی شکل میں متشکل ہونا)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: وکلنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحفظ زکوٰۃ رمضان، فاتانی آت فجعل یحثو من الطعام، فاخذتہ الی ان قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "تعلم من تخاطب منذ ثلث لیال یا اباہریرۃ؟" قلت: لا، قال: "ذاک شیطان". (اخرجہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ رمضان کی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا (اور ایک روز) ایک آنے والا میرے پاس آیا اور غلہ میں سے لپیں بھرنے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا، یہاں تک کہ قصہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ:

"تم جانتے ہو کہ تین روز سے کس سے بات چیت کیا کرتے ہو؟" میں نے عرض کیا کہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "وہ شیطان تھا"

ف: حدیث سے صاف واضح ہے کہ شیطان انسانی شکل میں متمثل ہو کر نظر آیا۔

ف: حال، کرامت

اہل حق کا مذہب ہے کہ کرامت کا ولی سے صادر ہونا ممکن ہے، حدیث میں وقوع صاف مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شیطان کو پکڑ لیا۔

؎ البخاری، الوکالۃ، اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا فاجازہ الموکل فھو جائز، رقم: ۲۳۱۱، ایضا: بدء الخلق، صفۃ ابلیس وجنودہ، رقم ۳۲۷۵، ایضا: فضائل القرآن، فضل سورۃ البقرۃ، رقم: ۵۰۱۰۔

ف: مسئلہ، امکان عدم ادراک حقیقت کرامت خود
(اپنی ہی کرامت کی حقیقت معلوم نہ ہونا ممکن ہے)

اس کی تقریر حدیث بست و پنجم کے تحت میں گزر چکی ہے وہاں کشف تھا یہاں کرامت، چنانچہ اس قصہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی شناخت سے اپنی لاعلمی بیان کی جس کے پکڑنے میں کرامت واقع ہوئی۔

۲۸- رسمِ اعمال و عزائم

عن ابی ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کانت لہ سہوۃ فیھا تمر و کانت تجیٔ الغول فتاخذ منہ فشکی ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال: "اذھب فاذا رایتھا فقل بسم اللہ اجیبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" قال: فاخذھا. الحدیث (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک بخاری (تھیلی) میں خرمے بھرے ہوئے تھے اور خبیث جنات آ کر اس میں سے لے جاتے انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ: "جاؤ اگر اب کے کسی کو دیکھو تو یوں کہہ دینا: بسم اللہ اجیبی رسول اللہ، یعنی اللہ کے نام سے مدد لیتا ہوں رسول اللہ کا بلایا ہوا چل" راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے (یہی کہہ کر) اس کو پکڑ لیا۔

ف: اکثر بزرگوں کے پاس جو اہل حاجت خاص اغراض کے لئے نقش یا تعویذ یا جھاڑ پھونک کرانے آ جاتے ہیں، مثلاً آسیب اتروانے کے واسطے اسی طرح اور کسی مطلب کے لئے تو وہ حضرات اپنے حسن اخلاق سے اس کو رد نہیں کرتے کچھ اللہ کے نام سے استمداد کر کے تدبیر کر دیتے ہیں اس حدیث میں آسیب کو مغلوب کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمات خاصہ کی تعلیم فرمائی، پس اس رسم کو خلاف سنت نہ کہا جائے گا، اسی طرح دوسری احادیث میں رقیہ و تعلیق تعویذ وارد ہوا ہے۔

تنبیہ: اس حدیث سے وجود غول کا ثابت ہوتا ہے اور دوسری نصوص میں بھی وجود جن

---

[1] ترمذی: فضائل القرآن، باب (حدیث ابی ایوب فی الغول رقم: ۲۸۸۰، وقال: حسن غریب.

کی تصریح ہے یہی حقیقت ہے غول کی اور دوسری ایک حدیث میں "لاغول" سے نفی غول کی فرمائی گئی ہے اس سے مراد نفس غول کی نفی نہیں بلکہ اہل جاہلیت جس درجہ میں ان کی قدرت ضرر رسانی کے معتقد تھے مقصود اس کی نفی کرنا ہے ھذا ما عندی۔

۲۹- حال التذاذ بعتاب محبوب بعنوان متضمن محبت

(محبوب کی ناراضگی سے لذت حاصل کرنا)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: فینا نزلت ﴿اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما﴾ قال: نحن الطائفتان بنو حارثۃ وبنو سلمۃ ومایسرنی انھا لم تنزل لقول اللہ تعالیٰ ﴿واللہ ولیھما﴾ (اخرجہ الشیخان)[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے یہ آیت ہم لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے، ﴿اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما﴾ (ترجمہ یہ ہے کہ اس وقت کو یاد کرو کہ تم لوگوں میں دو گروہوں نے کم ہمتی کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کے سنبھالنے والے تھے یعنی کم ہمتی سے بچالیا) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دو گروہ ہم لوگ تھے بنو حارثہ اور بنو سلمہ اور مجھ کو یہ امر خوش نہیں آتا کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی (یعنی باوجودیکہ ظاہراً اس میں ہماری برائی مذکور ہے اور اس پر ہم کو ملامت کی گئی ہے جس کا طبعی مقتضا یہ ہے کہ اس کا نازل نہ ہونا اچھا معلوم ہوتا مگر باوجود اس کے پھر بھی نازل ہونا ہی زیادہ خوش آتا ہے) کیوں کہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ "واللہ ولیھما"

ف: بہت سے عشاق سے منقول ہے کہ ان کو اپنے یا دوسرے مکاشفات یا الہامات سے حق تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اپنا مورد کلمات عتاب یا بعد وطرد ہونا مکشوف ہوا تو انہوں نے اس پر مسرت والتذاذ ظاہر کیا جو ظاہر نظر میں مستبعد معلوم ہوتا ہے مگر اس حدیث سے یہ استبعاد رفع ہو جاتا ہے باوجود قدرے عتاب کے چوں کہ اس میں ایک لفظ مشعر عنایت ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر مسرت ظاہر فرمائی اسی طرح عشاق کو جو کبھی عتاب و ملامت کا انکشاف ہوا ہے ساتھ ہی قرائن مقامیہ یا مقالیہ سے

---

[1] بخاری: المغازی: اذھمت طائفتان الایۃ رقم: ۴۰۵۱، ایضا: التفسیر، رقم: ۴۵۵۸، مسلم: فضائل الصحابۃ فضائل سلمان وبلال وصہیب ث رقم: ۲۵۰۵/۱۷۱

عنایت کا بھی مشاہدہ ہوا ہے ورنہ غضب وسخط محض تو علامت ہے شقاوت ولعنت کی اس پر خوش ہونے کی کوئی صورت نہیں جیسا کہ بوستان میں ایک عابد کی حکایت مذکور ہے کہ ان کو غیب سے آواز آئی تھی کہ تیری کوئی عبادت مقبول نہیں اور انہوں نے یہ کہا کہ جب دوسرا اور کوئی نہیں تو خواہ قبول ہو یا نہ ہو کہاں جاؤں جس کے بعد ندا آئی۔

قبول است گرچہ ہنر نیستت	کہ جزما پناہے دگر نیستت

یہ حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت مشہور ہے کہ ان کے کسی مخلص مرید کو روضۂ اقدس پر حکم ہوا کہ اپنے بدحق پیر سے ہمارا اسلام کہہ دینا اور حضرت کو جب یہ پیغام پہنچا رقص کی کیفیت طاری تھی اور زبان پر یہ جاری تھا:

بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی	جواب تلخ می زیبد لب لعل وشکر خارا

یا کسی کو شغل کے وقت یہ ندا آئی تھی کہ تو کافر ہو کر مرے گا ان کے شیخ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ یہ دشنام محبت ہے جو محبوبوں کی عادت ہوتی ہے تم اپنے کام میں لگے رہو مثنوی کے اس عنوان عام میں یہ مضمون بھی داخل ہے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من	دل فدائے یار دل رنجان من

۳۰- رسم تحصیل برکت از تبرکات

(تبرکات سے برکت حاصل کرنا)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مرضت فاتانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعودنی وابوبکر وھما ماشیان فوجدانی قد اغمی علی فتوضأ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم صب وضوء ہ علی[1] فافقت. الحدیث. (اخرجہ الخمسۃ الا النسائی)

---

[1] بخاری: المرضی عیادۃ المغمی علیہ رقم: ۵۶۵۱، مسلم: الفرائض میراث الکلالۃ رقم: ۵ (۱۶۱۶) ابوداؤد: الفرائض، باب فی الکلالۃ، رقم: ۲۸۸۶، ترمذی: الفرائض، میراث الأخوات، رقم: ۲۰۹۷، وقال: حسن صحیح، قلنا: واخرجہ النسائی ایضا، الطھارۃ، الانتفاع بفضل الوضوء، رقم: ۱۳۸، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، الفرائض، الکلالۃ، رقم: ۲۷۲۸

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیادت کے لئے پیادہ تشریف لائے اور مجھ کو بے ہوش پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور وضو کا پانی مجھ پر ڈال دیا میں ہوش میں آ گیا۔

ف: اکثر اہل محبت وعقیدت کا معمول ہے کہ متبولانِ الٰہی کے ملبوسات ومستعمل اشیاء سے برکت حاصل کرتے ہیں اس حدیث میں صراحۃً اس کا اثبات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا آبِ وضو ان پر ڈالا جس کی برکت سے وہ ہوش میں آ گئے۔

۳۱ - حال غیبت ومحو

عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نزل علیہ الوحی کرب لذالک وتربد وجھہ۔ (اخرجہ مسلم وابوداؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کا کرب ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا۔

ف: کسی وارد غیبی کے غلبہ وہجوم سے حواسِ بشریہ کا معطل ہونا اصطلاح میں غیبت ومحو کہلاتا ہے گو بے اس وارد غالب کا اثر ظاہر جوارح پر بھی محسوس ہوتا ہے اس حدیث میں صراحۃً اس کا ذکر ہے گو تعیین وارد میں تفاوت ہو۔

۳۲ - عادت ترک اسباب مظنونہ

(غیر یقینی اسباب کو ترک کرنا)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرس (لیلاً) حتی نزل: ﴿واللہ یعصمک من الناس﴾ فاخرج رسول اللہ

---

۱ مسلم: الفضائل، عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی البرد، وحین یاتیہ الوحی، رقم: ۸۸ (۲۳۳۴)؛ ایضاً: الحدود، حد الزنا، رقم: ۱۳ (۱۶۹۰) قلت: ماوجدت ھذہ الروایۃ فی سنن الترمذی وابی داؤد بھذا اللفظ. واخرجہ احمد فی مسندہ ۵/۳۲۷.

صلی اللہ علیہ وسلم راسہ من القبۃ، فقال: "یایھا الناس! انصرفوا، فقد عصمنی اللہ عزوجل" (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا جایا کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں (کے شر) سے بچالیں گے پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر مبارک خیمہ سے باہر نکال کر فرمایا کہ: "...... اے لوگو! جاؤ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔"

ف: توکل کی یہ قسم قوی القلب کے لئے جائز بلکہ مستحب ہے اور اکثر اہل طریق کا یہی شعار رہا ہے یہ حدیث صراحتاً اس پر دال ہے۔

تنبیہ: اور اسباب یقینیہ ضروریہ کا ترک ناجائز اور خارج از توکل ہے البتہ اگر خرق عادت کے طور پر واقع ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

۳۳- اصلاح منع غلو در ترک لذات

(حلال چیزوں کے چھوڑنے میں غلو کرنے کی ممانعت)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: انی اذا اصبت اللحم انتشرت للنساء واخذتنی شھوتی فحرمت علی اللحم" فانزل اللہ تعالیٰ: ﴿یا یھا الذین امنوا لاتحرموا طیبت ما احل اللہ لکم﴾ (اخرجہ الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جب گوشت کھاتا ہوں تو میری طبیعت عورتوں کی طرف ابھرتی ہے اور میری خواہش مجھ پر غالب آتی ہے اس لئے گوشت میں نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لئے حلال فرمایا ہے ان کو حرام مت کرو۔"

ف: بعض متشددین بعض حلال چیزوں کو جیسے مطلق گوشت یا مثلاً گائے کا گوشت

---

[1] ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ المائدۃ، رقم: ۳۰۴۶، وقال: حدیث غریب۔
[2] ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ المائدۃ، رقم: ۳۰۵۴، وقال: حسن غریب۔

ف: وارداتِ غیبی کے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر بغض فی اللہ کا ورود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً و فعلاً کیا معاملہ کر رہا ہوں جو صورۃً ادب سے مستبعد ہے سو ایسی حالت میں شارع علیہ السلام نے معذور رکھا ہے پھر جب حالت صحو میں آئے تو حدیث میں آیا ہے کہ بعد میں مجھ کو اپنی جرأت پر تعجب ہوا اور نادم ہوا۔

فائدہ: آیت موصوفہ کا مدلول استغفار کا منافقین کے لئے نافع نہ ہونا ہے نہی عن الاستغفار اس کا مدلول نہیں اس نہی کے غیر مدلول ہونے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیرنی اللہ" میں بیان فرمادیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلبہ سکر میں اس میں تامل نہیں فرمایا اور ظاہر سیاق کو نہی پر محمول فرمالیا۔

۳۵- عادت مہاجرت مرید برائے زجر

(زجر و توبیخ کے طور پر مرید کو الگ کر دینا)

عن عبداللہ بن کعب عن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث تخلفہ عن تبوک او نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین عن کلامنا ایھا الثلثۃ وفیہ قال: فلما جاءنی الذی سمعت صوتہ یبشرنی نزعت لہ ثوبی فکسوتھما ایاہ ببشارتہ وفیہ ﴿حتی اذا ضاقت علیہم الارض بما رحبت﴾ (اخرجہ الخمسۃ)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن کعب سے روایت ہے کہ وہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے غزوۂ تبوک سے رہ جانے کے واقعہ میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان تین آدمیوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرمادیا (جو غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے) اور اس حدیث میں یہ بھی ہے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت میرے پاس وہ شخص آیا جس کی میں نے آواز سنی تھی کہ وہ مجھ کو بشارت

[1] بخاری: المغازی، حدیث کعب بن مالک، قول اللہ تعالیٰ وعلی الثلثۃ الذین خلفوا، رقم ۴۴۱۸، مسلم: التوبۃ، حدیث توبۃ کعب بن مالک وصاحبیہ، رقم ۲۷۶۹، ابوداؤد: الجہاد، اعطاء البشیر، رقم ۲۷۷۳، ترمذی نحوہ: تفسیر القرآن، سورۃ التوبۃ، رقم ۳۱۰۲، نسائی نحوہ: الایمان والنذور، اذا اھدی مالہ علی وجہ النذر، رقم ۳۸۵۴

(قبولِ توبہ کی) اور چاقو تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس بشارت کے صلہ میں اس کو دے دیے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے: حتیٰ کہ ان تینوں آدمیوں پر جب زمین باوجود اتنی بڑی فراخی کے تنگ ہو گئی (بوجہ غم کے الخ)

ف: اکثر بزرگوں کی حکایتیں سنی گئی ہیں کہ مرید کی کسی خلافِ وضع حرکت پر اس کو نکال دیا یا اس سے بولنا چھوڑ دیا یا اور کوئی مناسب سزا دی اور مقصود اس سے محض تنبیہ ہے عداوت مقصود نہیں ہوتا۔ سو اس حدیث سے اس عمل کا مستحسن ہونا ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں صاحبوں سے یہی معاملہ فرمایا۔

ف: رسمِ عطاءِ پارچہ در طرب آرندہ را

(خوشخبری سنانے والے کو کپڑا وغیرہ دینا)

یہ بھی اہلِ وجد میں معمول ہے کہ کسی شعر پر محظوظ ہو کر سنانے والے کو کوئی کپڑا یا نقد دے دیتے ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بشیر کو کپڑا دے دینا اسی قبیل سے ہے۔

ف: حالِ قبض و بسط

حالِ قبض محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثارِ عظمت و استغناء کے وارد ہونے سے قلب کا متأثر ہونا قبض کہلاتا ہے۔ اس واقعہ میں جو ان تینوں صاحبوں کی حالت تنگی کی ہو گئی تھی وہ بھی قبض تھا جس کا سبب توقف قبولِ توبہ میں تھا جو آثارِ جلال سے ہے اسی حالت کو اس قصہ میں ضیقِ ارض و ضیقِ نفس سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

اور قبض کے مقابل حالتِ بسط ہے یعنی آثارِ لطف و فضل کے ورود سے قلب کو سرور و فرحت ہونا اس واقعہ میں ان حضرات پر قبولِ توبہ کے بعد یہ حالت بھی وارد ہوئی تھی چنانچہ حدیث میں مصرح ہے جس کا اثر اس بشیر کو اپنا تمام لباس اتار کر دے دینا ہے جس کا بیان اوپر آ چکا۔

۳۶ — حالِ سکر

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لما اغرق اللہ فرعون قال: آمنت انہ لا الٰہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل، قال

جبرئیل: یا محمد لو رأیتنی وانا اخذ من حال البحر فادسه فی فیه مخافۃ ان تدرکه الرحمۃ" (اخرجه الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق فرمایا تو وہ کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ کوئی معبود برحق نہیں بجز اس ذات کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ مجھ کو (اس وقت) دیکھتے (تو تعجب فرماتے) کہ میں دریا کی کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونستا تھا اس اندیشہ سے کہ اس کو رحمت الٰہیہ نہ پالے۔"

ف: باوجودیکہ مدار قبول ایمان کا بعد اجتماع شرائط کے قلب پر ہے اگر وہ وقت قبول توبہ کا نہ تھا تو زبان سے کہنا نافع نہیں ہوسکتا اور اگر وہ وقت قبول کا تھا تو عزم قلب کافی تھا باوجود اس کے منہ میں کیچڑ دینا یہ بسبب غلبہ سکر کے تھا جس کی حقیقت تحت حدیث کی دو چہارم مذکور ہو چکی اور سبب اس غلبہ کا غایت درجہ کا بغض فی اللہ تھا۔

۳۷- حال ہیبت

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال ابوبکر یا رسول اللہ قد شبت قال: "شیبتنی ھود والواقعۃ" الحدیث. (اخرجه الترمذی)[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: "مجھ کو سورۂ ہود اور سورۂ واقعہ نے بوڑھا کر دیا" (بوجہ اس کے کہ سورۂ ہود میں امم سابقہ کے معذب اور مورد غضب الٰہی ہونے کا ذکر ہے اور سورۂ واقعہ میں اہل نار وجنت کی حالت کی تفصیل ہے اور یہ دونوں مضمون عبرت وخشیت پیدا کرنے والے ہیں)

ف: قبض وبسط میں جب اور ترقی ہوتی ہے اس کو ہیبت وانس کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال چونکہ نہایت ارفع ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خشیت کو جو کہ مقدمہ قبض کو بھی شامل ہے ہیبت سے تعبیر کرنا شایاں ہے۔

---

[1] ترمذی: تفسیر القرآن، سورۂ یونس، رقم: ۳۱۰۷ وقال: حسن

[2] ترمذی: تفسیر القرآن سورۃ الواقعۃ، رقم: ۳۲۹۷، وقال: حسن غریب

ف: خلق مراقبہ

ذات و صفات حق تعالیٰ یا کسی مضمون خاص کی طرف تدبر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور قلب میں مواظبت کے ساتھ جمانا یہ مراقبہ کہلاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ثمرہ خشیت کا کہ جو اس سے بڑھا ہوا ہے موقوف ہے تفکر و تجمع و توجہ قوی پر، پس حدیث سے مثل حال ہیبت کے عمل مراقبہ کا بھی اثبات ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

۳۸- حال فراست

عن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله تعالى" (أخرجه الترمذي)[1]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔"

ف: صفائے قلب کی بدولت جو کہ مواظبت ذکر اللہ و ملازمت تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے اکثر وجدانی طور پر حقائق و واقعات سے مدرک ہونے لگتے ہیں اس کو فراست کہتے ہیں اور یہ کشف کا ایک شعبہ ہے، حدیث صراحۃً اس کی مثبت ہے اور حدیث میں "نور اللہ" عبارت اسی صفاء سے ہے جس کا سبب ذکر و تقویٰ ہے۔

۳۹- خلق خوف اور تواضع

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قلت يا رسول الله ﴿والذين يؤتون ما آتوا وقلوبهم وجلة﴾ هم الذين يشربون الخمر ويسرقون؟ قال: "لا، يا بنت الصديق! ولكنهم الذين يصومون ويتصدقون ويخافون ألا يقبل منهم، أولئك الذين يسارعون في الخيرات" (أخرجه الترمذي)[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (قرآن مجید میں جن لوگوں کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ) ایسے لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور قلوب ان کے ڈرتے ہیں، (یہ خشیت کے موقع میں فرمایا گیا

[1] ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ الحجر، رقم ۳۱۲۷، وقال: حدیث غریب

[2] ترمذی، تفسیر القرآن، سورۃ المؤمنون، رقم ۳۱۷۵

ہے) کیا ان سے ایسے لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ (شبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ ان اعمال کی تعیین صریح الفاظ سے نہیں فرمائی اور وجل کا خوف تھا کہ ہو غالباً اعمال سیئہ سے ہوتا ہے سو یہ قرینہ ہے اعمال بد مراد ہونے کا، مگر موقع فضیلت میں ان کو فرمانا اس قرینہ کا کسی قدر معارض ہے پس یہ اشتباہ موجب سوال ہو گیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نہیں اے بنتِ صدیق کی! بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور خائف رہتے ہیں کہ ان کا یہ عمل مقبول نہ ہو" (یعنی اپنی ذلت پر اور حق تعالیٰ کی عظمت پر نظر کرنے سے اپنے اعمال قابل قبول نہیں سمجھتے) یہ وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں دوڑتے ہیں۔

ف: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے۔

ف: علامت اولیاء و مقربین

حق تعالیٰ نے ان اوصاف کو جو عبد مقربین کے خواص سے فرمایا ہے تو یہ علامت اولیاء سے ہے تتبع احوال سے یہ صفت عارفین میں ضروری کثر مقامات پر غالب معلوم ہوتی ہے گویا ان کا شعار خاص ہے

۴۳- حالِ کرامت

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ هلال بن امیۃ قال: والذی بعثک بالحق انی لصادق ولینزلن اللہ تعالیٰ ما یبرئ ظہری من الحد فنزل جبرئیل علیہ السلام وقیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "لولا ما مضی من کتاب اللہ لکان لی ولها شأن" (اخرجہ البخاری والترمذی وابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہلال بن امیہ کے قصہ میں مروی ہے (جب کہ انہوں نے اپنی بیوی پر دعویٰ زنا کا کیا اور گواہ نہ ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یا تو تم گواہ لاؤ ورنہ تم پر حد قذف (کہ اسی ۸۰ درے ہیں) جاری ہوگی) انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا کہ بیشک میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل فرمائیں گے جو میری کمر کو (حد قذف سے)

---

۱ بخاری: التفسیر، سورۃ النور، باب ویدرء عنها العذاب رقم ۴۷۴۷، ابوداؤد: الطلاق، اللعان، رقم ۲۲۵۴، ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ النور، رقم ۳۱۷۹، وقال حسن غریب، قلنا. واخرجه ابن ماجة، الطلاق، اللعان، رقم ۲۰۶۷

بری کردے گا" پس حضرت جبرئیل علیہ السلام (لعان کی آیت لے کر) نازل ہوئے۔ (جس میں میاں بیوی کی قسموں سے فیصلہ ہو جاتا ہے) اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (جب کہ لڑکا ان علامتوں کا پیدا ہوا جن کو پہلے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولد الحرام ہونے کی علامتیں وحی باطن سے قرار دیا تھا) کہ: "اگر وہ حکم قرآنی نازل نہ ہوتا جو کہ جاری ہو چکا ہے تو میرا اور اس عورت کا بڑا معاملہ ہوتا" (کہ میں اس کو سزا دیتا)

ف: ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل فرماویں گے الخ، اگر خبر پر محمول کیا جائے جیسا ظاہر صورت جملہ کا مقتضا ہے تو اس میں ان کی پیشین گوئی کی کرامت ہے اور اگر باعتبار قصد کے اس کو انشاء کے ساتھ مؤول کیا جائے تو قبول دعا کی کرامت ہے۔

ف: اصلاح "ترجیح شریعت بر حقیقت"

(حقیقت پر شریعت کو ترجیح دینا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور وحی سے حقیقت حال منکشف ہو گئی تھی کہ اگر فلاں فلاں علامت کا لڑکا ہوا تو حرام سے ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا امر جس میں نسبت ایسے امر عظیم کی کسی شخص کی طرف ہو ظن اور قرائن سے نہیں فرما سکتے، پس باوجود تیقن حقیقت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بوجہ اس کے کہ قانون شرعی اس حقیقت پر عمل کرنے سے مانع تھا' مقتضائے حقیقت مکشوفہ کو ترک فرما دیا' اس میں بہت بڑا مسئلہ ثابت ہو گیا جس میں اصلاح ہے عقیدہ وعمل کی کہ شریعت کو حقیقت پر ہمیشہ ترجیح دی جائے گی اور یہ بہت بڑی رحمت ہے حق تعالیٰ کی ورنہ تمام انتظام عالم کا درہم برہم ہو جاتا' مثلاً حقیقت امر یہ ہے کہ تمام اشیاء مملوک حق تعالیٰ کی ہیں اور نسبت مجازی گو عباد کی طرف ہے مگر حقیقت کے روبرو مجاز مضمحل ہونا چاہیے سو اگر اس حقیقت پر کوئی شخص عمل کرنے لگے تو وہ اپنی اور پرائی چیزیں اور منکوحہ وغیر منکوحہ عورت میں کوئی فرق نہیں کرے گا اور اس سے جو کچھ مفاسد وقبائح وشرور لازم آ سکتے ہیں ظاہر ہے سو حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ شریعت کو ان شرور کا مانع اور سد باب بنا دیا جو لوگ اس راز کو نہیں جانتے وہ اپنا عقیدہ اور عمل تباہ کر کے زندقہ والحاد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۴۱- حال شطح وادلال (شوخی)

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فی حدیث الافک حین نزل براتها قالت: فقالت لی امی: قومی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقلت: والله لا اقوم الیه، لااحمد الا الله هو الذی انزل براتنی. (اخرجه الخمسة الا اباداؤد[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس قصہ میں جب کہ ان پر تہمت لگائی گئی تھی روایت ہے کہ جب ان کی برأت قرآن مجید میں نازل ہوئی تو ان کی والدہ نے کہا اٹھو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ (یعنی بطریق ادائے شکریہ وسلام کے یہ اس وقت جوش میں تھیں) کہنے لگیں کہ واللہ میں اٹھ کر آپ کے پاس نہ جاؤں گی اور میں بجز خدا تعالیٰ کا کسی کا شکریہ ادا نہ کروں گی اسی نے میری برأت نازل فرمائی ہے (اور سب کو تو شبہ ہو ہی گیا تھا)

ف: بعض بزرگوں سے کلماً یا نثراً بعض ایسے کلمات منقول ہیں جن کا ظاہری عنوان موہم گستاخی ہے اگر یہ غلبہ حال میں ہو تو اس کو شطح وادلال کہتے ہیں، حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ کہنا اسی قبیل سے ہے جس کا منشاء ایک خاص سبب سے شدت غم ہے وہ یہ کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بمقتضائے بشریت وعدم علم غیب اس معاملہ میں مشوش ومتردد تھے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس تردد کی اطلاع تھی پس ان کو یہ قلق تھا کہ افسوس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شبہ ہے بس برأت کے نزول سے ان کو جوش آ گیا اور یہ جواب ان سے صادر ہوا چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا، حدیث سے اہل شطح وادلال کا معذور ہونا ثابت ہو گیا۔

۴۲- اصلاح، نفی تصرف مستقل عن الشیخ

(فیض پہنچانا شیوخ کے قبضہ واختیار میں نہیں)

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ ﴿انک لاتهدی من احببت﴾ قال: نزلت فی رسول الله صلی الله علیه وسلم حیث یراود عمه ابا

[1] بخاری: المغازی، باب حدیث الافک، رقم: ۴۱۴۱، مسلم: التوبة، حدیث الافک، وقبول توبة القاذف، رقم: ۵۶ (۲۷۷۰)، ترمذی: تفسیر القرآن سورۃ النور، رقم: ۳۱۸۰، وقال: حسن صحیح غریب، النسائی: (الکبری) نحوہ عشرۃ النساء، قرعۃ الرجل بین نسائه اذا اراد السفر۔

طالب علی الاسلام۔ (اخرجہ مسلم والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں "انک لاتھدی الخ" مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نازل ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے (اور روایت دیتے تھے)

ف: بعض ناواقف غلطی سے یوں سمجھتے ہیں کہ فیض پہنچانا شیوخ کے قبضہ واختیار میں ہوتا ہے اس حدیث سے اس غلطی کی پوری اصلاح ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار نہ ہوا تو اوروں میں تو اس کا کب احتمال ہے اور جب نفع دینی جو اصل کام شیخ کا ہے مستقلاً خارج از اختیار ہے تو نفع دنیوی تو بدرجہ اولیٰ استقلالاً اختیار میں نہ ہوگا بہت سے جہلاء اس میں بھی گرفتار ہیں کہ نعوذ باللہ اولیاء اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھتے ہیں پس اس حدیث سے اس کی بھی اصلاح ہوگئی۔

۳۴۔ مسئلہ عدم اخلال خطرہ در کمال صلوٰۃ

(کمال صلاۃ کے لئے خطرات وخیالات کا نہ آنا شرط نہیں ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قولہ تعالیٰ: ﴿ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ﴾ قال: قام نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما یصلی، فخطر خطرۃ، الحدیث (اخرجہ الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت "ما جعل اللہ لرجل" الخ کے شان نزول میں مروی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور نماز میں آپ کو کچھ خطرہ ہوا الحدیث۔

ف: بعضے لوگ کمال صلوٰۃ کے لئے خطرات کے نہ آنے کو شرط سمجھتے ہیں اس حدیث سے عدم اشتراط صاف معلوم ہو گیا لیکن باختیار خود کسی اجنبی بات میں فکر وغور کرنا البتہ منافی کمال صلوٰۃ ہے غرض خطرات کا لانا تو اختیاری ہے اور خطرات کا آنا غیر اختیاری ہے اور امر

---

[1] مسلم، الایمان، الدلیل علی صحۃ اسلام من حضرہ الموت مالم یشرع فی النزع وقم: ۳۱ (۲۵) ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ القصص، رقم: ۳۱۸۸، وقال: حسن غریب۔

[2] ترمذی: تفسیر القرآن: سورۃ الاحزاب، رقم: ۳۱۹۹ وقال: حسن۔

اختیاری تحمل کمال ہوتا ہے اور غیر اختیاری کا نہ تو وجود تحمل کمال ہے اور نہ عدم تحمل مضر ہے بلکہ عدم خطرہ ایک قسم کا استغراق ہے جو فی نفسہ حالت محمودہ ہے مگر مقصود نہیں بلکہ بعض اوقات خطرہ والی نماز بے خطرہ والی نماز سے افضل واکمل ہوتی ہے کہ خطرات کو دفع اور قلب کو جمع کرنے میں مشقت لاحق ہوتی ہے اور مدار فضل وجزا کا عمل ومشقت ہے۔

۴۴۔ مسئلہ ظہور قدیم در صورت حادث

(حادث کی آواز میں قدیم کی تجلی)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ قال: ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "اذا قضی اللہ تعالٰی الامر فی السماء ضربت الملٰئکۃ علیھم السلام باجنحتھا خضعانا لقولہ کانہ سلسلۃ علٰی صفوان"۔ (اخرجہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالٰی آسمان میں کسی امر کا (فرشتوں کو) حکم فرماتا ہے تو فرشتے اس کی بات سننے کے وقت عاجزانہ اپنے بازو جھکا دیتے ہیں اور وہ بات ایسی ہوتی ہے جیسے کسی پتھر پر زنجیر کو کھینچا جائے (اور اس میں آواز پیدا ہو)

ف: ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی کا کلام قدیم ہے اور صوت سلسلۃ علی صفوان حادث ہے پس کلام قدیم کا ظہور مشابہ صوت حادث کے ہونا جو حدیث میں آیا ہے اس سے وہ امر ثابت ہوا جو اکثر بزرگوں کے کلام میں مذکور پایا جاتا ہے کہ ذات قدیم نے کائنات حادث میں ظہور فرمایا کبھی تجلی مثالی سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت اس ظہور وتجلی کی نہ اتحاد ہے نہ حلول ہے نہ اتحاد ہے کہ یہ سب تجلیات عقلیہ ونقلیہ ہیں بلکہ ایجاد ہے ایک امر کا جو باعتبار بعض اوصاف کے اس قدیم کے مشابہ ہے جس سے وہ حادث اس قدیم کا ان اوصاف کے لحاظ سے کاشف ہو جاتا ہے اور اس حادث کو صورت اور امثال بھی کہا جاتا ہے حدیث میں جو "رأیت ربی فی احسن صورۃ" آیا ہے اس کا بھی یہی محمل ہو سکتا ہے اور تشبیہ خود آیت نور میں ثابت ہے خوب سمجھ لو۔

۱؎ بخاری، التفسیر، سورۃ الرعد، رقم: ۴۷۰۱، قلت: واخرجہ الترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ سبا، رقم: ۳۲۲۳، وقال: حسن صحیح، قلت: واخرجہ ابن ماجۃ، المقدمۃ، فیما انکرت الجھمیۃ، رقم: ۱۹۴۔

۴۵- حالِ غیبت و محو

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذا تکلم اللہ تعالیٰ بالوحی سمع اھل السماء صلصلۃ کجر السلسلۃ علی الصفا فیصعقون"۔ (اخرجہ ابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتے ہیں تو اہل آسمان ایک آواز سنتے ہیں جیسے پتھر کی چٹان پر زنجیر کھینچی جائے پھر اس سے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

ف: قوت وارد سے کبھی سالک از خود رفتہ ہو جاتا ہے اس حال کو غیبت و محو کہتے ہیں اس حدیث سے اس کا صاف اثبات ہوتا ہے۔

۴۶- تعلیمِ عدمِ تضجر از قبض

(قبض سے دل گرفتہ نہ ہو)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نزلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا﴾ قال: الفتح ھو فتح الحدیبیۃ (اخرجہ الشیخان والترمذی)[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا﴾ نازل ہوئی یعنی اے محمد! ہم نے آپ کو ایک فتح نمایاں دی اور یہ فتح یعنی فتح حدیبیہ ہے۔

ف: واقعہ حدیبیہ میں معلوم ہے کہ ظاہراً مسلمانوں کو کفار سے دبنا اور دب کر صلح کرنا پڑا لیکن بتصریح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بنا پر فتح تنزیل فرمایا کہ اس میں بہت سی مصلحتیں مضمر تھیں اور آخرکار یہی مقدمہ فتح مکہ کا ہوا جس کے فتح نمایاں ہونے میں کچھ خفا نہیں اس سے مشائخ کی اس تعلیم کی اصل نکلی کہ وہ قبض کو گو ظاہراً ناکامی

---

[1] ابوداؤد، السنۃ، باب فی القرآن، رقم: ۴۷۳۸، قال المنذری: وقد اخرج البخاری والترمذی وابن ماجۃ نحوہ من حدیث عکرمۃ مولی ابن عباس عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھو الحدیث الرابع والاربعون۔ [2] البخاری، المغازی، غزوۃ الحدیبیۃ، رقم: ۴۱۷۲، ایضا: التفسیر، سورۃ الفتح، رقم: ۴۸۳۴، مسلم، الجھاد، صلح الحدیبیۃ، رقم: ۹۷ (۱۷۸۶)، الترمذی نحوہ، تفسیر القرآن، سورۃ الفتح، رقم: ۳۲۶۳، وقال: حسن غریب صحیح

ہے طالب کے حق میں حالت محمودہ اور نفع میں مثل بسط کے فرماتے ہیں کیوں کہ وہ بھی متضمن مصالح سالک کو ہوتا ہے اور نیز مقدمہ بسط قوی کا ہوتا ہے قال العارف الرومیؒ:

چوں کہ قبضے آیدت اے راہ رو — آں صلاح تست آیس دل مشو

چوں کہ قبض آمد تو دروی بست بیں — تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

۴۷-قول: القلب ارض اللہ الواسعۃ

(دل اللہ تعالیٰ کی کشادہ سرزمین ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قولہ تعالیٰ: ﴿اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا﴾ قال: یلین القلوب بعد قسوتھا فیجعلھا مخبتۃ منیبۃ، یحی القلوب المیتۃ بالعلم والحکمۃ، والا فقد علم احیاء الارض بالمطر مشاھدۃ (اخرجہ رزین[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں ﴿اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا﴾ یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قلوب کو ان کے قسوت کے بعد نرم کر دیتا ہے پھر ان کو خشوع اور انابت کے ساتھ موصوف کر دیتا ہے یعنی مردہ دلوں کو علم اور حکمت کے ساتھ زندہ کر دیتا ہے ورنہ زمین کا بارش سے تروتازہ ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے۔

حاصل مقام یہ ہے کہ اس آیت سے اوپر حق تعالیٰ نے قلوب میں خشوع پیدا کرنے کا حکم فرمایا ہے اس کے بعد مضمون حیات ارض کا ارشاد ہوا ہے جس کی دو توجیہ ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ مقصود نظیر بیان کرنا ہے حیات قلب کی دوسری یہ کہ ارض سے مراد مجازاً خود قلب ہو بطور استعارہ کے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

ف: بعض صوفیاء نے قلب کو ارض اللہ واسعہ سے تعبیر کیا ہے یہ حدیث اس قول کا ماخذ ہو سکتا ہے۔

ف: متفرقات، تفسیر خلاف ظاہر

اکثر صوفیاء کرام کے کلام میں بعض آیات و احادیث کا خلاف ظاہر معنی پر محمول ہونا پایا

[1] ذکرہ السیوطی: فی الدر المنثور، سورۃ الحدید (۶/ ۵۳) مختصراً

جاتا ہے جس پر بعض اہل علم انکار کرتے ہیں مبادرت کر بیٹھتے ہیں اس حدیث سے ان کی تاویلات کی صحت نکلتی ہے "کلید مثنوی" میں (۸۳/۱) میں اس کی مبسوط تحقیق ہے جو دیکھنے کے قابل ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ نے "الفوز الکبیر" میں حدیث متفق علیہ "اعملوا فکل میسر لما خلق لہ[1] الخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت پڑھنے ﴿فاما من اعطی﴾ الخ کو اسی پر محمول کیا ہے اور حدیث میں جو آیا ہے "القرآن لہ ظھر وبطن"[2] اس کے معنی بھی کلید مثنوی میں بطریق تحقیق تفسیر صوفیہ کے دیئے گئے ہیں۔

۳۸ – عادت اخفائے عمل (اپنے عمل کو پوشیدہ رکھنا)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه في قوله تعالى ﴿ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة﴾ الأية، ان رجلا من الانصار بات به ضيف ولم يكن عنده الا قوته وقوت صبيانه، فقال لامرأته: نومي الصبية، واطفئ السراج، وقدم للضيف ما عندك، فنزلت الأية. (اخرجه الترمذي وصححه)[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ﴿ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ﴾ روایت ہے کہ ایک صحابی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رات کو ایک مہمان آیا اور ان صحابی کے پاس بجز اپنے اور بچوں کی قوت لا یموت کے اور کچھ نہ تھا (یہ سوچا کہ اگر ہم اور بچے یہ کھانا کھالیں گے تو مہمان بھوکا رہ جائے گا) اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو (بہلا کر) سلا دینا اور چراغ گل کر دینا (تاکہ یہ اندھیرے میں نہ کوئی دیکھے اور خود بھی نہ کھاوے گا) اور جو کچھ حاضر ہے مہمان کے سامنے رکھ دینا (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور

---

[1] بخاري: التفسير، قوله تعالى: فاما من اعطى واتقى، رقم: ۴۹۴۵. مسلم: القدر، كيفية خلق الآدمي في بطن امه، وكتابة رزقه، واجله وعمله وشقاوته وسعادته رقم: ۲۶۴۷ عن علي رضي الله تعالى عنه. [2] قلت: مع وجدته بهذا اللفظ في المجموع من الأحاديث واخرج ابن حبان (۱/۲۷۶ رقم: ۷۵) وابو يعلى (۹/۸۱ رقم: ۵۱۴۹) والطبراني في "الكبير" (۱۰/۱۰۵ رقم: ۱۰۱۰۷) بلفظ: لكل آية منها ظهر وبطن عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه واخرج الطبراني في الأوسط (۱/۲۳۶ رقم: ۷۷۳) والبزار (۲/۱۰۹) بلفظ: لكل حرف منها ظهر وبطن عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال الهيثمي في "مجمع الزوائد" (۷/۱۵۲) رواه البزار وابو يعلى والطبراني في الكبير ورجال احدهما ثقات، ورجال البزار ايضا ثقات.
[3] ترمذي: تفسير القرآن: سورة الحشر، رقم: ۳۳۰۴ وقال: حسن صحيح.

دولوں میاں بیوی بھوکے رہے اور کھانا بالکل نہیں کھایا) اس پر آیت نازل ہوئی۔

ف: بہت سے بزرگوں کی عادت ہے کہ اپنے عمل صالح کے اخفاء میں بہت مبالغہ کرتے ہیں اس حدیث سے اس کی صاف تائید ہوتی ہے۔

ف: خلق ایثار (دوسرے کی مصلحت کو اپنی مصلحت پر مقدم کرنا)

نیز ان حضرات کے اخلاق میں جو صفت ایثار کی ہے یعنی دوسروں کی مصلحت کو اپنی مصلحت پر مقدم رکھنا اس حدیث میں اس کا بھی اثبات ہے۔

۳۹- اصلاح تحریم صور مشائخ

(مشائخ کی تصویروں کو رکھنا درست نہیں)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قولہ تعالیٰ: ﴿ولا سواعاً ولا یغوث ویعوق ونسرا﴾ قال: وکلھا اسماء رجال صالحین من قوم نوح علیہ السلام، فلما ھلکوا اوحی الشیطان الی قومھم ان انصبوا الی مجالسھم التی کانوا یجلسون فیھا انصابا وسموھا باسمائھم، ففعلوا، فلم تعبد، حتی اذا ھلک اولئک ونسخ العلم عبدت۔ (اخرجہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ﴿ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا﴾ مروی ہے کہ یہ سب نام تھے نوح علیہ السلام کے کچھ بزرگوں کے، جب وہ مر گئے شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات سوجھائی کہ جہاں یہ لوگ بیٹھتے تھے وہاں کچھ نشان (بطور یادگار کے) کھڑے کرلو اور ان کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ لو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس وقت تو ان کی عبادت نہیں ہوئی یہاں تک کہ جب یہ لوگ مر گئے اور علم جاتا رہا تو ان کی عبادت ہونے لگی۔

ف: بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے بڑوں کے بزرگوں کی تصویر تبرکاً اپنے پاس رکھتے ہیں اس حدیث سے ان کا موجب فساد ہونا ظاہر ہے اور وہ مفاسد مشاہد بھی ہیں اور چونکہ شرائع سابقہ میں فی نفسہ تصویر مباح بھی تھی اور اس شریعت میں وہ فی نفسہ بھی حرام ہے اس لئے اب

---

[1] بخاری: التفسیر، سورۃ نوح، رقم: ۴۹۲۰

اس سے بھی زیادہ مقصود ہے بالخصوص اس سے اور زیادہ مقصود قوی ہو جاتا ہے کہ شریعت میں تصویر واجب الاہانت ہے اور وہ ایسی تصویروں کی خود تعظیم کی جاتی ہے تو شرع کا پورا مقابلہ ہے۔

۵۰- تحقیقات نور و ظلمت قلب

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن العبد إذا أخطأ خطيئة نكتت في قلبه نكتة، فإذا هو نزع واستغفر وتاب صقل قلبه، وإن عاد زيد فيها حتى تعلو قلبه وهو الران الذي ذكر الله تعالى".
(أخرجه الترمذي وصححه)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک دھبہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر جب وہ باز آتا ہے اور توبہ و استغفار کر لیتا ہے تو اس کا قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ پھر کرتا ہے تو اس دھبہ میں ترقی ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے قلب کو محیط ہو جاتا ہے اور یہ وہی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) فرمایا ہے ﴿كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون﴾ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ چڑھ گیا ہے۔")

ف: اکثر بزرگوں کے کلام میں وارد ہے کہ ذکر و طاعت سے قلب نورانی ہو جاتا ہے اور غفلت و معصیت سے قلب ظلمانی ہو جاتا ہے، اس حدیث میں اسی نور و ظلمت کا ذکر ہے، یعنی آثار ذکر و طاعت کے انوار ہیں اور آثار غفلت و معصیت کے ظلمات اور یہ نور و ظلمت مثل اجسام حسیہ و مظلمہ کے حسی نہیں ہیں اور جو انوار بعض اوقات محسوس ہوتے ہیں وہ مقصود نہیں۔

۵۱- مسئلہ عدم انتہائے ترقی عارف

(عارف کامل کی ترقی کا کوئی منتہیٰ نہیں)

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه في قوله تعالى: ﴿لتركبن طبقا عن طبق﴾

---

[1] الترمذي، تفسير القرآن، سورة ويل للمطففين، رقم: ۳۳۳۴، وقال: حسن صحيح. قلت: وأخرجه ابن ماجه، الزهد، ذكر الذنوب، رقم: ۴۲۴۴، جاء في رواية الترمذي "سقل" بينما جاء في رواية ابن ماجه "صقل".

قال: حال بعد حال قال: هذا نبیکم صلی الله علیه وسلم. (اخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ﴿لترکبن طبقا عن طبق﴾ منقول ہے کہ انہوں نے اس کے یہ معنی کہے ہیں "حالاً بعد حال" اور کہا ہے کہ اس کے مخاطب تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دیگرے حالات کو طے فرماویں گے)

ف: اہل طریق کے ملفوظات میں منقول ہے کہ عارف کامل کی ترقی کبھی منتہی نہیں ہوتی' یہ حدیث اپنے اطلاق الفاظ سے اس پر منطبق ہے کیوں کہ حالاً بعد حال سے نہ تثنیہ مقصود ہے اور نہ اس میں کوئی عدد اور حد مذکور ہے' اس لئے احوال لاتقف عند حد اس کا مصداق ہوگا اور یہی مطلب ہے ان الفاظ مذکور کا۔

۵۲- تعلیم مراقبہ

عن ابی ذر رضی الله عنه قلت یا رسول الله وما کانت صحف ابراهیم وموسیٰ؟ قال: "کانت عبراً کلها، عجبت لمن ایقن بالموت ثم یفرح، عجبت لمن ایقن بالنار کیف یضحک؟ عجبت لمن رای الدنیا وتقلبها باهلها ثم یطمئن الیها، عجبت لمن ایقن بالقدر ثم ینصب، عجبت لمن ایقن بالحساب ثم لایعمل". (اخرجه رزین[2])

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں کیا مضامین تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ سب نصائح تھیں جن میں سے بعض یہ ہیں کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو موت کا یقین رکھتا ہو اور پھر خوش ہوتا ہو میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں کہ دوزخ کا یقین رکھتا ہو پھر کیسے ہنستا ہے، میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا کو اور اہل دنیا کے ساتھ اس کے انقلابات کو دیکھتا ہو پھر اس میں جی لگاتا ہو میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو تقدیر کا یقین رکھتا ہو (اور جانتا ہو کہ رزق مقدر ملے گا) اور پھر (طلب رزق میں مبالغہ کے ساتھ) مشقت کرتا

---

[1] بخاری: التفسیر، سورۃ اذا السماء انشقت، رقم: ۴۹۴۰۔ [2] ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور، سورۃ الأعلی (۶/ ۳۴۱) وعزاہ الی عبد بن حمید وابن مردویۃ وابن عساکر

ہے میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو حساب کا یقین رکھتا ہو اور پھر (نیک) عمل نہ کرتا ہو۔"

ف: کسی مضمون کو تازہ یاد رکھنا اور اس کو پیش نظر رکھنا یہ مراقبہ کہلاتا ہے جس کی تعلیم اہل سلوک میں معتقد ہے اور اس کے راسخ کرنے کے لئے ابتداء میں تجربہ سے اس کی ضرورت ثابت ہوئی ہے کہ کوئی وقت معین ومقدار کر کے اسی فکر میں مشغول رہے۔

اس حدیث میں اس کی اصل موجود ہے کیونکہ بعض امور مذکورہ کے یقین پر یہ ثمرات مرتب ہونا بدون اس کے کہ پھر ان امور کے پیش نظر رکھنے کا قصداً اہتمام کیا جائے عادۃً متعسر ہے اور یہی حقیقت ہے مراقبہ کا۔

۵۳- موجب اطمینان شدن توافق کشوف

(کسی معاملہ میں کئی لوگوں کے کشف کا یکساں ہونا باعث اطمینان ہوتا ہے)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ ان رجالا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اروا لیلۃ القدر فی المنام فی السبع الاواخر فقال صلی اللہ علیہ وسلم: "اری رؤیاکم قد تواطئت فی السبع الاواخر، فمن کان متحریها فلیتحرها فی السبع الاواخر". (اخرجه الثلاثة والترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم سے بعضوں کو خواب میں شب قدر دکھلائی گئی کہ اخیر کی سات تاریخوں میں ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں تمہارے خوابوں کو اس باب میں متوافق پاتا ہوں سو جو شخص شب قدر کو تلاش کرنا چاہے وہ اخیر کی سات تاریخوں میں تلاش کرے۔"

ف: بعض بزرگوں نے تصریح کی ہے کہ گو کشف حجت شرعیہ نہیں لیکن اگر کسی امر مسکوت عنہ فی الشرع میں بہت سے کشف متفق ومتوافق ہو جائیں تو صورت الترجیح بلا مرجح سے بچا جاوے گا، یہ حدیث اس پر صاف دال ہے۔

---

[1] البخاری: فضل لیلۃ القدر، التماس لیلۃ القدر فی السبع الأواخر رقم: ۲۰۱۵، مسلم الصیام: فضل لیلۃ القدر والحث علی طلبها رقم: ۲۷۶۱ (۱۱۶۵)، موطا: الصیام، ما جاء فی لیلۃ القدر. وأما الترمذی فلم یخرج هذه الروایة بل أخرج روایة عائشة رضی الله عنها نحوه وأشار إلیها فی الباب بقوله: "وفی الباب عن عمر ... وابن عمر"

۵۴۔ تعلیم انقطاع وسوسہ بذکر

(ذکر اللہ کے ذریعہ وسوسہ کا ختم ہونا)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الشیطان جاثم علی قلب ابن ادم فاذا ذکر اللہ تعالیٰ خنس، واذا غفل وسوس". (اخرجہ البخاری تعلیقاً) (بخاری: التفسیر، سورۃ ناس نحوہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "شیطان آدمی کے قلب پر جما ہوا بیٹھا ہے جب آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔"

ف: اس حدیث میں علاج ہے وسوسہ کا کثرت ذکر سے اور اس کی وجہ عقلاً بھی ظاہر ہے کیوں کہ مسئلہ عقلیہ مسلمہ ہے کہ نفس ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں کر سکتا جب ذکر میں مشغول ہوگا ظاہر ہے کہ وساوس غیر ذکر میں منقطع ہو جاویں گے اور یہ علاج مشترک ہے اختیاریہ مؤثمہ وساوس اختیاریہ مباحہ و وساوس اختیاریہ میں یعنی وسوسہ معصیت کا ہو اور قصداً آیا ہو اور اس کے مقتضاء پر عمل بھی ہو خواہ ظاہراً یا باطناً جس میں گناہ ہوتا ہے اور جو ایسا نہ ہو اور اس میں گناہ نہ ہوتا ہو گو قصداً ہو اور جو بلا قصد ہو ان سب قسموں کا علاج ہے اور وساوس مباحہ میں گو ضرر معصیت نہ ہو لیکن قلب کی استعداد ردی ہو جاتی ہے جس سے معصیت کے لئے اسرع للقبول ہونے کا اندیشہ قوی ہے اور وسوسہ غیر اختیاریہ سے گو استعداد بھی خراب نہیں ہوتی لیکن کلفت اور تشویش قلب پیدا ہونے سے اندیشہ تعطل و ترک ذکر کا ہوتا ہے لہٰذا اس کا علاج بھی مصلحت ہے۔

۵۵۔ تعلیم مشروطی مشروعیت جہر بالذکر بعدم تاذی جیران

(بآواز بلند ذکر کرنا اگر کسی کو تکلیف و پریشانی نہ ہو درست ہے)

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد، فسمعہم یجہرون بالقرآن فکشف الستر فقال "الا ان کلکم مناجی ربہ فلا یؤذین بعضکم بعضاً ولا یرفع بعضکم علی بعض فی

القراءۃ او فی الصلوۃ۔ (اخرجہ ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا اور لوگوں کو قرآن پکار کر پڑھتے ہوئے سنا پس پردہ اٹھایا اور فرمایا کہ سن لو! تم میں ہر شخص اپنے رب سے عرض معروض کر رہا ہے (اور وہ آہستہ اور پکار کے ہر طرح سن لیتا ہے) پس ایک دوسرے کو پریشان مت کرو یعنی قرآن پڑھنے میں یا نماز میں ایک دوسرے پر آواز مت بلند کرو۔

ف: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی عن الجہر کو معلل فرمایا عدم ایذاء کے ساتھ اس سے دو امر مستفاد ہوئے' ایک یہ کہ ذکر جہر فی نفسہٖ مشروع ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی مشروعیت مشروط ہے اس سے کہ کسی کو ایذاء اور تشویش نہ ہو پس اس میں فصل ہے درمیان افراط و تفریط کے اس مسئلہ میں جو اس وقت واقع ہو رہے ہیں کہ بعضے مطلقاً جہر بالذکر کو خلاف سنت کہتے ہیں' اور بعضے اس پر اس قدر مصر ہیں گو اہل محلہ کو تکلیف ہو' نیندیں برباد جاویں' نماز بھولنے لگیں' لیکن وہ اس طرف اصلاً التفات نہیں کرتے' اصل یہ ہے کہ عبادت مقصودہ تو نفس ذکر ہے اور جہر فی نفسہٖ عبادت نہیں' صرف اس میں بعض مصالح ہیں جیسے شرح قلب' تقلیل خطرات و نحو ذالک' لیکن اگر کسی کو ایذاء پہنچے تو ایذاء رسانی سے جو مضرت باطنی ہوتی ہے وہ اس مصلحت سے زیادہ اشد ہے' لہٰذا اس وقت اخفاء ضروری ہے' رہا یہ کہ اگر مفاسد و مصالح دونوں قسم کے عوارض نہ ہوں تو فی نفسہٖ جہر اولیٰ ہے یا خفی' تو احادیث سے اولویت خفی کی معلوم ہوتی ہے۔

۵۶- مسئلہ توسط ناقص در افاضہ برائے کامل احیاناً

(کبھی ناقص کامل کے لئے حصول فیض کا ذریعہ بن جاتا ہے)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قام رجل من اللیل فقرأ القرآن ورفع صوتہ فلما اصبح قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یرحم اللہ فلانا کای

---

[1] ابوداؤد: الصلاۃ، التطوع، رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل، رقم: ۱۳۳۲، سکت عنہ المنذری الا ان قال: واخرجہ النسائی

من آیۃ اذکرنیہا اللیلۃ کنت اسقطتہا. (رواہ الشیخان وأبو داؤد وہذا لفظہ[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے) رات کو اٹھے اور قرآن پڑھا اور بلند آواز سے پڑھا جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ فلانے شخص کا بھلا کرے کہ اس نے بعض آیتیں رات کو مجھ کو یاد دلادیں جن کو میں بھول گیا تھا۔''

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گاہے ناقص واسطہ فیض کامل کے لئے بن جاتا ہے پھر یہ واسطہ بننا اگر بلا قصد ناقص کے ہے تب تو کچھ اشکال ہی نہیں جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کیوں کہ مفیض محض حق تعالیٰ ہے اور ناقص سبب محض ہے اور اس مرتبہ میں چونکہ ہر مستفیض اپنے مفیض کے لئے واسطہ افاضہ ہے چنانچہ جب کسی ہادی سے اس کے تابع کو ہدایت کا نفع پہنچے گا ظاہر ہے کہ ثواب کا نفع اس مستفیض کے ذریعہ سے اس مفیض کو ملے گا اور اگر یہ واسطہ بننا بقصد ناقص کے ہے جیسا کہ مشاورت کے بعض مواقع میں روایات سے ثابت ہے تب بھی افضلیت ناقص کا شبہ نہ کرنا چاہئے کیوں کہ نبی کا افضل ہونا بمعنی زیادت قرب وکثرت ثواب عند اللہ ہے اور یہ توسط کسی امر خاص میں اس زیادت وکثرت کے منافی نہیں اور غیر نبی میں اگر اس ناقص کو اس امر خاص میں اس کامل سے بھی اکمل کہہ دیا جاوے تو کوئی اشکال نہیں اور اس امکان توسط سے فوائد صحبت صلحاء کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ شیخ بھی صحبت سے اپنے کو مستغنی نہ سمجھے بسا اوقات اس کو مریدوں سے بعض منافع باطنی پہنچ جاتے ہیں۔

۵۷- مسئلہ خاصیت سماع

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''اقرء علی القرآن'' فقلت: اقرأ علیک وعلیک انزل؟ فقال: ''انی احب ان اسمعہ من

---

[1] بخاری: فضائل القرآن، نسیان القرآن، وہل یقول: نسیت آیۃ کذا وکذا، رقم ۵۰۳۷، ۵۰۳۸، مسلم: فضائل القرآن ومایتعلق بہ، الأمر بتعہد القرآن، وکراہۃ قول نسیت آیۃ کذا وجواز قول انسیتہا، رقم: ۲۲۳ (۷۸۸) أبو داؤد: الصلاۃ، التطوع، رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل، رقم: ۱۳۳۱)

غیری" فقرأت علیه وفیه فاذا عیناه تذرفان (اخرجه الستة الا النسائی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "مجھ کو قرآن پڑھ کر سناؤ" میں نے عرض کیا: کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ خود آپ پر نازل ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "میں یہی چاہتا ہوں کہ دوسرے سے پڑھ کر سنوں" سو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو چلنے لگے۔

ف: غالب امر طبعی ہے کہ کسی چیز کے خود پڑھنے سے وہ لطف نہیں حاصل ہوتا جو اس کو دوسرے کے سننے سے حاصل ہوتا ہے اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے اور یہی نکتہ ہے کہ تقویت حال یا تجدید شوق و تحصیل جمعیت کے لئے دوسرے شخص کو سماع کے لئے تجویز کیا جاتا ہے البتہ بعض سماع کا ناجائز ہونا یہ دوسری بات ہے۔

ف: حال وجد

کسی حالت محمودہ غریبہ کا غلبہ اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے تذرفان سے اس کی اصل بھی ثابت ہوتی ہے۔

۵۸- مسئلۂ وجد کا طریق

عن اسماء رضی الله تعالی عنها قالت: ما کان احد من السلف یغشی علیه ولا یصعق عند تلاوة القرآن وانما کانوا یبکون ویقشعرون ثم تلین جلودهم وقلوبهم الی ذکر الله. (اخرجه رزین)[2]

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سلف (یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعینؒ) میں سے تلاوت قرآن کے وقت نہ کسی پر بے ہوشی ہوتی تھی اور نہ کوئی

---

[1] بخاری، التفسیر، النساء، فکیف اذا جئنا من کل امة. الآیة رقم: ۴۵۸۲، مسلم: فضائل القرآن، فضل استماع القرآن، رقم: ۲۲۴ (۸۰۰) ابوداؤد: العلم، باب فی القصص، رقم ۳۶۶۸، ترمذی: تفسیر القرآن، سورة النساء، رقم ۳۰۲۴، قلت: واخرجه ابن ماجه: الزهد، الحزن والبکاء، رقم ۴۱۹۴ [2] الطبقات الکبری لابن سعد فی ترجمة اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی الله تعالی عنهما ۸/۱۸۸، دار الکتب العلمیة

چیختا تھا صرف رویا کرتے تھے اور ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے پھر خدا کی یاد کی طرف ان کے پوست اور قلوب نرم ہو جاتے تھے۔

ف: وجد کی حقیقت تو اوپر بیان ہو چکی ہے اس حدیث میں کاملین کا وجود مذکور ہے اور قرآن مجید میں بھی اسی کا تذکرہ ہے اور غشی وصعق جس کو عوام وجد سمجھتے ہیں وہ وجد کی متوسط درجہ کی قسم ہے، جو سلف میں کم پائی جاتی ہے جیسا کہ (ترمذی جلد ثانی ص ۶۸) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بے ہوش ہو جانا مروی ہے۔

۵۹- تعلیم واصلاح، منع عن الغلو فی الریاضۃ

(ریاضت ومجاہدہ میں غلو کرنے کی ممانعت)

عن ابی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اذا قام احدكم من الليل فاستعجم القرآن على لسانه فلم يدر مايقول فليضطجع". (اخرجه مسلم و ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں کوئی شخص رات کو اٹھے پھر (غلبہ نوم سے) قرآن اس کی زبان سے صاف نہ نکلے اور (نوم کے غلبہ سے) کچھ خبر نہ ہو کہ کیا زبان سے نکل رہا ہے تو اس کو لیٹ جانا چاہئے" (تاکہ نیند آنے سے طبیعت ہلکی ہو جائے اس وقت پھر پڑھنا شروع کرے)

ف: بعض لوگ تقلیل طعام یا تقلیل منام وغیرہ اسباب مجاہدہ میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں کہ لحوق ضرر کی طرف بھی التفات نہیں کرتے، اس حدیث میں اس کی اصلاح ہے اور راز اس میں دو ہیں: ایک یہ کہ غلو سے بعض اوقات ضرر جسمانی لاحق ہو جاتا ہے، پھر ضروری عبادت بھی نہیں ہو سکتی، دوسرے یہ کہ جب غلبہ نوم سے الفاظ صحیح نہیں نکلیں گے تو جو ثواب خاص ان الفاظ کے متعلق ہے وہ حاصل نہ ہوگا پھر ترے جاگنے سے کیا فائدہ۔

---

[1] مسلم: صلاة المسافرين، امر من نعس فی صلاته او استعجم عليه القرآن او الذكر بان يرقد أو يقعد حتى يذهب عنه ذلك، رقم: ۲۲۳ (۷۸۷) ابوداؤد: التطوع، النعاس فی الصلاة رقم: ۱۳۱۱، فقط: واخرجه ابن ماجة، اقامة الصلوات، المصلی اذا نعس رقم: ۱۳۷۲۔

۶۰۔ تعلیمِ قضاءِ حزب (معمولات کو دوسرے وقت میں ادا کرنا)

عن عبدالرحمٰن بن عبد القاری قال: سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من نام عن حزبہ من اللیل وعن شیء منہ فقرأہ مابین صلوٰۃ الفجر وصلوٰۃ الظہر کتب لہ کانما قرأہ من اللیل" (اخرجہ الستۃ الا البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عبد قاری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "جو شخص اپنے معمولی وظیفہ سے یا اس کے کسی جزء سے سو رہے (یعنی آنکھ نہ کھلنے سے ناغہ ہو جاوے) پھر اس کو فجر اور ظہر کے درمیان میں پڑھ لے تو ایسا ہی ثواب ملے گا جیسے رات ہی پڑھ لیا۔"

ف: اس حدیث میں تعلیم ہے کہ معمولات گو وہ نوافل ہوں حتی الامکان ناغہ نہ کرے اگر معین وقت پر نہ ہو دوسرے وقت پر کر لے اور ناغہ کی بے برکتی اس قول میں مذکور ہے۔ من لاورد لہ لاوارد لہ۔

۶۱۔ مسئلہ حالِ شطح (شوخی)

عن الحارث بن سوید قال: حدثنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "للّٰہ افرح بتوبۃ عبدہ المؤمن من رجل نزل فی ارض دویۃ" الی قولہ "فاذا راحلتہ عندہ علیھا زادہ وشرابہ" ثم قال: "اللھم انت عبدی وانا ربک اخطا من شدۃ الفرح" (رواہ الترمذی[2])

---

[1] مسلم: صلاۃ المسافرین، جامع صلاۃ اللیل، رقم: (۱۷۴۷) ۱۴۳، ابوداؤد: التطوع، من نام عن حزبہ، رقم: ۱۳۱۳، ترمذی: الجمعۃ، ماذکر فیمن فاتہ حزبہ من اللیل فقضاہ بالنھار. وقال: حسن صحیح، نسائی: قیام اللیل وتطوع النھار، متی یقضی من نام عن حزبہ من اللیل رقم: ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، اقامۃ الصلوات، فیمن نام عن حزبہ من اللیل، رقم: ۱۳۴۳، موطا: جامع الصلاۃ، ماجاء فی تحزیب القرآن ص: ۷۰ تھانوی)

[2] ترمذی: صفۃ القیامۃ، ستعظام المومن ذنوبہ، رقم: ۲۴۹۷ وقال: حسن صحیح، قلنا: واخرجہ مسلم نحوہ، التوبۃ، الحض علی التوبۃ والفرح بھا، رقم: ۳ (۲۷۴۴) قلنا: واخرجہ البخاری نحوہ، الدعوات، التوبۃ، رقم: ۶۳۰۸ والجزء الاخیر من الروایۃ "اللھم انت عبدی وانا ربک الخ" لیس فی روایۃ ابن مسعود، بل جاء فی روایۃ انس من مارواہ مسلم فی التوبۃ، رقم: ۲۷۴۷.

ترجمہ: حضرت حارث بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی چٹیل میدان میں پہنچ کر مقام کرے (اور سو کر جو اٹھے تو اپنی سواری کا اونٹ نہ پاوے اور نہایت پریشان ہو، یہاں تک کہ بعد تلاش کے مایوس ہو کر مرنے کے لئے آمادہ ہو کر اپنے مقام پر آ لیٹے اور اس میں آنکھ لگ جاوے) پھر آنکھ کھلنے کے بعد اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری کا جانور اس کے پاس کھڑا ہے اور اس پر اس کا سامانِ خورد ونوش موجود ہے پس (جوش وخوشی میں) اس کے منہ سے یہ نکلا کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں' مارے خوشی کے چُوک گیا۔''

ف: بعض اہل حال سے غلبہ حال میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں' جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے' اس حدیث میں اس کا حال اس کی نظیر سے معتبر ہونا نیز اس پر مواخذہ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے: کیوں کہ اس کے نقل کے بعد اس پر انکار نہیں فرمایا گیا۔

۶۳-خواب میں وبا کی شکل دکھادی گئی

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "رأیت امرأۃ سوداء ثائرۃ الرأس خرجت من المدینۃ حتی نزلت بمهیعة وھی الجحفة، فاولت ان وباء المدینۃ نقل الیھا". (أخرجه البخاری والترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ''میں نے ایک سیاہ فام پراگندہ بال عورت کو (خواب میں) دیکھا کہ مدینہ سے نکل کر جحفہ میں جا کر ٹھہری' سو میں نے یہ تعبیر کی کہ مدینہ کی وبا جحفہ میں چلی گئی۔''

ف: آگے آتا ہے۔

---

[1] بخاری: التعبیر، اذا رأی انه أخرج الشیء من کوۃ فاسکنه موضعا آخر، رقم: ۷۰۳۸، ۷۰۳۹، ۷۰۴۰؛ ترمذی: الرؤیا، ماجاء فی رؤیا النبی صلی اللہ علیه وسلم فی المیزان والدلو، رقم: ۲۲۹۰، وقال: حسن صحیح غریب قلنا: وأخرجه ابن ماجة، تعبیر الرؤیا، باب تعبیر الرؤیا، رقم: ۳۹۲۴.

۲۳- مسئلۂ تحقیق عالم مثال (عالم مثال کا ثبوت)

عن ام العلاء الانصاریۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت: لما قدم المہاجرون طار لنا عثمان بن مظعون فی السکنی فاشتکی فمرضناہ حتی توفی قالت: فرایت لعثمان فی المنام عینا تجری فاخبرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: "ذاک عملہ یجری لہ" (اخرجہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ام علاء انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ جب مہاجرین (مدینہ میں آئے) تو سکونت کے لئے ہمارے حصے میں عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے پھر وہ بیمار ہو گئے سو ہم نے ان کی تیمارداری کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی وہ کہتی ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک چشمہ بہتے ہوئے دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خبر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ ان کا عمل ہے کہ اس کا ثواب جاری ہے۔"

ف: اس حدیث میں اور حدیث سابق میں اثبات ہے عالم مثال کا جس میں معانی مخصوص صور مناسبہ میں متمثل و متشکل ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔

۲۴- مسئلۂ تمنی موت (موت کی تمنا کرنا)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا یتمنین احدکم الموت من ضر اصابہ" الحدیث (اخرجہ الخمسۃ[2])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص تم میں کسی تکلیف کی وجہ سے جو اس کو پہنچی ہو موت کی تمنا نہ کرے۔

ف: اکثر عشاق کے کلام میں موت کی تمنا منقول ہے جو ظاہرا خلاف شرع معلوم ہوتا ہے لیکن اس حدیث میں "من ضر اصابہ" کی قید اس شبہ کا لفظ دفع کرتی ہے۔ یعنی نہی کی مقید

---

[1] بخاری: تعبیر، العین الجاریۃ فی المنام، رقم ۷۰۱۸۔ [2] بخاری، المرضی، تمنی المریض الموت، رقم ۵۶۷۱۔ مسلم: الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، کراہۃ تمنی الموت لضر نزل بہ، رقم: ۱۰ (۲۶۸۰) ابو داؤد، الجنائز، کراہیۃ تمنی الموت، رقم ۳۱۰۸۔ ترمذی، الجنائز، النہی عن التمنی للموت، رقم ۹۷۱ وقال حسن صحیح۔ نسائی، الجنائز، تمنی الموت، رقم ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، وکذا واخرجہ ابن ماجۃ، الزہد، ذکر الموت والاستعداد لہ، رقم ۴۲۶۵

ہے کسی ضرر سے متحمل ہونے کے ساتھ اور جہاں یہ قید نہ ہو یہ نہی بھی نہ ہوگی جب تک دوسری دلیل نہی کی نہ ہو اور ان حضرات کی تمنی محض شوقاً الی لقاء اللہ ہوتی ہے لہٰذا خلاف شرع نہ ہوگی اور یا ایک حال ہے جو آثار بسط سے ہے اور بعض پر ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے وہ مانع تمنا ہوتی ہے۔

۶۵۔ تعلیم وعادتِ دعا للمہدی (ہدیہ دینے والے کو دعا دینا)

عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من صنع الیہ معروف فقال لفاعلہ جزاک اللہ خیرا فقد ابلغ فی الثناء". (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس شخص کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے اور وہ اس کے کرنے والے کو کہے "جزاک اللہ خیراً" یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو نیک عوض دے تو اس نے (اس کی) ثناء (ودعا) کا پورا حق ادا کردیا"

ف: اس میں تعلیم ہے اور بعونہ تعالیٰ صلحاء ومشائخ کی عادت بھی ہے کہ جو شخص ان کی خدمت قلیل یا کثیر سے کرتا ہے اس کی بہت قدر کرتے ہیں اور اظہار خوشی کے ساتھ ہدیہ دینے والے کو دعا دیتے ہیں اس میں علاوہ برکت وفضیلت نفس اتباع سنت کے محسن کی تطییب قلب بھی ہے جو استقلالاً بھی طاعت ہے پس بے قدری اور نخوت کرنا جیسا کہ بعض بدمتین یا ناقصین کی عادت ہے سخت مذموم بات ہے اور ایک گونہ ناشکری ہے۔ فقط۔

۶۶۔ عادتِ عزلت (گوشہ نشینی)

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس افضل؟ قال: "مومن مجاھد بنفسہ ومالہ فی سبیل اللہ" قیل: ثم من؟ قال: "رجل فی شعب من الشعاب یتقی اللہ ویدع الناس من شرہ". (اخرجہ الخمسۃ[2])

---

[1] ترمذی: البر والصلۃ الثناء بالمعروف رقم: ۲۰۳۵ وقال: حسن جید غریب)

[2] بخاری: الجھاد والسیر، افضل الناس مؤمن مجاھد بنفسہ ومالہ فی سبیل اللہ، رقم: ۲۷۸۶، مسلم: الامارۃ، فضل الجھاد والرباط، رقم: ۱۲۲ (۱۸۸۸) ابوداؤد: الجھاد، ثواب الجھاد، رقم: ۲۴۸۵، ترمذی: فضائل الجھاد، ای الناس افضل، رقم: ۱۶۶۰ وقال: حسن صحیح، نسائی: الجھاد، فضل من یجاھد فی سبیل اللہ بنفسہ ومالہ رقم: ۳۱۰۷، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، الفتن، باب العزلۃ، رقم: ۳۹۷۸.

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) سوال کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے افضل کون شخص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو مومن اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو" سوال کیا گیا کہ پھر کون شخص افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص (پہاڑ) کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں رہتا ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اور خلق کو اپنے شر سے فارغ کر رکھا ہو۔"

ف: اکثر اہل اللہ کی عادت رہی ہے کہ خلق اللہ سے اختلاط کم کر رکھا ہے اور گوشہ نشین رہے ہیں، اس حدیث سے اس کی اجازت اور ایک درجہ میں افضلیت ثابت ہوتی ہے اور حدیث میں اس کے محل کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب اختلاط میں احتمال ایصال شرالی الخلق کا ہو اور اسی پر قیاس کیا جائے گا وصول شر من الخلق کو اور نیز حدیث مذکور ہی میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جس شخص سے خیر و نفع عام زیادہ متوقع ہو اس کے لئے اختلاط افضل ہے، کیونکہ مومن مجاہد کو صاحب عزلت سے افضل فرمایا اور یہی خلاصہ ہے تحقیق کا مسئلہ مبحوث عنہا میں کہ جس شخص سے مسلمانوں کو نفع پہنچتا ہو اس کے لئے جلوت بہتر ہے اور جس سے نفع متعلق نہ ہو اور جلوت میں احتمال اضرار یا تضرر کا ہو اس کے لئے خلوت بہتر ہے۔

۶۷- حال، کرامت

عن شداد بن الهاد: ان رجلا من الاعراب جاء فامن بالنبی صلی الله علیه وسلم الی قوله ولکنی اتبعتک علی ان ارمی الی ههنا ۔ واشار بیده الی حلقه ۔ بسهم فاموت فادخل الجنة. فقال: "ان تصدق الله یصدقک" فلبثوا قلیلا ثم نهضوا فی قتال العدو فاتی به النبی صلی الله علیه وسلم محمولا قد اصابه سهم حیث اشار، فقال النبی صلی الله علیه وسلم: "اهو هو؟" قالوا: نعم. قال: "صدق الله فصدقه" ثم کفن فی جبة النبی صلی الله علیه وسلم. الحدیث (اخرجه النسائی[1])

ترجمہ: حضرت شداد بن الہاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص دیہاتی حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، اور اسی حدیث میں یہ ہے کہ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اس امید پر آپ کا اتباع کیا ہے کہ (جہاد میں) میری اس جگہ یعنی حلق میں

[1] نسائی: الجنائز، الصلاۃ علی الشہداء، رقم: ۱۹۵۵

تیر لگ جاوے اور میں مرجاؤں اور جنت میں چلا جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر تو اللہ کے ساتھ (اپنی نیت میں) سچا ہے تو خدا تعالیٰ تجھ کو (اس امید میں) سچا کردے گا'' غرض تھوڑی ہی مدت گزری تھی پھر ایک جہاد کے لئے لوگ تیار ہو گئے (اور وہ شخص بھی چلا) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی لاش اٹھا کر لائی گئی اور اس کے خاص حلق ہی میں تیر لگا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا یہ وہی شخص ہے''؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں وہی شخص ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اللہ کے ساتھ سچا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو سچا کر دیا'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک میں اس کو کفن دیا گیا۔''

ف: اس حدیث میں اثبات ہے حال کرامت کا چنانچہ یہ واقعہ اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک گونہ کرامت ہے۔

ف: رسمِ تبرک فی الکفن

قمیص مبارک میں اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کفنایا جانا اصل ہے اس رسم کی جو محبان قوم میں مستعمل ہے کہ بزرگوں کے لبسہ وغیرہا سے برکت حیوۃ و مماۃ حاصل کرتے ہیں۔

۶۸- رسمِ بیعت غائبانہ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام یعنی یوم بدر فقال: "ان عثمان انطلق فی حاجۃ اللہ وحاجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی ابایع لہ". (اخرجہ ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر میں کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ: ''عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں گئے ہوئے ہیں ان کے لئے میں بیعت کرتا ہوں۔''

ف: بزرگوں میں یہ رسم شائع ہے کہ اگر طالب بدون حاضری خدمت شیخ کے

---

[1] ابوداؤد: الجهاد' من جاء بعد الغنيمة لاسهم له. رقم: ۲۷۲۶، وقال المنذری: قال بعضهم: هذا خاص لعثمان رضی الله تعالیٰ عنه لانه كان يمرض ابنة رسول الله صلی الله عليه وسلم وهو معنى قوله: حاجة لله ولرسوله، يريد بذلك حاجة عثمان فی حق الله وحق رسول الله، كقوله سبحانه: ان رسولكم الذی ارسل اليكم لمجنون، وانما هو رسول الله اليهم.

درخواست بیعت کی کرے تو غائبانہ اس کی بیعت قبول کر لیتے ہیں، یہ حدیث بیعت غائبانہ میں صریح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر نہ تھے مگر ان کی رضا و رغبت کی وجہ سے ان کو بیعت فرما لیا اور گو یہ بیعت قتال کی تھی لیکن اقسام بیعت میں اس امر میں فرق کا کوئی قائل نہیں اور یہ غائب ہونا بوجہ علالت مزاج صاحب زادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بضرورت ان کی تیمارداری کے تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

۶۹- اصلاح عدم کفایت صحبت شیخ مع فساد عمل

(بدعملی کے وبال سے بچنے کے لئے شیخ کی صحبت کافی نہیں)

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان علی ثقل النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل یقال لہ کرکرۃ فمات فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ھو فی النار، فذھبوا ینظرون الیہ فوجدوا عباءۃ قد غلھا. (اخرجہ البخاری)[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب پر ایک شخص کرکرہ نام کا متعین تھا وہ مر گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "وہ دوزخ میں ہے" لوگ اس کو دیکھنے چلے (کہ دیکھیں اس میں کونسی بات دوزخی ہونے کی ہے) سو (اس کے اسباب میں) ایک کملی ملی جس کو اس نے (مال غنیمت سے) چرا لیا تھا۔

ف: اکثر رسم پرست درویش اس پر نازاں ہوتے ہیں کہ ہم کو فلاں بزرگ سے انتساب ہے اور اس کے بھروسے اعمال کی پرواہ نہیں کرتے، اس حدیث سے ان لوگوں کی غلطی صاف معلوم ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے زیادہ کس کی صحبت بابرکت ہوگی مگر اس پر بھی فساد عمل کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑا، سو دوسرا انتساب تو اس سے بدرجہا کم ہے۔

۷۰- عبادت ترک مباحثہ

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ترک المراء وھو مبطل بنی لہ بیت فی ربض الجنۃ، ومن ترکہ وھو محق

۱؎ بخاری: الجہاد، القلیل من الغلول، رقم ۳۰۷۴.

بنی له فی وسطها، ومن حسن خلقه بنی له فی اعلاه"۔ (أخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جو شخص ناحق پر ہو اور بحث و مباحثہ چھوڑ دے (اور حق کو قبول کرے) اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک گھر بنایا جائے گا اور جو شخص حق پر ہو اور پھر بھی بحث و مباحثہ کو چھوڑ دے اس کے لئے جنت کے درمیان میں ایک گھر بنایا جائے گا (جو کہ کنارہ جنت سے افضل ہے) اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کے لئے اعلیٰ جنت میں گھر بنایا جائے گا۔" (جو کہ وسط جنت سے افضل ہی ہے)

ف: اکثر بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ مکالمات ومخاطبات میں جب کوئی ان سے الجھتا ہے باوجود اپنے حق پر ہونے کے طرح دے کر سکوت فرماتے ہیں جس میں وہی مصلحت ہوتی ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے اس حدیث سے اس کا ناپسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۷۱- حقائق تکلم جمادات

(جمادات یعنی پتھر و درخت وغیرہ کا بولنا)

عن سهل بن سعد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مامن مسلم يلبي الا لبى ما عن يمينه وشماله من حجر او شجر او مدر حتى تنقطع الارض من ههنا وههنا. (اخرجه الترمذي[2])

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان لبیک کہتا ہے اس کے داہنے اور بائیں جتنے پتھر یا درخت یا ڈھیلے ہیں سب لبیک کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین ادھر سے بھی ادھر سے بھی ختم ہو جاتی ہے۔

---

[1] قلنا: ان الترمذی لم یخرجه عن ابی امامة والنما اخرجه عن انس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه فی البر والصلة، ماجاء فی المراء، رقم: ۱۹۹۳ وقال: حسن، وأخرجه ابوداؤد: الأدب، حسن الخلق، رقم: ۴۸۰۰ (سکت عنه المنذری) عن ابی امامة، واخرجه ابن ماجة: المقدمة، اجتناب البدع والجدل، رقم: ۵۱ عن انس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه.

[2] ترمذی: الحج، فضل التلبية والنحر، رقم: ۸۲۸، وقال: حديث ابی بكر رضی الله تعالیٰ عنه حديث غريب لانعرفه الا من حديث ابن ابی فديک عن الضحاک بن عثمان، قلنا وأخرجه ابن ماجة: المناسک، باب الاحرام، رقم: ۲۹۲۱.

ف: اس حدیث کے ظاہر سے اہل کشف کے اس کشف کی تصدیق ہوتی ہے کہ جمادات بھی کسی قدر حس وشعور رکھتے ہیں اور تکلم وغیرہ ان سے صادر ہوتا ہے۔

۲۷- اصلاح' مبالغہ در تورع (ورع وتقویٰ میں مبالغہ کرنا)

عن نافع انه سمع اسلم مولی عمر رضی الله تعالیٰ عنه یقول ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه: رای عمر رضی الله تعالیٰ عنه علی طلحة رضی الله تعالیٰ عنه ثوبا مصبوغا وهو محرم فقال: ماهذا؟ فقال: انما هو مغرة او مدرة فقال: انكم ايها الرهط ائمة يقتدی بكم الناس، فلولا ان رجلا جاهلا رأی هذا لقال ان طلحة بن عبيد الله كان يلبس الثياب المصبغة فی الاحرام فلا تلبسوا ايها الرهط من هذه الثياب. (اخرجه المالك[1])

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسلم سے جو کہ معتق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تھے سنا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کر رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن پر رنگین کپڑے حالت احرام میں دیکھے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو گیرو ہے یا مٹی ہے آپ نے فرمایا تم لوگ (دین کے) پیشوا سمجھے جاتے ہو لوگ تمہاری اقتداء کرتے ہیں' اگر کوئی جاہل آدمی اس (لباس) کو دیکھے یوں کہے کہ طلحہ بن عبیداللہ احرام میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے' سو تم لوگ ایسے رنگین کپڑے مت پہنا کرو۔

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مقتدا ہیں ان کو اور عام لوگوں کی نسبت ورع وتقویٰ میں زیادہ اہتمام مناسب اور ضروری ہے اور صوفیہ کا مقتداء ہونا ظاہر ہے' پس ان کو بھی اس کی رعایت ضروری ہے آج کل اس کا عکس ہے کہ بعضے لوگ طریق تصوف میں داخل ہو کر اور آزاد ہو جاتے ہیں اور بعض کا عقیدہ ہے کہ تصوف میں شریعت کی پابندی کی ضرورت نہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

مطلب یہ کہ عوام علی الاطلاق رنگین کپڑوں کو جائز سمجھ جائیں گے حالانکہ احرام میں خوشبودار رنگ کے کپڑے ممنوع ہیں۔

---

[1] موطا: الحج، لبس الثياب المصبغة فی الاحرام: ۱۲۶۰

۷۳- تعلیم معذرت دررد ہدیہ

(ہدیہ واپس کرتے وقت عذر کو ظاہر کردینا)

عن الصعب بن جثامة رضي الله تعالىٰ عنه انه اهدى الى رسول الله صلى الله عليه وسلم حمارا وحشيا وهو بالابواء او بودان فرده عليه فلما رأى ما في وجهه قال: "انا لم نرده عليک الا انا حرم". (أخرجه الستة الا ابا داؤد)[1]

ترجمہ: حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک گورخر بطور ہدیہ کے بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ابواء یا ودان میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس فرمادیا جب ان کے چہرے پر آثار رنج کے دیکھے فرمایا کہ "ہم نے اور کسی وجہ سے اس کو واپس نہیں کیا مگر صرف بات یہ ہے کہ ہم احرام کی حالت میں ہیں۔"

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عذر صحیح سے کسی کا ہدیہ واپس کیا جائے تو اس عذر کو ظاہر بھی کردیا جائے تاکہ کسر خاطر یعنی دل شکنی نہ ہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کا عذر فرمایا جس کی دو توجیہ ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ گورخر زندہ تھا سو اس کا محرم کو قبول کرنا مطلقاً جائز نہیں دوسری اگر وہ زندہ نہ ہو تو آپ کو شبہ ہوگا کہ شاید ہمارے لئے شکار کیا گیا ہو اور اس صورت میں شافعیہ کے نزدیک تو قبول کرنا جائز ہی نہیں اور حنفیہ کے نزدیک گو جائز ہے مگر تورع عدم قبول میں ہے۔

۷۴- متفرقات جواز زیادت فی الاذکار

(اوراد ماثورہ میں بعض اوقات میں اضافہ کی گنجائش ہے)

عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

---

[1] بخاری: جزاء الصید، اذا أهدى للمحرم حمارا وحشيا حيا لم يقبل، رقم: ۱۸۲۵، مسلم: الحج، تحريم الصيد المأكول البرى، رقم: ۵۰ (۱۱۹۳) ترمذی: الحج، كراهية لحم الصيد للمحرم، رقم: ۸۴۹ وقال: حسن صحيح، نسائی: المناسک، مالايجوز للمحرم اكله من الصيد، رقم: ۲۸۲۱، موطا: الحج، مالا يجوز للمحرم اكله من الصيد: ۱۳۷ (مکتبہ تھانوی) قلنا: وأخرجه ابن ماجة: المناسک، ماينهى عنه المحرم من الصيد، رقم: ۹۰۔

یھل مثلھا الی قولہ ولا یزید علی ھذہ الکلمات. زاد فی روایۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول بعد ھذہ الکلمات: لبیک، اللھم لبیک، لبیک، وسعدیک، والخیر فی یدیک، والرغباء الیک والعمل. وفی روایۃ ابی داؤد قال: والناس یزیدون ذاالمعارج ونحوہ من الکلام والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یسمع ولا یقول شیئاً[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک میں کلمات مخصوصہ سے زائد نہ فرماتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک والرغباء الیک والعمل" اور بڑھا دیتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ بعضے لوگ "ذی المعارج" وغیرہ الفاظ بڑھا دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کچھ نہ فرماتے تھے۔

ف: بعضے متشددین حضرات صوفیہ پر بعضے اذکار و اوراد کے ایجاد پر اعتراض بدعت کا کرتے ہیں اس حدیث سے اس ایجاد کا جواز ثابت ہوتا ہے کیوں کہ لبیک منقول پر جس قدر زیادت تھی وہ ایجاد ہی کی فرد ہے اور مرجع اس ایجاد جائز کا تعلب ہے کسی حال کا یا قصد تحصیل ہے کسی حال کا البتہ بدعت وہ ایجاد ہے جو جزو دین بنا دیا جائے کوئی تقرب و عمل مباح نہیں کیوں نہ ہو اور اگر فی نفسہ بھی غیر مباح ہو تو اور بھی اشنع و اقبح ہے۔

۵۷۔ اصلاح عدم اختیاریت و عدم دوام کشف

(کشف نہ تو فعل اختیاری ہے اور نہ دائمی ہے)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل فقال صلی اللہ علیہ وسلم: "لو استقبلت من امری ما استدبرت ما اھدیت" (اخرجہ الخمسۃ الا

---

[۱] بخاری، اللباس، التلبید، رقم: ۵۹۱۵، مسلم، الحج، التلبیۃ وصفتھا ووقتھا، رقم: ۱۱۸۳، ابوداؤد، المناسک، کیف التلبیۃ، رقم: ۱۸۱۲، ترمذی: الحج، ماجاء فی التلبیۃ، رقم: ۸۲۶، نسائی، المناسک، کیف التلبیۃ، رقم: ۲۷۵۱، ابن ماجۃ، المناسک، کیف التلبیۃ، رقم: ۲۹۱۸، وفی روایۃ ابی داؤد قال والناس یزیدون ذا المعارج ونحوہ من الکلام ابوداؤد، المناسک، کیف التلبیۃ، رقم: ۱۸۱۳، عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسکت عنہ المنذری

الترمذی وهذا لفظ الشیخین)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں جب کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم احرام کھولنے میں اس بناء پر متردد ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ ہدی کے احرام نہ کھولا تھا) ارشاد فرمایا کہ: ''جو بات پیچھے سے میری سمجھ میں آئی اگر پہلے سے میری سمجھ میں آتی تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا۔'' (جو کہ مانع ہو گیا احرام کھولنے سے)

ف: بعض اہل غلو کا اعتقاد ہے کہ کشف بزرگوں کا اختیاری فعل ہے جب چاہیں جس واقعہ کو چاہیں معلوم کر لیتے ہیں بعضے سمجھتے ہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت ہر واقعہ معلوم رہتا ہے اس واقعہ سے ان دونوں خیالوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد کی مصلحت اول سے منکشف نہیں ہوئی اور یہ کوئی نقص نہیں ہے ایسے اعتقاد والوں کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔

۷۶- اصلاح عدم تعظیم تصویر بزرگان

(بزرگوں کی تصاویر کی تعظیم درست نہیں)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی ان یدخل البیت وفیہ الألھۃ، فامر بھا فاخرجت واخرجوا صورۃ ابراھیم واسمٰعیل علیھما السلام فی ایدیھما الازلام، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "قاتلھم اللہ، ام واللہ لقد علموا انھما لم یستقسما بھا قط" فدخل البیت فکبر فی نواحیہ. (اخرجہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ میں) تشریف لائے تو خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے جانا گوارا نہ کیا کیوں کہ اس کے اندر (مشرکین کے رکھے ہوئے) بہت سے بت تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی

---

[۱] بخاری: الحج، تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف بالبیت. رقم: ۱۶۵۱، مسلم: الحج، بیان وجوہ الاحرام، رقم: ۱۳۱ (۱۲۱۶) ابوداؤد: المناسک، افراد الحج، رقم: ۱۷۸۹، نسائی: المناسک، الکراھیۃ فی الثیاب المصبغۃ للمحرم. رقم: ۲۷۱۳، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ: المناسک، حجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۰۷۴.

[۲] بخاری: الحج، من کبر فی نواحی الکعبۃ، رقم: ۱۶۰۱

نسبت حکم فرمایا وہ سب باہر کر دیئے گئے اور ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر کو بھی باہر لائے ان دونوں (تصویروں) کے ہاتھ میں قمار کے تیر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خدا ان (مشرکین) کو غارت کرے، واللہ ان کو خوب معلوم ہے کہ ان دونوں حضرات نے کبھی ان تیروں سے قمار نہیں کھیلا'' (اور پھر بھی ان کے ہاتھ میں تیر دے دیئے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور سب گوشوں میں اللہ اکبر فرمایا۔

ف: بعض اہل غلو بزرگوں کی تصویروں کی تعظیم کیا کرتے ہیں اور ان کو متبرک سمجھتے ہیں اس حدیث سے اس عقیدہ و عمل کا بالکلیہ قلع و قمع ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے جانے سے دونوں پیغمبروں کی تصویروں کی موجودگی کا مانع ہونا واضح دلیل اس مدعا کی ہے اور یہی حال ہے نقلی اور مصنوعی قبور کا جو کسی کے نامزد ہوں غرض یہ کہ جو چیز خود غیر مشروع ہو کسی مقبول کے ساتھ نامزد ہونے سے وہ مشروع و معظم نہیں ہو جاتی فقط۔

۷۷۔ تعلیم و عادت: خلو حجرہ عن المتاع

(عبادت والے کمرہ میں غیر ضروری سامان کا نہ ہونا)

عن الاسلمیة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قلت لعثمان بن طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنه: ما قال لک رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حین دعاک؟ قال: قال: "انی نسیت ان آمرک ان تخمر القرنین فانه لیس ینبغی ان یکون فی البیت شیء یشغل المصلی". (اخرجه ابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت اسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کلید بردار کعبہ شریف) سے پوچھا تھا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر کیا فرمایا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ فرمایا تھا کہ: ''میں تم سے یہ کہنا بھول گیا تھا کہ تم دونوں سینگوں کو (جو کعبہ کے اندر اس دنبہ کے لگے رہے تھے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں ذبح کیا گیا تھا) ڈھانک دینا کیوں کہ بیت اللہ کے اندر کسی ایسی شئ

[1] أبوداود: المناسک، دخول الکعبة، رقم: ۲۰۳۰، وقال المنذری: وقد اختلف فی هذا الحدیث، فروی کما سقناه، وروی عن منصور عن خالد مسافع عن صفیة بنت شیبة عن امرأة من بنی سلیم، وروی عنه عن خاله عن امرأة من بنی سلیم، ولم یذکر: ام (تلخیص المنذری ۲/۴۲۵).

کا رہنا اچھا نہیں جس سے نماز پڑھنے والے کا دل بٹے" (سو کھلا رہنے سے دل بٹے گا اور ڈھانک دینے سے ادھر خیال نہ جائے گا)

ف: اہل طریق کا ارشاد ہے کہ جو حجرہ خلوت و عبادت کے لئے ہو اس میں بجز ایک چٹائی کے جس پر بیٹھے گا کوئی متاع نہ ہونا چاہئے تاکہ ذکر کے وقت قلب اس طرف مشغول نہ ہو یہ حدیث اس کی اصل صریح ہے۔

۷۸- اصلاح، بطلان رسم مخترعہ مجاورین

(خدام و مجاورین کی ایجاد کردہ رسم کا ابطال)

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: کانت قریش ومن دان دینها وهم الحمس یقفون بالمزدلفة ویقولون: نحن قطین الله فلا نخرج من حرمه. (اخرجه رزین)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش اور بھی جو لوگ ان کے طریقے پر تھے اور یہ سب حمس کہلاتے تھے (عرفہ کے دن جب کہ سب عرفات میں جاتے تھے یہ لوگ) مزدلفہ میں ٹھہرے رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں اس لئے ہم اس کے حرم سے باہر نہیں جاتے (اور عرفات حرم سے باہر اور مزدلفہ داخل ہے)

ف: ان لوگوں کو یہ ناز اور دعویٰ اختصاص اس بناء پر تھا کہ یہ لوگ بیت اللہ کے خدام و مجاور تھے' قرآن شریف نے ان کی رسم کا ابطال فرمایا ہے' جس سے معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے مجاورین نے بھی جو رسمیں خلاف شرع اپنے پیرزادگان کے اختصاص کے اظہار کے لئے تراش رکھی ہیں سب باطل ہیں۔

۷۹- عادت' عطائے تبرک مرید را (مرید کو کوئی چیز بطور تبرک دینا)

عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم اتی الجمرة فرماها الی قوله قال لابی طلحة: "اقسمه بین الناس". (اخرجه الخمسة الا النسائی)[2]

---

[1] ترمذی: الحج، الوقوف بعرفات والدعا فیها، رقم: ۸۸۳ وقال: حسن صحیح۔
[2] بخاری: الوضوء، الماء الذی یغسل به شعر الانسان، رقم: ۱۷۱، مسلم: الحج، السنة یوم النحر ان یرمی ثم ینحر ثم یحلق الخ، رقم: ۳۲۶ و ۱۳۰۵، ابوداؤد: المناسک، الحلق والتقصیر، رقم: ۱۹۸۱، ترمذی: الحج، باب جانب الرأس یبدأ فی الحلق، رقم: ۹۱۲ وقال: حسن صحیح

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ الوداع میں) جمرہ کے پاس (منیٰ کے دن) تشریف لائے اور ان پر کنکریاں ماریں اور (سر مبارک منڈوا کر) ابوطلحہ سے فرمایا: "یہ بال لوگوں میں (تبرکاً) تقسیم کر دو۔"

ف: اکثر مشائخ کا معمول ہے کہ جس مرید میں رغبت صادق پاتے ہیں یا کسی کی استدعا دیکھتے ہیں کہ وہ ان کی کسی خاص چیز کو برکت ومحبت کی نظر سے لینے کی تمنا کرتا ہے اس کو ایسی چیز تبرکاً دے دیتے ہیں، یہ حدیث اس کی اصل ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضرات اپنے کو بابرکت سمجھتے ہیں بلکہ مقصود دوسرے کا تطییب قلب ہوتا ہے جو بناء بر حسن ظن اس کا مستدعی ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اس اشکال وجواب کی گنجائش ہی نہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات وفضائل قطعیات سے ثابت ہیں جن پر اعتقاد لانے کے آپ بھی مامور ہیں۔

۸۰- مسئلہ: عفو از اہل سکر (مغلوب الحال کا معذور ہونا)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اتی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمجنونۃ قد زنت وفیہ قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یا امیر المؤمنین لقد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "رفع القلم عن ثلثۃ: عن الصبی حتی یبلغ، وعن النائم حتی یستیقظ، وعن المعتوہ حتی یبرأ" وان ھذہ معتوہۃ بنی فلان، لعل الذی اتاھا اتاھا وھی فی بلائھا فخلی سبیلھا. (اخرجہ ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مجنون عورت لائی گئی جس نے زنا کیا تھا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے امیر المومنین! آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "تین شخص مرفوع القلم ہیں: ایک نابالغ جب تک بالغ نہ ہو، دوسرے سوتا ہوا جب تک جاگ نہ اٹھے، تیسرے مختل الحواس جب تک صحت یاب نہ ہو" اور یہ فلاں قبیلہ کی مختل الحواس عورت ہے ممکن ہے جس وقت اس نے اس سے صحبت کی ہو یہ

---

[1] ابوداؤد: الحدود: المجنون یسرق او یصیب حدا رقم: ۴۴۰۲، قال المنذری: اخرجہ النسائی وفی اسنادہ عطاء بن السائب وھو ثقۃ.

بچے اس مرض میں مبتلا ہو غرض اس کو رہا کر دیا۔

ف: عقل کا مغلوب ہو جانا جیسا کبھی احوال جسمانیہ سے ہوتا ہے جیسے غشی کبھی احوال نفسانیہ سے بھی ہوتا ہے اور یہ اطباء کے نزدیک بھی ثابت و مسلم ہے منجملہ احوال نفسانیہ کے وہ احوال بھی ہیں جن سے سکر کا غلبہ ہوتا ہے وہ عقل مغلوب ہو جاتی ہے سو جس طرح مجنون و معتوہ شرعاً معذور ہے اسی طرح صاحب سکر و مغلوب الحال بھی اپنے اقوال شطحیہ اور اپنے افعال ترک واجب یا ارتکاب محرم میں معذور ہے اور یہ سکر بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس طرح جنون و عتہ بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس سے اشتباہ ہوتا ہے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اشتباہ ہو گیا تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے زائل ہوا۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص میں قرائن سے معذور ہونے کا احتمال بھی ہو اس حالت کو معذوری ہی پر محمول کرنا بہتر ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے: "لعل الذی ابتلاها" الخ کہ لعل موضوع ہے احتمال کے لئے اور قرینہ یہاں اس عورت کا اکثر احوال میں معتوہ ہونا تھا اور جن حضرات کے کلام میں تاویل عذر کی جاتی ہے ان میں ایک قرینہ مشترک ہوتا ان کے سکر کا ہے اور ایک قرینہ مقبول ہونا ان کے فضائل و کمالات و اتباع سنت کا غالب احوال میں ہے جو مضطر کرے گا تاویل کی طرف ورنہ جس کا غالب حال فسق و معصیت و ابتداع و بطالت ہو وہاں کوئی حاجت تاویل کی نہ ہوگی کیونکہ احتمال غیر ناشی عن دلیل معتبر نہیں ورنہ انکار و احتساب و سیاست کا باب ہی مسدود ہو جائے گا وہو باطل۔

۸۱- اصلاح ترجیح باطن امر شیخ بر ظاہر امر شیخ

(شیخ کے حکم ظاہری پر حکم باطنی کو ترجیح دینا)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا کان یتہم بام ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "اذهب فاضرب عنقه" فاتاه علی فاذا هو فی رکی یتبرد فقال له علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرج فناوله یده فاخرجه فاذا هو مجبوب لیس له ذکر فکف عنه واخبر به النبی صلی اللہ

علیه وسلم فحسن فعله. زاد فی روایة: وقال: "الشاهد یری مالا یری الغائب". (اخرجه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد (یعنی کنیز صاحب اولاد) کے ساتھ لوگ متہم کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ: "جاؤ اس کی گردن مارو" (مطلب یہ تھا کہ باقاعدہ تحقیق کر کے باضابطہ سزا دو) چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس پہنچے وہ ایک کنویں میں (جو بطور باولی کے تھا) ٹھنڈک کے لئے غسل کر رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا باہر نکل اس نے اپنا ہاتھ آپ کو دے دیا آپ نے اس کو باہر نکالا اچانک جو اس پر نظر پڑی تو وہ مقطوع الذکر تھا آپ اس کی سزا سے رک گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کی تحسین فرمائی اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سامنے والا ایسی چیز کو دیکھ سکتا ہے جس کو دور والا نہیں دیکھ سکتا۔"

ف: اس مقام پر حکم نبوی ظاہراً مطلق تھا جس کا مقتضا یہ تھا کہ جاتے ہی اس پر سزا جاری کر دیتے اور جس میں پس وپیش اور توقف کرنا ظاہراً حکم نبوی کی مخالفت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ جو لوگ ظاہر پرستی سے شیخ کی اطاعت میں غلو کرتے ہیں اور وہ اطاعت میں حقیقت امر کو اصلاً نہیں دیکھتے حتیٰ کہ شریعت کے وفاق وخلاف سے بھی بحث نہیں کرتے اور محققین مریدین کو ایسے مواقع میں شیخ کا مخالف سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے اتباع میں حضرت مولانا نصیر الدینؒ کو اور حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحبؒ کے اتباع میں حضرت مولانا رشید صاحبؒ کو عوام الناس کہا کرتے تھے: مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحسین فعل سے صاف واضح ہو گیا کہ ایسے اطلاقات حقیقت میں مقید ہوا کرتے ہیں انطباق علی القواعد الشرعیہ کے ساتھ، جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں یہ تقیید ضروری ہے اور یہ تقیید بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حکم ہے

---

[1] مسلم: التوبة، براءة حرم النبی صلی الله علیه وسلم من الریبة عن انس رضی الله تعالی عنه رقم: ۵۹ (۲۷۷۱) وفی روایة قال: الشاهد یری مالا یری الغائب وهی فی مسند أحمد (۱/۸۳) عن علی بن أبی طالب رضی الله تعالی عنه.

سو در حقیقت یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت ہے تو دوسرے شیوخ جو کہ معصوم عن الخطا بھی نہیں ان کے احکام تو کیوں کر مقید بقید مذکور نہ ہوں گے اور چوں کہ کاملین قاطبۃً اطاعت شرع کا ارشاد فرماتے ہیں سو ایسے اوامر میں علی الاطلاق اطاعت نہ کرنا گو صورۃً ان کی مخالفت ہے مگر معناً ان کی موافقت ومطاوعت ہے۔

غرض اہل صورت ظاہراً امر شیخ کو ترجیح دیتے ہیں جو کہ ضلالت ہے ہاں کوئی مغلوب الحال اور معذور ہو وہ مستثنیٰ ہے اور اہل معنی باطن امر شیخ کو ترجیح دیتے ہیں جو کہ ہدایت ہے، اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں، ان کو حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے قصہ سے اشتباہ ہو گیا ہے لیکن وہاں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی اطاعت نہیں کرائی تھی محض سکوت کے لئے فرمایا تھا سو اطاعت کا قیاس سکوت پر محض تحکم ہے پھر سکوت بھی ایسے شخص کے افعال پر تھا جس کا حق پر ہونا بارشاد حق معلوم ہو چکا تھا دوسرا اس علت میں بھی شریک نہیں ہو سکتا، البتہ مبادرت انکار میں مناسب نہیں جیسا حدیث اسی ۸۰ کے ذیل میں بیان کیا گیا لیکن جب دوسری جانب قرآن سے مظنون ہو جائے اس وقت قطع تعلق اس سے واجب ہے۔

۸۲- تین مرفوع القلم لوگ

عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل". (أخرجه أبو داؤد والترمذي وزاد أبو داؤد في الأخرى: عن الخرف)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "تین شخص مرفوع القلم ہیں، سوتا ہوا جب تک بیدار نہ ہو اور نابالغ جب تک بالغ نہ ہو اور مجنون جب تک ہوش درست نہ ہو" ابوداؤد کی روایت میں اتنا زیادہ ہے: "اور ایک وہ شخص جس کی عقل میں بڑھاپے سے فتور آ گیا ہو۔"

---

[1] أبوداؤد: الحدود، المجنون يسرق أو يصيب حدا، رقم: ۴۴۰۳، قال المنذري: هذا منقطع، أبو الضحى لم يدرك علي بن أبي طالب، قال أبوداؤد: رواه ابن جريج عن القاسم بن يزيد عن علي رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم زاد فيه: "والخرف"، وهذا الذي ذكره معلقاً أخرجه ابن ماجة مسنداً، وهو أيضاً منقطع، لأن القاسم بن يزيد لم يدرك علي بن أبي طالبؓ اهـ. ترمذي: الحدود، من لايجب عليه الحد، رقم: ۱۴۲۳ وقال: حسن غريب من هذا الوجه.

ف: اس کا بیان مثل حدیث اسی ۸۰ کے ہے البتہ اس میں یہ جزو زیادہ صریح ہے کہ شریعت میں زوال عقل، جنون ہی پر منحصر نہیں بلکہ پیر فرتوت کو بھی کو بعض ہی احکام میں صحیح حکم مجنون میں ٹھہرایا ہے، پس عدم انحصار کے بعد کسی وارد قوی کا غلبہ بھی اسی حکم میں ہوگا۔

۸۳- مسئلہ، اعتبار حکم قلب مسلم

(مسلم کامل کے قلب کا حکم معتبر اور جائز العمل ہے)

عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البر والاثم، فقال: "البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی صدرک، وکرھت ان یطلع علیہ الناس"۔ (أخرجہ مسلم والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "(بڑی) نیکی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو نا گوار سمجھو"۔

ف: مراد گناہ سے حدیث میں وہ امور ہیں جن کے گناہ ہونے کی کوئی نص نہیں مگر کسی کلیہ میں اس میں گناہ ہونے کا شبہ ہو جائے تو ایسے امور کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پہچان بتلائی اور یہ پہچان اسی قلب کے اعتبار سے ہے جو سلیم ہو چنانچہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخاطب ہونا اس کا قرینہ ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض امور غیر منصوصہ عملی میں مسلم کامل کے قلب کا حکم معتبر اور جائز العمل ہے، پس اس سے اصل اس معمول کی نکل آئی جو اکثر بزرگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی طالب آتا ہے اگر ان کا قلب قبول کرتا ہے تو اس کو سلسلہ میں داخل کرتے ہیں ورنہ جواب دے دیتے ہیں، حالاں کہ ظاہری طور پر کوئی وجہ خاص رد و قبول کی اس شخص میں محسوس نہیں ہوتی مگر اکثر بعد تفتیش کے ان کی شہادت قلب کی صحت ثابت ہوتی ہے، اور چوں کہ شرعاً کسی کو داخل سلسلہ کرنا یا اپنی صحبت میں رکھنا واجب نہیں بلکہ

---

[1] مسلم: التوبۃ: تفسیر البر والاثم، رقم: ۱۴ (۲۵۵۳) ترمذی: الزھد، ماجاء فی البر والاثم، رقم: ۲۳۸۹ وقال: صحیح حسن

دونوں شقیں مباح و جائز ہیں اس لئے اعتراض لازم نہیں آتا کہ وجدان ظنی سے کسی خاص شخص کے ساتھ کوئی خاص معاملہ کرنا کب جائز ہے جیسا کسی کو چور سمجھ لینا قرائن ظنیہ سے جائز نہیں البتہ دلیل ظنی سے کہ منحصر ہے قیاس شرعی میں مجتہد کو حکم کلی کر دینا بلا کلام جائز ہے۔

۸۴- عادت، دخل نہ دادن در معاملات

(دنیوی معاملات میں دخل نہ دینا)

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یا ابا ذر انی اراک ضعیفاً وانی احب لک ما احب لنفسی لاتامرن علی اثنین ولا تلین مال یتیم". (اخرجہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر میں تجھ کو ضعیف پاتا ہوں (کہ تعلقات کا تحمل نہیں کر سکتے) اور میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہوں (پس جو کچھ میں کہوں گا خیر خواہی سے کہوں گا سو میں تم کو دو باتیں کہتا ہوں) کبھی دو شخصوں پر ان کے کسی معاملہ کے فیصل کرنے کے لئے حکم مت چلانا (یعنی کسی کے معاملہ کا فیصلہ مت کرنا) اور مال یتیم کے متولی (ونگراں) مت بننا۔

ف: اکثر صوفیہ کی عادت ہوتی ہے کہ دنیوی معاملات میں دخل نہیں دیتے جس پر ظاہر بین طعن کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی ذات سے کسی کو نفع نہیں پہنچتا۔ اس حدیث سے اس عادت کا بوجہ صریح استحسان ثابت ہوتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ نفع پہنچانا بیشک خیر ہے مگر اکثر اوقات بعض کے لئے یہ نفع پہنچانا سبب ہو جاتا ہے کسی شر میں واقع ہو جانے کا اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت سے، البتہ جس شخص کی حالت بالکل قابل طمانیت ہو کہ کسی شر کا احتمال نہ ہو اس کا یہ حکم نہیں، چنانچہ حضرات شیخین کے لئے نصوص میں خلافت تجویز فرمائی گئی، "انی اراک ضعیفا" اس طرف مشیر ہے اور چوں کہ قبل کمال

سل قلنا: واخرجہ مسلم، الامارۃ، کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ، رقم: ۱۷ (۱۸۲۶) ابوداؤد: الوصایا، الدخول فی الوصایا، رقم: ۲۸۶۸، قلنا: واخرجہ النسائی، الوصایا، النھی عن الولایۃ علی مال الیتیم، رقم: ۳۶۹۷.

اپنی معرفت پر وثوق کرنا خطا ہے اس لئے شیخ مربی کی رائے پر مدار کار رکھنا چاہئے۔

۸۵- عادت، استخلاف وسجادہ نشینی (خلیفہ اور جانشین بنانا)

عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اتت امراۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فکلمتہ فی شیء، فامرھا ان ترجع، قالت: فان لم اجدک کانھا تعنی الموت قال "فان لم تجدینی فاتی ابابکر"۔ (أخرجہ الشیخان والترمذیؒ)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "پھر آنا"، اس نے عرض کیا کہ اگر اس وقت آپ کو نہ پاؤں، مراد اس کی یہ تھی کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اگر مجھ کو نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔"

ف: اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ ابقاء فیض واجرائے سلسلہ کے لئے اپنے اتباع میں سے کسی کو اپنا خلیفہ وجانشین کر دیتے ہیں واحد کو یا متعدد کو کبھی حیات میں کبھی بقید اپنی وفات کے مگر مقصود ان سب صورتوں کا مشترک وشتمہ ہے، اس حدیث سے اس کی اصل ثابت ہوتی ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اہل ہو، اور اب جو خلافت وسجادہ نشینی کا طریق متعارف ہو گیا ہے کہ کبھی شیخ کی حیات میں اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جس کو زیادہ اختصاص دیکھا گو وہ اختصاص دنیوی ہی ہو اور گو اس میں اس کی اہلیت نہ ہو دستار بندی کر دیتے ہیں یہ بالکل طریقہ کا افساد اور طالبین کی رہزنی اور عوام کی اضاعت دنیا و دین ہے۔

۸۷- عادت، تعظیم منتسبین بمشائخ

(بزرگوں سے انتساب کی بناء پر تعظیم کرنا)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی حدیث طویل قالت: وکان لعلی رضی اللہ عنہم من الناس وجہ حیوۃ فاطمۃ فلما ماتت انصرفت وجوہ الناس عنہ۔

---

[1] بخاری: فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لو کنت متخذا خلیلا، رقم: ۳۶۵۹، مسلم: فضائل الصحابۃ، فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۱۰ (۲۳۸۶) ترمذی: المناقب، باب (قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لامراۃ: فان لم تجدینی فاتی ابابکر رقم: ۳۶۷۶ وقال: صحیح غریب من ھذا الوجہ

(اخرجہ الشیخان واللفظ لمسلم[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ (بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجاہت لوگوں کی نظر میں زیادہ رہی، جب ان کا انتقال ہوگیا تو لوگوں کا رخ ذرا بدل گیا۔

ف: اہل طریق کی عادت طبعیہ ہے کہ بزرگوں کے متعلقین کو محض اس انتساب کی وجہ سے معظم سمجھتے ہیں اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی طبعاً پایا جاتا تھا۔

۸۷- مسئلہ، الہام

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها من خطبة عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال فیها: انا عمر ولم احرص علی امرکم، ولکن المتوفی اوصنی الی بذلک، والله الهمه ذلک، ولیس اجعل امانتی الی احد لیس لها باهل ولکن اجعلها الی من تکون رغبته الی التوقیر للمسلمین، اولئک احق بهم ممن سواه. (اخرجه مالک[2])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ کا یہ مضمون منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں عمر ہوں اور تم پر حاکم بننے کی مجھ کو خواہش نہ تھی لیکن متوفی (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مجھ کو اس کی وصیت کی تھی، اور اللہ نے ان کے قلب میں اس کا القاء فرمایا تھا اور میں اس عہدہ کو ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو، البتہ ایسے شخص کے لئے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام کی توقیر کی طرف ہو، سو یہ لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ مستحق ہیں۔

ف: بعض اولیاء کا صاحب الہام ہونا منقول ہے اس سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف: اصلاح، عدم استخلاف نااہل

(نااہل کو خلیفہ بنانا درست نہیں)

بعض متصوفین محض رسم کے طور پر حفظ سلسلہ کے لئے کسی کو خلیفہ بنا دیتے ہیں اگر

---

[1] بخاری: المغازی، غزوۃ خیبر، رقم: ۴۲۴۰، ۴۲۴۱؛ مسلم: الجهاد، قول النبی صلی الله علیه وسلم لانورث ما ترکنا صدقة، رقم: ۵۲ (۱۷۵۹)

[2] ماوجدناه فی "الموطا" للامام مالک. وذکره ابن حبان فی "کتاب الثقات" فی ذ استخلاف عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه

حدیث سے اس کا بطلان ہوتا ہے، اہل رسم کو اس کی اصلاح کرنا چاہئے۔

۸۸- عادت، مبہم گزاردن خلافت (خلافت کو مبہم رکھنا)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان اللہ تعالیٰ یحفظ دینہ، وانی ان لا استخلف فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یستخلف، وان استخلفت فان ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد استخلف. الحدیث (اخرجہ الخمسۃ الا النسائی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت خود فرمائیں گے اور میں اگر کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو (یہ بھی جائز ہے کیوں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو (صراحۃً) خلیفہ نہیں بنایا، اور اگر خلیفہ بنادوں تو (یہ بھی جائز ہے) کیوں کہ ابوبکرؓ نے (مجھ کو) خلیفہ بنایا تھا۔

ف: بعض مشائخ کی عادت ہے کہ کسی کو بالتعیین خلیفہ نہیں بناتے کہ جو اہل ہوگا آپ ہی حق تعالیٰ اس سے کام لے گا، اس حدیث سے اس عادت کی اصل نکل آئی اور جاننا چاہئے کہ اہل طریقت کا قول ہے کہ خلیفہ ہونے کے لئے خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں، البتہ بیعت کی ضرورت ہے اور بعد بیعت کے صلاحیت واہلیت کی، واہلیت صلاحیت حقیقی علامت شہادت قلب سلیم ہے اور ظاہری علامت اس زمانہ کے مشائخ مسلمین کا اس کو جائز رکھنا اور اس پر انکار نہ کرنا ہے۔

۸۹- رسم، تبرک بموضع متبرک در دفن

عن عمرو بن میمون الاودی فی حدیث طویل قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: انطلق الی ام المؤمنین عائشۃؓ وقل: یستاذن عمر بن الخطاب ان یدفن مع صاحبیہ الی قولہ فقالت: کنت اریدہ لنفسی ولا وثرنہ الیوم الخ. (رواہ البخاری)[2]

ترجمہ: عمرو بن میمون الاودی سے (قصہ شہادت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں) منقول ہے کہ (حالت

---

[1] بخاری: الاحکام، الاستخلاف، رقم: ۷۲۱۸، مسلم: الامارۃ، الاستخلاف وترکہ، رقم: ۱۸۲۳، ابوداؤد: الخراج، والفیء والامارۃ، الخلیفۃ یستخلف، رقم: ۲۹۳۹، ترمذی: الفتن، ماجاء فی الخلافۃ، رقم: ۲۵۲۶ وقال: صحیح [2] بخاری: فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم: ۳۷۰۰

مرض الموت میں) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ، اور یوں کہو کہ عمر بن الخطاب اس امر کی اجازت چاہتے ہیں کہ بعد وفات آپ کے حجرہ میں اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن کئے جائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (جواب میں) فرمایا کہ یہ موقع میں نے تجویز تو اپنے لئے کر رکھا تھا مگر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے نفس پر ترجیح دیتی ہوں۔ (اور دفن کی اجازت دیتی ہوں)

ف: بزرگوں سے بکثرت منقول ہے کہ موضع متبرک میں یا کسی صالح کے جوار میں دفن ہونے کا اہتمام و وصیت کرتے ہیں، اس روایت میں اس کی اصل صریحاً موجود ہے۔

ف: عادت، ایثار در فضائل

اکثر اہل ادب کی یہ بھی عادت مشاہدہ کی جاتی ہے کہ فضائل کے مواقع پر تادباً اپنے بڑوں کو مقدم رکھتے ہیں، مثلاً کوئی بزرگ دوسری صف میں آکر کھڑے ہوگئے اور پہلی صف میں کوئی ان کا معتقد و مخلص کھڑا ہے تو وہ پیچھے ہٹ کر ان کو مقدم کردیتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایثار سے اس کا استحسان معلوم ہوتا ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ قربات میں ایثار نہ چاہئے کیوں کہ یہ مستلزم ہے بے رغبتی کو قربات سے، برکات میں مضائقہ نہیں، اور فعل حضرت عائشہؓ سے برکات میں ثابت ہے نہ کہ قربات میں، علماء محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اپنے سے بزرگ کا احترام کرنا یہ اس قربت سے بھی بڑھ کر قربت ہے، پس اعلیٰ درجہ کی قربت کو ادنیٰ درجہ کی قربت پر ترجیح دینا یہ بے رغبتی قربت سے نہیں، البتہ جہاں یہ دوسری قربت سے افضل نہ ہو وہاں نہ چاہئے۔

۹۰- اصلاح، کراہت غلاف قبور

(قبروں پر غلاف و چادر چڑھانا برا ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاتستروا الجدر". (رواہ ابوداؤد)[۱]

---

[۱] ابوداؤد: الوتر، باب الدعاء، رقم: ۱۴۸۵، وقال ابوداؤد: روی هذا الحدیث من غیر وجه عن محمد بن کعب کلها واهیة، وهذا الطریق امثلها وهو ضعیف ایضا

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "دیواروں کو کپڑوں سے مت چھپاؤ۔"

ف: اس حدیث سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قبور پر غلاف چڑھانا برا ہے کیوں کہ وہاں دیوارگیری کے برابر بھی ضرورت نہیں محض تزین وتجمل وترفع ہی مقصود ہے جس کی قبور کے لئے اجازت ثابت نہیں۔

۹۱-اصلاح، عدم اعتقاد تقرب در جہر بذکر

(بآواز بلند ذکر کرنا قربت مقصودہ نہیں ہے)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا فی سفر فجعل الناس یجہرون بالتکبیر، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا بصیراً وھو معکم والذی تدعونہ اقرب الی احدکم من عنق راحلتہ". (اخرجہ الخمسۃ الا النسائی)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں تھے لوگ اللہ اکبر اللہ اکبر پکارنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، تم ایک سمیع بصیر کو پکارتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے ناقہ کی گردن سے بھی نزدیک تر ہے۔"

ف: نفس جہر تو نصوص کثیرہ سے ثابت ہے اس میں کسی کو کلام نہیں البتہ کلام جہر مفرط میں ہے، سو بعضے غالی اس کو قربت مقصودہ سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ نفع ذکر کا اسی پر موقوف ہے اور اسی وجہ سے ان کو کسی کی راحت وایذا کی بھی پرواہ نہیں ہوتی، اور بعضے متشدد اس بناء پر کہ کسی روایت میں منقول نہیں بلکہ اس حدیث میں نہی منقول ہے، چنانچہ اربعوا دال ہے کہ اس جہر میں افراط تھا اس کو مذموم وبدعت سمجھتے ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ نہ قربت

ف: بخاری: الجہاد، مایکرہ من رفع الصوت فی التکبیر، رقم: ۲۹۹۲، مسلم: الذکر والدعاء، استحباب خفض الصوت بالذکر الا فی المواضع التی ورد الشرع برفع فیھا کالتلبیۃ وغیرھا، رقم: ۴۴، ۳۶، (۲۷۰۴)، ابوداؤد: الوتر باب فی الاستغفار، رقم: ۱۵۲۶، ترمذی: الدعوات، فضل التسبیح والتکبیر والتہلیل، رقم: ۳۳۶۱ وقال: حسن صحیح)

ہے نہ بدعت جبکہ اس کے قربت ہونے کا اعتقاد نہ کرے، بلکہ اس کو معالج سمجھے کیوں کہ اس میں تجربہ سے خاصیت دیکھی گئی ہے کہ قلب میں رقت اور خواطر میں جمعیت حاصل ہوتی ہے، پس اس بناء پر یہ مباح ہے اور مباح کی اباحت ہمیشہ مشروط ہوتی ہے رفع عوارض کے ساتھ، پس اس میں بھی قید ہوگی کہ کسی کو ایذا و تشویش نہ ہو ورنہ آبادی سے دور جانا چاہئے، اور اس حدیث میں جو نہی آئی ہے، محمول ہوگی اعتقاد قربت پر جیسا کہ تعلیل لاتدعون اصم الخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ جہر مفرط قربت اس وقت ہو سکتا تھا کہ منادیٰ سمیع و بصیر نہ ہوتا تو اس کے اسماع کے لئے جہر مفرط ضروری تھا اور جب کہ وہ واقع میں بھی اور تمہارے اعتقاد میں بھی سمیع و بصیر ہے پھر جہر مفرط موقوف علیہ اسماع کا نہ ہوا تو قربت بھی نہ ہوگا، باقی اس سے نفی اس فائدہ معالجہ کی لازم نہیں آتی، کیوں کہ وہ مسکوت عنہ ہے، رہا یہ کہ جب وہ بھی ایک امر قابل تحصیل ہے تو مرغوب فیہ لغیرہ ہوا پھر اس کی ترغیب کیوں نہیں دی گئی، اصل یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ فائدہ بدون اس معالجہ کے حاصل تھا، اس لئے اس وقت مرغوب فیہ نہ تھا بعد میں اس کی احتیاج ہوئی۔

ف: مسئلہ قرب و معیت

حق تعالیٰ کا قرب و معیت اصل میں بے کیف ہے نہ اس کو قرب ذاتی کہہ سکتے ہیں نہ قرب مکانی بعض متکلمین اس کو قرب صفاتی کہتے ہیں بمعنی قرب علمی لیکن سلف کا مسلک یہی ہے کہ صفات الٰہیہ میں تعیین نہیں کرتے بلکہ ابھموا ما أبھم اللہ پر عمل کرتے ہیں اور بعض اکابر کے کلام میں جو اس قرب کی تعبیر بعنوان موہم للتقیید آئی ہے مقصود تقیید نہیں ہے بلکہ مقصود تشبیہ بغرض تفہیم ہے، یہ حدیث اس تعبیر کے جواز کی دلیل ہے۔ حیث قال: من عنق راحلته۔

۹۲- توجیہ، تمثیل صفات بآب و دریا

(صفات باری تعالیٰ کو پانی اور دریا سے تشبیہ دینا)

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه في دعاء رسول الله صلى الله عليه وسلم "اللهم اغسلني من خطاياي بالماء والثلج والبرد"۔ (اخرجه ... ستة الا

الترمذی وھذا لفظ الشیخین[۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعاء نبوی میں منقول ہے کہ اے اللہ مجھ کو میرے گناہوں سے پاک کر دے پانی اور برف اور اولے سے۔

ف: بعض عرفاء کے کلام منظوم میں ذات وصفات الٰہیہ کو آب اور دریا سے تمثیل دینا وارد ہے، جیسے مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں ''ز دریا موج گوناگوں برآمد'' وغیر ذالک۔ جس سے مقصود تمثیل من کل الوجوہ نہیں، تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً بلکہ مقصود تشبیہ بعض صفات مشترکہ میں بغرض توضیح وتفہیم ہے مثلاً جس طرح آب ودریا باوجود بساطت ووحدت کے منشاء ہوتا ہے امور متکثرہ کا اسی طرح ذات وصفات باوجود بساطت وتوحد کے منشاء ہے ممکنات متکثرہ کا گو وجہ منشائیت دونوں جگہ جدا جدا ہے، اس حدیث سے اس تمثیل کا جواز ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ ماء وثلج وبرد سے مقصود صفت رحمت ہے لیا مع التطہیر اور چوں کہ ذات اور صفات میں تغایر نہیں جب صفات کی تمثیل کا جواز ثابت ہوگیا تو ذات کی تمثیل کا جواز بھی ثابت ہوگیا۔

۹۳- متفرقات، ادب شیخ، بذکر تلقین منامی پیش او

(خواب میں تلقین کردہ چیز پر عمل سے پہلے شیخ پر پیش کرنا)

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ امرہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتسبیح وغیرہ دبر الصلوات قال: فلما امروا بذلک، رأی رجل من الانصار فی منامہ ان رجلا یقول: اجعلوھا خمسا وعشرین واجعلوا فیھا التھلیل، فلما اصبح ذکر ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ''اجعلوھا کذلک''. (اخرجہ النسائی[۲])

---

[۱] بخاری: الدعوات، الاستعاذہ من ارذل العمر الخ عن عائشۃ رقم: ۶۳۷۵؛ مسلم: المساجد، مایقال بین تکبیرۃ الاحرام والقرائۃ رقم: ۱۴۷ (۵۹۸) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ؛ ابوداؤد: الصلاۃ، السکتۃ عند الافتتاح، رقم: ۷۸۱ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ترمذی: الدعوات، باب ... رقم: ۳۴۹۴ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا، وقال: حسن صحیح غریب، نسائی: الطھارۃ، الوضوء بالثلج، رقم: ۶۰؛ قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، الصلاۃ، افتتاح الصلاۃ، رقم: ۸۰۵

[۲] نسائی: السھو، نوع اخر من عدد التسبیح بعد التسلیم، رقم: ۱۳۵۱

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اس حدیث میں جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازوں کے بعد سبحان اللہ وغیرہ پڑھنے کی نسبت حکم فرمانا مذکور ہے یہ بھی مروی ہے کہ جب لوگوں کو اس کا حکم دیا گیا تو ایک انصاری نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ تم ان کلمات کو پچیس پچیس بار کرلو اور ان میں لا الٰہ الا اللہ کو بھی داخل کرلو، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یوں ہی کرلو۔"

ف: اہل طریق نے آداب شیخ میں لکھا ہے کہ اگر مرید کو کوئی چیز خواب میں تلقین کی جاوے تو بدون اس کے کہ شیخ سے ذکر کرے اس پر عمل نہ کرے، اس حدیث میں اس کی تصریح ہے اور ایسے واقعات سے مرید یہ نہ سمجھے کہ مجھ کو شیخ سے زیادہ انکشاف ہوگیا گو ایسا ہونا ممکن ہے اور اس سے کچھ افضلیت و اکملیت بھی لازم نہیں آتی مگر مرید کے لئے یہ ذم مضر ہوتا ہے، اس لئے یہ ایسا نہ سمجھے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ بھی شیخ ہی کا فیض ہے کہ اس کی برکت سے ایسا ہوا، غرض اس فیض کا واسطہ بھی شیخ ہی کو سمجھے اور یہ بھی یقین کرے کہ اس منام یا کشف کی حقیقت کو شیخ مجھ سے زیادہ جان سکتا ہے اسی لئے اس سے ذکر کرکے اس کے امر سے تجاوز نہ کرے۔

۹۴۔ رسم، جھاڑ پھونک

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اخذ مضجعہ، نفث فی یدیہ وقرأ. الحدیث (اخرجہ الستۃ الا النسائی)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی خواب گاہ میں تشریف لے جاتے تو اپنے ہاتھوں میں کچھ دم کرتے اور پڑھتے۔

ف: گو اہل طریق کے نزدیک یہ مقصود نہیں مگر بنظر نفع رسانی خلق جو شخص اس کی

---

[1] بخاری: الدعوات، التعوذ والقرائۃ عند المنام، رقم: ۶۳۱۹، مسلم: السلام، رقیۃ المریض بالمعوذات والنفث، رقم: ۵۱ (۲۱۹۲) ابوداؤد: الأدب، مایقول عند النوم، رقم: ۵۰۵۶ ابوداؤد: الطب، کیف الرقی، رقم: ۳۹۰۲ ترمذی: الدعوات، من یقرأ من القرآن عند المنام، رقم: ۳۴۰۲ وقال: حسن غریب صحیح، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، الدعاء، مایدعو بہ اذا اوی الی فراشہ، رقم: ۳۸۷۵ موطا: جامع ماجاء فی الطعام والشراب، التعوذ والرقیۃ فی المرض، ص: ۳۷۵، مطبع مجتبائی.

خواست کرتا ہے اس کی دل شکنی نہیں کرتے، اس حدیث سے اس کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے نفس کے لئے بھی کچھ حرج نہیں، اور راز اس میں یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا افتقار و انکسار و اظہار عبدیت و احتیاج ہے یا آپ نے بیان جواز کے لئے کیا ہو۔

۹۵-قول: امکان طی ارض (زمین کا سکڑ جانا ممکن ہے)

عن مالک فی دعائہ صلی اللہ علیہ وسلم "اللھم ازولنا الارض" الحدیث[1]

ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دعاء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منقول ہے: "اے اللہ ہمارے لئے زمین کو لپیٹ دے۔"

ف: بہت سی حکایات میں اولیاء اللہ کی یہ کرامت منقول ہے کہ زمانہ قصیر میں مسافت طویل قطع کر لی بعض متقشفین اس کو مستبعد سمجھ کر انکار کر بیٹھتے ہیں مگر صوفیہ اور علماء محققین اس کو ممکن اور واقع کہتے ہیں اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ طی ارض کے مراتب مختلف ہیں اور اس میں کسی مرتبہ کے ساتھ محدود و مقید نہیں کیا گیا نہ اور کوئی دلیل تقیید و تحدید کی ہے پس مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا اور علی الاطلاق طی ارض ممکن رہے گا۔

۹۶-عادت، دعاء بعد اکل للداعی

(کھانے کے بعد میزبان کو دعا دینا)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صنع ابو الھیثم طعاماً، فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ، فلما فرغوا قال: "اثیبوا اخاکم" قالوا: وما اثابتہ؟ قال: "ان الرجل اذا دخل بیتہ واکل طعامہ وشرابہ، فدعا لہ فتلک اثابتہ" (رواہ ابوداؤد[2])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ کھانا تیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی دعوت

---

[1] موطا: الاستئذان، مایؤمر بہ من الکلام فی السفر، ص: ۳۸۴ مجتبائی، قلنا: واخرجہ الترمذی، الدعوات، مایقول اذا خرج مسافرا، رقم: ۳۴۳۸ وقال: کنت لا اعرف ھذا الامن حدیث ابن ابی عدی [2] ابوداؤد: الأطعمۃ، الدعاء لرب الطعام اذا اکل عندہ، رقم: ۳۸۵۳ وقال المباركی: فیہ رجل مجھول، وفیہ یزید بن عبدالرحمان، ابو خالد المعروف بالدالانی، وثقہ غیر واحد، وتکلم فیہ بعضھم

کی، جب (کھانے سے) فارغ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اپنے بھائی کو (اس کا) عوض دو'' صحابہؓ نے عرض کیا اس کا عوض کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب کوئی شخص کسی کے گھر میں جاوے اور اس کا کھانا اور پانی کھاوے پیوے پھر اس کے لئے دعا کرے تو یہ اس کا عوض ہو جائے گا۔''

ف: اکثر درویشوں کی عادت ہے کہ کھانا کھا کر کھانا کھلانے والے کو دعائیں دیا کرتے ہیں، اس حدیث سے اس عادت کا اثبات ہوتا ہے اور اس مضمون میں ایک دوسری حدیث بھی ہے۔

حدیث دیگر

عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: اكل النبي صلی الله عليه وسلم عند سعد بن عبادة خبزاً وزيتا ثم قال: "افطر عندكم الصائمون، واكل طعامكم الابرار، وصلت عليكم الملائكة" (اخرجه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس روٹی اور روغن زیتون نوش فرمایا پھر (بطور دعا کے) فرمایا کہ: ''(خدا کرے) تمہارے پاس روزہ دار افطار کیا کریں اور تمہارے کھانے کو نیک لوگ کھایا کریں اور تم پر فرشتے رحمت بھیجا کریں۔''

ف: یہاں بھی حدیث بالا کی تقریر ہے۔

۹۷۔ تعلیم، عدم التفات الی النور (انوار کی طرف توجہ نہ کرنا)

عن قتادة رضي الله تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم اذا رأى الهلال صرف وجهه عنه (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہلال دیکھتے تو اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتے تھے۔

ف: ائمہ فن کی تعلیم ہے کہ اگر مراقبات میں کچھ انوار منکشف ہوں تو ان کی طرف توجہ نہ

۱۔ أبوداؤد: الأطعمة، الدعاء لرب الطعام اذا اكل عنده، رقم: ۳۸۵۳ وسكت عنه المنذري.

۲۔ أبوداؤد: الأدب، مايقول الرجل اذا رأى الهلال، رقم: ۵۰۹۳، قال أبوداؤد: ليس عن النبي صلی الله عليه وسلم في هذا الباب حديث مسند، وقال المنذري: هذا مرسل، وأبوهلال هذا لايحتج به

کرنا چاہئے اور ان ہی انوار کی نسبت کہا ہے کہ حجب نورانی اشد ہے حجاب ظلمانی سے، اس حدیث سے اس تعلیم کی تائید ہو سکتی ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چادر سے اعراض فرمانا اس وجہ سے تھا کہ بعض عوام کو ایک گونہ صرف ایسی نظر تعظیمی سے توجہ رکھتے تھے کہ مانع عالم کی طرف توجہ کرنے سے وہ مانع ہو جاتی تھی، سو یہی حالت انوار مذکورہ میں محقق ہے کہ ان کی طرف التفات کرنا مانع و شاغل ہو جاتا ہے مقصود حقیقی کی طرف توجہ کرنے سے خوب سمجھو۔

۹۸ - عادت، جرأت در قرض برائے اضیاف و مساکین

(مہمانوں اور مسکینوں کی خدمت کے لئے بے تکلف قرض لے لینا)

عن عمران بن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: كانت ميمونة تدان وتكثر فقال لها اهلها في ذلك ولاموا ووجدوا عليها فقالت: لا اترك الدين وقد سمعت خليلي وصفيي صلى الله عليه وسلم يقول: "ما من احد يدان دينا فعلم الله انه يريد قضاءه الا اداه الله تعالى عنه في الدنيا". (اخرجه النسائي)[1]

ترجمہ: حضرت عمران بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قرض لیتیں اور کثرت سے لیتیں ان کے گھر والوں نے اس بارہ میں ان سے گفتگو کی اور ان کو ملامت کی، انھوں نے فرمایا کہ: میں قرض نہ چھوڑوں گی، میں نے اپنے محبوب اور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ارشاد فرماتے تھے کہ "جو شخص کچھ قرض لے اور خدا تعالیٰ کو معلوم ہو کہ وہ اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کر دے گا۔"

ف: اکثر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ مہمانوں اور مسکینوں کی خدمت کے لئے بے تکلف قرض لے لیتے ہیں، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فضول تو قرض لیتی نہ ہوں گی۔

۹۹ - رسم ادخال عوام در سلسلہ برائے برکت

(برکت کے واسطے عام لوگوں کو سلسلۂ بیعت میں داخل کرنا)

عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه في حديث فضيلة الذكر قال رسول الله صلى

---

[1] نسائی: البیوع، التسهيل في الدين، رقم ۴۶۹۰

الله عليه وسلم: "فيقول ملك: منهم فلان، عبد خطاء ليس منهم، انما مر لحاجة فجلس، فيقول: وله قد غفرت، هم القوم لايشقي جليسهم". (اخرجه الشيخان)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث فضیلت ذکر میں روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں بندہ نہایت خطاوار ہے، وہ ان میں سے نہیں، محض ایک کام کے لئے آنکلا تھا سو (وہاں) بیٹھ گیا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا، وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔"

ف: اکثر بزرگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ سلسلہ میں ایسوں کو بھی داخل کر لیتے ہیں جن سے ہرچند بھی ذکر وغیرہ کرنے کی یا اپنی حالت کو پورے طور سے درست کرنے کی توقع نہیں ہوتی، سو یہ امر ظاہر نظر میں عبث معلوم ہوتا ہے، لیکن غور کرنے سے اس میں یہ نفع معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص سلسلہ کی برکات ہی سے کسی درجہ میں تو بہرہ ور ہو جاتا ہے، پس یہ بیعت محض برکت سلسلہ کے لئے ہوتی ہے، اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ مقبولانِ الٰہی کا جلیس بھی محروم نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی بزرگ کے سلسلہ میں داخل ہوگا غالباً اس سے مجالست ومخالطت ومؤانست کا تعلق تو ضرور پیدا ہو جائے گا، پس حدیث کے عموم میں وہ بھی داخل ہو جائے گا۔

۱۰۰- حال، وجد

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "اول من يدعیٰ به يوم القيامة" الحديث. وفيه قال "شفي": فاخبرت معاوية رضی الله تعالیٰ عنه بهذا الحديث عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه فقال: قد فعل بهولاء هذا فكيف بمن بقي من الناس؟ ثم بكیٰ معاوية رضی الله تعالیٰ عنه بكاء شديداً حتی ظن انه هالك، ثم افاق ومسح عن وجهه. (اخرجه مسلم والترمذی واللفظ له والنسائی)[2]

---

[1] بخاری: الدعوات، فضل ذكر الله عزوجل، رقم: ۶۴۰۸؛ مسلم: الذكر والدعاء، فضل مجالس الذكر، رقم: ۲۵ (۲۶۸۹) فلنا: واخرجه الترمذی: الدعوات، ان لله ملائكة سياحين في الأرض، رقم: ۳۶۰۰، وقال: حسن صحيح [2] مسلم: الامارة، من قاتل للرياء والسمعة استحق النار، رقم: ۱۵۲ (۱۹۰۵)؛ ترمذی: الزهد، الرياء والسمعة، رقم ۲۳۸۲ وقال حسن غريب؛ نسائی: الجهاد، من قاتل ليقال فلان جرئ، رقم: ۳۱۳۹

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا حال بیان فرمایا ہے جو قیامت میں سب سے پہلے بلایا جائے گا اس روایت میں یہ بھی ہے کہ "شفی" راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حدیث کی خبر دی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ جب ایسا معاملہ کیا گیا تو بقیہ لوگوں کا کیا حال ہوگا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر زار زار روئے، گمان ہوتا تھا کہ روح نکل جائے گی، پھر ہوش میں آئے اور اپنا چہرہ پونچھا۔

ف: وجد کہتے ہیں حالت قویہ محمودہ کو، آگے اس کے مراتب و جہات مختلف ہیں اور جو دیا سے نہ ہو سب محمود ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت سے اس کا صریح اثبات ہوتا ہے۔

۱۰۱ - حال، الہام

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه فی قصة مناظرة ابی بکر رضی الله تعالیٰ عنه وعمر رضی الله تعالیٰ عنه فی قتال مانعی الزکوٰة قال عمر: فوالله ماهو الا ان رأیت ان الله شرح صدر ابی بکر رضی الله تعالیٰ عنه للقتال فعرفت انه الحق. (رواه البخاری وغیره)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مناظرہ در بارۂ قتال مانعین زکوٰۃ کے مروی ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ واللہ صرف یہ بات تھی کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتال کے باب میں شرح صدر ہو گیا سو مجھ کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہی حق ہے۔

ف: اکثر اولیاء کی حکایات الہام کی منقول ہیں، اس حدیث میں اس کا اثبات ہے، اس کو شرح صدر سے تعبیر کیا گیا ہے، حقیقت اس کی یہ ہوتی ہے کہ بلا واسطہ نظر و اکتساب کے کسی حقیقت کا قلب میں القاء ہو جائے تو قصہ مناظرہ مذکورہ میں دونوں حضرات کو یہی پیش آیا، کیوں کہ اس مناظرہ میں جس قدر کلام منقول ہے وہ انتاج مقصود کے لئے کافی نہیں، اور

ل بخاری: فضائل القرآن، جمع القرآن، رقم: ۴۹۸۶

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الہام ہوا اور ان کے کلام کے فیض سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الہام ہو گیا اور چوں کہ نصوص شرعیہ اس الہام کے موافق تھیں لہٰذا اس پر عمل بھی جائز ہوا۔

۱۰۲- اخلاق وعلامات اولیاء زہد وتوکل

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لیست الزھادۃ فی الدنیا بتحریم الحلال ولا اضاعۃ المال ولکن الزھادۃ ان تکون بما فی ید اللہ تعالیٰ اوثق منک بما فی یدک، وان تکون فی ثواب المصیبۃ اذا اصبت بھا ارغب منک فیھا لو انھا بقیت لک" (اخرجہ الترمذی) وزاد رزین: لأن اللہ تعالیٰ یقول: ﴿لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اٰتکم﴾

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "زہد فی الدنیا یہ نہیں کہ حلال چیزوں کو حرام کر لیا جائے، اور نہ یہ ہے کہ مال کو اڑا دیا جائے لیکن زہد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز ہے اس پر تمہارا اعتماد اور وثوق بہ نسبت اس چیز کے زیادہ ہو جو کہ تمہارے قبضہ میں ہے، اور نیز زہد یہ ہے کہ تم پر جب کوئی مصیبت آئے تو تم کو اس کے ثواب کی زیادہ رغبت ہو، بہ نسبت اس کے کہ وہ مصیبت باقی رہے۔" روایت کیا اس کو ترمذی نے، اور رزین نے اتنا زیادہ کیا یعنی دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تا کہ تم فوت شدہ چیز پر مغموم نہ ہو اور جو تم کو عطاء فرمایا ہے اس پر اتراؤ نہیں۔

ف: اس حدیث میں زہد وتوکل کی حقیقت کی شرح ہے جو کہ اخلاق اولیاء اللہ سے ہے اور اخلاق میں سے ہونے کے سبب علامات میں سے بھی ہے اور اس شرح حقیقت میں بڑی غلطی رفع کر دی گئی ہے، اکثر عوام اپنے اعتقاد میں زاہد اسی کو سمجھتے ہیں جو تمام لذات مباحہ سے اس طرح مجتنب ہو جیسے ان کو حرام سمجھتا ہو اور اس کے پاس جو کچھ آتا ہو سب کو فوراً خرچ کر ڈالے گو غیر مصرف ہی میں سہی، اور جو بلا ومصیبت کے زوال کی تدبیر نہ کرتا ہو، بس ان

---

[1] ترمذی: الزھد، الزھادۃ فی الدنیا، رقم: ۲۳۴۰، وقال: حدیث غریب لانعرفہ الا من ھذا الوجہ، وعمرو بن واقد منکر الحدیث، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، الزھد، الزھد فی الدنیا، رقم: ۴۱۰۰

کے نزدیک بزرگی کی شرط بھی ہے، اس میں یہ بتلا دیا گیا کہ یہ امور شرط نہیں بلکہ حق تعالیٰ پر زیادہ اعتماد ہونا اپنے مقبوضات سے زیادہ، اور مصیبت کو خود مرغوب فیہ نہ ہو مگر ثواب مرغوب فیہ ہونا یہ ضروری ہے، پس مصیبت پر خوش اس لئے ہے کہ وہ سبب ہے ثواب کا اور آیت سے استدلال ظاہر ہے کہ "لا تاسوا علی مافاتکم" دلیل ہے اس جزو کی "ان تکون فی ثواب المصیبۃ" الخ کیونکہ "مافاتکم" میں صحت وعافیت بھی آ گئی اور "لا تفرحوا" دلیل ہے اس جزو کی "ان تکون بما فی ید اللہ" الخ اور انطباق ظاہر ہے۔

۱۰۳- متفرقات، دفع اعتراض بر ترک لذات مباحہ

(لذات مباحہ کے چھوڑنے پر اعتراض کرنا درست نہیں)

عن عطیۃ السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا یبلغ العبد حقیقۃ التقوی حتی یدع ما لا باس بہ حذراً مما بہ باس". (اخرجہ الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "بندہ حقیقۃ تقویٰ تک نہیں پہنچتا جب تک کہ ایسی چیز کے اندیشہ سے جس میں کوئی خرابی ہو ایسی چیز کو نہ چھوڑ دے جس میں کوئی خرابی نہ ہو۔"

ف: اکثر اہل ظاہر بعض اہل سلوک پر لذات مباحہ کے ترک پر شبہ و اعتراض بمخالفت سنت کا کیا کرتے ہیں، اس حدیث میں اس ترک کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے، جب کہ قصد یہ ہو کہ ان کے تناول سے قوت بہیمیہ میں زیادتی ہو کر معصیت کا سبب نہ بن جائے، جیسا کہ مدلول صریح ہے "حتی یدع ما لا باس بہ" الخ کا، اس کو کمال تقویٰ فرمایا گیا ہے۔

۱۰۴- اصلاح، ترک تمائم غیر مشروعہ

(خلاف شرع تعویذ اور گنڈوں کا استعمال درست نہیں)

عن عبادۃ بن تمیم ان ابا بشیر الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخبرہ انہ کان مع

---

[1] ترمذی، صفۃ القیامۃ، علامۃ التقوی، ودع مالا باس بہ حذرا، رقم: ۲۴۵۱، وقال: حسن غریب لا نعرفہ الا من ہذا الوجہ، (طلفاء) واخرجہ ابن ماجۃ، الزہد، الورع والتقوی، رقم: ۴۲۱۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فامر معاویۃ: "لا یبقین فی رقبۃ بعیر قلادۃ من وتر او قلادۃ الا قطعت"۔ (اخرجہ الثلثۃ و ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت عبادہ بن تمیم سے روایت ہے کہ ابوبشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خبر دی کہ وہ ایک سفر میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ: "کسی اونٹ کی گردن میں کوئی گلوبند تانت کا یا مطلق گلوبند فرمایا چھوڑا نہ جائے، مگر یہ کہ اس کو کاٹ دیا جائے۔"

ف: اکثر شراح حدیث نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ جانور کی حفاظت کے واسطے گنڈے بنوا کر ان کے گلے میں باندھ دیتے تھے چوں کہ وہ غیر مشروع ہوتے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کٹوا دیئے، پس اس میں نہی ہے ایسے تعویذ گنڈوں سے جو خلاف شرع ہیں، آج کل نام کے فقیروں میں اس کی کچھ پروا نہیں یہ امر واجب الاصلاح ہے۔

۱۰۵- رسم تبرک بمستعملات المشائخ

(بزرگوں کی مستعمل چیزوں سے تبرک حاصل کرنا)

عن کبشۃ الانصاریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشرب من فی قربۃ معلقۃ قائما فقمت الی فیھا فقطعتہ۔ (اخرجہ الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے اور ایک مشک لٹکی ہوئی تھی اس کے منہ سے کھڑے ہو کر پانی پیا، پس میں اٹھی اور اتنا چمڑہ کاٹ لیا (کہ برکت کے لئے اپنے پاس رکھوں گی) (روایت کیا اس کو ترمذی نے) اور رزین نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ میں نے اس چمڑے کا ایک چھوٹا

---

[1] بخاری: الجهاد، ماقیل فی الجرس ونحوہ فی اعناق الابل، رقم: ۳۰۰۵؛ مسلم: اللباس، کراهة قلادة الوتر فی رقبة البعیر، رقم: ۱۰۵ (۲۱۱۵)؛ ابوداؤد: الجهاد، تقلید الخیل بالأوتار، رقم: ۲۵۵۲؛ موطا: صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، نزع المعالیق والجرس من العین، ص: ۳۲۳، مطبع مجتبائی۔ [2] ترمذی: الأشربة، الرخصة فی ذلک، رقم: ۱۸۹۲، وقال: حسن صحیح غریب، وزاد رزین: فاتخذته رکوة لشرب فیها، قلنا: واخرجه ابن ماجة، الأشربة، الشرب قائما، رقم: ۳۴۲۳.

سا مشکیزہ بنالی کہ اس میں برکت کے لئے پانی پیا کرتی تھی۔

ف: جس چیز کو بزرگوں کا منہ یا ہاتھ یا بدن لگا ہو معتقدین اس کو تبرک سمجھتے ہیں اس حدیث سے اس کا صریح ثبوت ہوتا ہے۔

ف: اصلاح و جواز استعمال تبرکات مشائخ

(بزرگوں کے تبرکات کو استعمال کرنا جائز ہے)

اور جو یہ عادت ہے کہ ایسی چیزوں کا بکثرت استعمال نہیں کرتے اگر یہ اس غرض سے ہو کہ زیادہ روز تک یہ تبرک باقی رہے سو مضائقہ نہیں اور اگر اس خیال سے ہو کہ یہ سوء ادب ہے تو یہ خیال بے اصل ہے "شرب فیہا" میں کہ متبادر .... اس سے عادت شرب ہے اس خیال کی اصلاح ہے۔

۱۰۲- متفرقات: دفع اعتراض بر توسع فی اللذات

(کھانے پینے میں توسع اور کسی قدر اہتمام پر اعتراض کرنا درست نہیں)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حائط رجل من الانصاری وھو یحول الماء فی حائطہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ان کان عندک ماء بات ھذہ اللیلۃ فی شن والا کرعنا"[1] الحدیث. (رواہ البخاری وابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں تشریف لائے اور وہ اپنے باغ میں پانی پھیر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اگر تمہارے پاس ایسا پانی ہو جو اس شب کو مشک میں رہا ہو (یعنی باسی پانی ہو تو دو) ورنہ یہی پانی جو باغ میں جاری ہے منہ لگا کر پی لیں گے۔"

ف: بعض اکابر سے مطاعم و مشارب میں توسع اور کسی قدر اہتمام اور تکلف منقول ہے بعض خشک مزاج ان پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ نفس پروری اور بزرگی کے خلاف

[1] صحیح بخاری: الاشربۃ، شرب اللبن بالماء، رقم: ۵۶۱۳۔ ابوداؤد: الاشربۃ، باب فی الکرع رقم: ۳۷۲۴، قلت: واخرجہ ابن ماجہ: الاشربۃ، الشرب بالاکف والکرع، رقم ۳۴۳۲

ہے، اس حدیث میں باسی پانی کی تلاش اور اہتمام مذکور ہے جس سے اس کا غیر مذموم ہونا ثابت ہوا، بالخصوص منتہی کے لئے، اور راز اس میں یہ ہے کہ بسا اوقات اس میں منعم حقیقی کی محبت بڑھتی ہے اور بعض اوقات مقصود اپنی احتیاج کا اظہار عملی ہوتا ہے، اور یہ سب مقاصد سلوک سے ہیں، غرض ترک لذات میں بعض خاص مصالح ہیں اور تناول لذات میں بعض خاص مصالح ہیں باختلاف احوال مختلف اوقات میں ایک دوسرے پر ترجیح ہو جاتی ہے۔

۱۰۷۔ثبوت عالم مثال

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: (اتیت لیلة اسری بی بقدحین من خمر ولبن، فاخذت اللبن فقال الملک: الحمد لله الذی هداک للفطرة لو اخذت الخمر لغوت امتک". (اخرجه النسائی)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "شب معراج میں میرے پاس دو پیالے لائے گئے ایک میں شراب تھی اور ایک میں دودھ، میں نے دودھ لے لیا، (ہمراہی) فرشتہ نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے آپ کو دودھ لینے کی ہدایت کی اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔"

ف: دودھ صورت مثالیہ دین کی تھی اور شراب صورت مثالیہ لذات دنیا کی اور ان پیالوں کا پیش ہونا ایک نوع کا امتحان تھا اس حدیث سے عالم مثال کا ثبوت ہوتا ہے جس کی تصریح اکابر کے کلام میں ہے۔

۱۰۸۔قول بتسمیہ بعض معاصی بکفر

(بعض گناہوں پر کفر کا اطلاق کرنا)

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول:

---

[1] قلنا: واخرجه البخاری، احادیث الانبیاء، باب قول الله تعالی: وهل اتاک حدیث موسی رقم: ۳۳۹۴؛ قلنا: واخرجه مسلم، الایمان، الاسراء برسول الله صلی الله علیه وسلم الی السماوات رقم: ۲۷۲ (۱۶۸)؛ قلنا: واخرجه الترمذی، تفسیر القرآن، سورة بنی اسرائیل، رقم: ۳۱۳۰ وقال: حسن صحیح، نسائی: الاشربة، منزلة الخمر، رقم: ۵۶۶۰ واللفظ له.

"بین الرجل وبین الشرک ترک الصلوٰۃ"۔ (اخرجہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "حد درمیان آدمی کے اور شرک کے ترک صلوٰۃ ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ جب ترک صلوٰۃ کیا تو حد شرک میں چلا گیا یعنی عمل مشرک اور کافر ہوگیا۔ ای عمل عمل الکفار والمشرکین۔

ف: بعض بزرگوں کے کلام میں بعض معاصی کو کفر کہہ دینا وارد ہے ۔

کفر است درطریقت ما کینہ داشتن ۔۔۔ آئین ما ست سینہ چوں آئینہ داشتن

اور مثل:

ہر آن کو غافل از حق یک زمان ست ۔۔۔ در آن دم کافر ست اما نہاں ست

اس حدیث سے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور جو توجیہ حدیث میں ہے وہی ان کے کلام میں۔

۱۰۹- متفرقات، جواب اعتراض بر جہد فی العمل

(کثرت مجاہدات پر اعتراضات کا جواب)

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام حتی اصبح بایۃ والایۃ ﴿ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم﴾ (اخرجہ النسائی)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام شب نماز میں کھڑے رہے یہاں تک کہ ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی، اور آیت یہ ہے، "ان تعذبھم" یعنی اے اللہ اگر آپ میری امت کو سزا دینے لگیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

ف: بعض بزرگوں پر ان کے کثرت مجاہدات کے بارے میں متکلمین نے اعتراض بدعت ہونے کا کیا ہے، اس حدیث سے اس کی صحیح ثابت ہوتی ہے اور بعض احادیث

---

[۱] مسلم: الایمان، اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ، رقم: ۱۳۴ (۸۲) ثنا: واخرجہ ابوداؤد، السنۃ، رد الارجاء، رقم: ۴۶۷۸ ثنا: واخرجہ الترمذی، الایمان، ماجاء فی ترک الصلاۃ رقم: ۲۶۲۱ [۲] النسائی، الافتتاح، ترديد الآیۃ، رقم ۱۰۱۱۔

میں جو اس کی نہی آئی ہے تو خود انہی حدیثوں میں مصرح ہے کہ وہ اس شخص کے لئے ہے جس کو اس میں مشاہدہ ہو اور اس پر دوام نہ کر سکے۔

۱۱۰- انگشت شہادت سے اشارہ کرنا

عن علی بن عبدالرحمٰن قال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یحکی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشار باصبعہ التی تلی الابھام فی القبلۃ ورمیٰ ببصرہ الیھا۔ (اخرجہ النسائی)[1]

ترجمہ: علی بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی حکایت میں یہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت سے قبلہ کی طرف اشارہ کیا اور اپنی نگاہ اس کی طرف ڈالی۔

۱۱۱- شغل ربط النظر لاجتماع الخواطر

(یکسوئی حاصل کرنے کے لئے کسی چیز کی طرف نظر جما کر دیکھنا)

عن ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایجاوز بصرہ اشارتہ. (اخرجہ ابوداؤد)[2]

ترجمہ: حضرت ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ بالسبابہ سے آگے نہ بڑھتی تھی۔

ف: اشغال میں ایک شغل یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی طرف نگاہ جما کر دیکھا جائے مقصود اس سے اور جمیع اشغال سے اجتماع خواطر و یکسوئی ہوتی ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

۱۱۲- ضرورت خشوع

عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الصلاۃ مثنیٰ مثنیٰ، تشھد فی کل رکعتین، وتخشع وتسکن"

---

[1] نسائی- التطبیق، موضع البصر فی التشھد، رقم: ۱۱۶۱

[2] ابوداؤد: الصلاۃ، الاشارۃ فی التشھد، رقم: ۹۹۰، وسکت عنہ المنذری، وقال: اخرجہ النسائی۔

وفیہ: "ومن لم یفعل فھی خداج"۔ (اخرجہ الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "نماز دو دو رکعت ہوتی ہے، یعنی ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہوتا ہے، اور نماز میں خشوع اور نیازمندی ہوتی ہے، اور جو ایسا نہ کرے وہ نماز ناقص ہوتی ہے۔"

ف: نماز کے اندر اور اسی طرح دوسری عبادات میں حضور قلب کو اہل سلوک ضروری قرار دیتے ہیں اور اکثر متعیان ظاہر اس کو ضروری نہیں سمجھتے، اس حدیث میں ضرورت کی نہایت تصریح ہے کہ بدون اس کے نماز کو ناقص فرماتے ہیں، اور نماز و دیگر عبادات میں فرق کا کوئی قائل نہیں۔

۱۱۳ - عادت: قطع اسباب تفرق خاطر

(خیالات میں انتشار پیدا کرنے والے اسباب کو ختم کرنا)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خمیصۃ لھا اعلام، فنظر الی اعلامھا نظرۃ فقال: "اذھبوا بخمیصتی ھذہ الی ابی جھم واتونی بانبجانیۃ فانھا الھتنی آنفا عن صلوتی"

وفی روایۃ مالک وابی داؤد "کنت انظر الیھا وانا فی الصلوۃ فاخاف ان تفتننی۔ (اخرجہ الستۃ الا الترمذی)[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر میں نماز پڑھی جس میں نقش بنے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جو ان بوٹوں پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ (کہ انہوں نے ہدیۃً بھیجا تھا) اور میرے واسطے ان کا سادہ چادرہ لے آؤ، اس نے ابھی میرا دل نماز سے ہٹا دیا تھا۔"

---

[1] ترمذی: الصلاۃ، التخشع فی الصلاۃ، رقم: ۳۸۵

[2] (۱) بخاری: الصلاۃ، اذا صلی فی ثوب لہ اعلام ونظر الی علمھا رقم: ۳۷۳، مسلم: المساجد، کراھۃ الصلاۃ فی ثوب لہ اعلام، رقم ۱۲۰۴، ۵۵۶، ابوداؤد: الصلاۃ، النظر فی الصلاۃ رقم: ۹۱۴، نسائی: القبلۃ، الرخصۃ فی الصلاۃ فی خمیصۃ لھا اعلام، رقم: ۷۷۲، موطا: العمل فی القرأۃ، النظر فی الصلاۃ الی مایشغلک عنھا، ص: ۳۳، مطبع مجتبائی، وزاد فی روایۃ البخاری (لابی داؤد) وموطا: فانی نظرت الی علمھا فی الصلاۃ فکاد یفتنی

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ: "نماز میں میری نگاہ اس پر پڑتی تھی مجھ کو احتمال تھا کہ میرا دل ہٹادے۔" (گو اس کی نوبت نہیں آئی)

ف: جن بزرگوں نے اسبابِ شغل قلب بغیر اللہ کی تقلیل کی ہے ان کے اس عمل کی اس حدیث سے تصویب نکلتی ہے۔

ف: مسئلہ، سنوح وساوس کاملین را

(اہل کمال کو بھی وساوس پیش آجاتے ہیں)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل کمال کو بھی احیاناً ان کے مرتبے کے موافق وساوس خفیہ پیش آجاتے ہیں اور یہ منافی ان کے کمال کے نہیں۔

ف: خلق، اظہار حال خود (اپنے حال کو ظاہر کرنا)

یہ شعبہ ہے تواضع واخلاص کا کہ اپنا حال جو متعصبین کی نظر میں منافی کمال معلوم ہو، اپنے معتقدین میں ظاہر کر دیا جائے، مگر شرط اس کی یہ ہے کہ ان کے افتتان فی الدین کا خوف نہ ہو، اور نیز وہ حال معصیت نہ ہو، ورنہ اخفاء واجب یا واجب ہے۔ "نہی عن اظہار المعاصی" کی حدیثیں اور "حضرت صفیہ کا قصہ اعتکاف گاہ میں آنے کا" اور "محدث فی الصلوۃ کو اخذ انف کا حکم" اس اخفاء کی دلیلیں ہیں۔

۱۱۳- اصلاح، حرمتِ سجدہ قبور

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد[1]"۔ (اخرجہ الخمسۃ الا الترمذی)

---

[1] بخاری: الجنائز، قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما رقم: ۱۳۹۰ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مسلم: المساجد، النہی عن بناء المسجد علی القبور، رقم: ۲۰ (۵۳۰) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایضا، فی الموضع السابق، رقم: ۱۹ (۵۲۹) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ابوداؤد: الجنائز، البناء علی القبر، رقم: ۳۲۲۷، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نسائی: المساجد، النہی عن اتخاذ القبور مساجد، رقم: ۷۰۳، عن عائشۃ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما معا، ایضا فی الجنائز، اتخاذ القبور مساجد، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۲۰۴۹.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ لعنت کرے یہود اور نصاریٰ کو کہ اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا" یعنی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔

ف: اس حدیث میں اصلاح ہے اس فعل کی جو اس وقت جہلاء صوفیاء میں شائع ہے کہ بزرگوں کی قبور کو سجدہ کرتے ہیں خواہ وہ سجدہ عبادت ہو کہ کفر و شرک ہے خواہ وہ سجدہ تحیہ ہو کہ سخت کبیرہ گناہ قریب بکفر ہے۔

۱۱۵- متفرقات، تنبیہ اکابر بر عدم الامن من الشیطان

(بڑے سے بڑے کامل کو شیطان سے بے فکر نہ ہونا چاہئے)

عن ابي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال: قام رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي وفيه قال: "ان عدو الله ابليس جاء بشهاب من نار ليجعله في وجهي". الحديث (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور اسی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "دشمن خدا یعنی ابلیس ایک شعلہ آگ کا لایا تا کہ اس کو میرے منہ میں لگا دے" (اسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا۔)

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواہ کوئی کتنا ہی بڑا کامل نہ ہو جائے مگر اس کو شیطان سے بے فکر نہ ہونا چاہئے بلکہ ہمیشہ ہوشیار و بیدار رہے کہ کسی موقع پر اس کو لغزش میں نہ ڈال دے، اس خبیث کی جرأت دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی تک پہنچنے کا اس کو حوصلہ ہوا، مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ نہیں کرا سکتا اس لئے ضرر جسمانی ہی کی ہوس ہوئی۔

۱۱۶- اصلاح در اہتمام جماعت

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه عذر لم تقبل منه الصلوة التي صلاها"

قیل، وما العذر؟ قال "خوف او مرض". (اخرجه ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص مؤذن کی اذان سنے پھر اس کا اتباع کرنے سے اس کو کوئی عذر مانع نہ ہو، (اتباع سے مراد جماعت میں حاضر ہونا ہے) تو اس کی نماز، جو اس نے پڑھی ہے مقبول نہ ہوگی"۔ عرض کیا گیا کہ عذر کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "خوف یا مرض"۔

ف: آج کل بعض درویشوں کو جماعت کی نماز کا مطلق اہتمام نہیں ہے، یہ حدیث ان کی اصلاح کرتی ہے اور دلالت کرتی ہے کہ ان کی وہ نماز کالعدم ہے اور جب فرض ناقص ہوا تو اوراد واشغال کیا کفایت کریں گے۔

۱۱۷- اہمیت جماعت جمعہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسئل عن رجل یصوم النهار ویقوم اللیل ولایشهد الجماعة ولا الجمعة فقال: هذا من اهل النار. (اخرجه الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور ان سے ایسے شخص کی نسبت سوال کیا گیا تھا جو دن بھر روزے سے رہتا ہے اور رات بھر بیدار رہتا ہے، لیکن جماعت اور جمعہ میں حاضر نہیں ہوتا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا شخص جہنمیوں میں سے ہے۔

ف: اس میں وہی مضمون زیادہ تاکید ووعید کے ساتھ ہے جو حدیث نمبر ۱۱۶ میں مذکور ہے۔

۱۱۸- عادت، تعیین مکان حزب

(اوراد ومعمولات کیلئے جگہ کی تعیین)

عن عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قلت یا رسول اللہ ان السیول تحول بینی وبین مسجد قومی، فاحب ان تاتینی فتصلی فی مکان من بیتی اتخذه مسجداً، فقال: صلی اللہ علیہ وسلم: "سنفعل". الحدیث (اخرجه الثلثة والنسائی[3])

---

[1] ابوداؤد: الصلاة التشدید فی ترک الجماعة، رقم: ۵۵۱، قال المنذری: فی اسناده ابو جناب، یحیی بن ابی حی الکلبی وهو ضعیف، واخرجه ابن ماجة بنحوه، واسناده أمثل وفیه نظر۔

[2] ترمذی: الصلاة، ماجاء فیمن سمع النداء فلا یجیب، رقم: ۲۱۸۔

[3] بخاری: الأذان، من لم یرد السلام علی الامام واکتفی بتسلیم الصلاة رقم: ۸۳۰، مسلم: المساجد، الرخصة فی التخلف عن الجماعة لعذر رقم: ۲۶۳ (۳۳) نسائی: الامامة، الجماعة النافلة، رقم: ۸۳۵، موطا: جامع الصلاة ، ص: ۹۰، ۹۱ مطبع تهانوی، فنا: واخرجه ابن ماجة، المساجد، المساجد فی الدور، رقم: ۸۵۴۔

ترجمہ: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (برسات کے دنوں میں) میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان میں (پانی کا) سیلاب حائل ہو جاتا ہے۔ (اس نتیجے میں مسجد میں حاضر نہیں ہو سکتا اور نگاہ ان کی ماؤف تھی اس لئے کچھ نظر آتا نہ تھا کہ کہاں پانی ہے کہاں خشک ہے) سو میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے یہاں تشریف لائیے اور میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ دیجئے کہ میں (ایسی ضرورت کے موقع پر) اس کو نماز کی جگہ بنا لوں۔ (یعنی وہاں نماز پڑھ لیا کروں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ "ہم ایسا کر دیں گے۔"

ف باوجودیکہ یہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں ہر جگہ نماز پڑھ سکتے تھے مگر پھر بھی نماز کی جگہ کو متعین کرنا چاہا جس میں مصلحت یہ تھی کہ تعین مکان سے عبادت میں یکسوئی ہوتی ہے اس سے اصل نکلتی ہے اس کی کہ درود و معمولات میں اکثر جگہ کو معین رکھتے ہیں مگر اس کے جواز کی شرط دو ہیں۔ ایک یہ کہ اس تعیین کو قربت مقصودہ نہ سمجھے دوسرے یہ کہ کسی کا حق فوت نہ کرے ورنہ ممنوع ہے ایک حدیث میں ایسی توطین کو توطین بعیر سے تشبیہ دے کر ممانعت فرمائی ہے۔

ف: رسم تبرک بموضع مبارکہ

باوجودیکہ یہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی جگہ کی تعیین کر سکتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے سے محض یہ غرض تھی کہ وہ جگہ متبرک ہو جائے گی تو وہاں نماز پڑھنے میں زیادہ برکت ہوگی۔ پس اس سے مقامات متبرکہ میں ذکر و طاعت کرنے کی اصل نکلتی ہے اس میں بھی شرط یہی ہے کہ اعتقاداً یا عملاً غلو نہ ہو ورنہ شرک و بدعت کی حد میں داخل ہو جاتا ہے۔

۱۱۹۔ مسئلہ عدم لزوم استغراق در صلوٰۃ برائے کامل

(اہل کمال کے لئے نماز میں استغراق ضروری نہیں)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "انی لادخل فی الصلوٰۃ وانا ارید ان اطیلھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلوٰتی

لما اعلم من وجد امہ من بکائہ۔" (اخرجہ الخمسۃ الاابا داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "میں (بعض اوقات) نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ قدرے طویل پڑھوں، پھر کسی بچہ کا رونا سنتا ہوں تو نماز میں اس لئے اختصار کر دیتا ہوں کہ جانتا ہوں کہ اس کی ماں (جو کہ احتمالاً نماز میں شریک ہے) بے چین ہوگی۔"

ف: بعض لوگ استغراق کو کمال مقصود سمجھ کر کاملین کے لئے اس کو لازم سمجھتے ہیں، اس حدیث سے محقق ہوگیا کہ یہ لازم نہیں اور نہ کمال مقصود ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لازم ہوتا، پھر بکاء صبی کی اطلاع اور قلق ام کا تصور کیوں ہوتا؟ البتہ اگر کسی کو ہو جائے تو فی نفسہ محمود ہے مگر محمودیت مستلزم مقصودیت نہیں، اکثر متوطین اہل سلوک کو ایسے حالات پیش آیا کرتے ہیں، اور یہ حدیث اس حالت پر محمول ہے جب عورتیں جماعت میں آتی تھیں پھر دلائل شرعیہ سے ان کو ممانعت کر دی گئی۔

۱۲۰- متفرقات ادب، تراص فی الحلقۃ

(حلقہ بنا کر ذکر کرتے ہوئے مل مل کر بیٹھنا)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات الشیطان"۔ الحدیث (اخرجہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "صفوں کو سیدھا کیا کرو اور کندھوں کو برابر رکھا کرو اور درمیانی فصل کو بند کر دیا کرو

---

[۱] بخاری: الأذان، من أخف الصلاۃ عند بکاء الصبی. رقم: ۷۰۹، ۷۱۰، مسلم: الصلاۃ، أمر الأئمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام. رقم: ۱۹۲ (۴۷۰) ترمذی: الصلاۃ، اذا أم أحدکم الناس فلیخفف. رقم: ۲۳۷. وقال: حسن صحیح، ولفظہ من أخف الناس صلاۃ فی تمام، نسائی: الامامۃ، ماعلی الامام من التخفیف. رقم: ۸۲۶) قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، اقامۃ الصلوات، من أم قوما فلیخفف رقم: ۹۸۹ [۲] ابوداؤد: الصلاۃ، تسویۃ الصفوف. رقم: ۶۶۶، قال المنذری: وفی روایۃ عن أبی شجرۃ- وھو کثیر بن مرۃ- لم یذکر ابن عمر فیکون مرسلا

اور اپنے بھتیجوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جایا کرو اور شیطان کے واسطے کچھ گنجائش مت چھوڑا کرو۔"

ف: مشائخ نے فرمایا کہ اگر ذکر حلقہ کے ساتھ کیا جائے تو خوب مل مل کر بیٹھیں اس حدیث میں "سدوا الخلل ولا تذروا" اس کی اصل ہے اور بعض اہل وجدان نے فرمایا ہے کہ فرجات چھوڑنے سے وساوس زیادہ ہوتے ہیں فرجات الشیطان میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔

۱۴۱- اصلاح بترک رسوم ملتزمہ عامہ

(عام طور پر شائع رسموں کا ترک کرنا)

عن عبد الله بن مغفل المزني رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صلوا قبل المغرب ركعتين" ثم قال: "صلوا قبل المغرب ركعتين لمن شاء" خشية أن يتخذها الناس سنة (وأخرجه أبوداود بهذا اللفظ) وفي أخرى للشيخين. قال: "صلوا في صلوة المغرب" ثم قال في الثالثة: "لمن شاء كراهة أن يتخذها الناس سنة"[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کو فرمایا۔ پھر دوسری یا تیسری بار میں یہ بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے اس لئے کہ آپ کو یہ امر ناپسند ہوا کہ لوگ اس کو سنت لازمی قرار دے لیں۔ (لمن شاء سے اسی کا سد مقصود تھا)

ف: باوجودیکہ یہ دو رکعت مقصود ہیں مگر پھر بھی ان کے التزام کا انسداد فرمایا گیا تو جو رسوم مقصود بھی نہیں اور عام طور پر شائع ہو گئی ہیں ان کے التزام کا انسداد شارع علیہ السلام کو کیسے مقصود نہ ہوگا اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے امور کا انسداد بدون ترک کے نہیں ہو سکتا وہاں ان کا ترک لازم ہوگا، محققین اسی قاعدہ کی بنا پر ان امور سے بالکلیہ روکتے ہیں۔

۱۴۲- کیا میں بندہ شکر گزار نہ بنوں

عن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه قال: قام رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى تورمت قدماه فقيل له: قد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر"

[1] أبوداؤد، التطوع، الصلاة قبل المغرب، رقم ۱۲۸۱؛ بخاري، التهجد، الصلاة قبل المغرب، رقم ۱۱۸۳؛ مسلم، صلاة المسافرين، بين كل أذانين صلاة، رقم ۳۰۳ (۸۳۸)

قال: "افلا اکون عبداً شکوراً". (اخرجہ الخمسۃ الا اباداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب کو اس قدر نماز میں کھڑے رہتے کہ قدم مبارک ورم کر جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ کے تو اگلے پچھلے ذنوب معاف کر دیئے گئے (پھر آپ کو اس مشقت کی کیا حاجت ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں بندہ، شکر گزار نہ ہوں"؟ غیر ذنوب کو بھی مجازاً ذنوب فرمایا گیا ہے۔

ف: اس میں بھی مثل حدیث صد و نہم کے مضمون ہے۔

۱۴۳۔ تعلیم، راحت نفس

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایدع قیام اللیل وکان اذا مرض او کسل صلی قاعداً. (اخرجہ ابوداؤد)[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد ترک نہیں فرماتے تھے البتہ جب بیمار یا کسل مند ہوتے تو بجائے کھڑے ہونے کے بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے۔

ف: جب قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید کی نشاط میں کمی ہوگئی ہے تو مشائخ اہل ارشاد اس کو تخفیف فی العمل اور نفس کو راحت دینے کی تعلیم کرتے ہیں، اس حدیث میں اس کی اصل مصرح ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تخفیف پر عمل فرما لیتے۔

۱۴۴۔ متفرقات، علاج وسوسہ

عن عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قلت یا رسول اللہ ان الشیطان قد حال بینی وبین صلاتی وبین قراتی یلبسھا علی، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ذلک شیطان ان یقال لہ خنزب فاذا احسستہ فتعوذ

---

[1] بخاری: التفسیر، سورۃ الفتح، باب قولہ: لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تأخر. رقم: ۴۸۳۶؛ مسلم: صفات المنافقین، اکثار الأعمال والاجتہاد فی العبادۃ رقم: ۷۹-(۲۸۱۹) ترمذی: الصلاۃ، الاجتہاد فی الصلاۃ. رقم: ۴۱۲، وقال: حسن صحیح، نسائی: قیام اللیل وتطوع النہار، الاختلاف علی عائشۃ فی احیاء اللیل. رقم: ۱۶۴۵، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، اقامۃ الصلوات، طول القیام فی الصلوات رقم: ۱۴۱۹

[2] ابوداؤد: الصلاۃ (التطوع) قیام اللیل. رقم: ۱۳۰۷. وسکت عنہ المنذری.

باللہ منہ واتفل علی یسارک ثلاثا" قال: ففعلت ذلک، فاذھبہ اللہ تعالی عنی (اخرجہ مسلم)[1]

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز اور قرأت کے درمیان حائل ہو گیا ہے کہ اس میں شبہے ڈال دیتا ہے، (یعنی عدد رکعات اور قرأت وعدم قرأت میں شک پیدا ہو جاتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ ایک شیطان ہے جس کا لقب خنزب ہے جب تم کو اس کا اثر معلوم ہو تو "اعوذ باللہ" پڑھو اور بائیں طرف تین بار تھتکار دو" وہ کہتے ہیں میں نے اس کو کیا سو اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے دفع کر دیا۔

ف: وسوسہ کا علاج مختلف طریق سے آیا ہے ان میں سے ایک طریق یہ بھی ہے، حاصل سب کا توجہ الی اللہ وترک التفات الی الوسوسہ ہے اور سب طرق اسی کے تحصیل کے ذرائع ہیں، چنانچہ یہاں بھی "تعوذ باللہ" ذریعہ توجہ الی اللہ کا، اور "تفل عن یسار" طریقہ ترک التفات الی الوسوسہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ طریق خاص قبل از شروع نماز ہے کہ اس طرح وسوسہ کا ازالہ کر کے نماز میں کھڑا ہو جائے اور داخل صلوٰۃ کے لئے اقبال علی الصلوٰۃ کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۵- عادت، اختلاف تعلیم حسب استعداد

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سأل رجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المباشرۃ للصائم، فرخص لہ فاتاہ آخر فسألہ، فنھاہ وکان الذی رخص لہ شیخا کبیرا والذی نھاہ شابا. (اخرجہ ابو داؤد)[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے روزہ دار کے لئے عورت سے ملنے سے متعلق دریافت کیا تو اسکو اجازت دے دی، پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے پوچھا تو اس کو منع فرمایا، اور دیکھنے سے معلوم ہوا کہ جس کو اجازت دی تھی وہ بوڑھا تھا اور جس کو منع کیا وہ جوان تھا۔

---

[1] مسلم: السلام، التعوذ من شیطان الوسوسۃ فی الصلاۃ رقم: ۶۸ (۲۲۰۳)

[2] ابوداؤد: الصیام، کراھیۃ للشاب رقم: ۲۳۸۷، سکت عنہ المنذری، وقال ابن القیم: قال شمس الدین: قال ابن حزم: فیہ ابو العنبس عن الاغر، وابو العنبس ھذا مجھول.

ف: اہل ارشاد کی عادت ہے کہ ہر شخص کو اس کی استعداد اور حالت کے مناسب تعلیم وتربیت فرماتے ہیں، یہ حدیث اس عادت کی اصل صریح ہے اور اخفاء تعلیم کا یہ بھی ایک نکتہ ہے، تاکہ دوسرا اس کر ہوس کے مارے وہی نہ کرنے لگے، اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مخفی تعلیم کی وقعت زیادہ ہوتی ہے اور وقعت سے اہتمام اتباع کا امر طبعی ہے۔

۱۲۶- اصلاح، منع از تخصیص مطلق بطور قربت

(جس تخصیص میں شرع وارد نہیں مطلقاً اس کی قربت ہونے کا اعتقاد رکھنا ممنوع ہے)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاتخصوا اللیلۃ الجمعۃ من بین اللیالی ولا تخصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الأیام الا ان یکون فی صوم یصوم احدکم. (اخرجہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "شب بیداری کے لئے شبوں میں شب جمعہ کی تخصیص مت کرو، اور نہ روزہ کے لئے دنوں میں سے روز جمعہ کی تخصیص کرو، مگر یہ کہ وہ جمعہ ایسے روزہ میں آجائے جس میں روزہ رکھنے کا پہلے سے معمول ہو" (مثلاً ایک شخص تیرہویں، چودھویں، پندرہویں کا روزہ رکھتا تھا اور ان ہی تاریخوں میں جمعہ آگیا)

ف: جس تخصیص میں شرع وارد نہیں اس کی قربت ہونے کا اعتقاد کرنا مطلقاً یا اس کو عمل میں لانا بقصد خصوصیت، گو التزام نہ ہو، یا بطور التزام واصرار کے، گو قصد خصوصیت نہ ہو، یا جب کہ ایہام عوام مظنون ہو، گو قصد واصرار مذکور بھی نہ ہو دلائل شرعیہ سے سب منہی عنہ ہے، اس وقت ان بلاؤں میں عوام کیا بہت سے خواص خصوصاً اہل تصوف بکثرت مبتلا ہیں۔

۱۲۷- مسئلہ، ثبوت اعتبار باطن

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل: "ان اللہ لا ینظر الی صورکم واجسادکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم، التقوی ھھنا والتقوی ھھنا ویشیر الی صدرہ". الحدیث

---

[1] مسلم: الصیام، کراہۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم لایوافق عادتہ رقم: ۱۴۸ (۱۱۴۴)

(رواہ الستۃ الا النسائی وھذا لفظ مسلم)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''حق تعالیٰ تمہاری صورت اور جسم کو نہیں دیکھتے (کہ حسین و جسیم ہے یا نہیں) لیکن تمہارے قلوب اور اعمال کو دیکھتے ہیں اور دو مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ تقویٰ اس جگہ سے یعنی سینہ میں۔''

ف: اس حدیث سے بھی طریق تصوف کا اثبات ہوتا ہے کیوں کہ خلاصہ اس کا یہی تصفیۂ قلب و تہذیب اعمال ہے اور تصفیہ سے تعمیر باطن ہے اور اسی تعمیر باطن میں اعمال ریاءیہ بھی آ گئے، کیوں کہ حدیث میں ان ہی اعمال کو منظور الیہا فرمایا گیا ہے جو مقرون بخلوص القلب و تقویٰ ہوں اور بعض بزرگوں کے کلام میں جو ظاہر کو مطلقاً غیر معتد بہ ہونا اور مدار محض باطن پر ہونا وارد ہے اس کی توجیہ یہی ہے خود احادیث میں ایسے اطلاقات آئے ہیں مثلاً ''لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔''

۱۲۸- تعلیم حفظ اسرار

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حاجۃ فابطأت علی امی، فلما جئت قالت: ما حبسک؟ قلت: بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حاجۃ وقالت: وما ھی؟ قلت: انھا سر، قالت: لا تحدثن بسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدا۔ (اخرجہ الشیخان)[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کو بھیجا، مجھ کو والدہ کے پاس پہنچنے میں دیر ہوئی، جب میں آیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تو کہاں رہ گیا تھا؟ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک کام کو بھیجا تھا، کہنے لگیں وہ کیا کام تھا؟ میں نے کہا کہ وہ راز کی بات ہے، کہنے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کسی سے مت کہنا۔

---

[1] مسلم البر، تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ ودمہ وعرضہ ومالہ رقم ۳۲ (۲۵۶۴) ابو داود نحوہ الادب، الغیبۃ رقم ۴۸۸۲، ترمذی نحوہ، البر والصلۃ شفقۃ المسلم علی المسلم رقم ۱۹۲۷، وقال حسن غریب لما واخرجہ ابن ماجہ بوھلا، القناعۃ رقم ۴۱۴۳

[2] قلت: لم اجدہ بھذا اللفظ فی البخاری، مسلم فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم، فضائل انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۱۴۵، ۱۴۶ (۲۴۸۲)

ف: مشائخ کے یہاں اس کی سخت تاکید ہے کہ اسرار باطنی کا کسی پر افشاء نہ کریں خواہ وہ متعلق تعلیم کے ہو خواہ متعلق واردات کے ہو اور گو یہ اسرار اکثر مرید کے ہوتے ہیں اور حدیث میں راز شیخ کا مذکور ہے لیکن علت مشترک ہے یعنی اظہار کا خلاف مصلحت ہونا خواہ وہ مصلحت کسی قسم کی ہو۔

۱۲۹- فضیلت اولیاء اللہ

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "ان من عباد اللہ لاناسا ماھم بانبیاء، ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیمۃ لمکانھم من اللہ تعالیٰ" قالوا: یا رسول اللہ! تخبرنا من ھم؟ قال: "ھم قوم تحابوا بروح اللہ علی غیر ارحام بینھم، ولااموال یتعاطونھا فواللہ ان وجوھھم لنور، وانھم لعلیٰ نور، لایخافون اذا خاف الناس، ولا یحزنون اذا حزن الناس" وقرا ھذہ الاٰیۃ: ﴿الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون﴾ (اخرجہ ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ کے بندوں میں ایسے بھی لوگ ہیں جو نہ پیغمبر ہیں اور نہ شہید ہیں، اور پیغمبر اور شہید قیامت کے روز ان پر ان کے ایک خاص رتبہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کو حاصل ہوگا رشک کریں گے" لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم کو خبر دیجئے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کے تعلق سے ان میں باہم محبت ہے نہ کچھ آپس میں رشتہ ناطہ، اور نہ کچھ روپیہ پیسہ کا لین دین ہے، بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور نور (کے مکانات) پر جلوہ گر ہوں گے، جب لوگ مبتلائے خوف ہوں گے، وہ خائف نہ ہوں گے اور جب لوگ مغموم ہوں گے وہ مغموم نہ ہوں گے" اور یہ آیت پڑھی ﴿الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون﴾۔

ف: صوفیاء محققین کا مصداق حدیث ہونا محتاج بیان نہیں، اور یغبطھم سے تفضیل علی الانبیاء کا شبہ نہ کیا جائے بعض خاص وجہ سے اکابر بھی اصاغر کی خاص حالت کی تمنا کیا کرتے

---

[1] ابوداؤد: البیوع، الرھن، رقم: ۳۵۲۷، سکت عنہ المنذری

ہیں مثلاً نیز امراء امت میں مخصوص ہیں اور یہ بعض دلائل ان کے افضلیت کی ہے اور ممکن ہے کہ یہ لوگ اس سے خالی ہوں، ونحو ذلک۔

۱۳۰ – فضیلت محبین اولیاء

عن ابی ذر رضی اللہ تعالی عنہ قال: قلت یا رسول اللہ! الرجل یحب القوم ولا یستطیع ان یعمل بعملھم، قال: "انت یا ابا ذر مع من احببت" (اخرجہ ابوداؤد) وفی لفظ الترمذی عن صفوان بن عسال رضی اللہ تعالی عنہ: "المرء مع من احب"

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک شخص کسی جماعت سے محبت رکھتا ہے اور ان کے برابر عمل (عبادت) نہیں کر سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوذر! تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو گے" اور ترمذی میں صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ "آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہوگا۔"

ف: دلالت حدیث کی حضرات اہل اللہ کے محبین و معتقدین کی فضیلت پر ظاہر ہے اور تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ تعلق بیعت سے انحصار مشائخ کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے، تو اس مصلحت سے بعض اہل ارشاد ایسوں کو بھی داخل سلسلہ کر لیتے ہیں جن سے زیادہ مجاہدہ و ریاضت کی توقع نہیں اور بعضے دوسری مصلحتوں سے ہر شخص کو بیعت کرنے میں قدرے مضائقہ کرتے ہیں۔ والاعمال بالنیات۔

۱۳۱ – مسئلہ اشتراط تناسب شیخ و مرید در نفع

(نفع باطنی کے لئے پیر و مرید کی باہم مناسبت فطری شرط ہے)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف"

۱؎ ابوداؤد، الادب، الرجل یحب الرجل علی خیر یراہ، عن ابی ذر رضی اللہ تعالی عنہ رقم ۵۱۲۶، وسکت عنہ المنذری، ترمذی، الزھد: المرء مع من احب، رقم ۲۳۸۷، عن صفوان بن عسال رضی اللہ تعالی عنہ وقال حسن صحیح

(اخرجه مسلم وابوداؤد واخرجه البخاری عن عائشۃ[۱])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ارواح لشکر کے لشکر ہیں جو عالم ارواح میں مجتمع تھیں، جن میں وہاں باہم جان پہچان ہوئی ہے ان میں (یہاں بھی) باہم الفت ہے، اور جن میں جان پہچان نہیں ہوئی ان میں اختلاف مزاج ہے۔''

ف: یہ امر تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ فیوض باطنی کے لئے پیر و مرید کی باہم مناسبت فطری شرط ہے، اس حدیث کے عموم میں یہ مناسبت بھی داخل ہے، کیوں کہ نفع عادۃً موقوف ہے الفت پر اور الفت بنص حدیث موقوف ہے تعارف عالم ارواح پر، جو حقیقت ہے مناسبت فطری کی، اور یہی مناسبت ہے جس کے نہ ہونے پر مشائخ طالب کو اپنے پاس سے دوسرے شیخ کے پاس جس سے مناسبت مظنون یا مکشوف ہو بھیج دیتے ہیں۔

۱۳۲- قول، مظہریت انسان للحق (انسان کا حق تعالیٰ کا مظہر ہونا)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لما خلق اللہ ادم علی صورتہ" . الحدیث (اخرجه البخاری[۲])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ظہور صفات کی حالت پر پیدا کیا'' آگے حدیث کا پورا مضمون ہے۔

ف: حدیث کے جو معنی شراح کے نزدیک مشہور ہیں کہ "صورتہ" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس بناء پر یہ حدیث صوفیاء کے اس قول مشہور کا اثبات کرتی ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ کا مظہر کہتے ہیں، جس کی مختصر شرح یہ ہے کہ انسان ایک مصنوع عجیب ہے حق تعالیٰ کا، اور مصنوع سے استدلال ہوتا ہے صانع کے وجود اور صفات کمال پر، پس اس معنی کے اعتبار

---

[۱] بخاری: أحادیث الأنبیاء، الأرواح جنود مجندة. رقم: ۳۳۳۶، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها مسلم: البر، الأرواح جنود مجندة. رقم: ۱۵۹، ۱۶۰ (۲۶۳۸) أبوداؤد: الأدب، من یؤمر أن یجالس، رقم: ۴۸۳۴، عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه

[۲] بخاری: الاستئذان، بدء السلام. رقم ۶۲۲۷.

سے مصنوع گویا صانع کا ظہور یعنی ذریعہ ظہور ہے اور اسی اعتبار سے مطلق نفس کو بھی مظہر حق کہہ دیتے ہیں، اور بعض تفاسیر اس قول کی اور بھی ہیں، جن میں سے بعض کی بناء پر عام عارف ہی کو مظہر کہتے ہیں وہ تفسیر کلید مثنوی میں ذکر کی گئی ہیں، حدیث سب کی اصل ہو سکتی ہے، "لان الصورۃ بمعنی الظہور" مفہوم عام نکلا۔

۱۳۳- قول، "از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است"

(مومن کا دل کعبۃ اللہ سے ہزاروں درجہ افضل ہے)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ انہ نظر یوما إلی الکعبۃ فقال: ما اعظمک وما اعظم حرمتک والمؤمن اعظم حرمۃ عند اللہ تعالی منک. (أخرجہ البخاری)[1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن کعبہ شریف کی طرف دیکھا، اور فرمایا کہ تیری بڑی شان ہے اور تیری بڑی حرمت ہے اور مومن اللہ کے نزدیک حرمت میں تجھ سے بھی زیادہ ہے۔

ف: اس حدیث سے اس قول مشہور کا پورا اثبات ہوتا ہے: کیوں کہ حدیث میں مومن کو جو کعبہ سے اعظم کہا گیا ہے، تو مدار اس کا ایمان ہے اور موصوف بالا یمان قلب ہے پس قلب مومن کا افضل ہونا کعبہ سے ثابت ہوا، اور اعظم کو مطلق فرمایا اس لئے ہزار درجہ اعظم کہنا بھی بروئے حدیث گنجائش رکھتا ہے اور از ہزاراں بہتر کہنے کا حاصل یہی ہے کہ ہزاروں درجہ از کعبہ بہتر است، اسی طرح بعض بزرگوں کے کلام میں قلب کو تجلی گاہ حق کہنا وارد ہے، اس حدیث سے اس کی بھی اصل نکل سکتی ہے، کیوں کہ جب کعبہ تجلی گاہ حق ہے تو افضل من الکعبہ کو بدرجہ اولی تجلی گاہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے، باقی یہ ظاہر ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان کو جہت سجدہ بھی بنا دیا جائے۔

۱۳۳- اصلاح ۲ احتیاط در اتخاذ شیخ (پیر بنانے میں احتیاط ضروری ہے)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

---

[1] ترمذی: البر والصلۃ، تعظیم المؤمن. رقم: ۲۰۳۲، وقال: حسن غریب، اللفظ واخرجہ ابن ماجۃ، الفتن، حرمۃ دم المؤمن ومالہ. رقم: ۳۹۳۲

"المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل". (اخرجه ابوداؤد والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آدمی اپنے دوست کے طریق پر ہوتا ہے سو ذرا دیکھ بھال لیا کرے کہ کس سے دوستی کرتا ہے"۔

ف: ظاہر ہے کہ پیر سے اعلیٰ درجہ کی محبت ہوتی ہے، اور جب معمولی دوستی دین کے اندر موثر ہے تو اتنی بڑی دوستی تو اس تاثیر سے کیسے خالی رہے گی، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ پیر کے عقائد و اعمال و اخلاق کا اثر ہر ہر مرید میں سرایت کرتا ہے، اگر زیادہ نہیں تو کم از کم استحسان ہی کے درجہ میں ضرور اثر کرتا ہے، یعنی مرید ان امور کو مستحسن سمجھتا ہے، پس اگر پیر کی حالت خراب ہوئی تو مرید کا خراب ہونا ظاہر ہے، اس لئے تلاش پیر میں بڑی احتیاط چاہئے اس میں زیادہ تر بے اعتنائی کی جاتی ہے جس کی اصلاح واجب ہے۔

۱۳۵- اصلاح، احتجاب مریدہ از شیخ

(مریدنی کو پیر سے پردہ کرنا ضروری ہے)

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الا لایخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثهما الشیطان". (اخرجه الشیخان وابوداؤد[2])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "سن رکھو کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہائی میں نہیں ہوتا مگر تیسرا وہاں شیطان ہوتا ہے"۔

ف: یہ ظاہر ہے کہ جب پردہ نہیں ہوتا تو بعض اوقات تنہائی بھی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات گو ظاہراً تنہائی نہیں ہوتی، مگر چوں کہ وہاں سب عورتیں اس مرد کی نامحرم ہی ہوتی ہیں اور کسی عورت کا محرم بھی وہاں نہیں ہوتا اس لئے حکماً وہ بھی تنہا ہی ہے، پس بے پردگی کے

---

[1] ابوداؤد: الأدب، من یؤمر أن یجالس رقم: ۴۸۳۳، قال المنذری: وفی اسناده موسی بن وردان وقد ضعفه بعضهم وقال: بعضهم: لابأس به ورجح بعضهم فی هذا الحدیث الارسال، ترمذی: الزهد (الرجل علی دین خلیله) رقم: ۲۳۷۸، وقال: حسن غریب)

[2] قلت: ماوجدته فی "الصحیحین" للبخاری ومسلم و "السنن" لأبی داؤد، واخرجه الترمذی: الفتن، لزوم الجماعة، رقم: ۲۱۶۵، وقال: حسن صحیح غریب، وابن ماجة نحوه: الأحکام، کراهیة الشهادة لمن لم یستشهد رقم: ۲۳۶۳) والنسائی: (الکبری) نحوه، عشرة النساء خلو الرجل بالمرأة رقم: ۱۰۴۱۸)

لئے خلوت منہی عنہا عادۃً لازم ہے، نیز بے پردگی میں دوسرے مفاسد بھی ہیں، اس لئے آج کل جو رسم قبیح ہے کہ مریدنی پیر سے پردہ نہیں کرتی اس کا انسداد و اصلاح واجب ہے۔

۱۳۶-مسئلہ، امتناع رویت در دنیا (دنیا میں اللہ کی رویت ممتنع ہے)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخمس کلمات وفیھا: "حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھیٰ الیہ بصرہ من خلقہ". (اخرجہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر پانچ مضمون بیان فرمائے، ان میں یہ بھی مضمون تھا کہ: "اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے، اگر وہ اس نور کو اٹھادے تو اس کے انوار جلال ذاتی تمام مخلوق کو جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نگاہ پہنچے سب کو جلادے"۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمام مخلوق کو محیط ہے، مطلب یہ ہوا کہ تمام مخلوق اس کے نور ذات سے سوختہ ہو جائے۔

ف: اکثر جہلاء صوفیا کا اعتقاد ہے کہ سالک کو دنیا ہی میں مثل آخرت کے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے، یہ حدیث اس اعتقاد کی تغلیط کرتی ہے، ان لوگوں کو اپنے اس اعتقاد کی اصلاح واجب ہے۔

۱۳۷-دنیا میں رویت باری کا امتناع

عن عمر بن ثابت الانصاری انہ اخبرہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یوم حذر الناس الدجال: "انہ مکتوب بین عینیہ کافر یقراہ من کرہ عملہ، او یقراہ کل مؤمن"——— وقال: "تعلموا انہ لن یریٰ احد منکم ربہ حتی یموت". (رواہ مسلم[2])

ترجمہ: بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس روز دجال سے ڈرایا، یوں بھی فرمایا کہ: "اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں کافر لکھا ہوا ہوگا جو شخص اس کے عمل کو ناپسند کرے گا وہ اس کو پڑھ لے گا، یا یہ فرمایا کہ ہر مومن اس کو پڑھ لے گا" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: "خوب جان رکھو! کہ

---

[1] مسلم: الایمان، قولہ علیہ السلام: ان اللہ لاینام. رقم: ۴۴۳ (۱۷۹) قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ: المقدمۃ، فیما انکرت الجھمیۃ. رقم: ۱۹۶

[2] مسلم: الفتن، ذکر ابن الصیاد. رقم: ۷۳۵۶ (۱۶۹)

مرنے سے پہلے تم میں سے کوئی شخص اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا" (اور دجال کو سب دیکھیں گے پس ثابت ہوا کہ وہ رب نہیں ہے۔)

ف: اس میں امتناع رویت در دنیا اور زیادہ وضاحت وصراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

۱۳۸۔ خلق، رفق براقوال وافعال جاہلاں

(جہلاء کی حرکات پر نرمی اور تحمل سے پیش آنا)

عن ابی هريرة رضي الله تعالىٰ عنه ان اعرابيا دخل المسجد، ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس، فصلى ركعتين ثم قال: اللهم ارحمني ومحمداً ولا ترحم معنا احداً، فقال النبي صلى الله عليه وسلم ((لقد تحجرت واسعا)) ثم لم يلبث ان بال في المسجد فاسرع اليه الناس، فنهاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال: ((انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين، صبوا عليه سجلاً من ماء)) اوقال: ((ذنوبا من ماء)). (اخرجه الخمسة الا مسلماً وهذا لفظ ابي داؤد والترمذي[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی مسجد میں آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، اور اس نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر دعا کی اے اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت فرما اور (اس رحمت میں) ہم دونوں کے ساتھ کسی کو شریک مت کر (وہ یوں سمجھا کہ شاید رحمت محدود ہوگی اگر اور لوگ بھی شریک ہوں گے تو ہمارا حصہ گھٹ جائے گا) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "(بھلے مانس) تو نے ایک غیر محدود چیز کو (بزعم خود) محدود کردیا"۔ پھر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے مسجد میں پیشاب کردیا لوگ اس کی طرف روکنے کے لئے دوڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: "تم آسانی کرنے کو آئے ہو تنگی کرنے نہیں آئے اس پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو۔"

---

[1] بخاري: الوضوء، صب الماء على البول في المسجد، رقم: ٢٢٠، عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه، قلنا: واخرجه مسلم، الطهارة، وجوب غسل البول وغيره من النجاسات اذا حصلت في المسجد، رقم: ١٠٠ (٢٨٥) عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه. ابوداؤد: الطهارة، الأرض يصيبها البول، رقم: ٣٨٠، ترمذي: الطهارة، البول يصيب الأرض، رقم: ١٤٧، وقال: حسن صحيح، نسائي: الطهارة، ترك التوقيت في الماء، رقم: ٥٦، قلنا: واخرجه ابن ماجة، الطهارة، الأرض يصيبها البول كيف تغسل، رقم: ٥٢٩ كلهم عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه

ف: اکثر بزرگوں کی عادت رہی ہے کہ مجاہدہ کی حرکات پر تشدد نہیں کرتے بلکہ نرمی اور تحمل سے پیش آتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات کم فہموں کو مداہنت کا شبہ ہو جاتا ہے، سو اس حدیث سے ایسے امور میں غایت نرمی اور تحمل کا اثبات ہوتا ہے اور مداہنت وہ ہے جس میں اپنی کوئی دنیاوی غرض ہو، اور جہاں مصلحت دینیہ ہو وہ محمود ہے۔

۱۳۹۔ قول بجہاد با شیطان

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بعد ذکر فضل بعض الاعمال: "فذلکم الرباط، فذلکم الرباط، فذلکم الرباط".
(اخرجہ مسلم ومالک والترمذی والنسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اعمال کی فضیلت ذکر کر کے ان اعمال کی نسبت فرمایا کہ: "یہ مورچہ بندی ہے، یہ مورچہ بندی ہے"۔ (یعنی شیطان کے ساتھ جو مسلمان کا جہاد ہوتا ہے ان اعمال کو کرنا گویا اپنی سرحد کی حفاظت ہے)

ف: ہمارے پیر و مرشد علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ "جہاد اکبر" میں سالک کی لڑائی لشکر شیطان و نفس سے قرار دے کر نہایت نفیس اور مفصل مضمون لکھا ہے، یہ حدیث اس مضمون کی صریح اصل ہے کیوں کہ رباط کا ترجمہ بھی مورچہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں محاربہ نفس و شیطان ہی سے ہے۔

۱۴۰۔ حالِ لذت در حالت قرأت

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل. فلما خرج الرجلان الی فم الشعب اضطجع المہاجری، وقام الانصاری یصلی، فاتی الرجل، فلما رای شخصہ عرف انہ ربیئۃ القوم فرماہ بسہم، فوضعہ فیہ، فنزعہ حتی رماہ بثلثۃ اسہم ثم رکع وسجد، ثم انبہ صاحبہ، فلما عرف انہم قد نذروا بہ ہرب، فلما رای المہاجری ما بالانصاری من الدماء قال: سبحان اللہ! الا انبہتنی اول ما رمی

[1] مسلم: الطہارۃ، فضل اسباغ الوضوء علی المکارہ، رقم: ۲۵۱، ترمذی، الطہارۃ، اسباغ الوضوء، رقم: ۵۱، ۵۲، وقال: حسن صحیح، نسائی: الطہارۃ الفضل فی اسباغ الوضوء، رقم: ۱۴۳، موطا: السفر، انتظار الصلاۃ والمشی الیہا، رقم الصفحۃ: ۵۴ مکتبہ تھانوی.

لک! قال: کنت فی سورة اقرؤها فلم احب ان اقطعها. (اخرجه ، ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قصہ میں روایت ہے کہ جب دونوں شخص (کہ صحابیؓ تھے) گھاٹی کے منہ پر پہنچے تو مہاجری لیٹ گئے اور انصاری (جن کی باری پہرہ دینے کی تھی) نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے، اتنے میں ایک شخص (جو کفار کا جاسوس تھا) آیا جب اس نے اس انصاری کو دیکھا سمجھ گیا کہ یہ نگراں ہیں، پس ان کے ایک ایسا تیر مارا کہ ان کے بدن میں پرو دیا، انہوں نے نکال کر پھینک دیا یہاں تک کہ تین تیر مارے، پھر رکوع اور سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہو کر (اپنے ساتھی مہاجری) کو جگایا، جب اس جاسوس کو معلوم ہوا کہ لوگوں کو میری خبر ہوگئی ہے تو وہ بھاگ گیا اور جب مہاجری نے انصاری کو خون ہی خون دیکھا تو (تعجب سے کہا) سبحان اللہ! تم نے مجھ کو اول ہی تیر مارنے پر کیوں نہ جگالیا، کہنے لگے کہ میں ایک سورت پڑھنے میں مشغول تھا مجھ کو اس کا قطع کرنا اچھا نہ معلوم ہوا۔

ف: نماز اور قرآن اور اطاعت میں لذت حاصل ہونا ایک حال رفیع ہے اور ان صحابی کی حالت اس کے محمود ہونے کی دلیل ہے: کیوں کہ عدم قطع کو "لم احب" سے معلل فرمانے کی یہی توجیہ ہو سکتی ہے۔

۱۴۱- عادت، حلق موئے سر (سر کے بال منڈانا)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من ترک موضع شعرة من جنابة لم یغسلها فعل به کذا وکذا من النار" قال علی: فمن ثم عادیت راسی ثلثا وکان یجز شعره. (اخرجہ ابو داؤد[2])

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص جنابت میں ایک بال کی جگہ بھی بے دھوئے چھوڑ دے دوزخ میں اس کا

[1] ابو داؤد: الطهارة ، الوضوء من الدم. رقم: ۱۹۸ ، وسکت عنه المنذری)

[2] ابو داؤد: الطهارة، الغسل من الجنابة. رقم: ۲۴۹ ، قال المنذری: فی اسناده عطاء بن السائب، وقد وثقه أیوب السختیانی، وأخرج له البخاری: حدیثا مقرونا بأبی بشر. وقال یحیی بن معین: لایحتج بحدیثه، وتکلم فیه غیره، وقال: کان تغیر فی آخر عمره. ــــ وقال الامام أحمد: من سمع منه قدیماً فهو صحیح، ومن سمع منه حدیثا لم یکن بشیء، ووافقه علی هذا الفرقة غیر واحد، قلنا: واخرجه ابن ماجة، الطهارة، تحت کل شعر جنابة. رقم: ۵۹۹.

ایسا ایسا حال ہوگا"۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بس اسی وقت سے میں اپنے سر کا دشمن ہوگیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ اپنے سر کے بال قطع کرا دیتے تھے۔

ف: اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ سر کے بال منڈا دیتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل اس عادت کا ماخذ ہے اور مصلحت اولیٰ اس کا خود حدیث مرفوع میں مذکور ہے کہ احتیاط ہے غسل میں اور دوسری مصلحتوں کا ہونا بھی اس کے منافی نہیں، مثلاً بالوں کی خدمت میں شغل قلب کا ہونا یا بعض اشغال کی حرارت سے بالوں کا موذی ہونا۔

۱۴۲- رسم، حلق شعر وقت البیعۃ (بیعت کے وقت بال منڈوانا)

عن عثیم بن کثیر بن کلیب عن ابیه، عن جده انه جاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: قد اسلمت فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم "الق عنک شعر الکفر" یقول: احلق. الحدیث. (اخرجه ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اسلام قبول کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حالت کفر کے بال اتروا ڈالو" یعنی سر منڈوا دو۔

ف: بعض مشائخ کا معمول منقول ہے کہ مرید کرنے کے وقت اس کی موتراشی کرتے تھے اس کی اصل اور مصلحت کہ زمانہ معصیت کے اثر کو زائل کرنا ہے، حدیث میں مذکور ہے۔

۱۴۳- عادت، خدمت اہل شیخ بعدہ

(شیخ کی عدم موجودگی یا وفات کے بعد اس کے اہل وعیال کی خدمت کرنا)

عن اسلم قال فی حدیث طویل، وکان عند عمر رضی الله تعالیٰ عنه صحاف تسع فلا تکون فاکهة ولا طریفة الا جعل منها فی تلک الصحاف، فیبعث بها الی ازواج النبی صلی الله علیه وسلم الحدیث. (اخرجه مالک[2])

ترجمہ: اسلم سے حدیث طویل میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نو طباق

---

[1] ابوداؤد: الطهارة، الرجل یسلم فیومر بالغسل رقم: ۳۵۶، قال المنذری: قال عبد الرحمن بن ابی حاتم: کلیب - والد عثیم - بصری، روی عن ابیه مرسل. هذا آخر کلامه. وفیه ایضا: روایة مجهول. [2] موطا للامام مالک: الزکاة، جزیة اهل الکتاب: ص: ۱۴۲ مکتبه تهانوی.

تھے سو کوئی میوہ یا اور کوئی عمدہ چیز نہیں ہوتی تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ان طباقوں میں لگا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کے پاس (کر کے تحفے) بھیجا کرتے تھے۔

ف: عام اہل طریق کا عمل ہے کہ پیر کی غیبت یا وفات کے بعد ان کے اہل وعیال کی خدمت لازمی طور پر کرتے ہیں، یہ حدیث اس کے محمود ہونے میں صریح ہے۔

۱۴۴-عادت بعض، ترک اللحم (گوشت چھوڑنا)

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ایاکم واللحم فان له ضراوة کضراوة الخمر وان اللہ یبغض اهل البیت اللحمیین. (اخرجه مالک[1])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ گوشت (کی کثرت) سے احتیاط رکھا کرو: کیوں کہ اس کی خواہش بھی ایسی ہو جاتی ہے جیسے شراب کی طلب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے گھر والوں کو پسند نہیں کرتے جن کو گوشت کھانے کی (لازمی) عادت ہو جائے۔

ف: بعض درویش دیکھے گئے ہیں کہ گوشت نہیں کھاتے سو اس میں تفصیل ہے اگر اس ترک کی وہ مصلحت ہے جو حدیث میں مذکور ہے یعنی تسہیل قوت بہیمیہ جو مفضی الی المعاصی ہو جاتی ہے تب تو اس کا مبنی صحیح اور موافق حدیث کے ہے، البتہ گاہ گاہ کھا لینا مناسب ہے کہ صورۃ تحریم حلال نہ ہو، اور اگر اس کو کچھ قرب الٰہی میں دخل سمجھتے ہیں تو بدعت ہے، اور اگر عملیات وغیرہ اس کا سبب ہے تو بناء العبث علی العبث ہے اور اگر اس کا منشاء ذبح کو خلاف ترحم علی الحیوان سمجھنا ہے تو الحاد فی الدین ہے۔

۱۴۵-عادت، تقلیل لذات (لذات کو کم سے کم استعمال کرنا)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ادرکنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفیه قال: او کلما اشتهیت شیئا اشتریته؟ حسب احدکم من السرف ان یاکل کلما اشتهی. (اخرجه مالک[2])

---

[1] موطا: جامع ماجاء فی الطعام والشراب، ماجاء فی اکل اللحم. اختصاراً علی الجزء الاول فقط. ص: ۳۷۳ تھانوی.

[2] قلت: ما وجدناه فی "الموطا" للامام مالک وذکره السیوطی فی الدر المنثور فی تفسیر آیة: ﴿اذهبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا﴾ وعزاه الی سنن سعید بن منصور، والحاکم (۲/۴۵۵) والبیهقی فی الشعب: وذکر نحوه القرطبی فی تفسیره ۱۶/۲۰۲.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تم کو جب کسی چیز کی رغبت ہوتی ہے تم اس کو خرید ہی لیتے ہو؟ آدمی کے مسرف ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جس چیز کو جی چاہا کرے وہی کھالیا کرے۔

ف: قریب قریب کل اہل طریق تقلیل لذات کا ایک خاص درجہ میں اہتمام رکھتے ہیں، جو مدلول ہے حدیث کا اور یہ ایک شعبہ ہے مجاہدہ کا۔

۱۳۶- رسم نذرانہ تعویذ (تعویذ پر نذرانہ لینا)

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا فی سفر وفی الحدیث قصۃ اللدیغ وفیہ فقال: ما رقیت الا بام الکتاب، قلنا: لا تحدثوا شیئا حتی ناتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنسالہ، فلما قدمنا ذکرناہ لہ فقال: وما یدریک انہا رقیۃ؟ اقسموا واضربوا لی بسہم۔ (اخرجہ الخمسۃ الا النسائی)[1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں تھے اور اس حدیث میں مار گزیدہ کا قصہ ہے اور اس میں یہ ہے کہ ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے (اس مار گزیدہ کو) صرف سورہ فاتحہ سے جھاڑ تھا (وہ اچھا ہو گیا اور جو معاوضہ میں سو بکریاں ٹھہری تھیں وہ وصول کر لیں پھر) ہم نے (باہم) کہا کہ ابھی (ان بکریوں کے بارے میں) کوئی نئی بات (تصرف وغیرہ) مت کرو یہاں تک کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر (حکم شرعی) دریافت کر لیں، سو ہم جب حاضر ہوئے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) فرمایا کہ: ''تم کو کیسے خبر ہوئی کہ سورۂ فاتحہ جھاڑ بھی ہے، (پھر ان کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ) ان بکریوں کی تقسیم کر لو اور میرا حصہ بھی لگاؤ''۔ (یہ اس لئے فرمادیا کہ ان کے حلال ہونے میں شبہ نہ رہے)

---

[1] بخاری: الطب، الرقی بفاتحۃ الکتاب، رقم: ۵۷۳۶، مسلم: السلام، جواز اخذ الأجرۃ علی الرقیۃ بالقرآن والأذکار، رقم: ۶۶(۲۲۰۱)؛ ابوداؤد: البیوع، کسب الأطباء، رقم: ۳۴۱۸؛ ترمذی: الطب، باب أخذ الأجر علی التعویذ، رقم: ۲۰۶۳؛ قلت: واخرجہ ابن ماجۃ، التجارات، أجر الراقی، رقم: ۲۱۵۶

ف: بعضے تعویذوں میں نذرانہ ٹھہرالینا یا لے لینا بعضے بزرگوں کا معمول ہے اس کا جائز ہونا اور بزرگی کے منافی نہ ہونا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ عمل خلاف شرع نہ ہو اور اس میں کسی قسم کا خداع نہ ہو جس کی تفصیل رسالہ "التقی" میں لکھ دی ہے، البتہ خود تعویذ گنڈوں کا مشغلہ غیر منتہی کے لئے بوجہ ہجوم عوام و مرجعیت انام کے مضر باطن ہے۔

۱۴۷- رسم، تفاؤل از قرآن یا کتب بزرگان

(قرآن پاک یا بزرگوں کی کتابوں سے فال لینا)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاعدویٰ ولا طیرۃ ویعجبنی الفال" قالوا: وما الفال؟ قال: "کلمۃ طیبۃ". (اخرجہ الخمسۃ الا النسائی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "بیماری لگنا (اس طرح کہ تخلف ہی نہ ہو) کوئی چیز نہیں اور بدشگونی کوئی چیز نہیں اور مجھ کو فال نیک اچھی معلوم ہوتی ہے" لوگوں نے پوچھا کہ فال نیک کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ: "کوئی دل خوش کن کلمہ ہے" (کہ کان میں پڑ جائے اور اس کو مطلب سے کچھ مناسبت ہو جیسے کوئی شخص گمشدہ چیز کو تلاش کرتا تھا، اتفاق سے کسی شخص نے دوسرے کو واجد علی نام لے کر پکارا جس کے معنی ہیں پالینے والا تو وہ شخص اس کو سن کر خوش ہو گیا)

ف: بعض اہل عقیدت کو دیکھا گیا ہے کہ کسی ظاہری یا باطنی حاجت کے بارے میں قرآن مجید یا دیوان حافظ یا مثنوی مولوی رومی سے فال لیتے ہیں، اس حدیث میں اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے، اگر اسی حد تک ہو مضائقہ نہیں اور حاصل اس کا رجاء من اللہ تعالیٰ باسباب الرجاء ہے، جو بلا تفاؤل بھی امور محمودہ میں سے ہے اگر اس سے تجاوز نہ کیا جائے، مثلاً اس بزرگ کو حاضر و ناظر یا اس جواب کو ان کا تصرف یا اس مضمون کو فیصلہ

---

[1] بخاری: الطب، باب الفال. رقم: ۵۷۵۶، مسلم: السلام، الطیرۃ والفال ومایکون فیہ الشؤم رقم: ۱۱۱ (۲۲۲۳) ابوداؤد: الطب، باب فی الطیرۃ. رقم: ۳۹۱۵، ترمذی: السیر، ماجاء فی الطیرۃ. رقم: ۱۶۱۵، وقال: حسن صحیح، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، الطب، من کان یعجبہ الفال ویکرہ الطیرۃ. رقم: ۳۵۳۷

قطعی سمجھا جائے تو مذموم اور بدعت قریب بشرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اسی سے اوپر کا گھما کر چھوڑ معلوم کرنے کا گناہ معلوم ہو گیا ہوگا۔

۱۴۸۔ عادت، عدم تصدی یعنی درپے نہ شدن
(کسی کے پیچھے نہ پڑنا)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "نعم الرجل الفقیہ فی الدین ان احتیج الیہ نفع، وان استغنی عنہ اغنی نفسہ. (اخرجہ رزین)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "دین کا عالم بھی خوب ہوتا ہے، اگر اس کے پاس کوئی (دینی) احتیاج پیش کرے تو نفع پہنچا دے (یعنی دین کی تعلیم کرے) اور اگر کوئی اس کے پاس احتیاج نہ پیش کرے تو وہ بھی اپنے آپ کو بے پرواہ کر کے رکھے۔"

ف: جماعت صوفیاء میں اکثر کا مسلک نصیحت کے باب میں یہ ہے کہ زیادہ کسی کے پیچھے نہیں پڑتے ایک دوبار کہہ کر اپنا حق ادا کر دیا اگر مان لیا بہتر ورنہ اپنے شغل میں لگتے ہیں، "اغنی نفسہ" اپنے عموم سے اس عادت کا ماخذ ہے اور دوسری جزئی اس کی یہ بھی ہے کہ اپنی دنیوی حاجت ان کے سامنے پیش نہیں کرتا مگر بقرینہ مقارنت استغنی جزئی اول اقرب ہے۔

۱۴۹۔ مسئلہ توارث نسبت (نسبت باطنی کا متوارث ہونا)

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ان العلماء ورثۃ الانبیاء" (اخرجہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: "علماء وارث ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے۔"

ف: اہل طریق میں مشہور ہے کہ نسبت باطنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث

---

[۱] الفردوس للدیلمی ۴/۲۵۱ رقم: ۶۷۳۲. [۲] وکذا قولہ تعالیٰ: اما من استغنی فانت لہ تصدی ۱۲. [۳] قلنا: واخرجہ البخاری، العلم، العلم قبل القول والعمل (تعلیقا) ابو داؤد: العلم، فضل العلم، رقم: ۳۶۴۱، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، المقدمۃ، فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم: ۲۲۳

چلی آتی ہے، اس حدیث سے اس کا اس طرح اثبات ہوتا ہے کہ دوسری حدیثوں سے علم کا مصداق وحقیقی علم فی القلب ثابت ہوتا ہے، اور اس کو موروث عن الانبیاء فرمایا، یہی حاصل ہے مسئلہ مذکورہ کا، اور انبیاء کے جمع لانے کی یہ توجیہ ہے کہ ہر امت کے علماء کو یہ دولت اپنے اپنے پیغمبر سے پہنچی خواہ بواسطہ یا بلا واسطہ۔

۱۵۰-اصلاح، کف لسان عن الدقائق عند العوام

(عوام کے سامنے تصوف کی باریکیاں بیان کرنے سے گریز کرنا چاہئے)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ. (اخرجہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی بات کرو جس کو وہ سمجھیں، کیا (سمجھ سے باہر باتیں کرکے) تم اس کو پسند کرتے ہو کہ خدا ورسول کی تکذیب کی جائے (یعنی جب وہ بات قرآن وحدیث سے صراحۃً یا استدلالاً ثابت ہے تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی ہو اور چونکہ سمجھ سے باہر ہے اس لئے عوام کریں گے اس کی تکذیب، پس تم سبب ہوئے خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے اور چوں کہ ضروریات دین میں سے کوئی امر ایسا نہیں ہے ابتداء یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس میں بعض دین کا کتمان لازم آتا ہے)

ف: بعضے بے باک صوفی عوام کے سامنے بے تکلف تصوف کے دقائق بیان کر بیٹھتے ہیں، بعضے عوام تو ان کو خلاف شریعت سمجھ کر ان کی تکذیب کرتے ہیں اور بعضے باوجود ان کی حقیقت نہ سمجھنے کے ان کو مان کر قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں، سو ہر حال میں اللہ ورسول کی تکذیب کا تحقق ہوا، "والثانی اشد من الأول" اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔

۱۵۱-مخاطب کی عقل کیمطابق کلام کرنے کی ضرورت

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال: ما انت بمحدث قوماً حدیثاً لایبلغہ عقولھم، الا کان لبعضھم فتنۃ. (اخرجہ مسلم[2])

---

[1] بخاری: العلم، من خص بالعلم قوما دون قوم کراھیۃ ان لایفھموا. رقم: ۱۲۷

[2] مسلم: فی مقدمۃ کتابہ، النھی عن الحدیث بکل ماسمع. رقم: ۱۴

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم کسی قوم سے ایسی بات کرو گے کہ وہاں تک ان کی عقل کی رسائی نہ ہو تو وہ ضرور بعضوں کے لئے خرابی کا باعث ہوگی۔

ف: اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

۱۵۲- رسم کتابت ملفوظات

عن ابن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه قال: كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم فنهتني قريش وقالوا: تكتب كل شيء تسمعه ورسول الله صلى الله عليه وسلم بشر يتكلم في الرضا والغضب، فأمسكت عن الكتابة حتى ذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فأومأ بإصبعه إلى فيه وقال: "اكتب فو الذي نفسي بيده ما يخرج منه إلا حق". (أخرجه أبو داؤد)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا، قریش نے مجھ کو منع کیا اور کہا کہ تم سب کچھ لکھ لیتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آخر) بشر ہیں خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں کلام فرماتے ہیں (اور ناخوشی میں احتمال ہوتا ہے کلام میں کمی بیشی ہو جانے کا) میں لکھنے سے رک گیا یہاں تک کہ میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے دہن کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس منہ سے بجز حق بات کے اور کچھ نہیں نکلتا (نہ حالت رضا میں نہ حالت غضب میں یعنی ہم دوسروں لوگوں کی طرح مغلوب الغضب نہیں ہوتے کہ غصہ میں جو چاہے منہ سے نکل گیا)

ف: اکثر معتقدین اپنے معتقد فیہم کے ملفوظات جمع کیا کرتے ہیں، اس حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے اور جواز کے ساتھ یہ بھی تاکید نکلتی ہے کہ اس جمع میں نہایت احتیاط درکار ہے، کیونکہ مشائخ میں بشریت مقتضی ہے صدور خطا کو اور مانع عن الخطا یعنی عصمت متحقق نہیں۔

---

[1] ابو داؤد، العلم، كتابة العلم، رقم: ٣٦٤٦، وسكت عنه المنذري.

۱۵۳- رسم کتابت ارشاد زبانی یا شجرۂ سند برائے مرید

(پیر کے ملفوظات یا شجرۂ سند مرید کو لکھوانا)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر قصة في الحديث، فقال أبو شاه: اكتبوا لي يا رسول الله فقال: "اكتبوا لأبي شاه". (أخرجه الترمذي وصححه)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا، پھر راوی نے حدیث میں ایک مضمون ذکر کیا ہے (خطبہ سن کر) ابو شاہ نے عرض کیا کہ یہ مضمون مجھ کو لکھ دیجئے یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابو شاہ کو لکھ دو۔"

ف: اس حدیث سے زبانی تلقین وارشاد کئے ہوئے امر کے مقید بالکتابۃ کر دینے کا موافق سنت ہونا ثابت ہوا، اہل طریقت کی یہ سب عادتیں اس میں داخل ہو گئیں: ذکر وشغل کا طریقہ یاد کے لئے لکھ کر دے دینا، شجرہ لکھ کر دینا، سند خلافت لکھ دینا۔

۱۵۴- مسئلہ ضرورت تکوین قبائح در عالم

(تکوینا دنیا میں قبائح یعنی کفر ومعصیت کا وجود بھی مطلوب ہے)

عن أبي أيوب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لولا أنكم تذنبون لذهب الله تعالى بكم ولخلق خلقاً يذنبون فيغفر لهم".[2] (أخرجه مسلم والترمذي)

ولمسلم عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه نحوه وزاد فيستغفرون.

زاد رزين قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والذي نفسي بيده لو لم تذنبوا لخشيت عليكم ما هو أشد منه وهو العجب".

---

[1] ترمذي: العلم، في رخصة فيه، رقم: ٢٦٦٦، وقال: حسن صحيح.

[2] مسلم: التوبة، سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة، رقم: ١(٢٧٤٨)، عن أبي أيوب رضي الله تعالى عنه. وترمذي: الدعوات، باب (لولا أنكم تذنبون لخلق الله خلقاً يذنبون فيغفر لهم) رقم: ٣٥٣٩، وقال: حسن غريب. عن أبي أيوب رضي الله تعالى عنه. ومسلم: أيضاً في المصدر السابق، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه. رقم: ١١(٢٧٤٩) وزاد رزين: والذي نفسي بيده لو لم تذنبوا لخشيت عليكم ما هو أشد منه وهو العجب. ذكره الذهبي: في ميزان الاعتدال في ترجمة سلام بن أبي الصهباء. وقال: ما أحسنه من حديث لو صح.

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس عالم سے لے جاتا اور ایک مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتے، پھر (حسب زیادت روایت مسلم) وہ استغفار کرتے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرتا"۔ (روایت کیا اس کو مسلم اور ترمذی نے)

اور رزین نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو مجھ کو اس سے زیادہ سخت چیز کا تم پر اندیشہ تھا اور وہ عجب یعنی خود بینی ہے۔"

ف: اقتضاء اسماء الٰہیہ ظہور ہر دو گر

(حق تعالیٰ کے تمام اسماء مقتضی ظہور ہیں)

ف: تعلیم حکمت بعض انواع قبض

اول کے دو مسئلے مسلم اور ترمذی کی روایت سے ثابت ہوتے ہیں، اول مسئلے کی تقریر یہ ہے کہ محققین نے فرمایا ہے کہ عالم میں تشریعاً تو صرف ایمان وطاعت ہی مطلوب ہے مگر تکویناً کفر ومعصیت بھی ضروری التحقق ومطلوب الوجود ہے۔

اور دوسرا مسئلہ جو بمنزلہ حکمت مسئلہ اولیٰ کے ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے تمام اسماء جمیل ہیں اور جمیل ہونے کی وجہ سے مقتضی ظہور ہیں اور ہر ایک کا ظہور خاص خاص حوادث کے تحقق کو مقتضی ہے۔

حدیث کی دلالت مسئلہ اولیٰ پر ظاہر ہے کہ توبہ کی ضرورت صدور کو کس اہتمام سے فرمایا، اور مسئلہ ثانیہ پر نیز دلالت لیغفرلھم میں تامل کرنے سے معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حکمت اس ضرورت مذکورہ کی وہی مغفرت کو فرمایا جس کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک غفار بھی ہے، اس کا ظہور اسی طرح ہے کہ عالم میں ذنوب کا وجود ہو اور اس سے غفار کا تعلق ہو، ان ہی دونوں مسئلوں کی طرف حافظ شیرازیؒ نے نہایت لطیف طور پر اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است　　آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

کارخانۂ عشق سے مراد کارخانہ عالم ہے بوجہ اس کے کہ حسب قول مشہور "فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق"، سبب خلق عالم کا، حب و معروفیت ہے اور حب و عشق باہم مترادف ہیں، پس حاصل یہ ہوا کہ مثلاً مقتضی ظہور ہے اور وہ موقوف ہے وجود کفر پر، اور یاد رکھنا چاہئے کہ اقتضاء سے مراد اقتضاء اضطراری نہیں "تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً" اور نہ مقصود اس سے ترغیب دینا ہے معاصی پر للزوم التعارض بین النصوص، بلکہ ایک حکمت بیان کر کے مقصود تقویت قلب تائب من المعاصی بعد صدور المعاصی ہے۔

اور تیسرا مضمون یعنی حکمت بعض انواع قبض "رزین" کی روایت سے ثابت ہے جس کو مشائخ اپنی تعلیمات میں ارشاد فرمایا کرتے ہیں، یعنی قبض کی ایک نوع وہ ہے جو صدور معصیت سے ہو، بعض اوقات سالک صدور معصیت کے بعد اس قدر دل گیر اور تنگ ہوتا ہے کہ اگر اس کو سنبھالا نہ جائے تو یا تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے یا ناامید ہو کر معطل محض ہو جائے، اور سب ذکر و طاعت کو چھوڑ بیٹھے ایسے وقت اس کو اس بات کے سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اگر معصیت صادر ہو گئی تو توبہ کر لو اور بعد توبہ کے اس قدر پریشان اور مایوس مت ہو: کیوں کہ اس میں بھی ایک حکمت تھی وہ یہ کہ شاید عدم صدور سے تم میں عجب پیدا ہو جاتا، خدا تعالیٰ نے اس کا علاج کر دیا، سو اس مضمون سے اس کو توبہ کا عزم اور طاعت کی طرف عود پیدا ہو جاتا ہے جو کہ مامور بہ ہے، خوب سمجھ لو۔

۱۵۵- حال، ادلال (ناز)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: حدثنی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما کان یوم بدر نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المشرکین وھم الف، واصحابہ ثلث مائۃ وتسعۃ عشر رجلاً، فاستقبل القبلۃ، ثم مدیدیہ، فجعل یھتف بربہ یقول: "اللھم انجزلی ماوعدتنی، اللھم اتنی ماوعدتنی اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من المسلمین لاتعبد فی الارض" فما زال یھتف بربہ مادا یدیہ حتی سقط رداؤہ عن منکبیہ. الحدیث (اخرجہ مسلم والترمذی[1])

---

[1] مسلم: الجھاد، الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر، رقم: ۵۸ (۱۷۶۳) ترمذی: تفسیر القران، سورۃ الأنفال. رقم: ۳۰۸۱، وقال: حسن صحیح غریب.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکایت بیان کی کہ جب غزوۂ بدر کا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو دیکھا وہ ایک ہزار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تین سو انیس تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دونوں ہاتھ (دعا کے لئے) دراز کر کے حق تعالیٰ کو پکارنے لگے اور یوں فرمانے لگے کہ: "اے اللہ! مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا فرمائیے، اے اللہ! مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ مجھ کو عطا فرمائیے، اے اللہ! اگر یہ جماعت مسلمانوں کی ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں آپ کی عبادت نہ ہو گی" (کیونکہ بجز ان کے اور کوئی عابد نہیں ہے) پس آپ برابر اسی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں سے ڈھلک کر گر گئی۔

ف: ادلال جس کا ترجمہ ناز ہے ایک حال ہے جو بعض کملین کو غلبۂ انس و انبساط میں کہ ایک نوع ہے محبت کی پیش آتا ہے، اس حدیث کا مضمون صاف ناشی ہے اسی ادلال سے کامل اور غیر کامل میں اتنا تفاوت ہے کہ کامل کا قول و فعل اس حالت میں بھی حد ادب سے متجاوز نہیں ہوتا، غیر کامل سے احیاناً ایسا بھی ہو جاتا ہے اسی "لاتعبد" کے مضمون کو حافظ شیرازیؒ نے اس طرح ادا کیا ہے:

سخن معشوق گر تند بر عاشق چہ شد ناز و نخرہ بودے او بما مشتاق بود

ای محبوبیت ناز خواہاں بود نخرہ بلا ارادۂ اشتیاق۔

۱۵۶ - حال کشف عالم غیب

عن انس رضي الله تعالى عنه في قصة غزوة احد قول انس بن النضر فانه يا سعد بن معاذ الجنة ورب النضر اني لاجد ريحها من دون احد. الحديث (اخرجه الشيخان والترمذي)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصہ غزوۂ احد میں ان کے چچا

۱؎ بخاري، الجهاد، باب قول الله عز وجل: من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه الآية، رقم ۲۸۰۵، مسلم، الامارة، ثبوت الجنة للشهيد، رقم ۱۹۰۳ (۱۴۸-...)، والترمذي، تفسير القرآن، سورة الاحزاب، رقم ۳۲۰۰، وقال: حسن صحيح

حضرت انس بن النضر کا قول مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے سعد بن معاذ! قسم ہے نضر کے پروردگار کی کہ جنت کی خوشبو پاتا ہوں جبل احد کے پیچھے سے۔

ف: عالم غیب کی اشیاء کا منکشف ہونا ایک حال رفیع ہے جب کہ اتباع شرع کے ساتھ ہو، حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے۔

۱۵۷- حال، کشف ملائکہ دیگر (کسی کو فرشتوں کا نظر آ جانا)

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأیت علی یمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی شمالہ یوم احد رجلین، علیہما ثیاب بیض، یقاتلان کاشد القتال ما رأیتھما قبل ولا بعد، یعنی جبرئیل ومیکائیل. (اخرجہ الشیخان)[1]

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے بائیں دو شخص دیکھے جن پر سفید کپڑے تھے اور بہت سخت لڑائی لڑ رہے تھے میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا یعنی وہ دونوں شخص جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام تھے۔

ف: مسئلہ تمثل

حضرت جبرئیل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام کا نظر آ جانا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیث میں صریحاً مذکور ہے، اور اسی طرح آدمی کی شکل میں متمثل ہونا بھی جس کی شرح سب سے اول حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ اگر یہ فرشتے اوروں کو بھی نظر آتے تھے تب تو مدلول حدیث مسئلہ تمثل ہے اور اگر اوروں کو نظر نہ آتے تھے تو مدلول حدیث کشف ملائکہ ہے۔

۱۵۸- حال، کرامت

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ غزوۃ الرجیع من الحدیث الطویل عن بعض بنات الحارث کانت تقول: ما رأیت اسیراً قط خیراً من خبیب، لقد رأیتہ یاکل من قطف عنب، وما بمکۃ یومئذ ثمرۃ وانہ لموثق بالحدید، وما کان الا رزقاً رزقہ اللہ خبیباً، وفیہ: وبعثت قریش الی عاصم لیؤتوا بشیء من جسدہ بعد موتہ

---

[1] بخاری: المغازی، باب اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا، رقم: ۴۰۵۴، مسلم: الفضائل، اکرامہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتال الملائکۃ معہ، رقم: ۲۳۰۶ [۶۲۳]

وكان قتل عظيمًا من عظمائهم يوم بدر فبعث الله عليهم مثل الظلة من الدبر فحمته من رسلهم، فلم يقدروا منه على شيء. (أخرجه البخاري وأبو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصہ غزوۂ رجیع کے متعلق ایک حدیث طویل میں یہ قصہ حارث کی ایک دختر سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اچھا آدمی کوئی قیدی نہیں دیکھا، میں نے ان کو انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا اور اس وقت مکہ میں میوہ یا پھل کا کہیں نام ونشان نہ تھا اور خود وہ لوہے میں مقید تھے وہ محض ایک (غیبی) رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیبؓ کو عطا فرمایا تھا، اور اسی حدیث میں (یہ قصہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا) ہے کہ قریش نے عاصم کی طرف کچھ آدمی روانہ کئے تاکہ ان کی لاش کا کوئی جزو (کاٹ کر) لے آئیں اور (وجہ اس کی یہ تھی کہ) انہوں نے قریش کے بڑے سردار کو بدر کے دن قتل کیا تھا (اس لئے نشان کے واسطے لاش کا جزو منگاتے تھے کہ دیکھ کر خوشی اور تسلی تو ہو) پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر سائبان کی طرح (یعنی بکثرت) بھڑوں کو بھیج دیا اور انہوں نے حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کی لاش) کو قریش کے فرستادوں سے محفوظ رکھا غرض وہ لوگ ان پر ذرا قادر نہ ہوئے۔

ف: حدیث میں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم کرامتیں مذکور ہیں جو کہ بشرط اتباع شریعت اہل اللہ کے حالات رفیعہ میں سے ہے۔

۱۵۹- حالِ اشتیاقِ موت

عن أنس رضي الله تعالى عنه في قصة غزوة بئر معونة قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم أقوامًا من بني سليم إلى بني عامر. وفي رواية: بعث خالي حرامًا أخا لأم سليم في سبعين راكبًا، فلما قدموا، قال لهم خالي: أتقدمكم فإن أمنوني حتى أبلغهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وإلا كنتم مني قريبًا، فتقدم فأمنوه فبينما هو يحدثهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أومئوا إلى رجل منهم فطعنه فأنفذه فقال: الله أكبر، فزت ورب الكعبة. الحديث (أخرجه الشيخان)

۱؎ بخاري: الجهاد، هل يستأسر الرجل ومن لم يستأسر، ومن صلى ركعتين عند القتل، رقم: ۳۰۴۵، أبو داؤد: الجهاد، الرجل يستأسر، رقم: ۲۶۶۰

۲؎ بخاري: الجهاد، من ينكب أو يطعن في سبيل الله، رقم: ۲۸۰۱، بخاري: المغازي، غزوة الرجيع ورعل ... وبئر معونة، رقم: ۴۰۹۲، مسلم: الإمارة، ثبوت الجنة للشهيد، رقم: ۱۳۴ (۶۷۷)

وفی روایۃ البخاری عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: لما طعن حرام بن ملحان یوم بئر معونۃ قال (ای اخذ) بالدم ھکذا فنضحہ علی وجہہ ورأسہ ثم قال فزت ورب الکعبۃ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصہ غزوہ بیر معونہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلیم میں سے ایک جماعت کو (کہ مسلمان تھے) بنی عامر کے پاس (کہ کافر تھے) تبلیغ دین کی غرض سے بھیجا اور ایک روایت میں ہے کہ میرے (یعنی انس کے) ماموں حرام بن ملحان کو کہ ام سلیم (والدہ انس) کے بھائی تھے ہمراہی ستر سواروں کے بھیجا، جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ان سے میرے ماموں نے کہا کہ میں آگے جاتا ہوں اگر ان لوگوں نے مجھ کو امن دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ان کو پہنچا سکا تو خیر ورنہ اس وقت تم میرے پاس آ جانا غرض وہ آگے بڑھے اور ان لوگوں نے (ظاہر میں) امن دیا پس اس درمیان میں کہ وہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بات چیت کر رہے تھے کہ دفعۃً ان لوگوں نے اپنے میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا اس نے ایک نیزہ مار کر پار کر دیا (خوشی کے جوش میں) بول اٹھے اللہ اکبر قسم رب کعبہ کی میں مراد کو پہنچ گیا۔

اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب ان کے یوم بیر معونہ میں نیزہ لگا تو خوش ہو کر خون کو اس طرح لے کر اپنے چہرے اور سر پر چھڑکا (اور ملا) پھر کہا قسم ہے رب کعبہ کی میں مراد کو پہنچ گیا۔

ف: ان کے اس قول اور فعل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو وصال یا شہادت کی شدت سے تمنا اور اشتیاق تھا جس کے حصول پر شدت سے خوش ہوئے پس عشاق کے کلام میں جو یہ مضمون بکثرت پایا جاتا ہے یہ ان کی اصل ہے۔

ف: قول: وضوء بخون (خون سے وضو کرنا)

اور نیز بعض عشاق کے کلام میں خون سے وضو کرنے کا مضمون آیا ہے چہرہ پر خون ملنے ن مضمون کا پورا انطباق ہے۔

۱۶۰- عادت بعض، سماع برائے تنشیط روح

(روح میں نشاط پیدا کرنے کے لئے سماع کا سننا)

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال: خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الخندق، فاذا المھاجرون والانصار یحفرون فی غداۃ باردۃ، ولم یکن لھم عبید یعملون ذلک لھم، فلما رای مابھم من النصب والجوع قال:

اللھم ان العیش عیش الاخرۃ		فاغفر للانصار والمھاجرۃ

فقالوا مجیبین لہ:

نحن الذین بایعوا محمداً		علی الجھاد ما بقینا ابداً

(اخرجہ الشیخان والترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف متوجہ ہوئے اور مہاجرین و انصار سردی میں صبح کے وقت اس کو کھود رہے تھے اور ان کے پاس غلام نہ تھے کہ اس کام کو کر لیتے جب آپ نے ان کی مشقت اور فاقہ کی حالت دیکھی تو (ان کے دل بڑھانے کو) دعا کی: ”اے اللہ عیش تو آخرت ہی کا ہے سو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دیجئے“ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب میں (یہ کلام منظوم) عرض کیا نحن الذین الخ یعنی ہم وہ ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں گے۔

ف: بعض اہل طریق کا یہ مذاق ہوا ہے کہ جب اسباب عارضہ سے طبیعت میں ملال یا فتور یا انقباض ہوتا ہے، اس کے رفع کے لئے موافق شرائط اباحت کے قدرے سماع سن لیا ہے، تاکہ نشاط پیدا ہو کر طاعت مقصودہ سہل ہو جائے، پس مقصود طاعت ہوتی تھی اور سماع معین اس مقصود کا، اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کہ حفر خندق جو اس وقت طاعت تھی اور جوع و نصب مظنہ فتور کا تھا اس میں کلام منظوم سے نشاط و استمداد کسل کا کام لیا، منافی کرنے سے بھی مصلحت معلوم ہوتی ہے باقی سماع کو خود مقصود بنا لینا یا اس میں رعایت شرائط کی نہ کرنا تلاعب بالدین ہے۔

---

[1] بخاری: الجھاد، التحریض علی القتال، رقم ۲۸۳۴، مسلم: الجھاد، غزوۃ الاحزاب، رقم: ۴۶۷۴، ۱۲۶، ۱۲۸ (۱۸۰۵)، ترمذی: المناقب، مناقب سھل بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ رقم: ۳۸۵۶، وقال: حسن صحیح غریب.

۱۶۱- شہادت کی تمنا کرنا

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: لما رجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الخندق، الحدیث. وفیہ- کان سعد اصیب یوم الخندق فی الاکحلہ فضرب علیہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمۃ فی المسجد لیعودہ من قریب، فقال سعد: اللھم انک تعلم انہ لیس قوم احب الی ان اجاھدھم فیک من قوم کذبوا رسولک واخرجوہ، اللھم فانی اظن انک قد وضعت الحرب بیننا وبینھم فان کان بقی من حرب قریش شیء فابقنی لہ حتی اجاھدھم فیک، وان کنت وضعت الحرب فافجرھا واجعل موتی فیھا فانفجرت من لبتہ فلم یرعھم وفی المسجد الا الدم یسیل الیھم فاذا سعد یغذ جرحہ دما فمات منھا. (اخرجہ الشیخان[۱])

۱۶۲- حال، کشف وکرامت

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان سعد بن معاذ رمی یوم الاحزاب فقطعوا اکحلہ او ابجلہ، فحسمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالنار، فانتفخت یدہ فترکہ، فنزفہ الدم فحسمہ اخری فانتفخت یدہ فلما رای ذلک قال: اللھم لاتخرج نفسی حتی تقر عینی من بنی قریظۃ، فاستمسک عرقہ فما قطر قطرۃ حتی نزلوا علی حکمہ، فحکم فیھم ان تقتل رجالھم وتستحیی نساءھم فقال: صلی اللہ علیہ وسلم: "اصبت حکم اللہ فیھم" وکانوا اربع مائۃ فلما فرغ من قتلھم انفتق عرقہ فمات. (اخرجہ الترمذی وصححہ[۲])

ترجمہ: ان دونوں حدیثوں میں ایک ہی صحابی کا قصہ ہے یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، سو پہلی حدیث میں تو یہ قصہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے لوٹ کر تشریف لائے، اسی میں یہ قصہ ہے کہ یوم خندق میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ ہفت اندام میں تیر لگا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے کہ قریب ہی سے عیادت فرماتے رہیں گے ان کے لئے مسجد میں

---

[۱] بخاری: المغازی، مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الأحزاب رقم: ۴۱۲۲، مسلم: الجھاد، جواز قتال من نقض العھد وجواز انزال اھل الحصن علی حکم حاکم عدل اھل للحکم رقم: ۶۷ (۱۷۶۹) قلنا: وأخرجہ النسائی، المساجد، ضرب الخباء فی المسجد رقم: ۷۱۰.

[۲] ترمذی، السیر، ماجاء فی النزول علی الحکم رقم: ۱۵۸۲، وقال: حسن صحیح.

ایک خیمہ لگا دیا تھا۔ (ایسی جگہ جہاں نمازیوں کو تنگی نہ ہو جس طرح اعتکاف والے پردہ وغیرہ باندھ لیتے ہیں کہ محفوظ جگہ میں پریشانی و ہجوم وغیرہ سے امن رہتا ہے) پس حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! آپ کو خوب معلوم ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور ان کو مکہ سے جلاوطن کیا (مراد قریش ہیں) ان کے ساتھ جہاد کرنا جس قدر مجھ کو محبوب ہے اتنا کسی قوم کے ساتھ نہیں (یہ تمہید ہے آگلی دعا کی) کہ اے اللہ! میرا یہ گمان ہے کہ آپ نے ہمارے اور ان کے درمیان میں لڑائی موقوف کر دی ہے۔ یعنی میرا یہ خیال ہے کہ اب ہمارا ان کا کوئی معرکہ ہونے والا نہیں ہے۔ سو اگر (میرا یہ خیال غلط ہے اور) قریش کے ساتھ کوئی معرکہ ہونا باقی ہے تو مجھ کو زندہ رکھئے یہاں تک کہ میں آپ کی راہ میں ان سے جہاد کروں، اور اگر میرا یہ گمان صحیح ہے اور واقعی آپ (ہمارے اور ان کے) معرکہ جنگ کو موقوف کر چکے ہیں تو میرے زخم کو جاری کر دیجئے، چنانچہ اسی رات کو وہ رگ کھل گئی اور دفعۃً اہل مسجد نے دیکھا کہ ان کی طرف خون بہتا ہوا آ رہا ہے، دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا ہے پس اسی میں انتقال فرمایا۔

(اور دوسری حدیث میں یہ قصہ ہے کہ) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یوم احزاب میں (کہ یوم خندق کا ایک یہ بھی نام ہے) تیر لگا جس سے شہ رگ (یعنی ہفت اندام کٹ گئی، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون تھمنے کے لئے) اس پر آگ کا داغ دیا سو اس سے خون تو تھم گیا مگر ان کا ہاتھ ورم کر گیا (کیونکہ خون کی آمد جوش پر تھی) پھر (جوش سے) خون جاری ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اس پر داغ دیا سو پھر (خون تھم کر) ہاتھ ورم کر گیا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو دعا کی کہ اے اللہ! میری جان نہ نکلے جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ کی طرف سے ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ (بنو قریظہ ایک قوم ہے یہود کی انہوں نے احزاب کی اعانت کی تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے فارغ ہو کر ان کو سزا دینے کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور ان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ مطلب ان کی دعا کا یہ ہے کہ میں آنکھوں سے ان کی اس شرارت کی سزا دیکھ لوں جب مروں) چنانچہ ان کی رگ کا

خون بند ہو گیا اور ایک قطرہ بھی نہ نکلا یہاں تک کہ (محاصرہ سے تنگ آ کر) بنو قریظہ ان ہی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے پر قلعہ سے اترے اور باہر آئے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے یہ درخواست کی کہ ہم باہر آتے ہیں اس شرط پر کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہمارے لئے تجویز کریں وہی کارروائی ہم سے کی جائے، گمان ان کا جاہلیت کے تعلقات کی وجہ سے یہ تھا کہ یہ ہماری رعایت کریں گے حالاں کہ تعلق مع اللہ نے سب تعلقات مخالفہ کو قطع کر دیا تھا) سو انہوں نے موافق قاعدہ شریعت کے ان کے مقدمہ میں یہ فیصلہ کیا کہ ان کے بالغ مردوں کو قتل کیا جائے اور ان کی عورتوں کو (اور اسی طرح بچوں کو) زندہ رکھا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "تم نے (اس فیصلہ میں) خدا تعالیٰ کے حکم کے موافق کیا" اور یہ لوگ چار سو تھے، جب (حسب فیصلہ مذکورہ) ان کے قتل سے فراغت ہوئی وہ رگ پھٹ پڑی اور ان کا انتقال ہو گیا۔

ف: اس میں ان کا کشف تو یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ میرے خیال میں ہماری اور قریش کی معرکہ آرائی موقوف ہو گئی ہے، چنانچہ اس کے بعد کوئی معرکہ کی لڑائی نہیں ہوئی، صرف فتح مکہ میں یونہی خفیف سا مقابلہ ہوا کہ جس کو مقاتلہ کہنے میں خود علماء کا اختلاف ہے چنانچہ مکہ کا عنوۃً یا صلحاً فتح ہونا فقہاء میں مختلف فیہ ہے۔

اور کرامت ان کی دو مذکور ہیں ایک خون جاری کا بند ہو جانا جیسا دوسری حدیث میں ہے، اور ایک بند خون کا جاری ہو جانا جیسا پہلی حدیث میں ہے، اور دونوں دعاؤں میں کچھ تعارض نہیں، تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اول خون جاری ہو، پھر ان کی دعاء مذکور فی الحدیث الثانی سے بند ہو گیا ہو، پھر دعاء مذکور فی الحدیث الاول سے جاری ہو گیا ہو، پس حدیث ثانی میں راوی کا فلما فرغ الخ کہنا اختصار فی البیان ہو اور مطلب یہ ہو۔

فلما فرغ ودعا بما فی الحدیث الأول انفتق الخ.

ف: حال، حب حیات وحب موت

بعض اہل اللہ کے کلام سے حب حیات اور بعض کے کلام سے حب موت مفہوم ہوتی

ہے، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا دونوں سے دونوں کی اصل مع توجیہ کے معلوم ہوئی
ہے کہ حب حیات کی توجیہ حب التکاثر بالاعمال ہے، کما قال فان بقی الخ و قال
لاتخرج الخ لأن السرور بذل الکفار طاعة أیضا اور حب موت کی توجیہ بجز شوق
لقاء و وصول دین کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔

۱۶۳- عادت مبالغہ در محبت و احترام شیخ

عن عروة بن الزبير عن المسور بن مخرمة ومروان، (الحديث الطويل) وفيه
من قصة الحديبية ثم ان عروة بن مسعود جعل يرمق اصحاب النبي صلى الله
عليه وسلم بعينيه قال: فو الله ما تنخم رسول الله نخامة الا وقعت في كف
رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده، واذا امرهم ابتدروا امره، واذا توضأ
كادوا يقتتلون على وضوءه، واذا تكلم خفضوا اصواتهم عنده، وما يحدون
النظر اليه تعظيما له، وفي هذا الحديث: قال عمر بن الخطاب. فأتيت نبي الله
صلى الله عليه وسلم فقلت. يا نبي الله! ألست نبي الله حقا؟ قال. "بلى" قلت.
ألسنا على الحق وعدونا على الباطل؟ قال: "بلى" قلت. فلم نعطي الدنية في
ديننا اذن؟ قال. "اني رسول الله ولست اعصيه وهو ناصري" قلت: او ليس
كنت تحدثنا انا سنأتي البيت فنطوف به؟ قال: "بلى" افاخبرتك انك تأتيه
العام؟" قلت: لا، قال: "فانك آتيه ومطوف به" قال فأتيت ابابكر، فقلت: يا
ابابكر، أليس هذا نبي الله حقا، قال: بلى، قلت: ألسنا على الحق وعدونا على
الباطل؟ قال. بلى، قلت: فلم نعطي الدنية في ديننا اذن؟ فقال: ايها الرجل انه
رسول الله وليس يعصي ربه وهو ناصره فاستمسك بغرزه فوالله انه على الحق،
قلت: أليس كان يحدثنا انا سنأتي البيت ونطوف به؟ قال: بلى، افاخبرك
انك تأتيه العام؟ قلت. لا، قال: فانك آتيه ومطوف به، قال عمر: فعملت
لذلك اعمالا. الحديث. (اخرجه البخاري وابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسور بن مخرمہ اور مروان سے
حدیث طویل روایت کی ہے اور اس میں منجملہ قصہ حدیبیہ کے یہ حکایت بھی ہے کہ عروہ بن
مسعود (ایک اور قاصد کے بعد جو قریش کی طرف سے تجسس حال مسلمین و گفتگوئے معاملہ صلح وغیرہ آیا تھا)

---

[1] بخاری: الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط
رقم: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲، وأبوداؤد: الجهاد، باب صلح العدو، رقم: ۲۷۶۵، ۲۷۶۶.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اس کا قول ہے: واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھنکار کر تھوکتے تھے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑتا تھا اور وہ اس کو اپنے منہ پر اور بدن پر مل لیتا تھا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کسی کام کی فرمائش کرتے تو اس کے کرنے کو سب دوڑتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی لینے پر لڑتے تھے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو وہ اپنی آوازوں کو آپ کے سامنے بالکل پست کر لیتے تھے، اور آپ کو تیز نگاہ بھر کر نہ دیکھتے تھے، بسبب آپ کی غایت تعظیم کے۔

اور اسی حدیث میں یہ قصہ بھی ہے (یہ اس وقت کے متعلق ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی صلح کو منظور فرمایا اور باقتضائے وقت بعض شرطیں اس صلح میں بظاہر ایسی تھیں جس سے مسلمانوں کے دبنے کا شبہ ہوسکتا تھا، پس اس کے متعلق یہ قصہ ہوا) کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا (اس وقت یہ جوش میں تھے ان کو وہ شرائط ناگوار تھیں) اور عرض کیا: یا نبی اللہ! کیا آپ سچے نبی اللہ نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: "کیوں نہیں"؟ میں نے عرض کیا: کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف ناحق پر نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیوں نہیں"۔ میں نے عرض کیا: تو پھر اس حالت میں ہم دین کے بارے میں کیوں ذلت گوارا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا ہوں (سو جو کچھ میں نے اس وقت کیا وہ حکم خداوندی کے خلاف نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ (انجام کار) مجھ کو غالب کرنے والا ہے"۔ (گو کسی حکمت سے اس میں قدرے توقف ہو) میں نے عرض کیا: کیا آپ ہم سے فرمایا نہ کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ (یعنی پھر صلح تو نہ کرتے بھی کیوں نہ جا گھسیں)؟ آپ نے فرمایا: "ہاں یہ تو کہا تھا، لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ میں جاؤ گے"؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو تم ضرور (وقت موعود پر) بیت اللہ میں جاؤ گے بھی اور اس کا طواف بھی کرو گے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے پاس پہنچا (ان کا جوش اس وقت تک فرو نہ ہوا تھا اس کے قلب میں یہ وہاں پہنچے) اور میں نے کہا (آگے وہی اوپر کے سوالات ہیں اور وہی جوابات ان کو ملے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا) کہ اے ابو بکر کیا یہ (یعنی حضور) سچے نبی اللہ نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں، میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف ناحق پر نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں، میں نے کہا تو پھر اس حالت میں ہم دین کے بارے میں ذلت کیوں گوارا کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ مرد خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کرنے والے ہیں، پس تم آپ کی رکاب مضبوط پکڑے رہو، (یعنی اتباع و امتثال و تسلیم میں مستقیم رہو) کو اللہ بلاشبہ آپ حق پر ہیں، میں نے کہا کہ کیا آپ ہم سے فرمایا نہ کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے، اور اس کا طواف کریں گے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ تو فرمایا تھا لیکن کیا یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ میں جاؤ گے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے فرمایا تو تم ضرور بیت اللہ میں جاؤ گے بھی اور اس کا طواف بھی کرو گے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس جرأت کے تدارک کے لئے بہت سے اعمال (صالحہ) کئے (کہ یہ صورت گستاخی کی معاف ہو)

ف: حدیث اول کے ٹکڑے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جو برتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذکور ہے اس سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ جو معمول عموم اہل طریق ہے کہ شیخ سے محبت درجۂ جاں بازی تک رکھتے ہیں، اور احترام سلاطین سے زیادہ کرتے ہیں البتہ شرع سے تجاوز نہ ہونا چاہئے۔

ف: حال، فنافی الشیخ

حدیث میں اس کی تصریح تو نہیں مگر غور کرنے سے استدلال سے اس کا ثبوت بہت واضح ہے، یعنی حدیث کے آخری ٹکڑے میں جو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوابوں کا لفظاً و معنیً اتحاد اجوبہ نبویہ کے ساتھ مذکور ہے، اس سے بخوبی ثابت ہے کہ قلب صدیقی قلب نبوی کے ساتھ ایسا متصل تھا کہ اپنے علوم و احوال کا بعینہٖ فیضان ہوتا تھا اور ایسا اتصال جو کلی عادت خواص فنافی الشیخ سے ہے اور عامہ کا وجود و کلی بھی ہے وجود ذی

خاص کی۔ پس جب یہ اصل حدیث سے ثابت ہے تو یہ فنا بھی ثابت ہو گیا جس کی حقیقت نہایت تناسب مرید و شیخ میں ہے کہ جو غایت اطاعت و محبت سے پیدا ہوتا ہے۔

۱۲۴۔ رسم تجدید بیعت مرید قدیم للتاکید

(پرانے مرید کو پرانے تاکید دوبارہ بیعت کرنا)

عن سلمة بن الاكوع رضي الله تعالى عنه قال: قدمنا الحديبية مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث. وفيه: ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دعانا للبيعة في اصل الشجرة فبايعته في اول الناس، ثم بايع وبايع، حتى اذا كان في وسط من الناس قال: "بايع يا سلمة!" قلت: قد بايعتك، يا رسول الله في اول الناس، قال: "وايضا" ورآني رسول الله صلى الله عليه وسلم عزلا، فاعطاني حجفة، ثم بايع، حتى اذا كان في آخر الناس قال: "الا تبايعني يا سلمة؟" قال: قلت: قد بايعتك، يا رسول الله! في اول الناس، وفي اوسط الناس قال: "وايضا" فبايعته الثالثة. الحديث اخرجه مسلم[1]

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہنچے ہیں، اور اسی حدیث میں یہ ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بیعت کے لئے درخت کے نیچے بلایا، سو اول ہی جماعت میں، میں نے آپ سے بیعت کی پھر اور لوگوں کو بیعت کیا پھر اور لوگوں کو بیعت کیا یہاں تک کہ جب وسط کی جماعت کی نوبت آئی تو آپ نے فرمایا: ''اے سلمہ! بیعت کرو'' میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میں تو اول ہی جماعت میں آپ سے بیعت کر چکا ہوں، آپ نے فرمایا: ''پھر سہی'' اور آپ نے مجھ کو خالی ہاتھ دیکھ تو مجھ کو ایک ڈھال دی پھر بیعت کرتے رہے یہاں تک کہ جب اخیر کے لوگوں کی نوبت پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''اے سلمہ مجھ سے بیعت نہیں کرتے؟'' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو اول جماعت کے ساتھ اور نیز وسط کی جماعت کے ساتھ بیعت کر چکا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''پھر سہی''، میں نے تیسری بار بھی بیعت کی۔

---

[1] مسلم: الجهاد، غزوة ذي قرد وغيرها رقم: ١٣٢ (١٨٠٧)

ف: بعض دفعہ کسی مصلحت سے اپنے مرید قدیم کو اس کی درخواست پر یا خود اس کو مشورہ دے کر دوبارہ بیعت کرتے ہیں یہ حدیث اس کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

۱۶۵- اصلاح و ابطال عقیدۂ اباحت

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ کتاب حاطب وقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعنی یا رسول اللہ! اضرب عنق ھذا المنافق، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "انہ قد شہد بدراً وما یدریک لعل اللہ تعالیٰ اطلع علی اھل بدر فقال: اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم"۔ (اخرجہ الخمسۃ الا النسائی)[1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت حاطب کے خط لکھنے کے قصے میں ہے (یہ خط کفار مکہ کے نام تھا، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارادوں کی جنگ کے متعلق اطلاع تھی پھر وہ خط پکڑا گیا اور حاطب سے باز پرس ہوئی اور حاطب نے اپنا جو عذر بیان کیا وہ قبول کیا گیا، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت جوش آیا، اس کے متعلق حدیث میں حکایت ہے) کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماروں (منافق غصہ میں کہہ دیا) آپ نے فرمایا کہ: "وہ (یعنی حاطب) غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہے اور تم کو کیا خبر، کچھ عجب نہیں ہے (یعنی ایسا ہوا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرما دیا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے۔"

ف: بعض جہلاء اور اہل زیغ کا اعتقاد ہے کہ جب آدمی کامل ہو جاتا ہے تو اس کے لئے کوئی چیز حرام نہیں رہتی سب جائز ہو جاتا ہے، اس فرقہ کو اباحیہ کہتے ہیں اور عجب یہ ہے کہ اس حدیث سے اس دعویٰ پر استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو اہل بدر کے لئے کیا ارشاد ہوا حالانکہ یہ حدیث ان پر صریح رد کرتی ہے: کیونکہ لفظ "غفرت" سے جس کے معنی ہیں گناہ

---

[1] بخاری- الجہاد، الجاسوس والتجسس رقم: ٣٠٠٧، مسلم- فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، فضائل حاطب بن ابی بلتعۃ واھل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم. رقم: ١٦١ (٢٤٩٣)، ابوداؤد- الجہاد، حکم الجاسوس اذا کان مسلما، رقم: ٢٦٥٠، ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ الممتحنۃ رقم: ٣٣٠٥، وقال: حسن صحیح.

کا بخش دینا خود معلوم ہوتا ہے کہ تاجائز افعال سے ان کو گناہ تو ہوتا ہے مگر عنایت کرم سے وعدۂ مغفرت فرمایا گیا ہے جب گناہ ہوا تو وہ فعل جائز کیسے ہوا؟ البتہ اگر "احللت لکم" یا "ابحت لکم" ہوتا تو استدلال کی گنجائش تھی، اور اگر وعدۂ مغفرت پر کسی کو دھوکہ ہو تو اہل بدر پر دوسرے کو قیاس کرنا مع الفارق ہے کیوں کہ مقیس علیہ کے بارے میں نص ہے اور مقیس کے بارے میں نص نہیں "فاین ھذا من ذاک" فرق اباحیہ کا یہ اعتقاد کفر ہے اور جو شخص اس میں مبتلا ہو اس کو اپنی اصلاح واجب ہے۔

۱۶۶-عادت، تسامح فی الضروریات

(ضروریات میں چشم پوشی کرنا)

عن وھب قال: سألت جابراً رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن شان ثقیف اذ بایعت قال: اشترطت ان لاصدقۃ علیھا ولا جھاد وانہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "سیصدقون ویجاھدون اذا اسلموا"۔ (اخرجہ ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت وہب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبیلہ ثقیف کا قصہ ان کی بیعت کے وقت کا دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: کہ ان لوگوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ ان کے ذمہ یعنی ہمارے ذمہ زکوۃ اور جہاد نہ ہوگا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: "یہ لوگ زکوۃ بھی دیا کریں گے اور جہاد بھی کیا کریں گے جب اسلام لے آئیں گے" (یعنی اس وقت ان سے قیل وقال و جواب وسوال کی ضرورت نہیں جس طرح یہ کہیں اسی طرح ان کی بیعت قبول کر لی جائے پھر آپ ہی اسلام اور علم اور صحبت کی برکت سے درست ہو جائیں گے)

ف: بعض دفعہ بزرگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے پاس آنے جانے والوں کے ساتھ اور بالخصوص جن سے زیادہ تعلق نہیں ہے اور کبھی اپنے متعلقین کے ساتھ بھی بعض قبائح پر چشم پوشی اور خاموشی کر جاتے ہیں اور اسی حالت میں ان کو اوراد و اذکار کی بھی تلقین کرتے ہیں

---

[1] ابوداؤد: الخراج والفیٔ والامارۃ، خبر الطائف، رقم: ۳۰۲۵، قال المنذری: ابراھیم بن عقیل بن منبہ، قال ابن معین: وقد رأیتہ ولم یکن بہ بأس، ولکن ینبغی ان تکون صحیفۃ وقعت الیھم.

ترک قبائح کا انتظار نہیں کرتے اس سے عوام کو شبہ مداہنت کا ہو جاتا ہے۔ اور راز اس میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بصیرت خداداد سے سمجھ جاتے ہیں کہ جس غیر کی ان کو تعلیم دی گئی ہے ابھی تو یہ حق اللہ کے لئے رفتہ رفتہ کافی ہو جائے گی ابھی یہ سمجھتے ہیں کہ اگر زیادہ تشدد کیا جائے گا یہ اس غیر سے بھی باز رہیں گے اور اصل اسلام یا عزم توبہ ہی سے متوحش ہو جائیں گے، تو جو غیر ہو جائے غنیمت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دفعتاً ترک معصیت پر قدرت ان کی ضعیف ہے بتدریج اس کی استعداد پیدا ہو جائے گی۔ یہ حدیث بزرگوں کے اس طرز کی واضح اصل ہے۔

۱۶۷۔ مسئلہ عبادت شدن عادات عارفین

(اہل عرفان سے صادر ہونے والے امور عادیہ بھی عبادت کے درجہ میں ہیں)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لمعاذ: کیف تقرأ انت؟ قال: ساناک بالتکک، اما انا فانام ثم اقوم فاقرأ، واحتسب فی نومتی ما احتسب فی قومتی

(اخرجہ الخمسۃ الا الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (جب کہ زمانہ حکومت یمن میں دونوں ملے تھے) فرمایا کہ تم کس کیفیت سے (شب کو نماز میں) قرآن پڑھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تو سو رہتا ہوں پھر (اٹھتا ہوں پھر نماز میں) قرآن پڑھتا ہوں (یعنی ساری رات بیدار نہیں رہتا) اور میں اپنے سونے میں بھی ویسا ہی ثواب سمجھتا ہوں جیسا کہ اپنی شب بیداری میں سمجھتا ہوں۔

ف: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب معرفت صحیح ہو جاتی ہے اور اس سے امور عادیہ بھی صادر من المصلحت ہونے لگتے ہیں تو وہ امور عادیہ بھی عبادت وموجب اجر وقرب الٰہی ہو جاتے ہیں، چنانچہ ایسے شخص کا سونا بھی اس مصلحت پر ہوتا ہے کہ سونے سے آرام ملے گا اور نشاط سے عبادت ہوگی۔ بعض اوقات یہ قصد ہوتا ہے کہ عمل بار نصب میں شان افتقار وا ظہار عجز وضعیف ہے، کبھی یہ نیت ہوتی ہے کہ اس سے قوت وصحت رہتی ہے اور اس

[1] بخاری: المغازی، بعث ابی موسیٰ ومعاذ الی الیمن، رقم: ۴۳۴۱، ۴۳۴۲۔ مسلم: الجہاد، الأمر بالتیسیر وترک التنفیر مختصراً، رقم: ۷ (۱۷۳۳) ابوداؤد: الحدود، الحکم فیمن ارتد، رقم: ۴۳۵۴، نسائی: الأشربۃ تحریم کل شراب اسکر مختصراً رقم: ۵۵۹۹۔

قوت وصحت کو خدمت خلق میں صرف کریں گے۔ان سب اغراض سے وہ نوم بھی عبادت ہو جاتی ہے،اسی طرح دوسرے افعال مباحہ اسی قسم کے مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ملفوظات قوم میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور حدیث میں اس پر دلالت ہے۔

۱۶۸-متفرقات،ایصال اثر بتصرف

(تصرف کے ذریعہ اثر پہنچانا)

عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الا تریحنی من ذی الخلصۃ؟" وکان بیتا فیہ خثعم یسمی الکعبۃ الیمانیۃ، فانطلقت فی خمسین ومائۃ راکب من احمس،۔ وکانوا اصحاب خیل۔ وکنت لا اثبت علی الخیل۔ فضرب فی صدری حتی رأیت اثر اصابعہ فی صدری وقال: "اللھم ثبتہ واجعلہ ھادیاً مھدیا" فانطلق الیھا فکسرھا وحرقھا. (اخرجہ الشیخان وابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''مجھ کو ذی الخلصہ سے راحت نہیں دیتے''؟ اور یہ ایک مکان تھا قبیلہ خثعم میں جو کعبہ یمانیہ (جہلاء میں) کہلاتا تھا (اور انہوں نے اس کو کعبہ مشرفہ کے مقابلے میں بنایا تھا اور اس وجہ سے حضور کو اس سے کلفت ہوتی تھی اس لئے فرمایا کہ مجھ کو اس سے راحت نہیں دیتے یعنی اس کو منہدم کر آؤ تو خوب ہو) میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر چلا،اور یہ لوگ گھوڑے کی سواری میں ماہر تھے اور میں گھوڑے پر جم نہ سکتا تھا،(میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا) آپ نے میرے سینہ میں ہاتھ مارا یہاں تک کہ میں نے آپ کی انگلیوں کا نشان اپنے سینے میں دیکھا اور دعاء کی کہ:''اے اللہ!اس کو جمادے (یہ جامع دعاء ہے اس میں ثبات علی الدین وثبات علی المرکب دونوں داخل ہو گئے) اور اس کو ہدایت کنندہ ہدایت یافتہ رکھ''،پھر یہ وہاں گئے اور اس کو توڑ دیا اور جلا دیا۔

ف: ظاہراً آپ کا ہاتھ مارنا ان کے قلب میں ایک قسم کا تصرف تھا کہ ان کے قلب میں

---

[1] بخاری: الجھاد، البشارۃ فی الفتوح، رقم: ۳۰۷۶، مسلم: فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم، فضائل جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۱۳۷ (۲۴۷۶)، ابوداؤد: الجھاد، بعثۃ البشراء، رقم: ۲۷۷۲.

جھجک اور خوف سواری کے وقت کا نکل جائے مشائخ کے اس قسم کے تصرفات کی اس سے اصل نکلتی ہے اور توجہ و ہمت بھی غالباً اسی کا نام ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا آغاز وحی میں آپ کو دبانا بھی اسی قبیل سے ہے۔ البتہ اس کے کچھ آداب ہیں ایک یہ کہ غرض اور طریق مباح ہو دوسرے یہ کہ ظاہراً یا باطناً اس پر عجب نہ ہو اور اس کی اچھی تدبیر یہ ہے کہ اس کو مقرون بہ دعا کر دیا جائے جیسا کہ حدیث میں دعا بھی کی ہے۔ تیسرے یہ کہ اس میں اشتغال زیادہ نہ کرے کہ عامل و منفعل دونوں کے لئے کثرت میں مضرت ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بکثرت منقول نہیں جیسا آج کل بعض نے اختیار کیا ہے اور فتن اس کے مشاہد ہیں ان میں اعظم یہ ہے کہ عموماً اس کو کمال سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ محض ضرورت کے لئے ہے "والضروری یتقدر بقدر الضرورۃ" بعض اکابر نے تصریح کی ہے کہ جب مرید میں کوئی ذکر اثر نہ کرے تب یہ توجہ سے کام لے جو اس کی دوا بقدر الضرورۃ ہے۔

۱۲۹- مسئلہ عدم زوال امور طبعیہ از کامل

(کامل ہونے سے امور طبعیہ زائل نہیں ہوتے)

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا یبلغنی احد عن احد من اصحابی شیئا فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر" (اخرجہ ابوداؤد والترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے یاروں میں سے کوئی کسی کی نسبت مجھ کو کوئی خبر (شکایت وغیرہ) نہ پہنچائے: کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف سینہ ہو کر آیا کروں۔"

ف: محققین نے تصریح کی ہے کہ کامل ہو کر امور طبعیہ زائل نہیں ہوتے۔ البتہ ان کا ایسا غلبہ نہیں ہونے پاتا کہ اس کو شریعت سے خارج کر دے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکایت و شکایت کا اثر آپ کے قلب مبارک پر بھی ہوتا تھا، البتہ عمل اس پر بلا حجت

[1] ابوداؤد، الادب، رفع الحدیث من المجلس، رقم ۴۸۶۰، وقال المنذری: فی اسنادہ الولید بن ابی ہشام، قال ابو حاتم الرازی: لیس بالمشہور. ترمذی، المناقب، فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم ۳۸۹۶، وقال: حدیث غریب من ھذا الوجہ

شرعی نہ ہوتا تھا، اور اس عدم غلبہ کے لئے بھی قصد اور ضبط کی حاجت رہتی ہے، پس بعض سالکوں کو اس کی ہوس کرنا محض باد در مشت کردن است، اور بعض سے جو ایسے واقعات منقول ہیں وہ ایک غلبۂ حال ہے جو امر عارضی ہے البتہ غیر مجاہد کو اس کے ترک میں مشقت زیادہ ہوتی ہے مجاہد کو کم، لیکن تاثر اور ضرورت قصد کف دونوں میں مشترک ہے۔

۱۷۰- شادی پر خوشی کی اجازت

عن عامر بن سعيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: دخلت على قرظة بن كعب رضى الله تعالىٰ عنه وابى مسعود الانصارى رضى الله تعالىٰ عنه فى عرس، فاذا جوار يغنين، فقلت: انتما صاحبا رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن اهل بدر يفعل هذا عندكم؟ فقالا: اجلس ان شئت فاسمع معنا، وان شئت اذهب فقدر خص لنا فى اللهو عند العرس. (اخرجه النسائى[۱])

۱۷۱- عادت، سماع چشتیہ ومتابعیہم وترک سماع نقشبندیہ ونحوہم

(چشتیہ وغیرہ کا قائل سماع ہونا اور نقشبندیہ وغیرہ کا سماع کا قائل نہ ہونا)

عن محمد بن المنكدر قال: بلغنى ان الله تعالى يقول يوم القيمة: اين الذين كانوا ينزهون اسماعهم عن اللهو ومن مزامير الشيطان ادخلوهم فى رياض المسک، ثم يقول للملئكة: اسمعوهم حمدى واخبروهم: ان لا خوف عليهم ولا هم يحزنون. (اخرجه رزين[۲])

ترجمہ: حدیث اول: حضرت عامر بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک شادی میں حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو چند لڑکیاں گیت گا رہی تھیں (جاریہ لغت میں نابالغ لڑکی کو کہتے ہیں) میں نے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور پھر اہل بدر میں سے ہو اور باوجود اس کے تمہارے سامنے یہ فعل ہوتا ہے ان دونوں نے فرمایا تھا کہ تمہارا جی چاہے بیٹھو

---

[۱] نسائی: النكاح، اللهو والغناء عند العرس. رقم: ۳۳۸۵ [۲] مسند ابن الجعد (۱/۲۵۳) الزهد لابن المبارك (۱/۱۲) قال الدورى: سمعت يحيى يقول: حديث سفيان عن منصور عن مجاهد. قال: أين الذين كانوا ينزهون اسماعهم عن اللهو حدث به جعفر بن عون وليس هذا بشيء لا أظن له اصلا. (تاريخ ابن معين. رواية الدورى ۳۰۱۳)

اور تمہارا جی چاہے چلے جاؤ، ہم کو شادی میں ایسے لہو کی اجازت دی گئی ہے۔

ترجمہ: حدیث دوم حضرت محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائیں گے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنے کانوں کو لہو (مباح) سے مزامیر شیطان سے (کہ لہو غیر مباح) سے بچاتے تھے؟ ان کو مشک کے باغوں میں داخل کرو، پھر ملائکہ علیہم السلام سے ارشاد ہوگا کہ ان کو میری حمد سناؤ اور ان سے کہہ دو کہ ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ یہ مغموم ہوں گے۔

ف: اہل حق کے دونوں گروہ اہل سماع و غیر اہل سماع کے ان دونوں عمل کا منشا صحیح ہے ایک پر شوق کا غلبہ ہے دوسرے پر احتیاط کا غلبہ ہے حدیث اول گروہ اول کی عادت سے ملحق ہے اور حدیث ثانی گروہ ثانی کی عادت سے ملحق ہے اور جب تفریح مباح بھی ایک درجہ تک مرخص فیہ ہے تو تفریح اسماع بھی کسی درجہ تک کیوں نہ ماذون فیہ ہوگی اور اس درجہ کی تفصیل فن میں مبسوط ہے البتہ جو اس درجہ سے متجاوز ہے وہ بالکل معصیت ہے اسی طرح سماع کے ترک وانکار کا درجہ بھی کتب فن میں مذکور ہے اسی قدر ان حدیثوں میں بھی مذکور ہے کہ سماع کا درجہ لہو سے زیادہ نہیں جیسا کہ دونوں صحابیہ نے اس کو لہو فرمایا اور ترک کا درجہ گروہ ترک مباح کا ہے تنزہ عن المباح ہے جو درجہ اولویت کا ہے جیسا دوسری حدیث سے مقابلہ مزامیر کا اس کی اباحت کا قرینہ ظاہر ہے یعنی سماع حسن بالذات ہو لان اللھو لا یکون کذلک اور مستحب بالذات ہو لان اللھو المباح کما یدل علیہ المقابلۃ لا یکون کذلک۔

۲۷۱- اصلاح عدم تفضیل شیخ بعنوان موہم تحقیر دیگرے

(اپنے شیخ کو اس طرح بڑھانا کہ دوسروں کی تنقیص لازم آئے درست نہیں)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"ماینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی". (اخرجہ الشیخان وابوداؤد)

---

[1] بخاری، احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وھل اتاک حدیث موسیٰ، رقم: ۳۴۱۳ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مسلم: الفضائل، باب فی ذکر یونس علیہ السلام وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی، رقم: ۶۱۶۲ (۲۳۷۶) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوداؤد، السنۃ، التخییر بین الانبیاء علیہم السلام، رقم: ۴۶۶۹ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ وہ (میری نسبت) یوں کہے کہ میں حضرت یونس بن متّیٰ سے اچھا ہوں۔“

ف: حضرت یونس علیہ السلام کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ ان کے قصہ سے ظاہراً شبہ توجہ عتاب کا ہوتا تھا جس سے مفضولیت کا حکم کیا جاتا اور اس بناء پر مفضولیت کا حکم کرنا ظاہر ہے کہ موجب یا موہم تحقیر کو ہے، اس سے نہی فرمائی گئی، پس حدیث میں اس پر صاف دلالت ہے کہ بعض لوگوں کو جو عادت ہے کہ اپنے سلسلہ کو یا شیخ کو اس طرح بڑھاتے ہیں کہ دوسروں کی تنقیص لازم آتی ہے، یا بعضے اس کی تصریح کر دیتے ہیں یہ عادت واجب الاصلاح ہے ہاں نفس اعتقاد فضیلت جائز ہے، مگر غیر مورد نص میں ظن کی اجازت ہے قطع جائز نہیں اور اگر صرف محبت یعنی میلان قلب ایک طرف زائد ہے تو بوجہ اس کے امر طبعی ہونے کے خود دائرہ تکلیف سے خارج ہے اور موجب ملامت نہیں۔

۱۷۳۔ عادت، امتحان حقیقت ارادت طالب بعنوان موحش

(غیر مانوس عنوان کے ذریعہ طالب کے اعتقاد وارادت کا امتحان لینا)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قصۃ تحاکم المرأتین قال سلیمان علیہ السلام: ”ائتونی بالسکین اشقہ بینھما“ فقالت الصغری: لا تفعل یرحمک اللہ ھو ابنھا، فقضی بہ للصغری.

(اخرجہ الشیخان والنسائی)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ میں فرمایا جس میں دو عورتیں (حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس) مقدمہ لے گئی تھیں (وہ قصہ یہ تھا کہ دو عورتیں اپنے بچوں کو لئے ہوئے جارہی تھیں کہ بڑی کے لڑکے کو بھیڑیا لے گیا، اس نے چھوٹی سے جھگڑا کیا کہ وہ تو تیرا بچہ تھا اور اس کے بچے پر

[1] بخاری: احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿ووھبنا لداود سلیمٰن، نعم العبد انہ اواب﴾. رقم: ۳۴۲۷، مسلم: الاقضیۃ، اختلاف المجتہدین. رقم: ۲۰ (۱۷۲۰)، النسائی: ادب القضاۃ، حکم الحاکم بعلمہ. رقم: ۵۴۰۳.

جو بچ گیا تھا دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے، یہ مقدمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا) سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ" (جب کہ اختلاف تو دونوں برابر ہیں) چھری لاؤ میں چیر کر دونوں میں تقسیم کردوں" (یہ سن کر) چھوٹی تڑپ گئی اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے ایسا نہ کیجیے (میں نے چھوڑا) یہ بڑی کا ہے (اسی کو دے دیجیے) پس آپ نے چھوٹی ہی کو دے دیا۔ (ان کے قواعد شریعت اسی کو مقتضی ہوں گے)

ف: بعض بزرگوں کی بعض مواقع ضروریات پر عادت ہوتی ہے کہ طالب کی ارادت واعتقاد کا طریق پر امتحان کرتے ہیں کہ کوئی قول یا کوئی فعل ایسا کرتے ہیں جس کا ظاہر خلاف باطن کے ہوتا ہے، یعنی واقع میں وہ شریعت کے موافق ہوتا ہے اور ظاہر میں خلاف ہوتا ہے، جیسے کہ شیخ صادق گنگوہی نے ایک طالب کے سامنے کہہ دیا لا الٰہ الا اللہ صادق رسول اللہ مقصود تو یہ تھا کہ رسول اللہ صادق فی قولہ ہیں، بکون الخبر مقدماً والمبتدا مؤخراً اور ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ خود مدعی رسالت ہیں، اگر طالب کم سمجھ ہوا تو بھاگ جاتا ہے، اور اگر سمجھدار ہوا تو اس کو احتمال امتحان کا ہوتا ہے اور وہ دوسرے اقوال وافعال کو بھی دیکھتا ہے، اگر عادات سے کمال ثابت ہو تو ایسے امور کی اجمالاً یا تفصیلاً تاویل کر کے طلب میں ثابت رہتا ہے، یہ حدیث اس عادت کا ماخذ ہو سکتی ہے کہ باطن میں مقصود صحیح بات تھا مگر غیر والدہ کے امتحان کے واسطے ایسا ارادہ صورۃً ظاہر فرما دیا۔

۱۷۴- عادت، عدم اباء عن النعم بلا اہتمام

(بغیر اہتمام کے حاصل ہونے والے سامان نعم کے قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہیے)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "بینا ایوب یغتسل عریانا خر علیہ رجل جراد من ذہب فجعل یحثی فی ثوبہ فناداہ ربہ یا ایوب! الم اکن اغنیتک عما تری؟ قال: بلی یا رب، ولکن لا غنی لی عن برکتک"۔ (اخرجہ البخاری والنسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] بخاری: احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین﴾ رقم: ۳۳۹۱، نسائی: الغسل والتیمم، الاستتار عند الغسل رقم: ۴۰۹.

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "حضرت ایوب علیہ السلام کپڑے اتارے ہوئے غسل کر رہے تھے اسی حالت میں ان پر سونے کا ٹڈی دل برسنا شروع ہوا (ظاہر میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ سونے کے ٹکڑے بشکل ٹڈی کے تھے، یا ندارد ٹڈی سونے کی تھی، گو داخل تحت القدرت یہ بھی ہے) سو ایوب علیہ السلام اپنے کپڑے میں لپ بھر بھر کر جمع کرنے لگے، پروردگار نے ان کو پکارا کہ اے ایوب! کیا ہم تم کو (پہلے سے بہت سا مال ومتاع دے کر) اس چیز سے جو اس وقت تمہارے پیش نظر ہے مستغنی نہیں کر چکے ہیں؟ عرض کیا بیشک، لیکن آپ کے تبرک سے مجھ کو بھی استغنا نہیں ہو سکتا۔"

ف: عارفین کاملین کی عادت ہے کہ اگر منجانب اللہ ان کو سامان نعم کا میسر ہو جائے اور ظاہراً کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو تو منسوب الی المنعم سمجھ کر اس کے قبول اور استعمال میں مضائقہ نہیں کرتے، یہ حدیث اس کی ظاہر دلیل ہے البتہ اس کا اہتمام ہے کہ مابعد حصول کے اس میں انہماک نہیں کرتے۔

۱۷۵۔ موہم تنقیص ترجیح کی ممانعت

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاتخیروا بین الانبیاء" (اخرجہ ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "یا ہم انبیاء علیہم السلام میں ایک کو دوسرے پر (اس طرح) ترجیح مت دو" (جو موہم تنقیص دوسروں کا ہو جائے)

ف: اس حدیث میں مثل صد و ہشتاد و دوم کے مضمون ہے۔

۱۷۶۔ متفرقات: تصرف

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء، ثم انصرف فاخذ بیدی حتی خرج الی بطحاء مکۃ فاجلسنی، وخط

---

[1] ابو داؤد، السنۃ، التخییر بین الانبیاء علیہم السلام، رقم: ۴۶۶۸، قال المنذری: واخرجہ البخاری ومسلم بنحوہ۔

علی خطه وقال: "لا تبرحن من خطک فانه سینتهی الیک رجال فلا تکلمهم فانهم لن یکلموک" الحدیث (اخرجه البخاری)[1]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی پھر فارغ ہو کر میرا ہاتھ پکڑا یہاں تک کہ مکہ کے سنگستان سیلاب گاہ میں تشریف لائے پھر مجھ کو (ایک جگہ) بٹھلا دیا اور میرے گرد ایک خط (دائرہ کے طور پر) کھینچ دیا اور فرمایا: "اس خط سے باہر مت نکلنا تمہارے پاس بہت سے اشخاص گزریں گے سو تم ان سے کلام مت کرنا وہ بھی تم سے کلام نہ کریں گے۔"

ف: بعض اوقات مشائخ بھی ایسے تصرفات کرتے ہیں کہ کبھی کسی مصلحت سے دوسروں کو بھی اس کا طریقہ بتلا دیتے ہیں مثلاً فلاں چیز پڑھ کر اپنے گرد دائرہ کھینچ لینا جس کو حصار کہتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ باوجود بہت سے قوقات خوف نظر آتے ہیں صاحب حصار ان کے ضرر سے محفوظ رہتا ہے، یہ حدیث ظاہراً اس کی اصل ہو سکتی ہے۔

۱۷۷۔ مسئلہ امکان حب مفرط واشتراط او در بعض کمالات

(شیخ سے صد درجہ محبت ہو سکتی ہے، بلکہ اس کی محبت بعض کمالات کیلئے شرط ہے)

عن عبداللہ بن هشام رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کنا مع النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو آخذ بید عمر، فقال عمر: یا رسول اللہ! لانت احب الی من کل شیء الا نفسی فقال صلی اللہ علیه وسلم: "لا، والذی نفسی بیده حتی اکون احب الیک من نفسک" فقال عمر: فانه الآن، لانت احب الی من نفسی فقال صلی اللہ علیه وسلم: "الآن یا عمر" (اخرجه البخاری)[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یقیناً آپ مجھ کو ہر چیز سے

---

[1] قلت: مع صحته فی الصحیح للامام البخاری، واخرجه الترمذی، کتاب الامثال، مثل اللہ عزوجل لعباده رقم: ۲۸۶۱ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه، وقال: حسن غریب صحیح، المقصود باخراجه من بین اصحاب الکتب الستة کما فی تحفة الاشراف" (۹۳۸۰)

[2] بخاری، الایمان والنذور، کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیه وسلم، رقم: ۶۶۳۲.

نہ وہ محبوب ہیں بجز میری جان کے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم اس ذات پاک جس کے قبضہ میں میری جان ہے مرتبہ کمال کا (جو تم کو مطلوب ہے) کبھی حاصل نہ ہوگا جب تک کہ میں تم کو تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے اس وقت یہ حالت ہے کہ آپ مجھ کو میری جان سے زیادہ محبوب ہیں، آپ نے فرمایا "تو بس اب وہ کمال بھی (جو تم کو مطلوب ہے) حاصل ہو گیا"۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی برکت سے وہ دولت فی الفور نصیب ہوگئی اور یہ محبت عقلی نہ تھی ورنہ استثناء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح نہ ہوتا طبعی تھی، سو طبعاً ایسی محبت ہونا شرط ایمان نہیں ہے، ہاں بعض کمالات کے لئے شرط ہے، اسی محبت کا نام فنا فی الشیخ ہے اور وہ کمالات اس فناء کے آثار ہیں، جس کا کچھ بیان حدیث صد و شصت و دوم کے ذیل میں گزر چکا ہے)

ف: بعض خشک مزاج انکار کرتے ہیں کہ شیخ کے ساتھ حب طبعی اس افراط کے ساتھ نہیں ہو سکتی، حدیث میں اس کی تصریح ہے اور ایک مسئلہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض کمالات کے لئے ایسی ہی محبت شرط ہے جس کی تقریر اس حدیث کی شرح میں لکھی گئی ہے۔

۱۷۸- مسئلہ، تضاعف اجر عمل عارف بر غیر عارف

(عارف کا عمل اجر و فضیلت میں غیر عارف پر بڑھا ہوا ہے)

عن ابی هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم - "لاتسبوا اصحابي فوالذي نفسي بيده لو ان احدكم انفق مثل احد ذهبا مابلغ مد احدهم ولا نصيفه". (اخرجه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "میرے اصحاب کو برا مت کہو کیوں کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (ان کی ایسی فضیلت ہے کہ) اگر کوئی شخص جبل احد کے برابر سونا بھی خرچ کرے تب بھی ان کے ایک مد (یعنی ایک سیر غلہ) کے برابر بھی ثواب میں نہ پہنچے

[1] مسلم- فضائل الصحابة صلى الله عليه وسلم - تحريم سب الصحابة رضي الله تعالى عنهم، رقم: ۲۲۱ (۲۵۴۰)

نہ نصف مد کو بھی نہ پہنچے۔"

ف: کتب فن میں مذکور ہے کہ عارف کا عمل اجر و فضیلت میں غیر عارف پر بدرجہا بڑھا ہوا ہے حتی کہ حضرت مرشدی سے سنا گیا کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے افضل ہے، یہ حدیث اس کی دلیل ہے، ہر چند کہ اس میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کا ذکر ہے مگر علت مشترک ہے وہ تفاوت فی الاخلاص ہے اور اس علت کا موثر فی الحکم ہونا دوسرے نصوص سے ثابت ہے، کقولہ تعالیٰ: ﴿کمثل جنة بربوة اصابها وابل فاتت اکلها ضعفین فان لم یصبها وابل فطل﴾ وکقولہ علیہ السلام: "سبق درهم مائة الف درهم" قیل: وکیف ذلک یا رسول اللہ قال: "کان لرجل درهمان فتصدق باجودهما وانطلق اخر الی عرض ماله فاخرج منه مائة الف درهم فتصدق بها"۔ (اخرجہ النسائی)[1]

پس یہ شبہ نہ کیا جائے کہ شاید صرف صحابیت اس کی علت ہے جو صحابہؓ و غیر صحابہ میں مشترک نہیں، البتہ اس کا بھی کچھ دخل ہو اس سے انکار نہیں اس طرح سے کہ نفس تضاعف کا مدار تو خلوص پر ہو اور تضاعف کے مراتب کی غایت کثرت کا مدار صحابیت پر ہو۔

۱۷۹۔ مسئلہ سرایت برکات اہل اللہ الی غیرہم

(اللہ والوں کے بعض برکات دوسروں کی طرف بغیر ان کے قصد کے سرایت کرتے ہیں)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "واصحابی امنة لامتی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما یوعدون" (اخرجہ مسلم)[2]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے صحابہؓ میری امت کے لئے موجب امان ہیں، جب میرے صحابہ گزر جائیں گے میری امت پر وہ فتنے آ پڑیں گے جن کا ان سے وعدہ ہے۔"

---

[1] سنن النسائی، الزکاۃ، جهد المقل، رقم ۲۵۲۸
[2] مسلم، فضائل الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه، باب ان بقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم امان لاصحابه وبقاء اصحابه امان للامة، رقم ۲۰۸، ۲۵۳۱

ف: محققین نے فرمایا ہے کہ اہل اللہ کے جیسے بعض برکات اختیاری ہیں مثل ارشاد و تلقین کے اسی طرح بعضے برکات غیر اختیاری ہیں جو بلا ان کے قصد کے دوسروں کی طرف سرایت کرتے ہیں مثلاً خود ان کا وجود عالم کے لئے رحمت ہے، اسی طرح ان کے بعض انوار از خود طالبان حق تک پہنچتے ہیں، یہ حدیث ان برکات اضطراریہ کا اثبات کرتی ہے۔

۱۸۰۔مسئلہ، رفع غلط در بعضے کشف

عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یا بلال! بم سبقتنی الی الجنۃ؟ فما دخلت الجنۃ قط الا سمعت خشخشتک امامی" فقال: یا رسول اللہ! ما اذنت قط الا صلیت رکعتین وما احدثت قط الا توضأت عندہ ورایت ان للہ علی رکعتین فقال رسول اللہ. "بھما". (اخرجہ الترمذی وصححہ[1])

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت بلال سے) ارشاد فرمایا: "اے بلال! تم کس عمل کی بدولت جنت میں میرے آگے آگے چلا کرتے ہو؟ (گویا آگے چلنا خادمانہ ہے مگر خود اس خدمت کی اہلیت بھی تو فضیلت عظیمہ ہے، کس عمل کی برکت سے حاصل ہوئی ہے) کیوں کہ مجھ کو کبھی جنت میں داخل ہونے کا اتفاق نہیں ہوا مگر تمہارے چلنے کی آہٹ اپنے آگے آگے ضرور سنی ہے"۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک تو میں نے جب اذان کہی اس کے بعد دو رکعت ضرور پڑھی ہیں، اور ایک جب کبھی میرا وضو ٹوٹا ہے تب ہی وضو کیا ہے اور اس وقت بھی میں نے دو رکعتیں اللہ کا حق اپنے ذمہ سمجھی ہیں، (یہ کنایہ مداومت سے ہے اعتقاد وجوب یا اصرار مراد نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہاں ہی دو رکعت یا ان دونوں عمل کی برکت سے ہے۔"

ف: بعض سالکوں کو واقعہ میں یہ مکشوف ہوتا ہے کہ ہم بعض حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی سابق و فائق ہو گئے، اگر وہ جاہل ہوا اپنا دین برباد کر لیتا ہے، اگر عالم ہوا سمجھتا ہے کہ ظاہر اس کا شرعاً ممتنع ہے: اس لئے وہ اس تقدم کو مؤول سمجھتا ہے معنی مثالی کے ساتھ جیسا

---

[1] ترمذی: المناقب، باب (اتیت علی قصر مربع مشرف من ذھب لعمر فی الجنۃ) رقم: ۳۶۸۹، وقال: حسن صحیح غریب.

اس حدیث میں تقدم بلالی صورت ہے بہ غایت تعلق خاصیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کی تقریر ترجمہ حدیث میں کردی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ سلوک میں علم شریعت کی کس قدر ضرورت ہے۔ سعدیؒ نے اسی لئے فرمایا:

خیالات نادان خلوت نشیں   بہم برزند عاقبت کفر و دیں

خوب سمجھ لینا چاہئے۔

۱۸۱- حال، کرامت

عن انس رضي الله تعالى عنه قال: كان اسيد بن حضير وعباد بن بشر رضي الله تعالى عنهما عند رسول الله صلى الله عليه وسلم في ليلة مظلمة، فخرج من عنده، فاذا نور بين ايديهما، فلما افترقا صار مع كل واحد منهما نور. (اخرجه البخاري)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تاریک شب میں حاضر تھے پھر دونوں آپ کے پاس سے چلے گئے، سو ان دونوں کے آگے دو نور نمودار ہوگئے، جب دونوں جدا ہوئے تو ایک ایک نور ہر ایک کے ساتھ ہو گیا۔

ف: دونوں صحابیوں کی کرامتیں اس حدیث سے ظاہر ہیں اور عدم تخصیص کرامت بالصحابہ پر اجماع ہے پس صحت کرامت پر حدیث دال ہے۔

۱۸۲- عادت، بشارت بہ مرید را
(مرید کو خوشخبری دینا)

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: دخل ابوبكر رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له صلى الله عليه وسلم: "ابشر فانت عتيق الله من النار" فقالت: فمن يومئذ سمي عتيقا. (اخرجه الترمذي)[2]

---

[1] بخاری: مناقب الانصار، منقبۃ اسید بن حضیر وعباد بن بشر، رقم: ۳۸۰۵، ایضاً: الصلاۃ، باب بلا ترجمۃ، رقم: ۴۶۵۔ [2] ترمذی: المناقب، باب فی تسمیۃ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عتیقاً، رقم: ۳۶۷۹، وقال: غریب

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے آپ نے فرمایا کہ ''تم کو بشارت ہو تم اللہ تعالیٰ کے عتیق یعنی رہائی دیئے ہوئے ہو دوزخ سے'' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس روز سے آپ کا لقب عتیق ہو گیا۔

ف: اکثر شیوخ کی عادت ہے کہ جب کسی مرید کو کوئی دولت باطنی اور حالت محمودہ عطا ہوتی ہے تو اس کو اطلاع کر دیتے ہیں، یہ حدیث اس کی سنیت پر دلالت کرتی ہے، اس میں بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں، رفع پریشانی، قوت فی العمل، زیادت شکر منعم و واسطہ نعمت، لیکن شرط یہ ہے کہ اس پر کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو۔

ف: رسم، عطاء لقب مرید را (مرید کو کوئی لقب دے دینا)

بعضے بزرگوں سے منقول اور مشاہد ہے کہ مرید کر کے اس کی حالت کے مناسب کوئی لقب عطا فرما دیتے ہیں شاہ وغیرہ، کبھی دوسرا نام رکھ دیتے ہیں، اس حدیث سے اس کی بھی اصل نکلتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ''عتیق'' قرار دیا گیا۔

۱۸۳- مسئلہ، حقیقت صدیقیت

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم فی حديث طويل: "وما عرضت الاسلام علی احد الا كانت له كبوة الا ابابكر رضی الله تعالیٰ عنه فانه لم يتلعثم". (اخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث طویل میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں نے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا اس کو کچھ نہ کچھ رکاوٹ ضرور ہوئی (پھر خواہ وہ رکاوٹ جاتی رہے) سوا ابوبکر کے کہ ان کو تردد نہیں ہوا۔''

ف: محققین نے جو حقیقت صدیقیت کی بیان کی ہے کہ عقائد شرعیہ نظریہ کا اس کو ذوقاً

---

[1] ماوجدناه فی الترمذی، وذكره ابن الأثير فی "جامع الأصول" معزوا الی "رزين" لا الی الترمذی، وذكر نحوه العلامة علاء الدين علی المتقی فی كنز العمال ۱۱/۲۵۴، رقم: ۳۲۶۰۹ وعزاه الی مسند الفردوس للديلمی.

ادراک ہونے لگے اور اعمال شرعیہ اس سے طبعاً صادر ہونے لگیں، اس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے، پس نظریات اس کے نزدیک بدیہیات ہو جائیں اور عبادات عادات ہو جائیں، اول ثمرہ ہے قوت قدسیہ کا ثانی ثمرہ ہے کمال خلق کا اور صرف ثانی میں اکمل ہونا شہادت ہے۔

۱۸۴- عادت، زیادت احترام خلیفہ شیخ

(اپنے پیر کے خلفاء کی تعظیم بہ نسبت دوسروں کے زیادہ کرنا)

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت جالساً عند النبی: اذ اقبل ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ . الحدیث . وفیہ: فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم : کذبت، وقال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : صدق، وواسانی بنفسہ ومالہ، فهل انتم تارکولی صاحبی؟" مرتین او ثلثا. قال: فما اوذی بعدھا. (اخرجہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ دفعۃً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ پہنچے، یہ بڑی حدیث ہے اور اسی میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک بات پر جس میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کوتاہی ہوگئی تھی) ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبی بنا کر بھیجا سو تم لوگوں نے (اول وہلہ میں) میری تکذیب کی (گو بعد میں میری تصدیق کرلی) اور ابوبکر نے (اول ہی وہلہ میں) میری تصدیق کی اور مزید براں یہ کہ اپنی جان و مال سے میری ہمدردی کی، سو تم میری خاطر سے میرے اس دوست کو ستانا چھوڑو گے بھی"؟ اس کو دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا، راوی کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد کسی نے ان کو آزردہ نہیں کیا۔

ف: اہل طریق کا امر طبعی اور عادت عامہ جو کہ موافق مقتضائے فطرت سلیمہ کے ہے یہ ہے کہ پیر کے خلفاء اور مقرب مریدوں کی تعظیم و ادب بہ نسبت دوسرے عام مریدوں کے زیادہ کرتے ہیں، حدیث کی اس پر صاف دلالت ہے اور اس میں فروگذاشت کرنا اور اس سے عار و ننگ کرنا اور اس کو اپنے مماثل سمجھنا محض کبر و حسد ہے۔

---

[1] بخاری: فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، فضائل ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، رقم: ۳۶۶۱.

۱۸۵- حال، الہام وفراست صادقہ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ان اللہ تعالیٰ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ" وقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مانزل بالناس امر قط فقالوا فیہ وقال فیہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الا نزل القرآن فیہ علی نحو ما قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ. (اخرجہ الترمذی وصححہ[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے حق بات کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان اور قلب پر جاری کیا"۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی لوگوں کو کوئی (نئی) بات پیش آئی ہے پھر اس کے بارے میں لوگوں نے بھی کچھ کہا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کچھ کہا ہو تو قرآن ہمیشہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے قول کے موافق نازل ہوا۔

ف: اس کا ثبوت حدیث سے ظاہر ہے اور درحقیقت یہ انواع کشف سے ہیں، پس حدیث سے ان حالات کا ثبوت ہوتا ہے۔

۱۸۶- عادت، بیعت غائبانہ مشائخ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی جوابہ للمصری عن طعنہ فی عثمان قولہ: واما غیبتہ عن بیعۃ الرضوان فلو کان احد اعز ببطن مکۃ من عثمان لبعثہ، فبعث صلی اللہ علیہ وسلم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی مکۃ وکانت بیعۃ الرضوان بعد ماذھب عثمان، فجعل صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ وقال: "ھذہ لعثمان" وکانت لیسریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعثمان خیراً من ایمانھم. الحدیث (اخرجہ البخاری والترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مصری کے اعتراض کے جواب میں جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کئے تھے یہ ارشاد مروی ہے کہ رہا بیعت رضوان میں ان

---

[1] ترمذی: المناقب باب (ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رقم: ۳۶۸۲. وقال: حسن صحیح غریب من ھذا الوجہ.

[2] بخاری: المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان﴾ الآیۃ. رقم: ۴۰۶۶، ترمذی: المناقب، باب، (ثلاث اعتراضات اعترض بھا المصری) رقم: ۳۷۰۶. وقال: حسن صحیح، قلنا: والجزء الأخیر من الروایۃ ما وجدناہ فی البخاری والترمذی.

کا موجود نہ ہوتا تو (وجہ اس کی یہ تھی کہ اس وقت ضرورت تھی مکہ میں گفتگو کرنے کے لئے کسی کو بھیجنے کی اور چوں کہ اندیشہ تھا اہل مکہ سے اس کے قتل کر دینے کا اس لئے یہ بھی ضرورت تھی کہ وہ فرستادہ خود اہل مکہ کی نظر میں باوجاہت و معزز ہو، اور یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھی) سوا کہ اور کوئی (ان سے) زیادہ معزز ہوتا (اہل مکہ کی نظر میں) تو آپ اس کو بھیجتے: اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو مکہ بھیجا، اور یہاں بیعت رضوان ان کے چلے جانے کے بعد (اتفاقاً) واقع ہو گئی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ (اپنے) بائیں ہاتھ پر رکھا اور (اس بائیں ہاتھ کی نسبت) فرمایا کہ: "یہ عثمان کا ہاتھ ہے"، (گویا انہوں نے بیعت کر لی) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اوروں کے داہنے ہاتھ سے بھی اچھا تھا۔

ف: مشائخ کے یہاں بیعت غائبانہ بھی معمول ہے، یہ حدیث اس کی اصل ہے اور اس کی پوری تقریر حدیث شصت و ہشتم کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

ف: رسم: ید شیخ فوق ید مرید بودن وقت بیعت

(بیعت کے وقت شیخ کے ہاتھ کا اوپر ہونا اور مرید کا نیچے ہونا)

بعض کا معمول ہے کہ بیعت کے وقت اپنا ہاتھ اوپر اور مرید کا نیچے رکھتے ہیں حدیث میں بیدہ الیمنی علی الیسری اس رسم کی اصل ہو سکتی ہے، اور ظاہر الفاظ "ید اللہ فوق ایدیھم" بھی اس کے ساتھ ملحق ہیں، اور اگر شبہ ہو کہ یہاں تو مرید کا بایاں ہاتھ تھا اور معمول ہے کہ دونوں کا داہنا ہوتا ہے سو جواب یہ ہے کہ یہاں بایاں بضرورت ہے، ورنہ "من ایمانھم" سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ داہنا ہی ہونا اصل ہے اور یہ ہیئت کوئی جزو مقصود نہیں ہے، ہاتھ میں ہاتھ لے لینا جس طرح بھی ہو کافی ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تب بھی مضائقہ نہیں خواہ عادۃً یا شرعاً امکان ہی نہ ہو جیسا کہ غائب یا عورت میں، یا امکان ہو پھر بھی قول لسانی پر اکتفا ہو، یا قائم مقام ید کے کوئی چیز پکڑا دی جائے جیسا کہ کثرت کے وقت چادر یا عمامہ وغیرہ پکڑا دیا جاتا ہے۔

۱۸۷-مسئلہ، عدم تضرر کامل بترک مجاہدہ

(اہل کمال کے لئے مجاہدہ کی کمی نقصان دہ نہیں)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین جہز جیش العسرۃ: "ما علی عثمان ما عمل بعد ھذہ، ما علی عثمان ما عمل بعد ھذہ". (أخرجہ الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت جیش عسرت کا (غزوہ تبوک میں) سامان فرمایا (جس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑا حصہ امداد کا دیا تھا) اس وقت ارشاد فرمایا کہ: "عثمان کو کچھ مضر نہیں جو کچھ کریں اس کے بعد" (اس سے گناہ کے کام مراد نہیں اور نہ مضرت سے مراد گناہ ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اگر نوافل طاعات میں کمی کردیں تو مراتب قرب میں کمی نہ ہوگی: کیوں کہ یہ عمل کمال قرب کے لئے کافی ہے)

ف: چوں کہ کامل ومنتہی کے پاس خود ایسی طاعات خفیہ وقیقہ ہوتی ہیں جو کیفاً نہایت عالی اور موجب کمال قرب ہیں لہٰذا اگر مجاہدات ابتدائیہ میں کماً کمی ہو جائے تو اس کمال قرب میں خلل انداز نہیں ہوتی، حدیث میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

۱۸۸-مسئلہ، توحید افعالی

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: دعاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیا یوم الطائف فانتجاہ فقال الناس: لقد اطال نجواہ مع ابن عمہ فقال: "ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ". (أخرجہ الترمذی)[2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ طائف کے دن بلایا اور ان سے سرگوشی کی۔ (اس میں دیر ہوگئی) سو لوگ باہم کہنے لگے کہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی سے بڑی دیر تک سرگوشی کی۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا) ارشاد فرمایا کہ: "ان سے میں نے سرگوشی نہیں کی

---

[1] ترمذی: المناقب، باب (فی عد عثمان تسمیتہ شہیدا، وتجہیزہ جیش العسرۃ) رقم: ۳۷۰۰ وقال: حدیث غریب من ھذا الوجہ. ورواہ عن عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ. [2] ترمذی: المناقب، باب ما انتجیتہ (علیا) ولکن اللہ انتجاہ. رقم: ۳۷۲۶ وقال: حسن غریب.

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی کی ہے"۔ (کیوں کہ اللہ ہی کے حکم سے یہ سرگوشی کی گئی ہے، تو گویا اللہ تعالیٰ نے ہی کی)

ف: صوفیاء کے اقوال میں کہیں فانی یعنی مشغل غایت امتثال کے افعال کی نسبت اور کہیں مطلق فاعل کے افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف پائی جاتی ہے، اور اس کو توحید افعالی کہتے ہیں، اور کبھی اس کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں، "لافاعل الا اللہ" اس حدیث میں ارشاد "وما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ" نسبت اول کی واضح اصل ہے اور چوں کہ علت اس کی صدور بالامر ہے، پس جس طرح امر تشریعی کے سبب نسبت جائز ہے اسی طرح امر تکوینی کو اس پر قیاس کر کے اس سے بھی نسبت صحیح ہو سکتی ہے، پس نسبت ثانی کی توجیہ بھی ہوگئی، قرآن مجید میں ﴿فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی﴾ میں عند التامل یہی امر تکوینی مدار نسبت معلوم ہوتا ہے، البتہ اعتقاد اتحاد بین الواجب والممکن الحاد ہے، اسی طرح نفی اختیار عبد کا قصد بدعت سیئہ ہے، اس معنی کے اعتبار سے حضرت جنید بغدادیؒ کا قول مشہور ہے کہ اگر مجھ کو قدرت ہوتو جو شخص لافاعل الا اللہ کہے اس کی گردن ماروں کیوں کہ وہ شخص ابطال شریعت کا قصد کرتا ہے۔

۱۸۹- مسئلہ، منافی کمال نہ بودن ہم عیال بشرط اعتدال واجمال

(اعتدال کے ساتھ اہل وعیال کی فکر کرنا کمال کے منافی نہیں ہے)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنسائہ: "ان امرکن مما یھمنی من بعدی، ولیس یصبر علیکن الا الصابرون الصدیقون" ثم قالت لابی سلمۃ بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ: سقی اللہ اباک من سلسبیل الجنۃ، وکان ابن عوف قد تصدق علی امھات المومنین بارض بیعت باربعین الفا، وقال ابو سلمۃ بن عبدالرحمن بن عوف اوصی عبدالرحمن بحدیقۃ لامھات المومنین بیعت باربع مائۃ الف. (اخرجہ الترمذی[1])

---

[1] الترمذی: المناقب، باب (حکایۃ وصیۃ عبدالرحمن بحدیقۃ لأمھات المومنین. رقم: ۳۷۴۹ عن عائشۃ وقال: حسن صحیح غریب، ایضاً: فی المصدر السابق عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عبدالرحمن بن عوف اوصی بحدیقۃ لأمھات المومنین بیعت باربع مائۃ الف، وقال: حسن غریب.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں سے ارشاد فرمایا کہ: "مجھ کو تمہارے معاملہ (گذران) میں (ایک گونہ) فکر ہے، کہ میرے بعد کیا ہوگا؟ اور تم کو (تمہاری خدمت گزاری کو) وہی نباہیں گے جو بڑے ہمت والے اور پکے ہیں"۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ: خدا تعالیٰ تمہارے باپ کو بہشت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے (کہ انہوں نے ہماری بڑی خدمت کی) اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امہات المومنین کو ایک زمین دی تھی جو چالیس ہزار میں بکی (یہاں کے سکہ کے حساب سے دس ہزار روپیہ سے زیادہ ہوتا ہے) اور ابوسلمہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امہات المومنین کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو چار لاکھ کو بکا (جو یہاں کے سکہ کے اعتبار سے ایک لاکھ سے زیادہ ہوتا ہے)

ف: بعضے ناواقف جس بزرگ کو اہل وعیال کی فکر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کامل نہیں ہیں، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فکر خود مسنون ہے، البتہ اس میں غلو بے شک منافی کمال بلکہ خود منافی طریق ہے۔

ف: متفرقات، تتمہ بودن خدمت اہل شیخ بر حقوق شیخ را

(شیخ کے گھر والوں کی خدمت منجملہ حقوق شیخ میں سے ہے)

حدیث میں امہات المومنین کی خدمت کرنے والوں کو آپ کا صابر وصدیق فرمانا جس کے معنی کا حاصل ہے نباہنے والا اور پختہ تعلق والا، مشیر اس طرف ہے کہ اہل شیخ کی خدمت کرنا ایک درجہ میں تعلقات شیخ کا نباہ کرنا اور اس میں پختگی کی علامت ہے اور یہ خدمت قریب قریب امر طبعی کے ہے اہل طریق میں۔

۱۹۰- حال، منام صادق (سچا خواب)

عن سلمی امرأۃ من الانصار قالت: دخلت علی ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہا وھی تبکی فقلت: ما یبکیک؟ قالت: رأیت الآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وهو في المنام وعلى رأسه ولحيته التراب، وهو يبكي فقلت: ما يبكيك يا رسول الله؟ قال: "شهدت قتل الحسين آنفا". (اخرجه الترمذي)[1]

ترجمہ: حضرت سلمیٰ سے جو انصار میں سے ایک بی بی ہیں روایت کیا ہے کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئی اور وہ رو رہی تھیں، میں نے پوچھا کہ آپ کے رونے کا کیا باعث ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ: میں نے اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور ریش مبارک پر گرد پڑی ہے اور آپ رو رہے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کا کیا باعث ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی جگہ گیا تھا"۔

ف: سچا خواب ایک حال محمود ہے، حدیث سے اس کا وقوع ثابت ہوتا ہے: کیوں کہ بعد میں وہ واقعہ اسی وقت ہوا معلوم ہوا۔

ف: مسئلہ حضور روح در مقامے

(روح کا کسی جگہ موجود ہونا)

روح کا بعد مفارقت عالم دنیا کے گو اصلی مقام دوسرا ہے، لیکن اگر باذن الٰہی کسی وقت پھر بطور خرق عادت کے اس عالم میں آجائے تو ممکن ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا میدان قتال میں تشریف لانا دیکھا گیا اور چوں کہ اس کے امتناع کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اس میں تاویل اور صرف الی المجاز کی ضرورت نہیں، محمول حقیقت پر ہوگا۔

۹۱- عادت تشبہ بالشیخ

(پیر کی مشابہت اختیار کرنا)

عن عبد الرحمن بن زيد قال: سألت حذيفة رضي الله تعالى عنه عن رجل

---

[1] ترمذي: المناقب، مناقب أبي محمد الحسن بن علي بن أبي طالب والحسين بن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنهما، رقم: ۳۷۷۱، وقال: حديث غريب

قریب السمت والدل والهدی من رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی ناخذ عنه، فقال: ما نعلم احداً اقرب سمتاً ولا هدیاً ولا دلاً من النبی صلی الله علیه وسلم من ابن ام عبد حتی یتواری بجدار بیته. (اخرجه البخاری والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ایسا شخص بتاؤ جو طرز و انداز و طریق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مناسبت رکھتا ہو، تاکہ ہم اس سے ان چیزوں کو لیں، انہوں نے فرمایا کہ: ہمارے علم میں ایسا شخص جو طرز و طریق و انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہو ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر نہیں ہے، جب تک کہ وہ اپنے گھر کی دیوار کی آڑ میں ہو جاتے (یعنی اس وقت تک کی تو ہم کہہ سکتے ہیں پھر نظر او جھل ہونے کے بعد ہم اس طرح شہادت کے درجہ میں نہیں کہہ سکتے، یہ قید لگانا صحابہ کا احتیاط فی التکلم تھا ورنہ علم و رسوخ ملکہ کے بعد ظن پر بھی حکم صحیح ہے)

ف: بعض اہل محبت کی حکایتیں ہیں کہ انہوں نے عبادات سے گزر کر عادات خوراک و پوشاک اور ہیئات رفتار و گفتار تک میں بقصد اپنے شیخ کا تشبہ اختیار کیا حتیٰ کہ پھر قصد کی بھی حاجت نہ رہی، خود وہ امور بمنزلہ عادت ثانیہ امر طبعی کے ہو گئے، بعض بزرگوں کی تو مناسبت شیخ سے اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ اس شعر کا مصداق ہو سکتی ہے:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حدیث اس تشبہ کی اصل صریح ہے، اگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے[2] قصد بھی نہ کیا ہو تب بھی محمود ہونا تو اس کا حدیث سے ظاہر ہی ہے اور محمود کا قصد بھی ظاہر ہے کہ محمود ہے۔

---

[1] بخاری: فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وآله وسلم، مناقب عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، رقم: ۳۷۶۳، ترمذی: المناقب: مناقب عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، رقم: ۳۸۰۷، وقال: حسن صحیح

[2] اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصد تشبہ نہ بھی ہو جب بھی قصد تشبہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشبہ کے لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پتہ بتلانا اس تشبہ کے محمود ہونے پر حدیث سے دلالت ہو گی۔ منہ ۱۲

۱۹۲- متفرقات: امکانِ مکث بلا غذا

(بغیر کھائے پئے زندہ رہنا)

عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه في حديث إسلامه: ولقد لبثت ثلثين ما بين ليلة ويوم وما كان لي طعام إلا ماء زمزم، فسمنت حتى تكسرت عكن بطني وما وجدت على كبدي سخفة جوع. الحديث (أخرجه مسلم)[1]

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے مسلمان ہونے کے قصہ میں ان کا یہ قول مروی ہے کہ میں (مکہ میں) تیس رات اور دن اس حالت سے رہا کہ بجز آبِ زمزم کے میری کوئی غذا نہ تھی اور تن سے میں ایسا فربہ ہوا کہ شکم کی جلد میں بل (بعض جگہ اس کو بڑ کہتے ہیں ۱۲ منہ) اور شکن پڑ گئے اور کلیجہ پر ذرا بھوک کا اضمحلال نہیں پایا۔

ف: بعض اہلِ ریاضت سے منقول ہے کہ چالیس چالیس روز تک انہوں نے مطلق نہیں کھایا، یا اس قدر کم کھایا کہ عادۃً وہ بقائے حیات کے لئے کافی نہیں، اس پر بعض کوتاہ بیں تنگ نظر فوراً انکار کر بیٹھتے ہیں، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصے سے یہ استبعاد بالکلیہ دفع ہو جاتا ہے، اگر کہا جائے کہ وہ زمزم کا پانی تو پیتے تھے، جواب یہ ہے کہ خود یہ امر بھی خلافِ عادت ہے اور پانی میں تو یہ خاصیت نہیں محض اس کی برکت ہے پھر اگر کسی کو ذکر میں یہی برکت حاصل ہو جائے تو تعجب و استبعاد کیا ہے۔

۱۹۳- حال، کرامت

عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اهتز العرش" وفي رواية: "اهتز عرش الرحمن لموت سعد بن معاذ رضي الله تعالى عنه". (أخرجه الشيخان والترمذي)[2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مسلم، فضائل الصحابة رضي الله تعالى عنهم، فضائل أبي ذر رضي الله تعالى عنه، رقم: ۲۴۷۳ (۱۳۲)۔

[2] بخاري، مناقب الأنصار، مناقب سعد بن معاذ رضي الله تعالى عنه، رقم: ۳۸۰۳. مسلم، فضائل الصحابة رضي الله تعالى عنهم، فضائل سعد بن معاذ رضي الله تعالى عنه، رقم: ۲۴۶۶ (۱۲۴). ترمذي، المناقب، مناقب سعد بن معاذ رضي الله تعالى عنه، رقم: ۳۸۴۹، وقال: حسن صحيح. قلت: وأخرجه ابن ماجه، السنة، فضل سعد بن معاذ رضي الله تعالى عنه، رقم: ۱۵۸.

نے ارشاد فرمایا کہ "عرش اور ایک روایت میں ہے کہ رحمان کا عرش - سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرنے سے ہل گیا" (یا تو واقعہ کے عظیم ہونے سے یا شوق و نشاط سے کہ اب ان کی روح میرے پاس آ گئی)

ف: اس حدیث میں ان صحابی کی بہت بڑی کرامت مذکور ہے۔

۱۹۴- حالِ کرامت

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما حملت جنازة سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال المنافقون: ما اخف جنازته؟ يعنون لحكمه في بني قريظة. فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "ان الملائكة كانت تحمله". (اخرجه الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا (جن کا اوپر کی حدیث میں بھی تذکرہ ہے) جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین کہنے لگے کہ ان کا جنازہ کس قدر ہلکا ہے، چونکہ انہوں نے بنو قریظہ کے بارے میں (مناسب) فیصلہ کیا تھا (یہ فیصلہ حدیث صد و شصت و دوم میں مفصلاً مذکور ہے منافقین اس فیصلہ کو یہود کی دوستی میں نامناسب سمجھتے تھے اس لئے جنازہ کے ہلکا ہونے کا کہ زمانہ جاہلیت میں اس کو بری علامت سمجھتے تھے طعن کیا، جیسا اب جنازہ کے بھاری ہونے کو بری علامت سمجھتے ہیں اور دونوں باتیں بے اصل ہیں) کہ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (علی سبیل التنزل) ارشاد فرمایا کہ "ملائکہ (بھی) ان (کے جنازہ) کو اٹھائے ہوئے تھے" (اس لئے ہلکا معلوم ہوتا تھا)

ف: اس میں بھی ان کی ایک بڑی کرامت مذکور ہے۔

۱۹۵- ریا نبودن تحسین عمل برائے تطییب قلوب صلحاء

(نیک لوگوں کا دل خوش کرنے کیلئے کسی کام کو اچھی طرح انجام دینا ریا نہیں ہے)

عن ابی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لو رأيتني البارحة وانا استمع لقراءتك لقد اعطيت مزمارا من

[1] ترمذی: کتاب المناقب، مناقب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنه، رقم: ۳۸۴۹

مزامیر آل داؤد". (اخرجہ الشیخان والترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر تم مجھ کو گزشتہ شب میں دیکھتے تو بہت خوش ہوتے میں تمہارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا، واقع میں تم کو داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا حصہ عطا ہوا ہے"۔ (روایت کیا اس کو بخاری ومسلم وترمذی نے)

اور برقانی کی روایت میں مسلم سے اتنا اور زیادہ ہے کہ: ابوموسیٰ نے عرض کیا یا رسول اللہ! واللہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اس کو خوب بنا تا سنوارتا۔

ف: بزرگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اگر کوئی طاعت یا خدمت اچھی طرح کی جائے کہ گو بالطبع ہو کر اس طرح نہ کرتا تو ظاہر میں اس میں شبہ ریاء کا معلوم ہوتا ہے مگر چوں کہ تطیب قلب اہل اللہ بلکہ مطلق مسلم خود عبادت ہے تو اس کی حقیقت یہ ہوئی کہ ایک عبادت کو دوسری عبادت کے واسطے اچھی طرح کرتا ہے، اس لئے ہرگز یہ ریا نہیں ہے، حدیث میں اس کے استحسان پر صاف دلالت ہے، اس نادان کو مدتوں یہ شبہ رہا کہ اکثر کسی کی فرمائش سے جو قرآن عمدہ طرح پڑھنے کی عادت ہے شاید یہ اچھا نہ ہو، الحمدللہ کہ اس حدیث کا سر دقیق جس کی ابھی تقریر کی گئی ہے قلب میں فائز ہوا اور یہ شبہ بالکل دفع ہوگیا، پھر اس حدیث پر نظر پڑنے سے اس کی تائید ہوگئی، اور حدیث میں زیادہ غور کرنے سے مقبولانِ الٰہی کی بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ ان کی طلب رضا مثل طلب رضائے حق تعالیٰ کے ہے جب کہ دونوں میں تعارض نہ ہو، اور راز اس میں یہی ہے کہ ان کی رضا کو رضا حق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، پس مطلوب بالذات طلب رضا حق ہی ہے۔

لأن السعي في الطريق سعي في الوصول الى المقصود.

---

[1] بخاری: فضائل القرآن، حسن الصوت بالقراءة للقرآن، رقم: ۵۰۴۸، مسلم: صلاۃ المسافرین (فضائل القرآن) استحباب تحسین الصوت بالقرآن، رقم: ۲۳۶ (۷۹۳) ترمذی: المناقب، مناقب أبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه، رقم: ۳۸۵۵، وقال: غريب حسن صحيح، وزاد في رواية البرقاني عن مسلم لو علمت والله يا رسول الله انك تستمع لقراتي لحبرته لك تحبيرا، اخرجه أبو يعلى: باسناد على شرط مسلم كذا في فتح الباري ۹/ ۱۳۱.

۱۹۶-فضیلت مقبولیتِ اولیاء اللہ

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "کم من اشعث اغبر ذی طمرین لایوبہ لہ، لو اقسم علی اللہ لابرہ، منھم البراء بن مالک". (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بہت سے (بندگان خدا) ایسے ہیں کہ بال بھی گرد آلود، بدن بھی گرد آلود، (کیوں کہ اتنا سامان نہیں کہ بال اور بدن کی خدمت کرسکیں) دو پرانی چادر والے (کہ ایک باندھیں ایک اوڑھیں) اور کوئی ان کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرے (مگر رتبہ اتنا بڑا) کہ اگر خدا پر قسم کھا بیٹھیں (اس طرح کہ واللہ خدا تعالیٰ یوں کرے گا) تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم بچی کردے گا"، (یعنی وہ کام اسی طرح کردیں)

ف: حدیث کی دلالت اس جماعت کی فضیلت پر ظاہر ہے اور اغبر اشعث وغیرہ شرط نہیں ہے، جیسا بعض ناواقفوں کا زعم ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ ہیئت منافی کمال نہیں ہے جیسا اہل کبر اس ہیئت کو حقیر سمجھتے ہیں۔

۱۹۷-متفرقات، تصرف فی القلب

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قلت: یا رسول اللہ! اسمع منک اشیاء فلا احفظھا فقال: "ابسط ردائک" فبسطہ فحدثنی حدیثا کثیراً فما نسیت شیئاً حدثنی بہ. (اخرجہ الشیخان والترمذی وھذا لفظہ[2])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں سو مجھ کو یاد نہیں رہتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی چادر پھیلاؤ"، میں نے پھیلا دی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کچھ پڑھ دیا، میں نے اس کو اپنے سینے سے لگالیا، جیسا کہ مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے) پھر اس کے بعد میرے سامنے

---

[1] ترمذی: المناقب، مناقب البراء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم: ۳۸۵۴، وقال: حسن غریب. [2] بخاری: المناقب، اخر باب المناقب، رقم: ۳۶۴۸، مسلم: فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم، فضائل ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم: ۱۵۹ (۲۴۹۲) ترمذی: المناقب: مناقب ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم: ۳۸۳۵، وقال: حسن صحیح

بہت سی حدیثیں بیان فرمائیں سو میں کوئی بات نہیں بھولا جو میرے سامنے بیان فرمائیں۔

ف: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے اور یہ چادر پر کچھ پڑھ دینا اس تصرف کا ایک طریق تھا بعض مشائخ کے یہاں بعض تصرفات نافع فی القلب کا معمول ہے مثل احکام ذکر، یا توجہ بخشی وغیرہ کے، پس ایسے تصرفات اگر محتمل فتنہ ہوں مشروع ہیں، گو تصریح اکابر کمال مقصود نہیں۔

۱۹۸- اصلاح، امکان عدم اجابت دعائے کاملین

(اہل کمال کی دعاؤں کا قبول نہ ہونا ممکن ہے)

عن عامر بن سعد عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی معاویۃ، فرکع فیہ رکعتین وصلینا معہ، ودعا ربہ طویلا، ثم انصرف الینا فقال: "سألت ربی ثلثا فاعطانی اثنتین ومنعنا واحدۃ، سألتہ ان لایھلک امتی بسنۃ عامۃ فاعطانیھا، وسألتہ ان لایھلک امتی بالغرق فاعطانیھا، وسألتہ ان لایجعل باسھم بینھم فمنعنیھا"۔ (اخرجہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی معاویہ میں تشریف لائے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے پروردگار سے بڑی دیر تک دعا کی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ: "میں نے اپنے رب سے تین دعائیں مانگیں، سو دو تو منظور کیں اور ایک نامنظور کی، میں نے یہ دعا کی کہ میری امت کو قحط عام سے ہلاک نہ کرے سو اس کو منظور فرمایا، (چنانچہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمام امت قحط سے مرجاتی) اور میں نے یہ دعا کی کہ میری امت کو غرق سے ہلاک نہ کرے، اس کو بھی منظور فرمالیا (چنانچہ غرق سے بھی کبھی تمام امت ہلاک نہیں ہوئی) اور میں نے یہ دعا کی کہ ان میں باہم جنگ وجدل نہ ہو، اس کو نامنظور فرمایا۔" (چنانچہ جنگ وجدل وناتفاقی ہونا ظاہر ہے)

ف: اکثر لوگ اجابت دعا کو لوازم ولایت سے سمجھتے ہیں اور اس اعتقاد پر کثرت سے مفاسد علمیہ وعملیہ مرتب ہوتے ہیں اس اعتقاد کا غلط ہونا حدیث سے ظاہر ہے۔

---

[1] مسلم: الفتن، هلاک هذه الامة بعضهم ببعض، رقم: ۲۰(۲۸۹۰)

۱۹۹- متفرقات، اکرام اہل وطن شیخ

(پیر کے اہل وطن کا احترام کرنا)

عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاتبغضنی فتفارق دینک" فقلت: وکیف ابغضک یا رسول اللہ! وبک ھدانی اللہ، قال: "تبغض العرب فتبغضنی". (اخرجہ الترمذیؒ)[1]

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "مجھ سے بغض مت کرنا کہ دین سے جدا ہو جاؤ گے" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بھلا آپ سے کیونکر بغض کر سکتا ہوں حالانکہ آپ کی بدولت تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہدایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس طرح سے کہ تم عرب سے بغض کرنے لگو تو مجھ سے بغض کیا۔"

ف: اہل طریق کی عام عادت رہی ہے کہ طبعاً اپنے پیر کے اہل وطن کا احترام وادب کرتے ہیں، اس حدیث میں اس کی اصل موجود ہے۔ ونعم ما قیل:

ومن عادتی حب الدیار لاھلھا وللناس فیما یعشقون مذاھب

۲۰۰- مسئلہ، انتفاع کامل از مادون خود

(کامل کا اپنے سے کم درجہ آدمی سے نفع حاصل کرنا)

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یاتی علیکم اویس بن عامر" الحدیث. وفیہ: "فان استطعت ان یستغفرلک فافعل". (اخرجہ مسلمؒ)[2]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم لوگوں کے پاس اویس بن عامر آئیں گے" (جن کو اویس قرنی کہتے ہیں) اور اسی حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ارشاد ہوا کہ: "اگر تم سے ممکن ہو کہ وہ

---

[1] الترمذی: المناقب، مناقب فی فضل العرب، رقم: ۳۹۲۷، وقال: حسن غریب
[2] مسلم: فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تحریم سب الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، رقم: ۲۲۵ (۲۵۴۲)

تمہارے لئے استغفار کریں تو ضرور ایسا (اہتمام) کرنا۔

ف: جس طرح ادنیٰ کو اعلیٰ سے نفع و اکثر ہوتا ہے اسی طرح کبھی اعلیٰ کو ادنیٰ سے بھی نفع ہو جاتا ہے جیسا اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہ صحابی ہیں حضرت اویس سے کہ تابعی ہیں نفس امر میں کہ وہ دعا ہے منتفع ہونے کا امر فرمایا گیا اور اسی کی فرع ہے کہ کبھی پیر کو مرید سے نفع ہو جاتا ہے علمی یا حالی یا اخلاقی یا اعمالی تو کسی پیر کو مغرور نہ ہونا چاہئے۔

۲۰۱۔ اصلاح عقیدۂ متصرف مختار بودن کاملین

(اہل کمال تصرفات میں مختار نہیں ہوتے)

عن المسیب بن حزن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانزل فی ابی طالب ﴿انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء﴾ (اخرجہ الشیخان والنسائی)[1]

ترجمہ: حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابو طالب کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی کہ (یا رسول اللہ) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔

ف: بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ تصرفات کو مطلقاً کاملین کے اختیار میں سمجھتے ہیں حتیٰ کہ ان سے حق تعالیٰ کی طرح حاجات مانگتے ہیں احیاء سے یا اموات سے اور یہ آیت و حدیث اس کا قلع قمع کرتی ہے۔

۲۰۲۔ مسئلہ شعور جمادات

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "احد جبل یحبنا ونحبہ" (اخرجہ الثلاثۃ والترمذی)[2]

۱؎ بخاری: تفسیر، سورۃ القصص، باب قولہ ﴿انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء﴾ الخ رقم: ۴۷۷۲، مسلم: الایمان، الدلیل علی صحۃ الاسلام من حضرہ الموت مالم یشرع فی النزع الخ رقم: ۱۳۲، نسائی: الجنائز، النہی عن الاستغفار للمشرکین رقم: ۲۰۳۵۔ ۲؎ بخاری: المغازی، باب احد جبل یحبنا ونحبہ رقم: ۴۰۸۳، مسلم: الحج، فضل احد رقم: ۳۳۷۱ (۱۳۹۳)، ترمذی: المناقب، فضل المدینۃ رقم: ۳۹۲۲، وقال: حسن صحیح، قلت: واخرجہ ابن ماجہ: المناسک، فضل المدینۃ رقم: ۳۱۱۵، قلت: ما وجدت ہذا اللفظ فی سنن ابی داؤد۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "احد ایسا پہاڑ ہے کہ اس کو ہم سے محبت ہے اور ہم کو اس سے محبت ہے۔"

ف: چونکہ کوئی دلیل حقیقت سے متصرف کرنے کی نہیں ہے اس لئے حدیث میں لفظ "یحبنا" کو معنی حقیقی پر محمول کرتے اس سے اس مسئلہ کشفیہ پر استدلال کریں گے کہ جمادات میں بھی ایک گونہ شعور ہے کیونکہ حب موقوف ہے شعور پر جیسا "نحبہ" بالاتفاق حقیقت پر محمول ہے باقی مسئلہ ظنیہ ہے داخل عقائد نہیں۔

۳۰۳۔ فضل مرتبہ صوفیہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "قال اللہ تعالی: من عادیٰ لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب، وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی من اداء ما افترضت علیہ، ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ، فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ، وبصرہ الذی یبصر بہ، ویدہ التی یبطش بھا، ورجلہ التی یمشی بھا" الحدیث. (اخرجہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "حق تعالیٰ (حدیث قدسی میں) فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے مقبول بندہ سے عداوت کرے میں اس کو اشتہار جنگ دیتا ہوں، اور میرا بندہ کسی ایسے ذریعے سے قرب حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ادائے فرض سے زیادہ محبوب ہو، اور میرا بندہ برابر مجھ سے بذریعہ نوافل قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں، پھر جب اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ کسی چیز کو لیتا ہے، اور پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔" (مطلب یہ کہ اکثر اس کے ان جوارح سے کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا، لا لعارض ایوہم)

ف: دلالت حدیث کی اس پر ظاہر ہے۔

---

[1] بخاری، الرقاق، التواضع، رقم ۶۵۰۲

ف: قول قرب فرائض و قرب نوافل

قوم کے کلمات اصطلاحیہ سے یہ دو لفظ بھی ہیں جو حقیقت ان کی بیان کی گئی ہے حدیث کے الفاظ اس کا ماخذ ہے جس کو احقر نے کلید مثنوی اور مسائل السلوک میں شرح و بسط بیان کیا ہے۔

ف: مسئلہ محفوظیت اولیاء

مشہور ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ۔ کتب مصطلح کی جو تفسیر ترجمہ میں لکھی گئی ہے اس کے اعتبار سے حدیث اس کا اثبات کرتی ہے۔

۴۰۴۔ توجیہ تجلی حق در مخلوق بلا حلول و معنی اتحاد

(حق تعالیٰ کا بلا حلول اپنی ذات و صفات کے مخلوق میں ظہور فرمانا اور اتحاد کا مطلب)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اتانی اللیلۃ آت من ربی" وفی روایۃ: "اتانی ربی فی احسن صورۃ" الحدیث. (اخرجہ الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "آج شب کو میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا" اور ایک روایت میں ہے کہ: "میرا رب میرے پاس ایک اچھی صورت میں آیا"

ف: صوفیاء کے کلام میں ان دو مسئلوں کے عنوان تعبیری میں یہ دو اصطلاحیں پائی جاتی ہیں: حقیقت اول کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ بلا حلول اپنی ذات و صفات کے خلق میں ظہور فرماتے ہیں، جس طرح کاتب کا ظہور مکتوب میں اور متکلم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے، پس خلق مظہر اور حق ظاہر ہے، اور ثانی کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر و مظہر میں ایسا شدید تعلق ہے کہ مظہر سے انفکاک ظاہر کا محال ہے، سو مسئلے دونوں عقلی ہیں مگر عنوان تعبیری کسی قدر موحش ہو جاتا ہے، لیکن بعد وضوح مراد کے ایسے اصطلاحات کی گنجائش خود حدیث میں تاویل کرنے سے

---

[1] الترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ ص، رقم: ۳۲۳۳، قال ابو عیسی: وقد ذکروا بین ابی قلابۃ وبین ابن عباس فی ھذا الحدیث رجلا، وقد رواہ قتادۃ عن خالد بن اللجلاج عن ابن عباس۔ قلت: لم ینقل الامام ھذہ الروایۃ وحکم علیھا بـ "حسن غریب"

معلوم ہوسکتی ہے، چنانچہ "فی احسن صورۃ" اصطلاح اول کی نظیر ہے اور آیت میں "انت من ربی" کو "ربی" کہہ دینا اصطلاح ثانی کی نظیر ہے اور اگر حسن تجریدی ہو تو خود "فی احسن صورۃ" اس ثانی کا ماخذ ہوسکتا ہے: کیوں کہ اس صورت مبارکہ کے تلبس سے غیر ذی صورت کو ذی صورت کہنا لازم آیا پس ذی صورت اور غیر ذی صورت میں اتحاد کا حکم لفظی نکل آیا اسی طرح اگر تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے تب بھی فی حسن صورت سے اسی طرح استدلال ہوسکتا ہے، البتہ تجلی واتحاد کو معنی عرفی ولغوی پر محمول کرنا جائز نہیں جیسا عوام جہلاء اس سے اپنے عقائد خراب کر لیتے ہیں اور تفصیل ان مباحث کی کلید مثنوی میں لکھ دی گئی ہے۔

۲۰۵- توجیہ، اتحاد بالمعنی المذکور

عن ابی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يقول الله عزوجل يوم القيمة مرضت فلم تعدني، فيقول: يا رب! كيف اعودک وانت رب العلمين؟ قال: اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده، اما علمت انک لو عدته لوجدتني عنده، ثم ذكر الاستطعام والاستسقاء كذلک وفيهما: "لوجدت ذلک عندی". (اخرجه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''حق تعالیٰ قیامت کے روز بعض لوگوں سے فرمائیں گے کہ: میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرسکتا ہوں؟ آپ تو رب العالمین ہیں (جن پر طریان مرض محال ہے اور عیادت موقوف اس طریان پر اور محال پر جو موقوف ہو وہ محال پھر مجھ سے اس فعل محال کا صدور کیوں کر ہوسکتا) ارشاد ہوگا کہ تجھ کو خبر نہیں ہمارا فلانا بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہ کی، تجھ کو خبر نہیں، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا''، پھر اسی طرح حدیث میں کھانا مانگنے کا اور پانی مانگنے کا ذکر آیا ہے (یعنی ارشاد ہوگا کہ ہم نے تجھ سے کھانا مانگا، پانی مانگا، وہ بندہ یہی عرض کرے گا اور وہی جواب ملے گا) اور ان دونوں میں جواب یہ ہے کہ: ''تو اس کو میرے پاس پاتا۔''

[1] مسلم: البر، فضل عيادة المريض. رقم: ۴۳ (۲۵۶۹)

ف: اوپر کی حدیث میں اس مسئلہ کی تقریر ہو چکی ہے، "عبد" کے مرض کو اپنی طرف منسوب کر کے "مرضت" فرمایا یہ عنوان اس اصطلاح کی زیادہ واضح نظیر ہے اور اگر یہ مریض کوئی عبد مقبول و خاص ہے تو یہ عنوان صوفیاء کے اس خاص قول کی تائید بھی کرتا ہے، کہ گاہ گاہ اس اتحاد و عینیت کا حکم خاص عارفین و اہل کمال و اہل فناہی کے لئے کیا کرتے ہیں اور "لوجدتنی عنده" کی جگہ دوسرے مقام پر "لوجدت ذلک عندی" فرمانا کہ حقیقت میں یہ دوسرا جملہ اس پہلے جملے کی تفسیر ہے اور اس پر متنبہ کر رہا ہے کہ ایسی تعبیریں مجاز ہوتی ہیں حقیقت پر محمول کر کے عقائد خراب نہ کئے جائیں جیسا اوپر کی حدیث کے ذیل میں بھی احقر نے اس پر متنبہ کیا ہے۔

۲۰۶- فضل مرتبہ اخوان الطریقۃ

(پیر بھائیوں کے درجہ کی فضیلت)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث: سبعۃ یظلھم اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علی ذلک وتفرقا علیہ". (اخرجہ الستۃ الا اباداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث میں جس میں سات شخصوں کا ذکر ہے جن کو حق تعالیٰ قیامت میں عرش کا سایہ دیں گے، یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "ان میں سے وہ دو شخص بھی ہیں جن میں محض اللہ کے لئے باہم محبت ہے اسی کو لئے ہوئے ملتے ہیں اور اسی کو لئے ہوئے جدا ہوتے ہیں۔"

ف: پیر و مرید میں تو ایسی محبت ہوتی ہی ہے، مگر پیر بھائی یقیناً اس حدیث کے مصداق ہیں۔

۲۰۷- رسم، حفاظت تبرکات وعدم تغیر آں

(بزرگوں کے تبرکات کو بعینہٖ محفوظ رکھنا)

عن عاصم الاحول قال: رأیت قدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند انس

---

[1] بخاری: الزکاۃ الصدقۃ بالیمین رقم: ۱۴۲۳، مسلم: الزکاۃ، فضل اخفاء الصدقۃ رقم: ۹۱ (۱۰۳۱)، ترمذی: الزھد، الحب فی اللہ رقم: ۲۳۹۱ وقال: حسن صحیح، نسائی: اداب القضاۃ، الامام العادل رقم: ۵۳۸۲، موطا: الشعر، ماجاء فی المتحابین فی اللہ ج ۲ ص ۳ مکتبہ تھانوی۔

بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، وکان قد انصدع فسلسلہ بفضۃ، قال ابن سیرین: وقد رأیت ذٰلک القدح وکان فیہ حلقۃ من حدید فاراد انس ان یجعل مکانھا حلقۃ من فضۃ او ذھب، فقال لہ ابو طلحۃ: لاتغیرن شیئا فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فترکہ. (أخرجہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عاصم احول سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ (چوبیں) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دیکھا اور اس میں ایک دراڑ پڑ گئی تھی، آپ نے اس میں چاندی کا پتر لگوالیا تھا، ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا تھا اور اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اس کی زیادت احترام کے لئے) یہ چاہا کہ اس کی جگہ چاندی، سونے کا حلقہ لگوالیں (اور استعمال میں اس کو ہاتھ اور منہ سے الگ رکھتے) ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنوائی ہوئی چیز کومت بدلو، سو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا۔

ف: اکثر اہل محبت کا یہی معمول ہے کہ تبرکات کو حتی الامکان بعینہٖ محفوظ رکھتے ہیں اور اسی کو ادب سمجھتے ہیں، یہ حدیث اس کی مؤید ہے۔

۲۰۸- عادت، عزلت بمصلحت

(کسی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کرنا)

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعف الجبال، ومواقع القطر، یفر بدینہ من الفتن". (أخرجہ البخاری ومالک وأبو داؤد والنسائی[2])

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "ایسا وقت نزدیک آنے والا ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لے لئے پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے جمع ہونے کی جگہوں یعنی نالوں میں (جب

---

[1] بخاری: الأشربۃ، الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآنیتہ، رقم: ۵۶۳۸.

[2] بخاری: الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن، رقم: ۱۹، ابوداؤد: الفتن، الرخصۃ فی التبدی فی الفتنۃ، رقم: ۴۲۶۷، نسائی: الایمان وشرائعہ، الفرار بالدین من الفتن، رقم: ۵۰۳۹، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، الفتن، العزلۃ، رقم: ۳۹۸۰، موطا: الاستئذان، أمر الغنم ۳۸۲ (تھانوی)

کہ وہ خشک ہو جائیں پھرے گا) اپنے دین کو لئے ہوئے فتنوں سے بھاگا بھاگا پھرے گا۔

ف: بعض بزرگوں نے اپنی خاص حالت کے اقتضاء سے گوشہ اختیار کیا ہے اس حدیث سے اس کا اذن بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے جب اختلاط میں ضرر دین کا اندیشہ ہو۔

ف: عدم تنافی بین الکمال واسباب المعاش

(اسباب معاش کے ساتھ کمال حاصل کرنے میں کوئی منافات نہیں)

بکریوں کا اسباب معاش ہونا ظاہر ہے پس حدیث کی دلالت مقصود پر ظاہر ہے، بعض عوام ان میں تنافی سمجھتے ہیں۔

۲۰۹- متفرقات، آدابِ قبول ہدیہ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطینی العطاء فاقول: اعطہ من ھو افقر الیہ منی، فیقول: "خذہ وما جاءک من ھذا المال۔ وانت غیر مشرف ولاسائل۔ فخذہ فتموله، فان شئت فکلہ وان شئت فتصدق بہ، ومالا فلا تتبعہ نفسک" قال سالم: فلاجل ذلک کان عبداللہ لایسال احداً شیئا ولا یرد شیئا اعطیہ۔ (اخرجہ البخاری و مسلم والنسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کچھ عطیہ دیتے تو میں عرض کرتا کہ ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ اس کا حاجت مند ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ: "اس کو لے لو اور جو مال بھی اس قسم کا تمہارے پاس آوے اس طرح سے کہ نہ تو تم اس میں کسی کے دست نگر ہو اور نہ کسی سے سوال کیا ہو، تو تم اس کو لے لو اور اس کو اپنی ملک بنالو، پھر اگر چاہو تو کھاؤ اور اگر چاہو تو خیرات کردو، اور جو نہ آوے تو اپنے نفس کو اس کے پیچھے مت ڈالو" حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسی لئے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ نہ تو کسی سے کچھ مانگتے تھے اور نہ آئی ہوئی چیز کو پھیرتے تھے۔

---

[1] بخاری: الاحکام، رزق الحکام والعاملین علیھا، رقم: ۷۱۶۳، مسلم: الزکاۃ جواز الأخذ بغیر سؤال ولاتطلع، رقم: ۱۱۰ (۱۰۴۵)، نسائی: الزکاۃ، من اتاہ اللہ عزوجل مالا من غیر مسألۃ، رقم: ۲۶۰۹۔

ف: حدیث میں صاف صاف مذکور ہے اور یعنیہٖ یہی معمول ہے، محققین اہل طریق کا ایک مقولہ اسی کے موافق مشہور ہے "چوں نیاید طمع نکند، وچوں بیاید منع نکند، وچوں بگیرد جمع نکند۔"

۲۱۰- اصلاح، عدم اغترار بالخوارق

(خرق عادت اشیاء کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یاتی الدجال" الحدیث. وفیہ: "فیقول الدجال، ارأیتم ان قتلت ھذا ثم احییتہ ھل تشکون فی الامر فیقولون، لا، فیقتلہ ثم یحییہ". الحدیث (اخرجہ الشیخان[1])

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "دجال آوے گا" اور اسی حدیث میں ہے کہ: "پھر دجال کہے گا بتلاؤ تو اگر میں اس شخص کو قتل کردوں پھر اس کو زندہ کردوں کیا تم میرے معاملہ (دعویٰ الوہیت) میں شبہ کروگے، وہ لوگ (یعنی اسکے معتقدین) کہیں گے کہ نہیں، پس وہ اس کو قتل کردے گا پھر زندہ کردے گا۔"

ف: اکثر عام لوگ خوارق کو علامت ولایت کی سمجھتے ہیں یہ سخت غلطی ہے، دیکھو دجال سے زیادہ کون گمراہ ہوگا اور احیاء میت سے بڑھ کر کون امر خارق ہوگا، باوجود اتنے بڑے خارق کے صادر ہونے کے دجال کے گمراہ ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے، اس غلطی کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

۲۱۱- اصلاح، امکانِ کشف واطلاع خواطر اہل باطل را

(اہل باطل کو بھی کشف ہوسکتا ہے)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ ابن صیاد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہ: "ماذا تری"؟ قال: یاتینی صادق و کاذب فقال: صلی اللہ علیہ وسلم: "خلط علیک الأمر" ثم قال لہ صلی اللہ علیہ وسلم: (انی قد خبات لک

---

[1] بخاری: الفتن لایدخل الدجال المدینۃ. رقم: ۷۱۳۲، مسلم: الفتن، صفۃ الدجال وتحریم المدینۃ علیہ وقتلہ المؤمن واحیائہ. رقم: ۱۱۲ (۲۹۳۸)

خبئا" فقال ابن صیاد: هو الدخ فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم: "اخسأ فلن تعدو قدرک". الحدیث. (اخرجه الخمسة الا النسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن صیاد کے قصہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تجھ کو کیا نظر آتا ہے"؟ کہنے لگا میرے پاس کبھی سچا خبر دینے والا آتا ہے اور کبھی جھوٹا (یہ آنے والے شیاطین تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "تجھ پر امر واقعی مشتبہ کیا گیا ہے"، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ: "میں نے ایک بات دل میں چھپائی ہے"، (بتا کیا ہے؟ اور روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت دل میں سوچ لی، ﴿یوم تاتی السماء بدخان مبین﴾ ابن صیاد نے کہا وہ دخ یعنی دخان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذلیل و خوار رہ، تو اپنی اس حیثیت سے آگے نہ بڑھے گا۔"

ف: مثل حدیث سابق کے اس سے بھی معلوم ہوا کہ اہل باطل کو کشف کائنات و اشراف خاطر ہو سکتا ہے، پس یہ علامت ولایت کی نہیں جیسا کہ عام لوگ دھوکہ میں ہیں۔

٢١٢- مسئلہ صحت صدور کرامات (کرامات کا صادر ہونا صحیح ہے)

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "هل سمعتم بمدینة جانب منها فی البر وجانب منها فی البحر"[2] قالوا: نعم. قال: "لاتقوم الساعة حتی یغزوها سبعون الفاً من بنی اسحٰق، فاذا جاء وها نزلوا، فلم یقاتلوا بسلاح ولم یرموا بسهم، قالوا: لا اله الا الله والله اکبر فیسقط احد جانبیها الذی فی البحر، ثم یقولون الثانیة لا اله الا الله والله اکبر فیسقط جانبها الآخر". الحدیث. (اخرجه مسلم[3])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم لوگوں نے کوئی ایسا شہر سنا ہے جس کی ایک جانب خشکی میں ہے اور ایک

---

[1] بخاری: الجنائز، اذا اسلم الصبی فمات، هل یصلی علیه؟ وهل یعرض علی الصبی الاسلام، رقم: ١٣٥٤، مسلم: الفتن، ذکر ابن صیاد. رقم: ٩٥ (٢٩٣٠)، ابوداؤد: الملاحم، خبر ابن الصائد. رقم: ٤٣٢٩، ترمذی: الفتن، ذکر ابن صیاد. رقم: ٢٢٣٦ وقال: حسن صحیح. [3] مسلم: الفتن، لاتقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل، فیتمنی ان یکون مکان المیت من البلاء، رقم: ٧٨، (٢٩٢٠)

جانب سمندر میں"؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ اس شہر پر ستر ہزار بنی اسحاق جہاد نہ کریں گے، اور یہ لوگ جب وہاں آ کر اتریں گے تو نہ ہتھیار سے لڑیں گے اور نہ تیر پھینکیں گے، صرف زبان سے کہیں گے "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پس (اس کے اثر سے) اس شہر کی وہ جانب گر پڑے گی جو سمندر میں ہے، پھر دوبارہ کہیں گے "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" سو اس کی دوسری جانب بھی گر پڑے گی۔"

ف: بعض معتزلی المشرب اولیاء کے کرامات کے منکر ہوتے ہیں، حدیث میں ان بنی اسحاق کی ایک بین کرامت کی خبر دی گئی ہے جو ان سے صادر ہوگی۔

۲۱۳- اصلاح، حرمت سماع ورقص متعارف

(مروجہ سماع اور رقص کی حرمت)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حل بھا البلاء". وفیہ: "واتخذت القیان والمعازف". الحدیث (رواہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب میری امت پندرہ کام کرنا شروع کرے گی تو ان پر بلائیں نازل ہونے لگیں گی"، اسی حدیث میں (ان پندرہ کاموں میں) یہ بھی ہے کہ: "گانے والی عورتیں اور بجانے کا ساز وسامان کیا جائے گا۔"

ف: بعض جہلاء صوفیاء نے سماع میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ عورتوں کا آلات کے ساتھ گانا سنتے ہیں، حدیث سے دونوں طریق کی مذمت ظاہر ہے۔

۲۱۴- متفرقات، اصل طریق تصوف

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ، واذا

---

[1] الترمذی: الفتن، باب ماجاء فی علامۃ حلول المسخ والخسف، رقم: ۲۲۱۰ وقال: حسن غریب، لانعرفہ من حدیث علی الامن ھذا الوجہ.

فسدت فسد الجسد کله، الا وهی القلب" (اخرجه الخمسة)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "یاد رکھو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تمام بدن بگڑ جاتا ہے، یاد رکھو کہ وہ قلب ہے۔"

ف: اہل تصوف کے طریق کا بڑا مدار اصلاح قلب ہے، یہ حدیث اس کے مہتم بالشان ہونے کو صاف بتلا رہی ہے۔

۲۱۵- اصلاح حرمت نذرانہ از مال کسبی و اجرت فال وغیرہ

عن ابی مسعود البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب، ومھر البغی، وحلوان الکاھن (اخرجہ الستۃ)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے دام سے (تنزیہا) اور زانیہ کی خرچی سے اور کاہن کے نذرانے سے (تحریما) منع فرمایا ہے۔

ف: اس وقت رسمی پیروں میں یہ دونوں بلائیں شائع ہیں کہ بازاری عورتوں سے بے تکلف نذرانے لیتے ہیں اور فال غیر مشروع تعویذ گنڈوں سے بھی روپے وصول کرتے ہیں، حدیث سے دونوں کی مذمت ظاہر ہے۔

---

[1] بخاری: الایمان، فضل من استبرأ لدینہ، رقم ۵۲، مسلم: البیوع، اخذ الحلال وترک الشبہات رقم: ۱۰۷ (۱۵۹۹)، ابوداؤد: البیوع، اجتناب الشبہات، رقم ۳۳۲۹ ولیس فیہ "الا وان فی الجسد مضغۃ"، ترمذی: البیوع، ترک الشبہات، رقم ۱۲۰۵ مثل ابی داؤد وقال: حسن صحیح، نسائی: البیوع، اجتناب الشبہات فی الکسب مثل ابی داؤد رقم ۴۴۵۸، قلت واخرجہ ابن ماجۃ، الفتن، الوقوف عند الشبہات، رقم: ۳۹۸۴۔

[2] بخاری: الطب، باب الکہانۃ رقم ۵۷۶۱، مسلم: البیوع، تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاھن ومھر البغی رقم ۳۹ (۱۵۶۷)، ابوداؤد: البیوع، اثمان الکلاب، رقم ۳۴۲۸، ترمذی: البیوع، ثمن الکلب، رقم ۱۲۷۶ وقال: حسن صحیح، نسائی: البیوع، بیع الکلب، رقم ۴۶۷۰، قلت: واخرجہ ابن ماجۃ التجارات، النھی عن ثمن الکلب رقم ۲۱۵۹، موطا: البیوع، ثمن الکلب رقم: صفحۃ ۴۴۳ مطبوعۃ مکتبۃ رحیمیۃ۔

۲۱۶-قول، اثباتِ ظلمتِ قلب

عن مالک انه بلغه ان ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: لایزال العبد یکذب ویتحری الکذب فینکت فی قلبه نکتة سوداء حتی یسود قلبه. الحدیث (أخرجه مالک[1])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بعضا شخص برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جان جان کر جھوٹ بولتا ہے اس سے اس کے قلب میں سیاہ داغ پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ (اسی طرح) تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔

ف: بزرگوں کے ارشادات میں بکثرت پایا جاتا ہے کہ فلاں عمل سے فلاں امر سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے، اس حدیث میں اس قول کی صحت کا اثبات ہوتا ہے۔

۲۱۷-اصلاح، مذمت تصنع تشبہ غیر کامل بہ کامل

(غیر کامل کا طرز و انداز سے اپنے کو کامل ظاہر کرنا)

عن اسماء رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور". (أخرجه الخمسة الا الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص ایسے امر کا اظہار کرے جو اس کو نہیں ملی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دونوں کپڑے جھوٹ کے پہن لئے" (یعنی ازار اور رداء، مطلب یہ کہ گویا سر سے پیر تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا)

ف: چوں کہ "مالم یعط" عام ہے کمالات باطنیہ کو بھی، اس لئے حدیث میں ایسے شخصوں کی بھی مذمت ہے جو باوجود عاری یا ناقص ہونے کے قول یا فعل یا طرز و انداز سے

---

[1] موطا: الکلام، ماجاء فی الصدق والکذب: ۳۸۸، (مکتبه رحیمیه)

[2] بخاری: النکاح المتشبع بمالم ینل، وما ینهی من افتخار الضرة رقم: ۵۲۱۹، مسلم اللباس والزینة، النهی عن التزویر فی اللباس وغیره رقم: ۱۲۶ (۲۱۲۹)، أبوداؤد: الأدب، من یتشبع بمالم یعط. رقم: ۴۹۹۷، نسائی: (الکبری) عشرة النساء، المتشبعة بغیر ماأعطیت رقم: ۸۹۲۱/۲.

اپنے کو بزرگ ظاہر کرتے ہیں، خاص کر جب کہ مرید کرنا بھی شروع کر دیں۔

۴۱۸- عادتِ بعض، ترکِ زینت بقصد

عن معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (من ترک اللباس تواضعاً وھو یقدر علیہ، دعاہ اللہ تعالیٰ یوم القیمۃ علی رؤوس الخلائق حتی یخیرہ من ای حلل الایمان شاء یلبسھا" (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص (زینت کے) لباس کو تواضع کی راہ سے چھوڑ دے گا باوجودیکہ اس پر قادر ہو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز برسر مجمع بلائیں گے یہاں تک کہ اس کو اختیار دیں گے کہ ایمان کے جوڑوں میں سے جونسا چاہے پہن لے" (ایمان کے جوڑوں کے معنی یہ ہیں کہ ایمان کے انعام میں جو جوڑے عطا ہوں گے، جو بہ تفاوت کمال و نقصان ایمان متفاوت ہوں گے مگر اس شخص کو گو اپنے درجۂ ایمان کے اعتبار سے اس کا مستحق نہ ہو مگر تواضع کی بدولت اس کو ہر جوڑے کے لینے کا اختیار ہوگا۔ واللہ اعلم۔)

ف: اس میں بزرگوں کا معمول مختلف ہے، بعض تو نہ زینت کا اہتمام کرتے ہیں، نہ ترک زینت کا اہتمام کرتے ہیں اور ہر ایک کی ایک نیت اور مصلحت ہے "الاعمال بالنیات" دوسری عادت اس حدیث کے موافق ہے اور پہلی عادت کا استحسان حدیث آئندہ میں آتا ہے۔

۴۱۹- عادتِ بعض، عدمِ اہتمام ترک زینت

عن ابی زمیل قال: حدثنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما خرجت الحروریۃ اتیت علیا فقال: ائت ھؤلاء القوم، فلبست احسن مایکون ثیابی من حلل الیمن فلقیتھم، فقالوا: مرحباً بک یا ابن عباس! ماھذہ الحلۃ؟ قلت: ما تعیبون علی؟ لقد رأیت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن مایکون من الحلل. (اخرجہ ابوداؤد[2])

ترجمہ: حضرت ابو زمیل سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

---

[1] ترمذی: صفۃ القیامۃ: باب البناء کلہ وبال. رقم: ۲۴۸۱

[2] ابوداؤد. اللباس، لباس الغلیظ. رقم: ۴۰۳۷ سکت عنہ المنذری.

عنہ نے قصہ بیان کیا کہ جب حروریہ (کہ مذہب خوارج کا رکھتے تھے) ظاہر ہوئے میں
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، آپ نے فرمایا کہ تم (ان کی تفہیم کے لئے) ان
کے پاس جاؤ، میں نے یمن کی بہتی چادروں میں سے ایک عمدہ جوڑا پہنا، پھر ان سے ملا،
انہوں نے مرحبا خوش آمدید کے بعد (بطور اعتراض کے) کہا، اے ابن عباس! یہ جوڑا کیسا ہے
(ایسا عمدہ لباس کیوں پہنا ہے) میں نے جواب دیا کہ تم اس سے مجھ پر کیا اعتراض کرتے
ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (جسم مبارک) پر بہت ہی عمدہ جوڑا دیکھا ہے۔

ف: اس مضمون کی تقریر حدیث سابق کے ذیل میں گزر چکی ہے، یہ حدیث اس
عادت کی دلیل ہے اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ اس سے تو زینت کا اہتمام معلوم ہوتا ہے،
جواب یہ ہے کہ اہتمام سے مراد یہ ہے کہ اس کو عادت دائمی بنا لیا جائے، یا بابت تحسین نفس
اور کبھی کسی عارضی مصلحت سے اگر کسی خاص وقت پر قصداً بھی ہو تو یہ اہتمام مذموم نہیں،
چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عادت عدم اہتمام بزینت کی معلوم
ہوتی ہے، اس لئے حدیث کا مدلول اہتمام زینت نہیں بلکہ عدم اہتمام ترک زینت ہے۔

۲۲۰- عادت بعض بتمام پارچہ رنگین پوشیدن
(رنگین لباس پہننا)

عن ابی رمثة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأیت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثوبین اخضرین. (اخرجہ اصحاب السنن)[1]

ترجمہ: حضرت ابو رمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو سبز کپڑے دیکھے ہیں (یعنی لنگی اور چادر)

ف: بعض درویشوں کی عادت ہے کہ سر سے پاؤں تک رنگین کپڑے پہنتے ہیں، سو اگر
یہ بدعت ہے تو ظاہر ہے کہ مذموم ہے اور اگر کسی مصلحت سے ہو تو یہ کہ رنگین کپڑے میلے کم

[1] ابو داؤد: اللباس، الخضرۃ، رقم ۴۰۶۵ سکت عنہ المنذری، ترمذی: الادب، الثوب الاخضر، رقم ۲۸۱۲ وقال: حسن غریب لانعرفہ الا من حدیث عبید اللہ بن ایاد، نسائی: الزینۃ، لبس الخضر من الثیاب رقم ۵۳۲۱

ہوتے ہیں بار بار دھلوانا بھی مشغولی الی غیر المطلوب ہے تو مضائقہ نہیں، اس حدیث میں بھی پورے کپڑوں کا رنگین ہونا مذکور ہے، گو وہاں یہاں دوسرا ہو مگر مصلحت پر مبنی ہونا تو امر مشترک ہے اور قیاس کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

۲۲۱- عادت بعض لبس صوف (اون پہننا)

عن ابی بردۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: دخلت علی عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فاخرجت الینا کساء ملبداً وازار غلیظا، فقالت: قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذین. (اخرجہ الخمسۃ الا النسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے ہم کو ایک کمبل بہت دبیز اور ایک لنگی موٹے کپڑے کی نکال کر دکھلائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کپڑوں میں وفات پائی ہے۔

ف: بعضے درویش اکثر احوال میں کمبل وغیرہ اوڑھے رہتے ہیں اور احقر کے نزدیک عجب نہیں کہ ان کا لقب صوفی اسی وجہ سے ہوا ہو، گو اس میں دوسرے اقوال بھی ہیں، اگر یہ براہ تصنع اور ریاء نہ ہو تو یہ حدیث اس کی اصل ہے۔

۲۲۲- لباس صوف پہننے کا ثبوت

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "کان علی موسیٰ علیہ السلام یوم کلمہ ربہ تعالیٰ سراویل صوف وجبۃ صوف وکساء صوف وکمۃ صوف". الحدیث (اخرجہ الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا ہے ان کے جسم پر

---

[1] بخاری: فرض الخمس، ماذکر من درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعصاہ وسیفہ وقدحہ الخ. رقم: ۳۱۰۸، مسلم: اللباس، التواضع فی اللباس، والاقتصار علی الغلیظ منہ والیسیر فی اللباس والفراش وغیرھما. رقم: ۳۵ (۲۰۸۰)، ابوداؤد: اللباس، لباس الغلیظ رقم: ۴۰۳۶، ترمذی: اللباس، ماجاء فی لبس الصوف. رقم: ۱۷۳۳ وقال: حسن صحیح

[2] ترمذی: اللباس، لبس الصوف. رقم: ۱۷۳۴، وقال: غریب لانعرفہ الامن حدیث حمید الاعرج.

پورا لباس صوف کا تھا، پائجامہ بھی اسی کا اور کرتہ بھی اسی کا اور چادر بھی اسی کی اور ٹوپی بھی اسی کی۔

ف: یہ حدیث بھی مثل حدیث سابق بوجہ اتم لبس صوف کا اثبات کرتی ہے۔

۲۲۳- عادت، قبول ہدیہ یا رعایتے از کافر

(کافر سے ہدیہ یا رعایت قبول کرنا)

عن سهل بن سعد رضى الله تعالىٰ عنه ان على بن ابى طالب رضى الله تعالىٰ عنه دخل على فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها الحديث. وفيه: وقالت ايت الى فلان اليهودى فاشتر به دقيقا، فجاله فاخذه الدقيق فقال له اليهودى: انت ختن هذا الذى يزعم انه رسول الله؟ قال: نعم. قال: فخذ دينارك ولك الدقيق. (اخرجه ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور اسی حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ تم فلانے یہودی کے پاس جاؤ اور اس دینار کا آٹا خرید لو، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس آئے اور آٹا لیا، یہودی نے کہا آپ ان بزرگ کے داماد ہیں، جو دعویٰ رسالت کا کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ہاں! یہودی نے کہا اپنا دینار لے جائیے اور آٹا آپ کی نذر ہے۔

ف: بعض بزرگوں پر متشددین کا یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ لیتے ہیں اس حدیث سے اس کا جواز واضح ہے، البتہ جہاں لینے میں کوئی مفسدہ یا نہ لینے میں کوئی مصلحت ہو، وہاں نہ لیا جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی بزرگ یا کسی بزرگ کی طرف منتسب ہونے کے سبب سے کچھ خدمت یا رعایت بطیب خاطر کرے تو یہ دین فروشی نہیں ہے، البتہ اگر کوئی اپنے کو اس سبب سے مستحق رعایت کا سمجھے وہ بالیقین مدعی و مرائی و دوکاندار ہے۔

---

[1] ابوداؤد: اللقطة، (باب التعريف باللقطة) رقم: ۱۷۱۶، قال المنذرى: فى اسناده موسى بن يعقوب الزمعى المدينى، كنيته ابومحمد، وقال: يحيى بن معين ثقة، وقال: ابن عدى هو عندى لاباس به ولا بروايته وقال ابو محمد عبدالرحمن النسائى: ليس بالقوى. الخ

۲۲۳- عادت ترک بعض مباحات برائے احتیاط

(احتیاطاً امر مباح کو ترک کر دینا)

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فی قصة عهد عتبة الی اخیه سعد بن ابی وقاص فی ابن ولیدة زمعة فنظر رسول الله صلی الله علیه وسلم الی شبها فرأی شبها بینا بعتبة فقال: "هو لک یا عبد بن زمعة، الولد للفراش وللعاهر الحجر" ثم قال لسودة بنت زمعة: "احتجبی منه". الحدیث (أخرجه الستة الا الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس قصہ میں مروی ہے جس میں عتبہ نے (اس بناء پر کہ جاہلیت میں زمعہ کی لونڈی سے زنا کیا تھا اور اس زنا سے بچہ پیدا ہوا تھا) اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص کو (موافق دستور جاہلیت) کے زمعہ کی لونڈی کے (اس) بچہ (مذکور) کے بارہ میں (یہ) وصیت کی تھی (کہ جب تم اس بچہ کو دیکھو تو لے لینا کہ وہ تمہارا بھتیجا ہے، جب انہوں نے اس کے لینے کا ارادہ کیا تو زمعہ کے بیٹے عبد بن زمعہ نے مزاحمت کی اور کہا کہ یہ میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہے تو میرے باپ کا بیٹا اور میرا بھائی ہے۔ آخر یہ مقدمہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا اور وہ مروی یہ مضمون ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شباہت نہایت صاف عتبہ سے دیکھی مگر (بوجہ قاعدہ شرعیہ "الولد للفراش" کے عبد بن زمعہ سے) یہ فرمایا کہ اے عبد بن زمعہ یہ تیرا ہی (بھائی) ہے، کیوں کہ اولاد مالک بستر کا حق ہے، اور زانی کے لئے پتھر ہے پھر (اس شباہت کی وجہ سے احتیاطاً) حضرت سودہ بنت زمعہ کو (کہ آپ کی بیوی تھیں اور ان ہی زمعہ کی بیٹی تھیں اور اس فیصلہ کے موافق اس لڑکے کی بہن تھیں) یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑکے سے چھپا کرو۔

ف: قاعدہ شرعیہ سے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس لڑکے کے سامنے آنا مباح تھا مگر احتیاط کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر کے لئے اس مباح کے ترک کا

---

[1] بخاری: البیوع، تفسیر المشبهات، رقم: ۲۰۵۳، مسلم: الرضاع، الولد للفراش وتوقی الشبهات رقم: ۳۶ (۱۴۵۷)، ابوداؤد: الطلاق، الولد للفراش رقم: ۲۲۷۳، نسائی: الطلاق، الحاق الولد، بالفراش اذا لم ینفه صاحب الفراش رقم: ۳۵۱۲، قلنا: وأخرجه ابن ماجة النکاح، الولد للفراش وللعاهر الحجر رقم: ۲۰۰۳، موطا: الأقضیة، بالحاق الولد بأبیه ۳۰۹ (مکتبہ رحیمیہ)

امر فرمایا اس سے اس قسم کے ترک مباح کی اجازت ثابت ہوئی مگر بلا مصلحت ایسا کرنا یا اعتقاد میں تعدی کرنا یہ غلو فی الدین ہے۔

۲۲۵-قول، کل ماشغلک عن الحق فهو طاغوتک

(جو چیز تجھے راہ راست سے ہٹائے وہ تیرا شیطان ہے)

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا يتبع حمامة يلعب بها، فقال: (شيطان يتبع شيطانة). (اخرجه ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک کبوتر کے پیچھے لہو ولعب کے طور پر جارہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ایک شیطان ہے کہ ایک شیطان کے پیچھے جارہا ہے۔"

ف: صوفیہ میں یہ قول مشہور ہے اور حدیث میں اس کبوتر کو شیطان فرمانا چوں کہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ سبب ہوگیا معصیت وغفلت کا، اس لئے حدیث اور قول مذکور کا بالکل ایک حاصل ہے۔

۲۲۶-توجیہ، ہمہ اوست

(سب کچھ حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے)

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قال الله تعالىٰ: يؤذيني ابن آدم يسب الدهر وانا الدهر، بيدي الامر اقلب الليل والنهار". (اخرجه الثلثة وابوداؤد[2])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابوداؤد: الأدب، اللعب بالحمام: رقم: ۴۹۴۰، وقال المنذری: فی اسناده محمد بن عمرو بن علقمة الليثی قد استشهد به مسلم، ووثقه ابن معين ومحمد بن يحيى، وقال: ابن معين مرة: مازال الناس يتقون حديثه، وقال السعدی: ليس بقوی، وغمزه الامام مالک، وقال ابن المدينی: سألت يحيى - يعنی القطان - عن محمد بن علقمة: كيف هو؟ قال: تريد العفو او تشدد؟ قلت: بل أتشدد قال: فليس هو ممن تريد، قلنا: واخرجه ابن ماجة الأدب، اللعب بالحمام. رقم: ۳۷۶۵ [2] بخاری: التوحيد، باب قول الله تعالیٰ يريدون ان يبدلوا كلم الله. رقم: ۷۴۹۱، مسلم: الألفاظ من الأدب وغيرها، النهی عن سب الدهر رقم: ۲(۲۲۴۶) ابوداؤد: الأدب، الرجل يسب الدهر. رقم: ۵۲۷۴، موطا: الاستئذان، مايكره من الكلام، بلفظ: "لايقولن احدكم ياخيبة الدهر، فان الله هو الدهر"، ۳۸۹۶ (رحيميه)

نے ارشاد فرمایا کہ: ”حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھ کو آزردہ کرتا ہے کہ زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں (آگے اس کی تفسیر ہے) کہ میرے ہی قبضہ میں سب کام ہیں (جو کہ زمانہ میں واقع ہوتا ہے) رات اور دن کو (کہ زمانے کے حصے ہیں) میں ہی اول بدل کرتا ہوں“۔ (جس کی طرف آدمی واقعات کو منسوب کرتا ہے، سو زمانہ تو مع مافیہ کے خود میرے قبضہ میں ہے پس یہ سب تصرفات میرے ہی ہیں تو اس کو برا کہنے سے درحقیقت مجھ کو برا کہنا لازم آتا ہے)

ف: یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اور زمانہ دونوں متحد نہیں ہیں مگر باوجود عدم اتحاد کے ایک تاویل سے جس کی تقریر بضمن ترجمہ کی گئی ہے، لفظ اتحاد کا حکم کیا ہے؟ محققین کے نزدیک اسی تاویل سے اوست کا حکم ہمہ پر کیا گیا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ ہمہ کا جو مصداق ہے وہ سب مع اپنے افعال و آثار قبضہ حق میں ہے، پس متصرف حقیقی و موجود مستقل صرف حق تعالیٰ ہے ہمہ کوئی چیز نہیں، پس حدیث سے اس قول صوفیاء کی تائید ظاہر ہے، اگر اسی تقریر کو زیادہ بسط سے دریافت کرنا ہو تو کلید مثنوی کے دیباچہ میں تحت شعر جملہ معشوق است الخ دیکھ لیا جائے، غرض جس طرح مقصود حدیث میں حق کے تصرفات کا اثبات اور الدہر کے تصرف کی نفی ہے، اسی طرح اس قول میں حق کے استقلال کا اثبات اور خلق کے استقلال کی نفی ہے۔

۲۲۷- اصلاح، ابطال دعویٰ سینہ بسینہ شدن علم تصوف

(علم تصوف کا سینہ بسینہ منتقل ہونے کا دعویٰ کرنا باطل ہے)

عن ابی الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اتی رجل علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال: ماکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسر الیک؟ فغضب، وقال: ماکان یسر الی شیئا یکتمہ الناس، غیر انہ حدثنی باربع کلمات، قال: ماھن؟ قال: لعن اللہ تعالیٰ من ذبح لغیر اللہ. الحدیث (اخرجہ مسلم والنسائی[1]) وزاد رزین عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ملعون من صد اعمیٰ عن الطریق.

---

[1] مسلم: الأضاحی، تحریم الذبح لغیر اللہ تعالیٰ ولعن فاعلہ، رقم: ۴۳ (۱۹۷۸)، نسائی: الضحایا، من ذبح لغیر اللہ عزوجل، رقم: ۴۴۲۷، وزاد رزین: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ "ملعون من صد أعمی عن الطریق"، أخرجہ ابن عدی فی الکامل فی ترجمۃ زمیل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۲۳۳.

ترجمہ: حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خفیہ باتیں کیا بتلایا کرتے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت غضبناک ہوئے اور فرمایا مجھ کو کوئی بات خفیہ ایسی نہیں بتلائی جس کو اور لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہوں مگر بے شک مجھ سے چار باتیں ارشاد فرمائی تھیں (اور وہ باتیں دوسروں سے بھی پوشیدہ نہیں جیسا ان باتوں کی تعیین سے ابھی معلوم ہوا جاتا ہے، پس اچھی طرح اختصاص کی نفی ہوگئی) اس شخص نے کہا کہ وہ باتیں کیا ہیں؟ فرمایا ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے واسطے ذبح کرے، آگے پوری حدیث ہے، (روایت کیا اس کو مسلم اور نسائی نے) اور رزین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی اندھے کو راستہ سے بچلادے۔

ف: اکثر ناواقفوں کی زبان زد ہے کہ علم تصوف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خفیہ تعلیم فرمایا گیا تھا، پھر ان سے آج تک اسی طرح چلا آتا ہے اس دعویٰ کا مہمل اور لغو ہونا اس حدیث میں خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے ظاہر ہے، علاوہ کذب ہونے کے اس دعویٰ کرنے والوں کو غرض اصلی اس سے یہ ہے کہ شریعت کے خلاف بھی بعضے امور صحیح ہیں جو خفیہ تعلیم کئے گئے ہیں، اس عقیدہ کا بطلان بلکہ قریب بکفر ہونا یقینی ہے۔

اور حدیث صد و ہشتاد و ہشتم میں جو سرگوشی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ کسی امر انتظامی کے متعلق تھی نہ کہ علم تصوف کے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں اور جو چیز سینہ بسینہ چلی آتی ہے وہ نسبت باطنی ہے، جس کی شرح حدیث صد و چہل و نہم میں گزری ہے اور صوفیاء میں جو مرید کو خفیہ تعلیم کا طریق ہے وہ غیر شریعت کی تعلیم نہیں ہے، اخفاء محض بعض مصالح کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی شرح حدیث چہارم میں گزری۔

ف: اصلاح، ذم نذر لغیر اللہ (غیر اللہ کے نام پر نذر ماننے کی مذمت)

جاہل درویشوں میں اور ان کے معتقدین میں غیر اللہ کے نذر کا مختلف طریقوں سے بہت رواج ہے، ذابح لغیر اللہ کا ملعون ہونا ایسے نذور کی حرمت کو بتلا رہا ہے کیوں کہ ذابح

لغیر اللہ کے عموم میں یہ بھی ہے کہ ذبح کے وقت نام تو اللہ تعالیٰ کا لیا جائے مگر نیت ہو غیر اللہ کی تراضی وتقرب کی، چنانچہ درمختار وغیرہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ یہی بات نذر لغیر اللہ میں ہوتی ہے، پس اس کے مذموم بلکہ شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ف: اصلاح، ذم مشیخت نا اہل را (نا اہل کو شیخ بنانے کی مذمت)

حدیث میں راہ سے اندھے کو بچلانے والے کی ملعونیت مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ آخرت کی راہ دنیا کی راہ سے زیادہ اہم ہے اور اس کا اعمیٰ راہ دنیا کے اعمیٰ سے زیادہ اشد و احوج الی الہدایہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور﴾ جب اس اعمیٰ ظاہر کو راہ ظاہر سے بچلانے والا ملعون ہے تو اعمیٰ باطن کو راہ باطن سے بچلانے والا کس درجہ ملعون ہوگا، جھوٹے اور مکار اور ناواقف پیر اس کے پورے مصداق ہیں، پس ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ پیری سے توبہ کریں۔

۲۲۸- عادت، ترک اشغال دنیا

عن ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "يقول اللہ تعالیٰ يا ابن آدم! تفرغ لعبادتی املأ صدرک غنی واسد فقرک، وان لاتفعل ملأت يديک شغلاً ولم اسد فقرک". (اخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا، میں تیرے سینہ کو غنا سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کو بند کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تیرے دونوں ہاتھوں کو مشاغل وتعلقات سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کو بند نہ کروں گا۔"

ف: اس جماعت میں اکثر کا طرز یہی رہا ہے کہ اشغال دنیویہ کو بالکلیہ متروک رکھا ہے جس پر مخالفین ان کو بے دست و پا اور ثقیل علی الناس کہتے رہتے ہیں، اس حدیث سے اس کی محمودیت معلوم ہوتی ہے، البتہ غرض اس کی وہی ہونا چاہئے جو حدیث میں ہے یعنی

---

[1] ترمذی: صفة القيامة (باب احاديث: ابتلينا بالضراء، ومن كانت الآخرة همه وابن آدم تفرغ لعبادتی)، رقم: ۲۴۶۶، وقال: حسن غريب، قلنا: واخرجه ابن ماجة الزهد، الهم بالدنيا، رقم: ۴۱۰۷.

فراغ للعبادت اور من جملہ اس کی شرائط کے قوت صبر وعدم اشراف قلب ہے۔

۲۲۹۔متفرقات، حقیقت نسبتِ باطنی

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل: "وما اقبل عبد علی اللہ بقلبہ الا جعل اللہ قلوب المؤمنین تنقاد الیہ بالود والرحمۃ، وکان اللہ تعالی بکل خیر الیہ اسرع"۔ (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: ''کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنے قلب سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے مگر حق تعالیٰ اہل ایمان کے قلوب کو اس کی طرف محبت اور مہربانی کے ساتھ متوجہ اور مطیع کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کی خیر اس کی طرف جلدی پہنچاتے ہیں۔''

ف: حق تعالیٰ کے ساتھ دل کا لگ جانا جس کے لوازم عادیہ سے دو امر ہیں دوام یادداشت ودوام اطاعت، غالب احوال میں یہ حقیقت ہے نسبت باطنی کی اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

ف: فضیلت مدح اہل باطن

حدیث کی اس پر دلالت ظاہر ہے اور ان آثار کا ترتب مشاہدہ ہے۔

۲۳۰۔متفرقات، ضرورتِ فکر ومعرفت

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال: لاخیر فی قراءۃ لیس فیہا تدبر ولا عبادۃ لیس فیہا فقہ. الحدیث (اخرجہ رزین) (الفردوس للدیلمی ۱/۱۳۵)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: ''ایسے قرآن پڑھنے میں کوئی (معتدبہ) نفع نہیں جس میں فکر نہ ہو اور نہ ایسی عبادت میں جس میں معرفت نہ ہو۔''

ف: صوفیاء کے طریق کا مدار اعظم یہی فکر ومعرفت ہے اس کے ضروری ہونے سے طریق صوفیاء کا کس درجہ ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] قلت: ماوجدتہ فی الترمذی وذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد: ۱۰/۲۴۷، وعزاہ الی الطبرانی فی الکبیر والأوسط. وقال: فیہ محمد بن سعید بن حسان المصلوب وھو کذاب.

۲۳۱- اخلاق، قلت کلام وانکسار

عن مالک انه بلغه ان عیسی بن مریم علیه السلام قال: لاتکثروا الکلام بغیر ذکر الله تعالی فتقسوا قلوبکم وان القلب القاسی بعید من الله تعالی ولکن لاتعلمون، ولا تنظروا فی ذنوب الناس، کانکم ارباب وانظروا فی ذنوبکم کانکم عبید، فانما الناس مبتلی ومعافیٰ فارحموا اهل البلاء واحمدوا الله تعالی علی العافیة (اخرجه مالک[1])

ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ذکر اللہ کے سوا تم بہت کلام نہ کیا کرو کہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے (یعنی ان میں خشوع نہ رہے گا اور یہ بالکل تجربہ کی ہوئی بات ہے) اور جس دل میں قساوت ہو وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی (کہ اللہ تعالیٰ سے بعد ہو گیا کیوں کہ حقیقت تو اس کی آخرت میں مشاہدہ ہوگی، اور آثار گو یہاں بھی مشاہد ہیں، مگر ان کا ادراک بوجہ بے التفاتی کے نہیں ہوتا) اور تم لوگوں کے گناہوں پر نظر مت کرو کہ گویا تم مالک ہو، اور اپنے گناہوں پر نظر کیا کرو گویا تم مملوک اور غلام ہو (یعنی غلاموں کی خطاؤں کو دیکھنا بھالنا سزا دینے کے لئے یہ مالکوں کا کام ہے، اور تم مالک نہیں بلکہ غلام ہو اور غلاموں کا کام اپنی خطاؤں کو دیکھنا ہے تاکہ اس کی تلافی و اصلاح کریں) غرض آدمی دو طرح کے ہیں ایک مبتلا، دوسرا صاحب عافیت، تو تم اہل بلا پر رحم کرو، اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاؤ (پس گناہ ایک بلا ہے اس پر تحقیر یا طعن مت کرو) ترحم کے ساتھ نصیحت یا دعا کرو، اور گناہ سے محفوظ رہنا ایک عافیت ہے اس پر عجب اور ناز مت کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بلا استحقاق سمجھ کر شکر کرو، اور اس کے عموم میں اور بلیات و عافیت بھی آ گئیں۔

ف: ان اخلاق کا مدلول اور ممدوح حدیث ہونا ظاہر ہے اور اس سے اہل باطن کی طریق کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ ان حضرات کا یہی طرز عمل ہے۔

۲۳۲- مسئلہ، اثبات عالم مثال

عن انس رضی الله تعالی عنه قال: صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم

---

[1] موطا: الاستئذان، مایکره من الکلام بغیر ذکر الله: ۳۸۶ الهلاوی.

یوما، ثم رقی المنبر واشار بیده قبل القبلة، وقال: رایت الأن منذ صلیت لکم الصلوٰة الجنة والنار ممثلتین فی قبل هذا الجدار فلم ار کالیوم فی الخیر والشر. (اخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے قبلہ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: ''مجھ کو اسی وقت جب کہ تم کو نماز پڑھانا شروع کیا ہے جنت اور دوزخ دکھلائی گئی کہ اس دیوار کی جانب میں ان دونوں کی صورتِ مثالیہ آ گئی تھی، سو مجھ کو آج کے برابر کبھی خیر اور شر نظر نہیں پڑا'' (کیوں کہ جنت خیر الاشیاء اور نار شر الاشیاء ہے)

ف: حدیث کے ظاہر کے لفظوں سے اس کا صاف اثبات ہے اور حقیقت اس عالم کی کلید مثنوی میں ذکر کی گئی ہے۔

۲۳۳- عادت، مراقبہ قلب

عن ابی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه ان ابا طلحة الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنه کان یصلی فی حائط له، فطار دبسی فطفق یتردد ویلتمس مخرجا، فاعجب ابا طلحة ذلک، فتبعه بصره ساعة، ثم رجع الی صلاته فاذا هو لایدری کم صلی، فقال: لقد اصابتنی فی مالی هذا فتنة، فجاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فذکر له الذی اصابه فی صلاته فقال: یا رسول اللہ! هو صدقة فضعه حیث شئت. (اخرجه مالک[2])

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک دبسی (کہ ایک پرندہ یا جنگلی کبوتر ہے) اڑا، اور وہ چاروں طرف پھرنے لگا، نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا تھا اور رستہ نہ ملتا تھا تو حضرت ابوطلحہ کو یہ امر خوش نما معلوم ہوا (کہ میرا باغ ایسا گنجان ہے کہ پرندہ کو نکلنے میں تکلف ہوتا ہے) اور تھوڑی دیر تک ان کی نگاہ اس کے ساتھ ساتھ رہی پھر اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی نماز پڑھی، اپنے دل

---

[1] بخاری: الرقاق، القصد والمداومة علی العمل. رقم: ۶۴۶۸
[2] موطا: العمل فی القراءة، الصلاة الی ما یشغلک عنها: ۳۲ (تھانوی)

میں کہا کہ میرے اس مال کے سبب تو مجھ کو بڑا فتنہ پہنچا، (کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا جو نماز میں ان کو پیش آیا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ باغ فی سبیل اللہ ہے جہاں چاہیں صرف فرمائیے۔

ف: صوفیاء کرام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اس وقت کیا حالت ہے، جب تغیر پاتے ہیں اس کی تلافی کرتے ہیں، ان صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو جائز رکھنے سے اس کی محمودیت ظاہر ہے، کیوں کہ ان کا یہ سب اثر اسی مراقبہ کا ہے۔ کما لا یخفی۔

ف: حال، غیرت

حق تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیز سے نفرت ہو جانا یہ ایک حال محمود ہے، جس کو غیرت کہتے ہیں اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف: تعلیم، اخراج شی شاغل عن الحق از ملک

(حق سے مشغول کرنے والی چیز کو طالب کے قلب سے نکال دینا)

اکثر بزرگوں کی حکایتیں مشہور ہیں کہ طالب کے قلب کو جس چیز سے زیادہ وابستہ دیکھا اس کو جدا کر دینے کا حکم فرمایا، اس معالجہ کی اصل اس حدیث سے متعلق ہے کہ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ علاج تجویز کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا جس کو اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔

۲۳۴- اصلاح، ترک مبالغہ در ثناء شیخ

(پیر کی تعریف میں زیادہ مبالغہ کرنا)

عن ابن العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "لاتطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم، فانما انا عبد، فقولوا: عبداللہ ورسولہ" (اخرجہ رزین)[1]

---

[1] بخاری: احادیث الانبیاء، باب قولہ تعالیٰ: یا اھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم رقم: ۳۴۴۵

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ارشاد فرماتے تھے کہ: ''مجھ کو اتنا مت بڑھاؤ جیسا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو بڑھا دیا (کہ ان کو الٰہ و ابن اللہ کہنے لگے) میں تو بندہ ہوں، سو تم لوگ (مجھ کو) اللہ کا بندہ اور اللہ کا (عظیم الشان) رسول کہا کرو۔'' (کہ میرے سب فضائل اس عنوان میں داخل ہوگئے، اسی واسطے تفصیل فضائل کے وقت بھی ان ہی فضائل پر اقتصار کرنا واجب ہے اس سے آگے کہ مرتبہ الوہیت ہے تجاوز درست نہیں)

ف: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پیر یا کسی دوسرے بزرگ کی ثناء میں زیادہ مبالغہ نہ کرے کہ حد کذب یا شرک تک پہنچ جائے: کیوں کہ صاحب نبوت کے لئے اس کی ممانعت ہوئی تو صاحب ولایت کے لئے کیسے جائز ہوگا؟۔

۲۳۵- اصلاح ترک جزم بولایت کے

(کسی کو محض گمان سے ولی کہنا درست نہیں)

عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''من کان مادحا اخاہ لامحالۃ فلیقل: احسب فلاناً واللہ حسیبہ، ولا یزکی علی اللہ احداً احسب فلاناً کذا وکذا ان کان یعلم منہ ذلک''. (أخرجہ الشیخان وابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کو اپنے بھائی مسلمان کی ضروری مدح کرنا ہو تو اس طرح کہنا چاہئے کہ فلاں شخص میرے گمان میں ایسا ہے، آگے خدا کافی جاننے والا ہے، اور خدا کے نزدیک کسی کے پاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے اور یہ جو کہے گا کہ فلاں شخص میرے گمان میں ایسا ایسا ہے وہ بھی اس شرط سے کہ اس کے علم میں بھی وہ شخص ایسا ہو'' (ورنہ اس عنوان سے مدح جائز نہیں)

---

[1] بخاری: الأدب، مایکرہ من التمادح، رقم: ۶۰۶۱، مسلم: الزھد، النھی عن المدح اذا کان فیہ افراط وخیف منہ فتنۃ علی الممدوح، رقم: ۶۵، ۶۶ (۳۰۰۰) ابوداؤد: الأدب، کراھیۃ التمادح، رقم: ۴۸۰۵، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ الأدب، باب المدح، رقم: ۳۷۴۴.

ف: حدیث کے عموم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو بدون نص کے محض گمان سے ولی قطعاً کہنا جائز نہیں، جیسا کہ اکثر کو اس میں بے احتیاطی ہے، البتہ اگر ظناً کہہ دے تو مضائقہ نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اس کی ظنیت کی تصریح بھی کر دے لیکن اگر اعتماداً علی قرینۃ المقام والکلام تصریح نہ بھی کرے تب بھی مضائقہ نہیں، ہاں شیخ کہنا کسی کو جزم سے بھی جائز ہے: کیوں کہ مشیخت امر مشاہد ہے، یعنی طریق تربیت کا جاننا بخلاف ولایت کے کہ امر غیبی ہے یعنی مقبول عند اللہ ہونا۔

۲۳۶-متفرقات، عدم تنافی مزاح وکمال

(مذاق اور کمال میں منافات نہیں ہے)

عن اسید بن حضیر رضی اللہ تعالی عنہ ان رجلاً من الانصار کان فیہ مزاح، فبینما هو یحدث القوم ویضحکهم اذ طعنه النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خاصرته بعود کان فی یده، فقال: اصبرنی[1] یا رسول اللہ! قال: اصطبر، فقال: ان علیک قمیصاً ولیس علی قمیص فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قمیصه فاحتضنه وجعل یقبل کشحه وقال: انما اردت هذا یا رسول اللہ. (اخرجه ابو داؤد[2])

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے خوش مزاج تھے، وہ ایک بار لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ میں ایک لکڑی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی (ہلکے سے) چبھو دی وہ شخص کہنے لگا: یا رسول اللہ! مجھ کو بدلہ دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدلہ لے لو''۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے بدن پر تو کرتہ ہے اور میرے بدن پر کرتہ نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قمیص مبارک بدن پر سے اٹھا دیا، وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوکھ سے بوسہ دینے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ بس میرا تو یہ مطلب تھا۔

---

[1] فی القاموس اصبرنی کالضرنی اعطنی کفیلا والعبیر الکفیل اه والمراد هنها المعنی المجازی من الانتقام لأن الکفیل قد یکون لأجل استیفاء الحق المتعلق بالنفس. ۱۲ منه

[2] ابو داؤد: الأدب، قبلة الجسد، رقم: ۵۲۲۴ وسکت عنه المنذری.

ف: بعضے نافہم ولایت وکمال کے لئے یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل مردہ دل ہوجائے اور اس میں کوئی عادت بشریہ نہ رہے، حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خوش طبعی اگر اعتدال کے ساتھ ہو تو قولاً یا فعلاً اس طرح سے کہ نہ دوسرے کی تحقیر ہو نہ اس کو ایذا ہو تو یہ منافی کمال اور بزرگی کے نہیں ہے، خاص کر جب کہ یہ مقصود ہو کہ اس سے دوسرے کی تطییب خاطر ہوگی یا اس سے بڑھ کر یہ کہ دوسرا منبسط اور بے تکلف ہو کر دل کھول کر دین کی باتیں پوچھ سکے گا، تو اس صورت میں تو ایک گونہ عبادت ہوجائے گی۔ "وقد اجبت بھذا ملکۃ من ملوک اوربا رأیتھا فی المنام ورأیتنی راکبا معھا علی عجلۃ قد عرضت علی شبھۃ فی نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم بانہ کان یمازح، والمزاح ینافی الوقار والوقار من لوازم النبوۃ وقالت: لاشبھۃ فی حقیقۃ الاسلام سوی ھذا فلما اجبتھا عنہ بھذہ المصلحۃ سکتت واسلمت ثم بعض القرائن فی الیقظۃ دل علی انھا لعلھا اسلمت باطنا" اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گو مرید کو اپنی طرف سے شیخ کی نہایت تعظیم وادب کرنا ضروری ہے لیکن اگر کسی وقت خود شیخ کی مرضی انبساط کی معلوم ہو تو مرید کو اس کی رضا کا اتباع چاہئے کہ اس وقت یہی ادب ہے۔

ف: متفرقات، تقبیل بدن شیخ (پیر کے بدن کو بوسہ دینا)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ جو محبین کی عادت ہے کہ پیر کے ہاتھ کو پاؤں کو یا پیشانی وغیرہ کو بوسہ دے لیتے ہیں اس کا بھی کچھ حرج نہیں البتہ اذن شرعی سے تجاوز نہ چاہئے۔

۲۳۷۔ حال، کلام ہاتف

عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا قالت: لما ارادوا غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالوا: واللہ لاندری انجرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ثیابہ کما نجرد موتانا او نغسلہ وعلیہ ثیابہ، فلما اختلفوا القی اللہ تعالی علیھم النوم حتی مامنھم رجل الا وذقنہ فی صدرہ فکلمھم مکلم من ناحیۃ البیت لایدرون من ھو: اغسلوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ ثیابہ، فقاموا فغسلوہ وعلیہ قمیصہ یصبون الماء فوق القمیص ویدلکونہ بالقمیص دون

ایدیھم. (اخرجہ ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب (وفات نبوی کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل دینے کا ارادہ کیا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم باہم کہنے لگے واللہ ہم کو کچھ خبر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھی مثل دوسرے مردوں کے اتاریں یا مع کپڑوں کے غسل دیں، جب باہم اختلاف ہونے لگا، اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند غالب کی، یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی رنج اس کے سینہ میں نہ لگ گئی ہو (یعنی نیند سے سب کی گردنیں جھک گئیں) پھر گھر کے ایک گوشہ سے کسی کلام کرنے والے نے (کہ وہ ہاتف غیبی تھا) ان سے کلام کیا یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کون تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع کپڑوں کے غسل دو، چنانچہ سب نے اٹھ کر مع قمیص کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا، قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے اور قمیص سمیت ملتے تھے، ہاتھ بدن پر نہیں پہنچایا۔

ف: ہاتف غیبی کا کسی بزرگ سے کلام کرنا یہ حال بھی ایک محمود ہے حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف: مسئلہ، عمل بر اشارہ ہاتف بشرط عدم مخالفت شرع

(غیبی اشارات پر عمل کرنا درست ہے اگر شریعت کی مخالفت نہ لازم آئے)

ایسے مضمون پر عمل کرنے کے بارے میں تمام اکابر کا قاطبۃً اسی پر اتفاق ہے کہ اگر وہ خلاف شرع نہ ہو تو قابل عمل ہے، جیسا یہاں بھی یہی ہوا کہ مع القمیص غسل دینے کی نہی کی کوئی دلیل نہ تھی اس پر عمل کرلیا گیا، اگر کہا جائے کہ یہ امر تو قبل الہام وکلام ہاتف کے بھی حاصل تھا پھر اس کا کیا خاص اثر ہوا؟ جواب یہ ہے کہ بزرگوں کے ارشاد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس الہام یا ایسے کلام سے وہ امر خاص اس صاحب الہام کے لئے کسی قدر مؤکد ہو جاتا ہے نہ بایں معنی کہ اس کے خلاف کرنے سے ضرر آخرت ہوگا، بلکہ بایں معنی کہ کوئی ضرر دنیوی ناقابل برداشت پیش آئے گا اور اگر کوئی دلیل شرعی تاکد عمل کی منضم ہو جائے تو تاکد شرعی ظاہر ہے جیسا یہاں غور کرنے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کلام سے اختلاف رفع ہو گیا اور اجماع

---

[1] ابو داؤد: الجنائز، ستر المیت عند غسلہ، رقم: ۳۱۴۱، قال المنذری: فی اسنادہ محمد بن اسحاق بن یسار، وقد تقدم الکلام علیہ.

صحابہؓ کا خود حجت شرعیہ ہے لہٰذا یہاں عدم جواز مخالفت کے معنی قوی ہو سکتے ہیں۔

۴۳۸ — اذن ظاہری نہیں باطنی ہے

عن اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت. قالت امرأۃ من النسوۃ: ما ھذا المعروف الذی لا ینبغی لنا ان نعصیک فیہ یا رسول اللہ؟ فقال: لا تنحن قالت: یا رسول اللہ! ان بنی فلان کانوا قد اسعدونی علی عمی فلابد من قضائھن، فابی علیھا فعاودتہ مرارا، قالت. فاذن لی فی قضائھن فلم انح بعد فی قضائھن ولا فی غیرہ حتی الساعۃ. (اخرجہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ نیک کام کون سا ہے جس میں ہم کو (اس آیت کی رو سے لا یعصینک فی معروف) آپ کے حکم کے خلاف کرنا جائز نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(وہ نیک کام یہ ہے) کہ تم نوحہ نہ کرو" (یعنی وہ نیک کام ترک نوحہ ہے، اس کے خلاف کرنا یعنی نوحہ کرنا جائز نہیں) اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں خاندان نے میرے چچا کے مرنے میں (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی (یعنی میرے ساتھ مل کر روئے تھے) تو اس کا بدلہ اتارنا ضروری ہے (یعنی ایک نوحہ کی اجازت دے دیجئے پھر اور جگہ نہ کروں گی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا، اس نے آپ سے مکرر سہ کرر عرض کیا، اس بی بی کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بدلہ اتارنے کے لئے مجھ کو اجازت دے دی مگر میں بعد میں اس وقت تک نہ ان کا بدلہ اتارنے میں روئی اور نہ کسی اور جگہ روئی۔

ف: اس سے وہی مضمون ثابت ہوتا ہے جو ذیل حدیث صد و شصت و ششم میں گزرا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اس مصلحت سے کہ کسی کی اصل توبہ ہی سے ہمت نہ ٹوٹ جائے ایک بار نوحہ کرنے کی اجازت دے دی۔ بزرگوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات بظاہر کسی ناجائز نوکری یا اور کسی ایسے ہی امر کی اجازت دے دیتے ہیں مگر درحقیقت اس کی اجازت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ اس سے اعظم شر سے بچانا ہے جیسا علماء نے کہا ہے، اس

سنن ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ الممتحنۃ، رقم: ۳۳۰۷، وقال: حسن غریب

ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما" اور خصوصاً بعض طبائع ایسے ہوتے ہیں کہ منع کرنے سے ضعف اور ترک میں کم ہمتی اور تنگی اور اجازت دینے سے نشاط اور آزادی پیدا ہو کر طبیعت میں قوت اور ہمت ترک کی ہو جاتی ہے ایسے وقت میں اذن ظاہری نہی باطنی ہے۔

۲۳۹۔ اصلاح، ترک شامیانہ یا عمارت برقبر

(قبر پر شامیانہ تننا یا عمارت بنانے کی ممانعت)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ رأی فسطاطاً علی قبر عبد الرحمن فقال: یا غلام انزعہ انما یظلہ عملہ. (أخرجہ البخاری)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شامیانہ عبدالرحمن کی قبر پر لگا دیکھا آپ نے (خادم سے) فرمایا اے لڑکے اس کو الگ کر دو ان پر تو ان کا عمل سایہ کر رہا ہے۔

ف: ظاہر جہاں مدعیان باطن میں قبور اولیاء پر سائبان تاننے یا عمارت بنانے کی رسم ہو گئی ہے، اس حدیث سے اس عمل کا باطل اور لایعنی ہونا ظاہر ہے، اور اگر فساد اعتقاد بھی ہو تو اور بھی ظلمات بعضہا فوق بعض ہے۔

۲۴۰۔ اصلاح، معاملات قبور

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبروان یبنی علیہ وان یقعد علیہ وان یکتب وان یوطأ. (أخرجہ الخمسۃ الا البخاری)[2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پختہ بنانے سے اور اس پر عمارت بنانے سے اور اس پر بیٹھنے سے اور اس پر لکھنے سے اور اس پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔

---

[1] بخاری: (تعلیقا) الجنائز، الجریدۃ علی القبر۔ [2] مسلم: الجنائز، النھی عن تجصیص القبر والبناء علیہ رقم: ۹۷۰/۹۴؛ ابوداؤد: الجنائز، البناء علی القبر۔ رقم: ۳۲۲۵، ترمذی: الجنائز، کراھیۃ تجصیص القبور والکتابۃ علیھا رقم: ۱۰۵۲، نسائی: الجنائز، البناء علی القبر رقم: ۲۰۲۰، ۳۰۲۹، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ الجنائز، النھی عن البناء علی القبور، رقم: ۱۵۶۲، ۱۵۶۳

ف: حدیث کا حاصل تعلیم ہے توسط اختیار کرنا قبور کے ساتھ معاملہ کرنے میں کہ نہ ان کی زیادہ تعظیم کی جائے اور نہ ان کی اہانت کی جائے، اہل تفریط پہلی بلا میں زیادہ مبتلا ہیں کہ ان کو پختہ بناتے ہیں اور ان پر عمارت بھی بناتے ہیں اور ان پر نوشتے لکھتے ہیں اور اہل تشدد دوسری بلا میں مبتلا ہیں کہ حد سے زیادہ قبور کی تذلیل کرتے ہیں، البتہ اگر قبر بہت کہنہ ہو جائے اور غیر کی ملک نہ ہو اور کسی مصلحت وضرورت سے اس کو بے نشان کر دیا جائے تو بیٹھنا چلنا اس پر درست ہے۔

۲۴۱-رسم، سنگ نصب کردن یا درخت نشاندن نزدیک قبر برائے علامت

(قبر کے قریب علامت کے طور پر پتھر گاڑنا یا درخت لگانا)

عن المطلب بن ابی وداعة رضی الله تعالیٰ عنه قال: لما مات عثمان بن مظعون رضی الله تعالیٰ عنه وهو اول من مات بالمدینة من المهاجرین فلما دفن امر رسول الله صلی الله علیه وسلم رجلا ان یاتیه بحجر، فیعلم قبره به فاخذ حجراً ضعف عن حمله، فقام رسول الله صلی الله علیه وسلم فحسر عن ذراعیه، ثم حمله فوضعه عند راسه، وقال: "اتعلم بها قبر اخی وادفن عنده من مات من اهلی". (اخرجه ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی، اور مہاجرین میں سب سے اول مدینہ میں ان ہی کا انتقال ہوا ہے سو جب دفن ہو چکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ آپ کے پاس ایک پتھر اٹھا کر لے آئے، آپ ان کی قبر کی اس سے شناخت کر دیں، اس نے ایک پتھر لیا جس کو اٹھا نہ سکا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دونوں ہاتھوں کی آستین چڑھا کر اس کو اٹھا لائے اور قبر کے سرہانے رکھ دیا، اور فرمایا کہ: "اس سے اپنے بھائی (عثمان بن مظعون) کی قبر کی پہچان رکھوں گا اور جو شخص میرے متعلقین میں سے مرے گا اس کو اس کے پاس دفن کروں گا۔"

[1] أبو داؤد: الجنائز: جمع الموتی فی قبر والقبر یعلم، رقم: ۳۲۰۶، قال المنذری: فی اسناده کثیر بن زید مولی الأسلمیین مدنی، کنیته ابو محمد، وقد تکلم فیه غیر واحد.

ف: بعض کی مصلحت زیارت وفاتحہ خوانی ان چیزوں سے محض یہ غرض ہوتی ہے کہ قبر کی پہچان رہے، سو اگر سادگی کے ساتھ ہو تو اس غرض کے لئے ان اعمال میں کچھ حرج نہیں مگر پتھر ہو تو نہ اس کے سڈول کرنے کا اہتمام کیا جائے نہ اس پر نقش ونگار ہو نہ اس پر کچھ لکھا جائے اور اگر یہ تکلفات بھی کئے گئے تو ادعاء مصلحت میں کاذب ہونے کی علامت ہے اور ممنوع ہے۔

۲۴۴-رسم، درخت نشاندن برائے تسبیح (ذکر وتسبیح کیلئے درخت لگانا)

عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوصی ان تجعل علی قبرہ جریدتان. (أخرجہ البخاری فی ترجمۃ الباب)[1]

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر دو شاخیں کھجور کی رکھ دی جائیں۔

ف: بعض لوگوں کو درخت لگانے سے یہ نیت ہوتی ہے کہ اسکے ذکر وتسبیح سے میت کو نفع اور انس ہوگا، اس حدیث سے اس کی اصل نکلتی ہے، اور یہ وصیت صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غالباً جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر مبنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اہل قبر کو معذب دیکھ کر ان کی قبروں پر ایک ایک تازہ چھڑی کھجور کی رکھ دی تھی، اور ارشاد فرمایا تھا کہ ان کے خشک ہونے تک امید ہے تخفیف عذاب کی، پس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثل دوسرے بہت سے علماء کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو علت مذکورہ سے معلل سمجھا، پس جس شخص کی یہ نیت ہو اس کو بھی اس بناء پر اس کی گنجائش ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تخفیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی وجہ سے تھی اور اس دعاء کی منظوری میعادی تھی، اور میعاد اس کی ان شاخوں کے خشک ہونے تک تھی، اس بناء پر حدیث کا اس رسم سے کوئی تعلق نہیں مگر اکثر علماء نے پہلی ہی توجیہ کی ہے، لیکن اس سے پھول ڈالنے یا پھول کی چادر چڑھانے کا جواز نہیں نکلتا، کیوں کہ اس سے غرض محض تزئین یا تقرب الی اہل القبور رہے اور یہ عمل یا اعتقاد محض بدعت ہے، اگر انکی یہ غرض ہوتی تو اولاً تکلف کیوں کیا جاتا دوسرے عام گنہگاروں کی قبریں انکی زیادہ مستحق تھیں اولیاء کی قبروں سے کیوں کہ جہاں احتمال عذاب کا ہو وہاں حاجت زیادہ ہے۔

---

[1] بخاری: (تعلیقا) الجنائز، الجریدۃ علی القبر۔

۴۴۳ـ مسئلہ سماع موتیٰ (مردوں کا سننا)

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا". (اخرجہ الخمسۃ الا الترمذی) (۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ہمراہی وہاں سے پشت پھیرتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے ان کی واپسی کے وقت۔"

ف: یہ مسئلہ اختلافی ہے بعض نے اس حدیث سے اثبات کیا ہے اور بعض نے آیت "لا تسمع الموتی" سے نفی کی ہے، مثبتین نے آیت کا جواب دیا ہے کہ یہاں موتیٰ سے مراد کفار ہیں کہ استعارۃً ان کو موتیٰ کہہ دیا، پس آیت کو بحث سے تعلق نہیں، نافین نے اس کا جواب دیا ہے کہ گو آیت میں استعارہ ہے مگر مستعار منہ میں تو حقیقی معنی کا تحقق ضروری ہے، پس موتیٰ بالمعنی الحقیقی کے لئے عدم سماع ثابت ہو گیا، مثبتین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس قاعدہ سے صرف اتنا لازم آتا ہے کہ موتیٰ پر موتیٰ کا صدق بالمعنی الحقیقی ہونا چاہئے، اس سے لا تسمع کا حقیقت پر محمول ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ اس میں مجاز و اطلاق المطلق علی المقید ہے، اور سماع سے مراد سماع نافع ہے، پس معنی یہ ہیں کہ موتیٰ بالمعنی الحقیقی سے سماع نافع منفی ہے اور ضرورت اس حمل علی المجاز کی جمع بین النصوص ہے، اور قرینہ اس کا خود مشاہدہ ہے کفار میں نفس سماع کے منفی نہ ہونے کا، بلکہ سماع نافع کے منفی ہونے کا، غرض اسی طرح جانبین میں کلام طویل ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے، البتہ عوام کا سا اعتقاد اس بات پر کہ اس کو حاضر و ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں، یہ صریح ضلالت ہے، اگر اس کی اصلاح بدون انکار سماع کے نہ ہو سکے تو انکار سماع واجب ہے۔

---

(۱) بخاری: الجنائز، عذاب القبر، رقم ۱۳۷۳، مسلم: الجنۃ، عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علیہ واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ، رقم ۲۸۷۰، ابوداؤد: السنۃ، المسالۃ فی القبر وعذاب القبر، رقم ۴۷۵۲، نسائی: الجنائز، المسالۃ فی القبر، رقم ۲۰۵۱

۴۴۴ - مسئلہ شعور جمادات

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ان الحصاۃ لتناشد الذی یخرجہا من المسجد لتدعہا". (اخرجہ ابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "(جو کنکریاں مسجد میں بچھی ہوئی ہوتی ہیں جیسے مسجد الحرام میں اب بھی ہیں ان کنکریوں میں سے جب کوئی شخص کسی کنکری کو مسجد سے باہر لے جانا چاہتا ہے تو وہ) کنکری خدا کا واسطہ دیتی ہے اس شخص کو جو اس کو مسجد سے باہر لے جاتا ہے کہ مجھ کو وہاں ہی رہنے دے۔"

ف: اہل کشف کو جمادات کا شعور و نطق مکشوف ہوا ہے، اس حدیث سے تائید اس کی ظاہر ہے کہ اس کنکری میں اتنا شعور ہے جس سے اس کو باہر لے جانے کا ادراک ہوتا ہے اور اتنا نطق بھی ہے جس سے وہ خدا کا واسطہ دیتی ہے، اور صرف عن الظاہر کی کوئی دلیل نہیں، دوسری حدیث میں ستون حنانہ کا قصہ اس سے زیادہ اس میں صریح ہے۔

۴۴۵ - برکت اور اس میں اضافہ

عن طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خرجنا وفدا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعناہ وصلینا معہ واخبرناہ ان بارضنا بیعۃ لنا، واستوہبناہ من فضل طہورہ فدعا بماء فتوضأ وتمضمض ثم صبہ لنا فی اداوۃ وقال: "اذا اتیتم ارضکم فاکسروا بیعتکم وانضحوا مکانہا بہذا الماء واتخذوہا مسجدا" قلنا: ان البلد بعید والحر شدید والماء ینشف، فقال: "مدوہ من الماء فانہ لا یزیدہ الا طیبا". الحدیث (اخرجہ النسائی)[2]

۴۴۶ - موئے مبارک سے تبرک

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والحلاق یحلقہ، وقد اطاف بہ اصحابہ، فما یریدون ان تقع شعرۃ الا فی ید رجل. (اخرجہ مسلم)[3]

---

[1] ابوداؤد: الصلاۃ، حصی المسجد، رقم: ۴۵۹، وسکت عنہ المنذری

[2] نسائی: المساجد، اتخاذ البیع مساجد، رقم: ۷۰۲ [3] مسلم: الفضائل، باب قربہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الناس وتبرکہم بہ وتواضعہ لہم، رقم: ۲۳۲۵)

۲۴۷ - رسم تحصیل تبرکات

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کانت ام سلیم تبسط لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نطعاً، فیقیل عندھا، قال: فاذا نام اخذت من عرقہ وشعرہ فجمعتہ فی قارورۃ، ثم جعلتہ فی سک، فلما حضر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوصیٰ ان یجعل فی حنوطہ من ذلک السک۔ (اخرجہ الشیخان والنسائی)[۲]

ترجمہ حدیث اول: حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اپنی قوم کے فرستادہ ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہماری سرزمین میں ہمارا ایک عبادت خانہ مذہب عیسائی کا ہے (ہم اس کو مسجد بنانا چاہتے ہیں) اور اس مقام پر برکت کے لئے چھڑکنے کو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بقیہ وضو کا پانی مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا پھر وضو کیا اور مضمضہ کیا، پھر وہ پانی ایک چھوٹے سے مشکیزہ میں بھر دیا اور فرمایا: "جب تم اپنی سرزمین پر پہنچو تو اس معبد نصاریٰ کو توڑ ڈالنا اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دینا اور اس کو مسجد بنالینا" ہم نے عرض کیا کہ جگہ دور ہے اور گرمی سخت ہے اور پانی خشک ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں اور پانی ملا کر بڑھا لینا کہ اس میں بھی برکت ہی بڑھ جائے گی۔"

ترجمہ حدیث دوم: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حلاق آپ کے بال سر کے اتار رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر رکھا تھا یہ چاہتے تھے کہ آپ کا ایک بال کا بھی کسی شخص کے ہاتھ سے باہر نہ جائے (یعنی ہر بال کسی نہ کسی کے ہاتھوں میں آتا تھا)

ترجمہ حدیث سوم: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم

---

[۱] طیب یخلط من انواع الطیب ثم یسحق للسک ویلصقہ وانواع کصاحب شیء یخلط بہ السک کذا فی القاموس ۱۲ منہ۔ [۲] بخاری، الاستئذان، من زار قوماً فقال عندھم، رقم: ۶۲۸۱، مسلم: الفضائل، طیب عرقہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والتبرک بہ رقم: ۸۵ (۲۳۳۲)، نسائی: الزینۃ، ما جاء فی الانطاع رقم: ۵۳۷۳۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (جب ان کے گھر تشریف لے جاتے) ایک چمڑے کا بستر بچھا دیا کرتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (گاہ گاہ) ان کے گھر قیلولہ فرمایا کرتے (یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریب کی کچھ رشتہ دار ہیں) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو کر اٹھتے تو (اس بستر پر سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ اور بال (جو سر وغیرہ کا ٹوٹ جاتا) جمع کر لیتیں اور ایک شیشی میں محفوظ رکھتیں، پھر اس کو مرکب خوشبو میں ملا تیں، جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی (کہ ام سلیمؓ کے صاحبزادے ہیں) وفات قریب پہنچی تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ ان کے حنوط کو (جو کہ میت کے بدن اور کفن کو لگاتے ہیں) اس مرکب خوشبو میں ملایا جائے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک تھا)

ف: بزرگان دین کی تلبس کی چیزوں کی رغبت اور اہتمام اور ان سے برکت حاصل کرنا حیات اور موت میں بمقتضائے احادیث مشروع اور ثابت ہے۔

۲۲۸ - رسم خدمت کفش برداری (بزرگوں کی جوتیاں اٹھانا)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت النجاشی صاحب الحبشۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یقول: اشہد ان محمدا رسول اللہ وانہ الذی بشر بہ عیسیٰ علیہ السلام ولولا ما انا فیہ من الملک، وما تحملت من امور الناس لاتیتہ حتی احمل نعلیہ. (اخرجہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نجاشی رحمہ اللہ شاہ حبشہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے وہی رسول ہیں جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور اگر میرے ساتھ یہ بکھیڑا سلطنت کا اور لوگوں کے کاموں کی ذمہ داری کا نہ ہوتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین اٹھاتا۔

ف: اکثر بزرگوں کی جوتیاں اٹھانا سعادت سمجھا جاتا ہے، حدیث میں اس کا مرغوب فیہ ہونا ظاہر ہے لیکن اگر وہ مخدوم خود جزم کے ساتھ منع فرمادیں تو امتثال امر اس خدمت پر

سنن ابو داؤد: الجنائز، الصلاۃ علی المسلم یموت فی بلاد الشرک رقم ۳۲۰۵، ومشکوٰۃ المصابیح

مقدم ہے اور خواہ مخواہ کا اصرار ان کو ایذاء پہنچاتا ہے جو بہت ہی مذموم عمل ہے۔

۲۴۹- قول، الفانی لا یرد
(فناء ہونے کے بعد کوئی چیز واپس نہیں ہوتی)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث مکالمۃ هرقل ابا سفیان (ولم ینکر علیہ) ومسالتک هل یرتد احدمنهم عن دینه بعد ان یدخل فیه سخطة له فزعمت ان لا، وکذلک الایمان اذا خالط بشاشته القلوب. الحدیث (اخرجه الشیخان[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے ضمن میں جس میں ہرقل شاہ روم کی گفتگو ابوسفیان کے ساتھ منقول ہے (اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جانب سے ہرقل کے ان اقوال پر انکار نہیں کیا گیا جس سے ان اقوال کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے) یہ مضمون بھی مروی ہے: ہرقل ابوسفیان سے کہتا ہے کہ میں نے تم سے یہ سوال کیا کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بعد اس کے قبول کرنے کے کوئی مسلمان ان کے دین سے ناخوش ہو کر مرتد ہوتا ہے تم نے جواب دیا کہ نہیں، اور ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے جب اس کی تازگی قلوب میں رچ جاتی ہے۔

ف: اور یہی مضمون دوسرے عنوان سے مشہور ہے الواصل لا یرجع یعنی بعد وصول وفنا کے پھر راجع اور مردود نہیں ہوتا، اس حدیث سے اس کی صاف تائید ہوتی ہے، اور گو یہ ہرقل کا قول ہے مگر جب سلف نے اس پر انکار نہیں کیا تو اس قول کی صحت سلف کے تسلیم سے ثابت ہوئی اور جو سالکین بگڑ گئے ہیں وہ واقع میں مقصود تک پہنچے ہی نہ تھے گو ظاہر نظر میں واصل سمجھے جائیں۔

۲۵۰- حال، رویاء صادقہ (سچے خواب)

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: اول مابدی به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الوحی الرویا الصالحة فی النوم، وکان لایری رویا الا جاء ت مثل فلق الصبح وحبب الیه الخلاء، فکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیه، وهو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اهله، ویتزود لذلک ثم یرجع

---

[1] بخاری: بدء الوحی، رقم: ۷، مسلم: الجهاد، کتب النبی صلی اللہ علیه وسلم الی هرقل ملک الشام یدعوه الی الاسلام. رقم: ۴۷ (۱۷۷۳)

الی خدیجۃ فیتزود لمثلھا حتی جاءہ الحق، وھو فی غار حراء فجاءہ الملک، فقال: اقرأ، فقال: ما انا بقاری قال: فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی، فقال: اقرأ، قلت: ما انا بقاری، فاخذنی فغطنی الثالثۃ حتی بلغ منی الجھد، ثم ارسلنی فقال: ﴿اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم﴾ فرجع بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجف فوادہ فدخل علی خدیجۃ، فقال: زملونی، زملونی، الحدیث. (اخرجہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی اور جو خواب دیکھتے تھے مثل نور صبح کے اس کا ظہور ہو جاتا تھا اور خلوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو گئی، پس غار حراء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت نشین ہوتے اور کئی کئی شب متصل اس میں عبادت کیا کرتے اور گھر واپس تشریف نہ لاتے اور اس کے لئے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ کر اتنی ہی مدت کے لئے اور سامان لے جاتے یہاں تک کہ وحی آ گئی اور آپ غار حراء ہی میں تھے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (وحی کا) فرشتہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا پڑھئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو پکڑ کر خوب دبایا، یہاں تک میری حد طاقت تک نوبت پہنچ گئی، پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر مجھ کو دوسری بار دبایا یہاں تک کہ میری حد طاقت تک نوبت پہنچ گئی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر مجھ کو پکڑا اور تیسری بار دبایا یہاں تک کہ میری حد طاقت تک نوبت پہنچ گئی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا "اقرأ باسم ربک" سے لے کر "مالم یعلم" تک، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو لے کر گھر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دھڑک رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھ کو لپیٹ دو، مجھ کو لپیٹ دو۔

ف: دلالت حدیث کی اس پر ظاہر ہے۔

---

[1] بخاری: بدء الوحی رقم: ۳.

ف: عادت، خلوت و چلہ و سامان طعام داشتن در خلوت

(تنہائی، چلہ کشی اور خلوت میں کھانے کی چیزیں رکھنا)

ان معمولات کا حدیث میں صاف ذکر ہے۔

ف: عادت، توجہ و تصرف

یہ فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، ان کا پڑھنے کے لئے کہنا یا تو اس معنی سے تھا کہ جو پہلے سے یاد ہو وہ پڑھئے مگر یہ کہنا ایسا ہی تو جیسے استاد بچے کے سامنے "الف، با، تا" رکھ کر کہتا ہے کہ پڑھو۔ یعنی میں جو بتلاؤں گا وہ پڑھو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ میں پڑھا ہوا نہیں یہ تو اس بنا پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن مبارک اقرأ کے اس معنی کی طرف منتقل نہیں ہوا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرائن سے معلوم ہوا ہو کہ کوئی ایسی چیز پڑھوائی جائے گی جس کے اخذ و ضبط کے لئے پہلے سے پڑھے لکھے ہونے کی ضرورت ہے، بہرحال اس کی ضرورت تھی کہ اس قرأۃ مامور بہا کے اخذ اور تحمل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد کی تقویت و تکمیل کی جائے۔ اس غرض سے فرشتے نے کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دبایا تاکہ قوت توجہ و ہمت سے آپ کے قلب میں تصرف کریں۔ اس طرح اس حدیث سے اس عمل کا بھی ثبات ہوتا ہے۔

ف: مسئلہ، تاثر جوارح از فیض غیبی

(فیض غیبی سے اعضاء کا متاثر ہونا)

چوں کہ فیض غیبی سے قلب متاثر ہوتا ہے اور جوارح تابع قلب کے ہیں، وہ اثر وارد قوی ہوتا ہے تو جوارح پر بھی اثر آتا ہے جیسی کہ بعض وقت غیبت حس ہو جاتی ہے، اس حدیث میں آپ کا کپڑے میں لپٹنا اس سے تھا کہ بدن پر اثر لرزہ کا تھا، پس اس سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

۲۵۱ - حال، انکشاف صوت عالم غیب

(عالم غیب کی آواز کا منکشف ہونا)

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نزل

علیہ الوحی یسمع عند وجہہ کدوی النحل. الحدیث (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے قریب ایک ایسی غیر مفہوم آواز سنائی دیتی جیسے شہد کی مکھی کی آواز ہوتی ہے۔

ف: بعض اوقات کسی شغل سے بعض اوقات کسی بزرگ کے قرب کی برکت سے، بعض اوقات دوسرے اسباب سے عالم غیب کی آواز منکشف ہوجاتی ہے، حدیث میں ایسی ہی آواز کا ذکر ہے، لیکن شغل کی ہر آواز آوازِ غیبی نہیں اکثر اوقات خود شاغل ہی کے دماغ میں ہوا کا احتباس اور تموج ہو کر بھی آواز محسوس ہونے لگتی ہے۔

۲۵۲- مسئلہ امکان تجسد روح کا بعض ور مکانے

(بزرگوں کی روح کا کسی جگہ مجسم ہو کر نظر آنا ممکن ہے)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث الاسراء لقائہ صلی اللہ علیہ وسلم مع موسیٰ علیہ السلام فی آخرین من الانبیاء علیہم السلام مع ماروی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. اتیت لیلۃ اسری بی علی موسیٰ علیہ السلام قائما یصلی فی قبرہ عند الکثیب الاحمر. (اخرجہ مسلم والنسائی[2])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث جس میں شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات دوسرے انبیاء کے مجمع میں مذکور ہے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں میرا موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا کہ اپنی قبر میں جو سرخ ٹیلہ کے پاس ہے کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

ف: ان دونوں روایتوں کے مجموعہ سے ثابت ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود قبر میں تشریف رکھنے کے پھر بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی معیت میں حضور صلی

---

[1] ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ المؤمنون، رقم: ٣١٧٣

[2] مسلم: الفضائل، فضائل موسیٰ علیہ السلام، رقم ١٦٣ (٢٣٧٥)، نسائی قیام اللیل وتطوع النہار، ذکر صلاۃ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام، رقم ١٦٣٢

اللہ علیہ وسلم سے قبر سے جواب سلام کیونکہ یہ سب انبیاء ان کی قبر سے یقیناً جواب سے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی روح اگر کسی جگہ متجسم ہو کر نظر آوے ممکن ہے مگر قرب یا دور کو نہ یہ دائم ہے اور نہ یہ اختیاری ہے۔

۲۵۳- مسئلہ عدم دوام کشف وخوارق

(مکاشفات اور خوارق عادت امور دائمی نہیں ہوتے)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما فتحت خیبر اہدیت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاۃ فیہا سم. الحدیث (اخرجہ البخاری)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک بکری (بھنی ہوئی) ہدیۃً پیش کی گئی جس میں زہر تھا۔ آخر حدیث تک۔

ف: آخر حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ نوش بھی فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تو دست کش ہو گئے لیکن آخر عمر میں اس زہر کا اثر ہوا اس سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ کشف دائم نہیں ہوتا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اولاً مخفی نہ رہتا، دوسرے یہ کہ خوارق دائم نہیں ہوتے، ورنہ آپ پر اثر نہ ہوتا جب نبی کے کشف وخوارق کا دوام ضروری نہیں تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔

۲۵۴- مسئلہ حقیقت دست غیب

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً بتمرات، فقلت: یا رسول اللہ! ادع اللہ فیہن بالبرکۃ فضمہن ثم دعا لی فیہن بالبرکۃ، ثم قال: "خذہن فاجعلہن فی مزودک ہذا کلما اردت ان تاخذ منہ شیئا ادخل یدک فیہ وخذہ ولا تنثرہ نثرا" ففعلت، فلقد حملت منہ کذا وکذا وسقا فی سبیل اللہ فکنا ناکل منہ ونطعم، وکان لا یفارق حقوی حتی کان یوم قتل عثمان انقطع. زاد رزین: فسقط فحزنت علیہ (اخرجہ الترمذی)[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] بخاری: الجزیۃ والموادعۃ، باب اذا غدر المشرکون بالمسلمین ہل یعفی عنہم؟ رقم ۳۱۶۹

[2] ترمذی: المناقب، مناقب ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم ۳۸۳۹ وقال: حسن غریب

علیہ وسلم کے پاس ایک روز کچھ کھجوریں لایا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ان میں برکت کی دعا کر دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جگہ جمع کر کے ان میں برکت کی دعا کر دی، پھر فرمایا: "ان کو لے لو اور اپنے اس توشہ دان میں رکھ لو اور جب اس میں سے کچھ لینا ہو تو اس کے اندر ہاتھ ڈال کر لے لو اور اس کو جھاڑو نہیں" (یعنی خالی مت کرو) چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا سو میں نے اس میں سے اتنے اتنے وسق (ایک وسق ہوتا ہے ساٹھ صاع کا) اللہ کی راہ میں دیئے اور ہمیشہ اس میں سے کھاتے اور کھلاتے رہے اور وہ میری کمر سے کبھی جدا نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا دن ہوا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا اور مجھ کو بڑا رنج ہوا۔

ف: علاوہ اسباب متعارفہ کے آمدنی تین قسم کی ہوتی ہے، ایک بطور خرق عادت کے جیسا کہ حدیث میں ہے، دوسرے یہ کہ کوئی عمل پڑھا اور اس سے بدون اس کے کہ ظاہر میں کوئی دینے والا ہو، جیب یا تکیے کے نیچے سے مثلاً روزانہ کچھ مل جایا کرے، تیسرے یہ کہ بندگان خدا ان کی کچھ خدمت کریں۔ تیسری قسم کو فتوحات کہتے ہیں، اور دوسری کو عوام الناس دست غیب کہتے ہیں اور یہ تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ ایسی رقم جن لاتے ہیں جو دوسروں کے مال سے کر چوری اور غصب ہے ورنہ اپنے پاس سے، سو وہ بھی منقطع اور چیز ہے، اور دونوں حرام، پہلی قسم البتہ دست غیب حلال ہے جو واقع میں نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہے۔

۲۵۵ - عادت بغضب بر بعض مباحات خلاف وضع

(کسی امر مباح پر اظہار ناراضگی کرنا)

عن المسور بن مخرمة حين خطب علي رضي الله تعالى عنه بنت أبي جهل قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول وهو على المنبر: "إن بني هشام بن المغيرة استأذنوني أن ينكحوا ابنتهم علي بن أبي طالب فلا آذن ثم لا آذن ثم لا آذن، إلا أن يريد ابن أبي طالب أن يطلق ابنتي وينكح ابنتهم، فإنما هي بضعة مني يريبني ما رابها ويؤذيني ما آذاها" (أخرجه الخمسة إلا النسائي)[1]

[1] البخاري، النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، رقم: ٥٢٣٠. مسلم، فضائل الصحابة، فضائل فاطمة رضي الله عنها، رقم: ۲۴۴۹؍۹۳. أبو داود، النكاح، ما يكره أن يجمع بين النساء، رقم: ٢٠٧١. ترمذي، المناقب، فضل فاطمة بنت محمد رضي الله تعالى عنها رقم: ٣٨٦٧، وقال: حسن صحيح. وأخرجه ابن ماجة، النكاح، باب الغيرة، رقم: ١٩٩٨.

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس واقعہ کے متعلق کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دختر ابوجہل کے نکاح کا پیغام دیا تھا روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا کہ "بنی ہشام بن مغیرہ مجھ سے اس کی اجازت لینا چاہتے تھے کہ اپنی دختر کا علی بن ابی طالب سے نکاح کر دیں سو میں کبھی اجازت نہ دوں گا، اور پھر دوبارہ اور سہ بارہ کہتا ہوں کہ اجازت نہیں دوں گا، ہاں اگر ابن ابی طالب کو یہ منظور ہو کہ میری دختر کو طلاق دے دیں اور ان کی دختر سے نکاح کر لیں تو ایسا کریں، فاطمہ میری لخت جگر ہے جس بات سے اس کو بے چینی ہوتی مجھ کو بھی ہوگی اور جس بات سے اس کو اذیت ہوتی مجھ کو بھی ہوگی۔"

ف: یہ نکاح مباح اور حلال تھا، چنانچہ قواعد شرعیہ سے بھی ظاہر ہے اور خود بعض روایت میں آپ کا صریح ارشاد بھی اس کے متعلق آیا ہے مگر باوجود اس کے بمصالح مذکورہ حدیث آپ کو یہ نکاح ناگوار ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر خصوصیت کی جگہ اسی قسم کے مصالح سے کسی امر مباح سے اظہار ناخوشی کے ساتھ اپنے مخصوصین کو روکا جائے تو یہ تحریم حلال نہیں، بزرگوں سے بھی ایسے واقعات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

۲۵۶- اصلاح در تاثیر فساد نیت در مذبوح

(نیت کا فساد مذبوح میں مؤثر ہوتا ہے)

عن ثابت بن الضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رجل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی نذرت ان اذبح بمکان کذا وکذا مکانا یذبح فیہ اھل الجاھلیۃ فقال: "ھل کان بذلک المکان وثن من اوثان الجاھلیۃ یعبد؟" قال: لا، قال: "فھل کان فیہ عید من اعیادھم؟" قال: لا، قال: "اوف بنذرک"۔ (اخرجہ ابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے نذر کی تھی کہ فلاں جگہ میں ذبح کروں گا وہ ایسی جگہ تھی جہاں اہل جاہلیت ذبح کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس جگہ میں کوئی بت وغیرہ تھا جاہلیت کے بتوں میں جس کی عبادت ہوا کرتی تھی؟" اس شخص نے عرض کیا کہ

---

[1] ابوداؤد، الأیمان والنذور، باب ما یؤمر به من وفاء النذر رقم: ۳۳۱۳ وسکت عنه المنذری.

نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا اس میں کوئی میلہ وغیرہ ہوتا تھا ان لوگوں کے میلوں میں سے؟" اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ "اپنی نذر پوری کرلو"۔

ف: یقینی بات ہے کہ یہ شخص ذبح اللہ ہی کے نام پر کرتے، کیونکہ مسلمان تھے، مگر باوجود اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان کی خصوصیات کی تفتیش فرمائی تاکہ اس سے ناذر کی نیت کا اندازہ ہو، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرے مگر نیت میں فساد ہو تو یہ فساد نیت مذبوح میں مؤثر ہوتا ہے، اس سے بزرگوں کے نام کے جانوروں کا حکم معلوم کرنا چاہئے، جس میں جاہل درویشوں کو اور ان کے ہم رنگ لوگوں کو غلطی واقع ہو رہی ہے۔

۴۵۷ - عبادت، چلہ

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من اخلص لله اربعين صباحا ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه".[1] (اخرجه رزين)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص چالیس روز تک اللہ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے، علم کے چشمے اس کے قلب سے (جوش زن ہو کر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔"

ف: اکثر بزرگوں سے چلہ کشی کا اہتمام منقول ہے، یہ حدیث اس کی اصل ہے۔

ف: مسئلہ اثبات علم اسرار

بزرگوں کے کلام میں منصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو بعض علوم وہ عطا ہوتے ہیں جو نہ منقول ہیں نہ مکتسب ہیں، کبھی اس کو علم وہبی سے تعبیر کرتے ہیں، کبھی علم اسرار کہتے ہیں اور خود ان سے اس قسم کے دقائق و حقائق بھی ہیں جو ان سے پہلے کسی کی زبان سے نہیں نکلے، یہ حدیث ایسے علوم کی تحقیق اور اعتبار کی اصل ہے۔

---

[1] مسند الشهاب ۱/۲۸۵ ورواه ابو نعيم في الحلية من جهة مكحول عن ابي ايوب مرفوعا وسنده ضعيف وهو عند احمد في الزهد مرسل بدون ابي ايوب وله شاهد عن انس رضي الله تعالى عنه (المقاصد الحسنة) ۳۹۵

۴۵۸ - عادت، تکلم بکلام موہم بمصلحت یا بعذر

(مصلحتاً یا کسی عذر سے ایسے الفاظ بولنا جو بظاہر شرع سے متجاوز ہوں)

عن الاسود قال: كنا في حلقة عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه فجاء حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه حتى قام علينا فسلم، ثم قال: لقد انزل النفاق على قوم خير منكم، فقلت: سبحان الله! ان الله عز وجل يقول: ﴿إن المنافقين في الدرك الأسفل من النار﴾ فتبسم عبد الله وجلس حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه في ناحية المسجد، فلما قام عبد الله وتفرق أصحابه رماني بالحصباء، فأتيته فقال: عجبت من ضحكه وقد عرف ما قلت، لقد انزل النفاق على قوم خير منكم ثم تابوا فتاب الله عليهم (اخرجه البخاري)[1]

ترجمہ: حضرت اسود سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقہ میں حاضر تھے اتنے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے یہاں تک کہ ہمارے پاس آکر کھڑے ہوئے اور سلام کیا، پھر فرمایا کہ ایسے لوگوں پر نفاق نازل ہوچکا ہے جو تم سے بھی اچھے تھے، ہم نے (تعجب سے) کہا سبحان اللہ! حق تعالیٰ تو یوں فرماتے ہیں کہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہیں (پھر وہ مسلمانوں سے اچھے کیسے ہوسکتے ہیں) اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تبسم فرمایا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی ایک جانب میں بیٹھ گئے، جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور ان کے اصحاب منتشر ہوگئے اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنکری پھینک کر مجھ کو بلایا، میں ان کے پاس آیا فرمانے لگے کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہنسنے سے تعجب کرتا ہوں حالانکہ میرے مقولہ کو وہ سمجھ گئے تھے (تو ان کو تقریراً تصدیق کرنا چاہئے تھا اور ہنسنے سے ناظرین کو دوسرا احتمال بھی ہوسکتا ہے، کہ شاید تکذیب وتجہیل کا ہنسنا ہو پھر اس مقولہ کا خود مطلب بیان کیا کہ) واقعی نفاق (اول اول) ایسے لوگوں پر نازل ہوا تھا جو تم سے بھی اچھے تھے (مگر) پھر انہوں نے توبہ کی پھر ان پر اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی۔

(مطلب یہ کہ جن منافقین نے نفاق سے توبہ کی وہ صحابی ہوگئے اور ظاہر ہے کہ صحابہ رضی

---

[1] بخاری، التفسیر، باب "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" رقم: ۴۶۰۲

اللہ تعالیٰ عنہم کا بعض سے افضل ہیں اور اس علاقہ میں تابعین زیادہ تھے پس ایسے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر یہ مضمون صادق آتا ہے کہ قرب سے اٹھ گئے تھے وہاں پر مذاق نازل ہوا تھا گو دونوں حالتوں کا زمانہ ایک ہی تھا مگر تابعین نے ظاہر کلام سے ان دونوں حالتوں کا زمانہ ایک سمجھ کر تعجب کیا۔

ف: بعض بزرگوں سے بعض ایسے کلام منقول ہیں جو ظاہراً شریعت سے متجاوز معلوم ہوتے ہیں جن کا منشاء یا قصداً اخفاء ہے نااہل سے یا غلبہ عذر ہے۔ کما قیل فی الاول:

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی ‖ بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

وقیل فی الثانی:

گفتگوئے عاشقاں در کار رب ‖ جوشش عشق است نے ترک ادب

حدیث سے اس دعویٰ کی وجہ کہ منشاء اس کا صحیح ہو اصل معلوم ہوتی ہے کہ ان صحابی کا مضمون بظاہر ایسا ہی تھا مگر واقع میں صحیح تھا اور غالباً دل کا اس مقام پر امتحان ہوگا اور غالباً مقصود یہ تھا کہ قلب حق تعالیٰ کے تصرف میں ہیں تو خود بینی و دعویٰ سے بچنا چاہیے۔

۲۵۹- توجیہ خود را بددین وغیرہ گفتن

(اپنے کو بددین وغیرہ کہنا)

عن ابی ملیکۃ قال: ادرکت ثلثین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شہد بدرا کلہم یخاف النفاق علی نفسہ ولا یامن المکر علی دینہ. الحدیث (اخرجہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تیس صحابیوں کو دیکھا جو بدر میں شریک ہوئے تھے (جن کی بڑی فضیلت آئی ہے) سب کے سب اپنے متعلق منافق ہونے کا اندیشہ رکھتے تھے اور اپنے دین کے متغیر ہونے سے بے اندیشہ نہ تھے۔

ف: بزرگوں کے کلام میں کثرت سے اس قسم کے کلمات پائے جاتے ہیں سبب اس کا غلبہ خوف ہے، حدیث سے صحابہ کا بھی یہی مذاق ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ خوف یا تقاضائے ادب کے سبب ہے تو نفاق اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور اگر بہ غلبہ حال کے سبب ہے تو نفاق سے

لہ البخاری: کتاب الایمان، باب خوف المؤمن من ان یحبط عملہ وھو لا یشعر

مراد بعض آثار نفاق ہیں، جو کسی درجہ نفاق کا ایک درجہ ہے۔

۲۶۰ - عادت مراقبہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کنت ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال۔ "یاغلام احفظ اللہ تجدہ تجاھک" وفی ھذا الحدیث۔ "فان استطعت ان تعمل للہ تعالٰی بالرضا فی الیقین فافعل، فان لم تستطع فان فی الصبر علی ماتکرہ خیرا کثیرا"۔ (اخرجہ رزین بھذا اللفظ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مرکب پر سوار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اے لڑکے اللہ تعالٰی کا خیال رکھا کرو، اس کو اپنے سامنے پاؤ گے" اور اس حدیث میں ہے کہ: "اگر تم سے ہو سکے تو اللہ تعالٰی کے لئے رضا کے ساتھ جو یقین سے مقرون ہو عمل کرو تو ایسا ضرور کرو، اور اگر ہمت نہ کر سکو تو پھر ناگوار امور پر صبر کرنے میں بھی خیر کثیر ہے۔"

ف: "احفظ اللہ" کا جو مطلب ہے وہی حاصل ہے مراقبہ کا، جو اہل طریق کے عادات لازمہ سے ہے، رہ گئی اس کی خاص ہیئت تو محض اس کے رائج ہونے کے لئے ہے، مقصود بالذات نہیں، اس لئے اس ہیئت کے منصوص ہونے کی ضرورت نہیں۔

ف: حال قرب و معیت

مراقبہ پر جو ثمرہ مرتب ہوتا ہے وہ قرب و معیت ہے "تجدہ تجاھک" جو "احفظ" پر مرتب ہے عبارت اسی سے ہے۔

ف: مسئلہ تفضیل عارف بر عابد

(عارف کو عابد پر ترجیح دینا)

رضا و یقین کو جو اعمال اہل باطن سے ہیں صبر علی المکروہ پر کہ اعمال عابدین سے ہے ترجیح دینا دلیل صریح ہے تفضیل اہل باطن کی صاحب اعمال ظاہر پر۔

---

[1] کتاب الزھد لھناد بن السری ۳۰۴:۱

زبان پر لاوے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خوش ہوکر) فرمایا: "اللہ اکبر، اللہ کا شکر ہے، جس نے شیطان کے فریب اور کوشش کو وسوسہ ہی تک رکھا" (آگے نہیں بڑھنے دیا)

ف: اس حدیث میں جو علاج وسوسہ کا مذکور ہے، محققین اسی کے موافق تعلیم دیتے ہیں حاصل اس کا یہ ہے کہ وسوسہ پر محزون نہ ہو بلکہ خوش ہو کہ جو بلائیں وسوسے سے اعظم ہیں ان سے حق تعالیٰ نے بچا لیا، اور اس خوش ہونے سے ایک نفع یہ بھی ہے کہ شیطان مؤمن کی خوشی سے ناخوش ہوتا ہے، پس جب وہ دیکھے گا کہ یہ وسواس سے خوش ہوتا ہے وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا اور ان بڑی بلاؤں سے بچنے میں بعض اوقات خود اس وسوسہ کو بھی دخل ہوتا ہے، کیوں کہ جب نفس اس طرف اضطراراً متوجہ ہوا تو بعض اوقات دوسرے معاصی عظیمہ ظاہرہ یا باطنہ میں مشغول ہونے کی مہلت نہیں پڑتا اور بچا رہتا ہے اسی واسطے فرمایا گیا ہے۔

ای بلا دفع بلا ہائے بزرگ

اور اضطراراً اس لئے کہا کہ اختیاراً اس کی طرف توجہ نہ چاہئے کہ اس سے اذیت ہوتی ہے گو معصیت نہیں ہوتی، شیخین کی ایک حدیث میں اس کا صریح امر آیا ہے فلینتہ اور اس حدیث میں بھی اس پر مسرور ہونے میں اشارہ اس طرف ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ جب مسرور میں مشغول ہو گیا تو توجہ الی الوسوسہ قصداً مرتفع ہو گئی۔

۲۶۳- اصلاح دعویٰ باطل کشف

عن واثلة بن الاسقع رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ان من اعظم الفرى ان يدعى الرجل الى غير ابيه او يرى عينيه مالم تر، او يقول على رسول الله صلى الله عليه وسلم ما لم يقل" (اخرجه البخاري[1])

ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بہت بڑی افتراء کی چیز یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے کو منسوب کرے (جیسا بعض اولاد میں کسی کی ہو اور مشہور کسی دوسرے کی اولاد میں جیسے بعض کی عادت ہوتی ہے کہ ہو گئے شیخ، شاہ یا سید وغیرہ تک) یا اپنی آنکھ کی طرف ایسی چیز کے دیکھنے کی نسبت کرے جو اس نے نہیں دیکھی (اس میں جھوٹا خواب اور جھوٹا دعویٰ کشف کا سب

[1] بخاری: المناقب، باب (بلا ترجمہ) رقم ۳۵۰۹۔

آ گیا) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسے قول کو منسوب کرے جو آپ نے نہیں فرمایا۔"

ف: حدیث کی تقریر سے اس کا مذموم ہونا ظاہر ہے، بہت سے مدعی اس میں مبتلا ہیں۔

ف: اصلاح بے احتیاطی در نقل حدیث

(حدیث کو نقل کرنے میں بے احتیاطی)

اگر حسن ظن کے غلبہ سے شبہ ہی نہ ہو کہ راوی حدیث غلط نقل کر رہا ہے تب تو معذوری ہے، بعضے بزرگوں کو یہی بات پیش آئی ہے جو ان کے ملفوظات و مکتوبات میں بعض بے اصل حدیثیں داخل ہو گئیں۔ اور اگر باوجود خطاء کے متنبہ کرنے کے پھر اس کے نقل پر اصرار ہے جیسا کہ اکثر اہل جہل کا شیوہ ہے تو کوئی وجہ معذوری کی نہیں۔

۲۶۴۔ عادت بعض بترک نکاح و گوشہ نشینی

عن عيسى بن واقد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا كانت سنة ثمانين ومائة فقد أحلت العزبة والترهب في رؤوس الجبال" (أخرجه رزين)[1]

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن واقد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب ۱۸۰ ایک سو اسی آ جائے، اس وقت میں اپنی امت کو ترک نکاح یا جلاوطنی اور ترک تعلقات کر کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا رہنے کی اجازت دیتا ہوں"۔

ف: بعض بزرگوں نے اس کو بمصلحت بچنے فتن داخلہ و خارجہ سے بچنے کے لئے اس کو اختیار کیا ہے، حدیث میں ایسی حالت میں اس کا ماذون فیہ ہونا مصرح ہے اور سنہ کی قید اشارہ اسی مصلحت کی طرف ہے کیونکہ یہ زمانہ تھا کثرت فتن کا۔

۲۶۵۔ مسئلہ عدم منافات در اسباب و توکل

(اسباب اور توکل میں کوئی منافات نہیں)

عن انس رضي الله تعالى عنه قال: قال رجل لرسول الله صلى الله عليه وسلم

---

[1] ذكره علي الكناني في كتابه "تنزيه الشريعة المرفوعة" وقال: أخرجه الخطابي في جزئه وهو من بين الحسن وعلي ابن رسالة في سنده ضعفاء (۲: ۳۰۶)

اعقلها واتوکل او اطلقها واتوکل قال: "اعقلها وتوکل". (اخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کیا کہ میں اپنی اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا رکھوں اور توکل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "باندھ کر توکل کرو"۔

ف: مطلق توکل کے لئے ترک تدبیر ضروری نہیں حدیث اس میں صریح ہے بلکہ بعض تدبیر کا ترک سب کو ترک ناجائز ہے اور بعض کا ضعیف کے لئے ناجائز ہے، حدیث کی دونوں طرح توجیہ ہو سکتی ہے تفصیل اس کی کلید مثنوی میں ہے۔

۳۲۲۔ عادت تنبیہ مریداں بر بعض زلات غائب از نظر

(کشف وغیرہ کے ذریعہ معلوم ہونے والی مرید کی لغزشوں پر تنبیہ کرنا)

عن ابن ابی کثیر قال: قال ابو سہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرت بی امراۃ فاخذت کشحها ثم اطلقتها، فاصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبایع الناس، فاتیته فقال "الست بصاحب الجبذۃ بالامس"؟ قلت بلی، وانی لا اعود یا رسول اللہ فبایعنی. (اخرجہ رزین[2])

ترجمہ: ابن ابی کثیر سے روایت ہے کہ حضرت ابوسہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میرے سامنے سے ایک عورت گزری، میں نے (غلبہ شہوت سے) اس کی کمر پکڑلی، پھر اس کو (خوف خدا سے) چھوڑ دیا، اتفاق سے (اگلے دن) صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سبب سے لوگوں کو بیعت فرمانے لگے، میں بھی (اسی غرض کے لئے) حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم وہی نہیں جس نے کل کے روز اس کو کھینچا تھا" میں نے عرض کیا کہ بے شک، اور میں اب ایسا نہ کروں گا یا رسول اللہ، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو بیعت فرمالیا۔

ف: بعضے بزرگوں کی عادت ہے کہ کشف سے یا خبر صادق سے کوئی بات ہے جو مرید

---

[1] الترمذی صفۃ القیامۃ، (باب حدیث اعقلها وتوکل) رقم ۲۵۱۷، قال عمرو بن علی قال یحیی. وهذا عندی حدیث منکر، وقال ابو عیسی: وهذا حدیث غریب من حدیث انس لا نعرفه الا من هذا الوجه [2] الاستیعاب فی ترجمۃ ابی سہیم، واخرج حدیثه السلفی والطبری، واسنادہ قوی قاله الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ ۴/۱۰۲

کی معلوم ہوتی ہے تو مصلحت زجر کے لئے اس کو تنبیہ فرما دیتے ہیں اور اگر مجمع میں متنبہ کرتے ہیں تو مبہم طور پر کہ دوسروں کے روبرو رسوائی نہ ہو، حدیث ان سب مجموعہ پر دال ہے البتہ کشف دوسرے پر حجت نہیں اس پر بنا کسی سزا کی یا سوء ظن کی اجازت نہیں اور بعض اوقات باوجود علم کے متنبہ نہیں کرتے، اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے مثلاً اس سے اندیشہ ہوتا ہے زیادت جرأت کا۔ ونحو ذلک۔

۲۴۷۔ متفرقات: اصل طریق تصوف

عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في حديث سؤال جبريل عليه السلام عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جبريل فاخبرني عن الاحسان قال: ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك[1]. الحديث (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث میں جس میں جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے ہیں یہ بھی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ بتلائیے کہ احسان کیا چیز ہے (اس کے معنی لغوی ہیں: حسن کرنا، یعنی عبادت کا اچھی طرح بجا لانا یعنی اس طرح کہ وہ ریاء وغفلت سے منزہ ہو، حاصل اس کا اخلاص اور حضور ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر خدا تعالیٰ نظر آتے تو جس طرح کی عبادت اس وقت کرتے ایسی کرو اور ایسا اس وقت میں عبادت اخلاص وحضور کے ساتھ ضرور ہوتی، پس اسی طرح کی عبادت کرنا چاہئے اور گو تم اس کو دیکھتے نہیں ہو مگر ایسی طرح کی عبادت کا داعی پھر بھی موجود ہے) اس لئے کہ اگر تم اس کو دیکھتے نہیں تو وہ تم کو دیکھتا ہے" (اور یہ بھی داعی کافی ہے)

ف: یہ سوال بعد دریافت حقیقت ایمان واسلام کے تھا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ عقائد واعمال ظاہرہ سے زائد ایک اور امر بھی قابل تحصیل ہے جس کو احسان کہا گیا ہے اور جو حقیقت اس کی بیان فرمائی گئی ہے، یہی خلاصہ ہے اس طریق کا، پس حدیث مثبت ہے اس طریق کے صحت کی۔

---

[1] مسلم، الایمان، بیان الایمان والاسلام والاحسان رقم (۸)

۲۲۸۔ متفرقات، بیعت طریقت

عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحولہ عصابۃ من اصحابہ. "بایعونی علی ان لاتشرکوا باللہ ولا تسرقوا". الحدیث (متفق علیہ[1])

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد آپ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی اس وقت آپ نے فرمایا کہ "تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرلو کہ تم شرک نہ کروگے اور چوری نہ کروگے" آخر حدیث تک۔

ف: حدیث میں تصریح ہے کہ جن لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کا ارادہ فرمایا وہ صحابہ تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علاوہ بیعت اسلام و جہاد کے ترک معاصی والتزام طاعات کے لئے بھی بیعت ہوتی تھی، یہی بیعت اسلام بیعت طریقت ہے جو صوفیہ میں معمول ہے، پس اس کا انکار نادانی ہے۔

۲۲۹۔ قول بتسمیہ جہاد نفس بہ جہاد اکبر
(نفس سے جہاد کو جہاد اکبر کہنا)

عن فضالۃ الکامل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "المجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ". الحدیث (رواہ البیہقی فی شعب الایمان[2])

ترجمہ: حضرت فضالہ کامل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔"

ف۔ مجاہدۂ نفس کو بزرگوں کے ملفوظات میں جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کی ترکیب المجاھد الخ جس سے ظاہراً حصر جنس مستفاد ہے

---

[1] بخاری، الایمان، باب (بلاترجمۃ) رقم ۱۸۔ مسلم، الحدود، الحدود کفارات لاھلھا رقم ۱۷۰۹، ترمذی، الحدود، الحدود کفارۃ لاھلھا رقم ۱۴۳۹ وقال حسن صحیح۔ نسائی، البیعۃ، من ولی بما یجب علیہ، رقم ۴۲۱۵ [2] رواہ البیہقی فی شعب الایمان: باب فی ان یحب المسلم لاخیہ ما یحب لنفسہ ۷/۴۹۹ رقم ۱۱۱۲۳

ہے حصر کمال کے لئے مستعمل ہے، کمالا یخفی علی اہل العلم، یہی معنی ہیں ہونے کے کہ یہ جہاد کامل تجاہد نفس ہے تو ظاہر ہے، سو حاصل یہ ہوا کہ جہاد کامل جہاد نفس ہے اور کامل اور اکبر کے ایک ہی معنی ہیں۔

۲۷۰- مسئلہ، عدم منافات وسوسہ و کمال را

(وسوسہ اور کمال میں منافات نہیں)

عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان رجالا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین توفی حزنوا علیہ حتی کاد بعضھم یوسوس، قال عثمان: وکنت منھم فبینما انا جالس مر علی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسلم فلم اشعر بہ، فاشتکی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ثم اقبلا حتی سلما علی جمیعا وقال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ما حملک ان لا ترد علی اخیک عمر سلامہ؟ قلت: ما فعلت، فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: بلی واللہ لقد فعلت، قال: قلت: واللہ ما شعرت انک مررت ولا سلمت، قال ابوبکر: صدق عثمان، قد شغلک عن ذلک امر، فقلت: اجل، قال: ما ھو؟ قلت: توفی اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان نسالہ عن نجاۃ ھذا الامر۔ الحدیث (رواہ احمد[1])

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بہت سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زمانہ میں بہت ہی مغموم ہوئے یہاں تک کہ بعضوں کو کچھ وسوسے ہونے لگے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان ہی میں سے تھا، پس میں ایک بار بیٹھا ہوا تھا، اس اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا میرے پاس کو گذر ہوا اور سلام کیا مگر مجھ کو (اصلا) خبر نہ ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شکایت کی، پھر دونوں حضرات تشریف لائے یہاں تک کہ دونوں نے سلام کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (مجھ سے) فرمایا کہ کیا باعث ہے تم نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب نہیں دیا؟ میں نے کہا کہ نہیں میں نے ایسا نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیوں نہیں، واللہ آپ نے ایسا کیا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ واللہ مجھ کو نہ آپ کے گذرنے کی خبر ہوئی اور نہ سلام کی خبر ہوئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

---

[1] مسند احمد ۶/۱۔ رجالہ ثقات۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتے ہیں: معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کسی بڑے امر نے اس سے غافل کر رکھا۔ میں نے کہا ہاں یہی بات ہے۔ فرمانے لگے وہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ وہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے اٹھالیا اور ہم یہ پوچھنے نہ پائے کہ اس دین (اسلام) میں اصل مدارِ نجات کیا چیز ہے؟ (یعنی شرائع تو بہت سے ہیں مگر اصل الاصول کیا ہے، اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تسلی کردی کہ میں نے پوچھ لیا وہ توحید و رسالت کا عقیدہ ہے)

ف: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کامل ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے، پھر بھی ان کو وسوسہ ہوا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ منافی کمال نہیں، نہ مضر باطن ہے۔

ف: حالِ غیبت

دین کی بات کا خیال ایک وارد ہے اور اس کی قوت نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے خبر کردیا، یہی غیبت ہے، پس اس حدیث سے اس کا بھی اثبات ہوتا ہے۔

۱۷۴- علاج دفع وسوسہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یاتی الشیطان احدکم فیقول: من خلق کذا من خلق کذا حتی یقول من خلق ربک فاذا بلغہ فلیستعذ باللہ ولینتہ". (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "شیطان تم میں سے ہر ایک کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلانی چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلانی چیز کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ (یعنی نعوذ باللہ) تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ سو جب اس کی نوبت پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگے (اعوذ باللہ پڑھ لے) اور سوچنے سے باز رہے۔"

ف: حدیث وسوسہ مضمون دوم میں اس کی تقریر گزر چکی ہے، اور اس حدیث میں ایک علاج زیادہ ہے کہ اعوذ باللہ بھی پڑھے، خود اس کلمہ میں بھی برکت ہے علاوہ اس میں ایک راز

البخاری: بدء الخلق، صفۃ ابلیس وجنودہ، رقم ۳۲۷۶، مسلم: الایمان، بیان الوسوسۃ فی الایمان، وما یقولہ من وجدہا، رقم ۲۱۴ (۱۳۴)، ابو داود: السنۃ، باب فی الجہمیۃ، رقم: ۴۷۲۲.

بھی ہے وہ یہ کہ جب حق تعالیٰ کی طرف استغاثہ کے ساتھ متوجہ ہوگا تو یہ توجہ دافع ہو جائے گی توجہ الی الوسوسہ کی، کیونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا، پس اس علاج کا حاصل یہ ہوا کہ ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے تو قصداً اور استقلالاً دفع وسوسہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

۲۷۲ – علاج دفع وسوسہ

عن القاسم بن محمد ان رجلا سأله فقال: انی اھم فی صلاتی فیکثر ذلک علی فقال له: امض فی صلوتک فانه لن یذھب ذلک عنک حتی تنصرف وانت تقول ما اتممت صلوتی. (رواہ مالک)[1]

ترجمہ: قاسم بن محمد سے ایک شخص نے پوچھا کہ مجھ کو نماز میں وہم اور شبہ بہت ہوا کرتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ (کچھ پرواہ نہیں) اپنی نماز (اسی حالت سے) ختم کر لیا کرو کیونکہ یہ (کوشش کرنے سے) ہرگز دفع نہ ہوگا، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاؤ گے اور یوں ہی کہتے رہو گے کہ میں نے نماز پوری نہیں پڑھی (ضرور کچھ رہ گیا ہے اس لئے پھر پڑھو گے مگر پھر بھی فراغ کے بعد یہی وسوسہ رہے گا تو کہاں تک اعادہ کرو گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ کچھ پرواہ نہ کرو)

ف: اس روایت میں یہ اور علاج ہے کہ اس کی پرواہ نہ کی جائے اور اس پر عمل اور اس کی طرف التفات نہ کرے، یہ علاج مجرب ہے، اکسیر اعظم ثابت ہوا ہے اور حاشیہ میں لمعات ومرقات سے فانہ لن یذھب الخ کی اور طرح کی تقریر ہے، یعنی یہ وسوسہ اس وقت تک دفع نہ ہوگا، جب تک کہ تم ایسا نہ کرو گے کہ نماز ختم کر دو اور (شیطان) سے یوں کہہ دو کہ ہاں ہم نے نماز پوری نہیں پڑھی نہ سہی، اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے وہ اسی کو قبول کر لے گا یا معاف کر دے گا ہم آپ کی خیرخواہی سے باز آئے، بس جاؤ ہمارا خدا جانے۔

۲۷۳ – مسئلہ عدم اضرار خیالات بلا قصد در صلوٰۃ

(نماز میں بلا ارادہ خیالات کا آنا مضر نہیں ہے)

عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من توضأ وضوئی ھذا ثم یصلی رکعتین لا یحدث نفسه فیھما بشیء غفر له

---

[1] موطا العمل فی السھو ص ۸۳ (مطبوعہ مکتبہ تھانوی)

ما تقدم من ذنبه". (متفق علیہ واللفظ للبخاری)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وضو کر کے) ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص میرا سا وضو کرے پھر دو رکعت اس طرح پڑھے کہ ان میں اپنے دل سے کسی قسم کی باتیں نہ کرے تو اس کے سب ذنوب سابقہ (جو صغائر میں سے ہوں) معاف ہو جاتے ہیں۔"

ف: اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز میں مطلقاً خیال کا آنا مضر حضور قلب ہے، اور اسی وجہ سے حضور قلب کو خارج از قدرت قرار دے کر اس کا اہتمام متروک محض ہو گیا ہے، حدیث میں لفظ "یحدث" وارد ہے، جو کہ فعل اختیاری ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو خیال بقصد لایا جائے وہ مضر حضور ہے، سو اس کا ترک داخل قدرت ہے اور جو بلا قصد و اختیار آ جائے وہ مضر نہیں، پس حضور قلب کا اہتمام ضرور ہو اور ممکن التحصیل بھی رہا۔

۴۷۲۔ تعلیم بطریق حضور در صلوٰۃ (نماز میں توجہ کا طریقہ)

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ما من مسلم یتوضأ فیحسن وضوءہ ثم یقوم فیصلی رکعتین مقبلا علیہما بقلبہ ووجہہ الا وجبت لہ الجنۃ"۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "کوئی مسلمان ایسا نہیں جو وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت اس طرح پڑھے کہ اپنے دل اور چہرہ سے اس کی طرف متوجہ رہے مگر اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔"

ف: "مقبلا علیہما بقلبہ" میں غور کرنے سے یہ طریق معلوم ہوتا ہے، شرح اس کی یہ ہے کہ "علیہما" کی ضمیر راجع ہے رکعتین کی طرف، اور رکعت مرکب ہے اقوال وافعال عدیدہ سے، تو اقبال علی الرکعۃ اقبال علی ہذہ الاجزاء ہے، جس کا حاصل طریق یہ ہو

---

[۱] بخاری: الوضوء، الوضوء ثلاثا ثلاثا رقم: ۱۵۹، مسلم: الطہارۃ، فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ رقم: ۲۲۹ [۲] مسلم: الطہارۃ، الذکر المستحب عقب الوضوء رقم: ۲۳۴ (۱۷) واخرجہ ابو داؤد الصلاۃ، کراہیۃ الوسوسۃ وحدیث النفس الخ رقم: ۹۰۶

کہ جو قول و فعل نماز میں صادر ہو وہ توجہ اور قصد سے ہونا چاہئے، بعض مشق اور یاد سے نہ ہو۔ مثلاً زبان سے سبحنک اللھم کہا تو اس کی طرف مستقل توجہ ہو کہ میں زبان سے کہہ رہا ہوں، پھر وبحمدک کہا تو اسی طرح اس کی طرف بھی مستقل توجہ اور قصد ہو اسی طرح آخر نماز تک، پس اس طرح کرنے سے برابر ساعات نماز میں توجہ الی الطاعۃ رہی اور ایک طرف جب توجہ ہوتی ہے تو دوسری طرف نہیں ہوتی پس لامحالہ اس سے غیر صلوۃ کی طرف توجہ نہ ہوگی، پس حضور کامل میسر ہوگا اور "وجہ" میں اشارہ اس طرف ہے کہ جوارح کے مشغول کر دینے کو بھی اشتغال قلب میں دخل ہوتا ہے، پس تکمیل حضور کے لئے کف جوارح بھی ضرور ہے ورنہ چہرہ پھیرنے سے بواسطہ نگاہ کے خیالات منتشر ہوں گے۔

۲۷۵ — شغل: حبس البصر (نگاہ کو ایک جگہ روکے رکھنا)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "یا انس! اجعل بصرک حیث تسجد" (رواہ البیہقی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے انس! اپنی نگاہ کو سجدہ کی جگہ رکھو۔"

ف: تجربہ سے ثابت ہے کہ اس عمل سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے، اور اشغال سے بھی مقصود ہے پس حدیث اصل ہے اشغال کی۔

۲۷۶ — حال: وجد

عن مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی ولجوفہ ازیز کازیز المرجل یعنی یبکی، وفی روایۃ قال: رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وفی صدرہ ازیز کازیز الرحی من البکاء (رواہ احمد وروی النسائی الروایۃ الاولی وابوداؤد الثانیۃ)

ترجمہ: حضرت مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں

---

[۱] رواہ البیہقی فی السنن: الصلاۃ، لا یجاوز بصرہ موضع سجودہ، ۲/۲۸۴

[۲] مسند احمد، ۴/۲۶، ابوداؤد: الصلاۃ، البکاء فی الصلاۃ رقم: ۹۰۴، وسکت عنہ المنذری، سنن النسائی: السہو، البکاء فی الصلاۃ رقم ۱۲۱۵

نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ کے سینے میں ایک ایسی آواز تھی جیسی (پکنے کے وقت) ہانڈی کی آواز ہوتی ہے، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جیسی چکی کی آواز ہوتی ہے، اور یہ آواز رونے کے سبب تھی کہ آپ رو رہے تھے۔

ف: گریہ حالت غریبہ محمودہ کا غلبہ وجد کہلاتا ہے، یہ حالت آپ کی اسی قبیل کی تھی اور کاملین کا وجد اکثر ایسا ہی لطیف ہوتا ہے، صعق، تمزیق ثیاب وغیرہ نہیں ہوتا اور جس کو وہ بھی بے اختیار ہو معذور ہے۔

۲۷۷ - متفرقات، عنوان خاص مسئلہ مظہریت

(حق تعالیٰ کی صفات کا خلق میں ظہور فرمانا)

عن ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: سمعت ابا الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ان اللہ تبارک وتعالیٰ قال: یا عیسیٰ! انی باعث من بعدک امۃ". الحدیث وفیہ: "قال اللہ تعالیٰ: اعطیہم من حلمی وعلمی". (رواہ البیہقی)[1]

ترجمہ: حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے) فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کرنے والا ہوں"۔ (مراد اس امت سے امت محمدیہ ہے) اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو (یعنی امت محمدیہ کو) اپنے حلم اور اپنے علم سے عطا کروں گا"۔

ف: اکثر اہل توحید کی تقریر میں مظہریت خلق للحق کے بیان میں یہ عنوان پایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی شان خاص صفات متناسبہ نے جو مشترک بین الواجب والممکن ہیں، خاص خاص خلق میں ظہور فرمایا ہے، مثلاً صفت حی نے جنوں میں، اور صفت کلام نے تاریکی، اور اکثر صفات نے انسان میں، غرض اس مظہریت میں صرف صفات متناسبہ کی تخصیص کی گئی ہے جس پر بعض متشددین کو شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ معاذ اللہ نعوذ باللہ بعض صفات کے انتقال یا

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان: باب فی تعدید نعم اللہ عزوجل وشکرہا ۴/۱۳۱۳، رقم ۴۲۸۴

دونوں شخص وذہب کے قائل کے قائل ہیں، اس حدیث کے اس جزو میں ''اعطیہم'' اور ''ان'' اس خاص عنوان کی ظاہر تائید ہے، لیکن جو توجیہ اس حدیث کی ہے وہی توجیہ ان حضرات کے بیان کی ہے، اور کسی بلا تخصیص صفات مناسب تکرار کر کے مطلق خلق کو مطلق صفات کا مظہر کہتے ہیں، اس میں نہ یہ شبہ ہے نہ اس کی توجیہ کی ضرورت۔

۴۷۸ - متفرقات، ادب موتی کالاحیاء

(زندوں کی طرح مردوں کا ادب واحترام کرنا)

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كنت ادخل بيتي الذي دفن فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي فاضع ثوبي فاقول انما هو زوجي وابي فلما دفن عمر معهم فوالله مادخلته الا وانا مشدودة علي ثيابي حياء من عمر. (رواه احمد)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدفون ہونے تک تو) اپنے (اس) حجرہ میں (جس میں یہ حضرات مدفون ہیں بے تکلف) چلی جایا کرتی تھی، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کئے گئے پھر میں وہاں بدون اس کے کہ میرے کپڑے مجھ پر خوب لپٹے ہوئے ہوں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرم آنے کی وجہ سے کبھی نہیں گئی۔

ف: بزرگوں نے لکھا ہے کہ ہر مردہ کی قبر پر حاضر ہو کر اس کا اتنا ادب کرے کہ جتنا حالت حیات میں کرتا تھا، بشرط عدم تجاوز عن الشرع مثلاً قبر سے اتنے فاصلہ پر بیٹھے جتنے فاصلہ سے حیات میں اس کے پاس بیٹھتا تھا، ونحو ذلک۔

اس حدیث سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے، دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی حالت حیات میں کسی ضرورت سے تشریف لے جاتیں تو خوب پردے میں لپٹ کر جاتیں، اسی طرز کی رعایت ان کی قبر پر جانے کے وقت بھی کی، یہ وجہ تھی اس طرح جانے کی، اور یہ تھی ہیں حیاء من عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، باقی اس سے موتی کے ایک خاص درجہ کے ادراک واطلاع پر استدلال کرتا ہوں، کہ بالکل قلب قبول نہیں کرتا۔

---

[1] مسند احمد [illegible] ورواه الهيثمي في مجمع الزوائد [illegible] وقال رواه احمد ورجاله رجال الصحيح

٢٧٩- حال، کشف القبور

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم خباءه على قبر، وهو لا يحسب أنه قبر، فإذا فيه إنسان يقرأ ﴿تبارك الذي بيده الملك﴾ حتى ختمها، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فأخبره، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب الله". (رواه الترمذي)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگایا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، سو اس میں ایک آدمی معلوم ہوا جو ﴿تبارک الذی بیدہ الملک﴾ پڑھ رہا ہے، یہاں تک کہ اس کو ختم کیا، سو وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور (اس واقعہ کی) خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ سورۃ حفاظت کرنے والی ہے، یہ سورۃ نجات دینے والی ہے، یعنی مردہ کو عذاب الٰہی سے (جو کہ قبر میں ہوتا ہے) نجات دیتی ہے۔"

ف: کشف قبور کبھی بلا قصد واکتساب ہوتا ہے جیسے ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوا، اسی لئے اس کو حال میں داخل کیا گیا اور کبھی کسب وریاضت سے ہوتا ہے، بہرحال حدیث سے کشف بالقبور کا وقوع معلوم ہوا۔

ف: متفرقات، فیض باطنی از اہل قبور

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن مجید سننا موجب نفع باطنی ہے اور یہ نفع ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بواسطہ صاحب قبر کے پہنچا اس سے اہل قبور کے فیوض کا اثبات ہوتا ہے۔

٢٨٠- متفرقات، اثبات نور وظلمت قلب

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن هذه القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد إذا أصابه الماء" قيل: يا رسول الله وما جلاؤها؟ قال: "كثرة ذكر الموت وتلاوة القرآن". (رواه البيهقي)[2]

---

[1] الترمذي، فضائل القرآن، فضل سورة الملك، رقم: ٢٨٩٠، وقال: حسن غريب من هذا الوجه

[2] رواه البيهقي في شعب الإيمان ٢/٣٥٢، ميزان الاعتدال في ترجمة عبد الرحيم بن هارون الغساني ٢/٦٠٧، قاله الدار قطني: متروك الحديث، يكذب، وقد ساق ابن عدي له عدة أحاديث استنكرها ومنها هذا الحديث أيضا

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "ان دلوں کو بھی لوہے کی طرح جب کہ اس کو پانی پہنچتا ہے زنگ لگ جاتا ہے" عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اور اس کا جلاء کس چیز سے ہوتا ہے فرمایا: "موت کو بکثرت یاد کرنے سے اور قرآن کی تلاوت سے۔"

ف: اہل فن کے کلام میں قلوب کے لئے نور و ظلمت کا حکم پایا جاتا ہے۔ حدیث سے اس کا صریح اثبات ہوتا ہے۔

۲۸۱۔ متفرقات طریق تلاوت

عن طاؤس مرسلا قال: سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ای الناس احسن صوتا للقرآن واحسن قراءۃ۔ قال: من اذا سمعتہ یقرؤ اریت انہ یخشی اللہ تعالیٰ، قال طاؤس: وکان طلق کذلک. (رواہ الدارمی)

ترجمہ: طاؤس سے بحذف نام صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید میں اور اس کے پڑھنے میں سب آدمیوں میں زیادہ اچھا اور خوش آواز کون شخص ہے؟ فرمایا: وہ شخص ہے کہ جب اس کو پڑھتا ہوا سنو تو تم کو ایسا معلوم ہو کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈر رہا ہے۔" طاؤس کہتے ہیں کہ طلق ایسے ہی تھے۔

ف: چوں کہ خشیت بدون تصور حضور حق تعالیٰ نہیں ہوتا اس لئے حدیث میں اشارہ ہے کہ قرآن پڑھنے کے وقت یہ تصور کرے کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں اور یہ تلاوت قرآن کا اچھا طریقہ ہے جس کی بزرگوں نے بھی تعلیم فرمائی ہے۔

۲۸۲۔ عادت تصرف

عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرأ قراءۃ انکرتھا علیہ، ثم دخل آخر فقرأ قراءۃ سوی قراءۃ صاحبہ، فلما قضینا الصلوٰۃ دخلنا جمیعاً علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت: ان ھذا قرأ قراءۃ انکرتھا علیہ، ودخل آخر فقرأ سوی قراءۃ صاحبہ، فامرھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقرآ، فحسن شانھما، فسقط فی

---

[1] سنن الدارمی: فضائل القرآن، التغنی بالقرآن رقم: ۳۴۸۹ دار الکتب العلمیۃ

نفسی من التکذیب، ولا اذ کنت فی الجاھلیۃ، فلما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقاً وکانما انظر الی اللہ فرقاً. الحدیث (رواہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں تھا ایک شخص آ کر نماز پڑھنے لگا اور قرآن اس طرح پڑھا کہ میں اس کو غلط سمجھا (کیوں کہ کچھ کلمات ان کی یاد کے خلاف پڑھ رہے تھے) پھر ایک اور شخص آیا اس نے اور ہی طرح قرآن پڑھا، جب ہم سب نماز پڑھ چکے تو ہم سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے قرآن اس طرح پڑھا تھا کہ میں اس کو غلط سمجھا اور یہ جو دوسرا آیا تو اسنے اور ہی طرح پڑھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمائش کی اور ان دونوں نے پڑھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا پڑھنا ٹھیک بتلایا، میرے دل میں تکذیب (کی کیفیت درجۂ وسوسہ میں) واقع ہوئی اور وہ بھی حالت جاہلیت کی سی نہیں (بلکہ اس سے بھی زیادہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھی جو مجھ پر غالب ہو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا، بس پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف سے میری یہ حالت ہوئی کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ تحسین ان سب قراءتوں کی بتلائی کہ ان سب وجوہ سے پڑھنے کی اجازت ہے)

ف: ہاتھ مارنا جس سے یہ حالت ہوگئی تصرف ہے۔

ف: حال، وجد و استغراق

ہاتھ مارنے سے جو حالت ہوئی یہ وجد ہے اور اس کا غلبہ غایت درجہ کا استغراق ہے، اور غایت درجہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشبیہ دی ہے نظر الی اللہ سے اور ظاہر ہے کہ اگر نظر الی اللہ کا وقوع اس عالم میں ہوتا تو ہرگز ہوش و حواس بجا نہ رہتے۔

---

[1] مسلم، صلاۃ المسافرین (فضائل القرآن) بیان ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف وبیان معناھا، رقم: ۲۷۳ (۸۲۰)

٢٨٣ - مسئلہ انتفاع از مادون خود

(اپنے سے کم رتبہ والے سے نفع حاصل کرنا)

عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال: استأذنت النبي صلى الله عليه وسلم في العمرة فأذن لي، وقال: "أشركنا يا أخي في دعائك ولا تنسنا" فقال كلمة ما يسرني أن لي بها الدنيا. (رواه أبو داؤد)[1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور فرمایا: "اے بھیا! ہم کو بھی اپنی دعا میں شریک رکھنا اور ہم کو بھولنا نہیں" سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایسی بات فرمائی کہ مجھ کو اس کے عوض میں ساری دنیا کا ملنا بھی مسرور نہیں کر سکتا۔

ف: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضے منافع اہل کمال کو بھی اپنے کم رتبہ والے سے پہنچ سکتے ہیں، پس کسی کو حق نہیں کہ اپنے کو مستغنی محض سمجھے۔

٢٨٤ - متفرقات: اثبات صفاء قلب

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يقول: "لكل شيء صقالة وصقالة القلوب ذكر الله". (رواه البيهقي)[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:

"ہر شی کا ایک صیقل ہے اور قلوب کا صیقل ذکر اللہ ہے۔"

ف: بزرگوں کے کلام میں بکثرت تصفیۂ قلب کا عنوان پایا جاتا ہے، حدیث بصراحت اس پر دال ہے۔

---

[1] أبو داود، الوتر، الدعاء، رقم: ١٤٩٨، وقال المنذري: في إسناده عاصم بن عبيد الله بن عاصم بن عمر بن الخطاب، وقد تكلم فيه غير واحد من الأئمة. قلت: وأخرجه الترمذي، الدعوات، أحاديث شتى من أبواب الدعوات، رقم: ٣٥٦٢، وقال: حسن صحيح. كما وأخرجه ابن ماجه، المناسك، فضل دعاء الحاج، رقم: ٢٨٩٤

[2] ذكره المنذري في الترغيب والترهيب في الذكر، الترغيب في الإكثار من ذكر الله ٢/٢٥٤، معزوا إلى ابن أبي الدنيا والبيهقي.

۲۸۵—علامت نسبت باطنی

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ قال: تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام﴾ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ان النور اذا دخل الصدر انفسح" فقیل: یا رسول اللہ! ھل لذلک من علم یعرف بہ؟ قال: "نعم، التجافی من دار الغرور، والانابۃ الی دار الخلود، والاستعداد للموت قبل نزولہ"۔ (رواہ البیہقی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "فمن یرد اللہ" الخ (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت فرمانا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں) اور فرمایا کہ "نور جب قلب میں داخل ہوتا ہے وہ کشادہ ہو جاتا ہے"، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا اس کی کوئی علامت (اور پہچان) بھی ہے؟ فرمایا: "ہاں! اس دھوکے کے گھر (یعنی دنیا) سے (دل کی) علیحدگی، اور دار الخلود کی طرف توجہ، اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری۔"

ف: اس نسبت باطنی کا نام نور اور شرح صدر بھی ہے اور علامت اس کی حدیث میں منصوص ہے اسکی علامتیں اتنی ہی ہیں جس سے تعین ہوتی ہیں اور شیخیت کی اہلیت کے لئے ان کے ساتھ دوسرے صفات بھی ضروری ہیں مگر یہ صفات بھی موقوف علیہ ہیں بلکہ یہ صفات شرط ہیں علامت تو یہی ہیں۔

۲۸۶—مسئلہ اثبات علم اسرار غیر منقولہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ وابی خلاد رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "اذا رأیتم العبد یعطی زھدا فی الدنیا وقلۃ منطق، فاقتربوا منہ فانہ یلقی الحکمۃ" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)[2]

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابی خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب کسی شخص کو دیکھو کہ زہد فی الدنیا اور قلت کلام اس کو عنایت ہوا ہے تو اس کے نزدیک رہا کرو، کیوں کہ اس کو حکمت (علم اسرار

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان، باب فی ترجمۃ والصبر ۷/۳۵۲ رقم ۱۰۵۵۲ (طبع دار الکتب العلمیۃ) [2] رواہ البیہقی فی شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، فصل فی فضل السکوت عما لا یعنیہ ۴/۲۵۴ رقم ۴۹۸۵

وجہ ہے) کی تعلیم (وکلمین من جانب اللہ) کی جایا کرتی ہے۔

ف: اس کو علم لدنی اور علم وہبی بھی کہتے ہیں جس کا عطا ہونا اہل اللہ کو بکثرت و بتواتر منقول ہے اور ان حضرات کی کتب بھی ان علوم کی مدون و متضمن ہیں جس پر اہل تحقیق بے سمجھے بوجھے انکار کرکے اس شعر کے مصداق بنتے ہیں:

وكم من عائب قولاً صحيحاً وآفته من الفهم السقيم

۴۸۷ - عادتِ توسل

عن امية بن خالد بن عبد الله بن اسيد عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان يستفتح بصعاليك المهاجرين (رواه في شرح السنة)[1]

ترجمہ: حضرت امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی دعا کیا کرتے تھے بتوسل فقرائے مہاجرین کے۔

ف: اس طریق میں مقبولان الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے حدیث سے اس کا ثبوت ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی یہی حقیقت اور غرض ہے۔

۴۸۸ - غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے

عن انس رضي الله تعالى عنه ان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب فقال: اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا، وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا فيسقون (رواه البخاري)[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعاء باراں کرتے اور کہتے کہ اے اللہ! ہم اپنے پیغمبر کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کیا کرتے تھے آپ ہم کو بارش عنایت کرتے تھے اور اب اپنے نبی کے چچا کے ذریعے سے

---

[1] رواه البغوي في شرح السنة، الرقائق، فضل الفقراء ۱۴/۲۶۳ (۴۰۶۲) وذكره المنذري في الترغيب (۴/۱۰۳) وعزاه للطبراني، وقال: رجاله رواة الصحيح وهو مرسل

[2] بخاري: الاستسقاء، سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، رقم ۱۰۱۰

آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش عنایت کیجئے، سو بارش ہو جاتی تھی۔

ف: مثل حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو جواز توسل ظاہر تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قول سے یہ جتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے بلا دلیل ہے، اول تو آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں دوسرے جو علت جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا؟۔

۲۸۹- مطلق اسلام ہی توسل کیلئے کافی

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون او تنصرون بضعفائکم". (رواہ ابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ کو (قیامت کے روز) غرباء میں ڈھونڈھنا، کیوں کہ (غرباء کی ایسی فضیلت ہے کہ) تم کو رزق، یا فرمایا کہ دشمنوں پر غلبہ غرباء ہی کے طفیل میسر ہوتا ہے۔"

ف: مثل دو حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے، بلکہ اس میں مطلق اسلام ہی توسل کے لئے کافی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ غیر مسلم تو یقیناً مراد نہیں ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس شخص میں کوئی حیثیت مقبولیت کی ہو مثل مسکنت مذکورہ فی الحدیث کے۔

۲۹۰- حقیقت دست غیب

عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: دخل رجل علی اهله، فلما رأی مالهم من الحاجۃ خرج الی البریۃ، فلما رأیت امرأته قامت الی الرحی فوضعتها، والی التنور فسجرته، ثم قالت: اللهم ارزقنا، فنظرت فاذا الجفنۃ قد امتلأت، قال: وذهبت الی التنور فوجدته ممتلئاً، قال: فرجع الزوج قال: اصبتم بعدی شیئا؟ قالت امرأته: نعم من ربنا، وقام الی الرحیٰ فذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیہ

---

[1] ابوداؤد: الجهاد، الانتصار برذل الخیل والضعفۃ، رقم: ۲۵۹۴، وسکت عنه المنذری. قلنا: وأخرجه الترمذی، الجهاد، الاستفتاح بصعالیک المسلمین، رقم: ۱۷۰۲، وقال: حسن صحیح قلنا: وأخرجه النسائی، الجهاد، الاستنصار بالضعیف، رقم: ۳۱۸۱.

وسلم فقال: "اما انه لو لم یرفعها لم تزل تدور الی یوم القیمة" (رواه احمد)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے پاس آیا جب ان کی حالت محتاجی (اور تنگدستی) کی دیکھی تو جنگل کی طرف چلا گیا (یا تو فکر معاش میں یا اس خوف سے کہ گھر والے پریشان نہ کریں) جب اس شخص کی بیوی نے یہ دیکھا تو چکی کی طرف چلی اور اس کا اوپر کا پتھر نیچے کے پتھر پر رکھ دیا، اور تنور کی طرف چلی، وہاں کو ایندھن سے جھونک دیا، پھر دعا کی کہ اے اللہ! ہم کو رزق دے (دیکھتی کیا ہے کہ چکی کا حلقہ بھی آٹے سے) بھرا ہے اور تنور کو بھی (روٹیوں سے) بھرا پایا، پھر خاوند جو گھر واپس آیا کہنے لگا کہ میرے بعد تم کو کچھ ملا ہے؟ عورت بولی ہاں! ہمارے پروردگار کی طرف سے ملا ہے، اور مرد چکی کے پاس گیا (اور پتھر اٹھا دیا) اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر وہ شخص اس پتھر کو نہ اٹھاتا تو وہ چکی قیامت تک چلتی رہتی"۔ (اور آٹا نکلتا رہتا)

ف: مثل حدیث دو صد و پنجاہ و چہارم اس میں بھی وہی مضمون ہے۔

۳۹۱- شغل تصور شیخ

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کانی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحکی نبیا من الانبیاء ضربہ قومہ فادموہ وھو یمسح الدم عن وجھہ ویقول: "اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون". (متفق علیہ)[2]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک نبی کی انبیاء میں سے حکایت فرماتے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا اور خون آلودہ کر دیا تھا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ "اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیوں کہ وہ جانتے نہیں۔"

ف: گو تصور شیخ کی خصوصیات زائدہ ہے کہ وہ اس کی نفس حقیقت سے خارج ہیں، مگر اسی طرح جو اس سے غرض ہے وہ اس سے بھی اس حدیث میں آ گئی نہیں مگر اس کی جو غرض ہے

[1] مسند احمد ۲: ۳۱۲، ۵۰۱ ورجالہ ثقات۔ [2] بخاری: احادیث الانبیاء، باب (بلا ترجمة) رقم ۳۴۷۷، مسلم: الجهاد، غزوة احد رقم ۱۰۵ (۱۷۹۲)

حقیقت ہے کہ غائب کی طرف مثل حاضر کے نظر خیالی کی جائے وہ اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہے، البتہ اس کی بعض خصوصیات پر بوجہ غلبہ جہل اہل زمانہ کے کچھ مفاسد مرتب ہوتے دیکھ کر محققین اکثر اس سے منع کرنے لگے ہیں۔

۲۹۲- اصلاح، مذمت شیوخ مزورین (جھوٹے پیروں کی مذمت)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین یلبسون للناس جلود الضأن من اللین، ألسنتھم أحلیٰ من السکر، وقلوبھم قلوب الذئاب یقول اللہ: أبی یغترون أم علیّ یجترئون؟ فبی حلفت لأبعثن علی أولئک منھم فتنۃ تدع الحلیم منھم حیرانا". (رواہ الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "آخری زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ظاہر ہوں گے جو دنیا کو مکر و فریب سے دین کے عوض میں حاصل کریں گے، لوگوں کے دکھلانے کو نرم پنے کے لئے بھیڑ کی کھال پہنیں گے (یا تو مراد اس سے حقیقی معنی ہیں کہ پوستین پہنیں گے کہ لباس ہے تارکان دنیا کا اور یا کنایہ ہے اس سے کہ ظاہر میں بڑے نرم خو اور منکسر و متواضع ہوں گے) زبانیں ان کی شکر سے بھی زیادہ شیریں ہوں گی اور دل ان کے بھیڑیوں کے سے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ مجھ پہ دھوکہ کھائے ہوئے ہیں یا مجھ پر جرأت کرتے ہیں، سو مجھ کو اپنی ہی قسم ہے کہ میں ان لوگوں پر ان ہی میں سے ایک ایسا فتنہ برپا کروں گا، جو ان کے عاقلوں کو بھی حیرت میں ڈال دے گا۔"

ف: جھوٹے اور مکار پیروں کی مذمت اس حدیث میں ظاہر ہے۔

۲۹۳- تعلیم بالتوسط فی المجاہدہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "إن لکل شیء شرۃ ولکل شرۃ فترۃ، فإن صاحبھا سدد وقارب فارجوہ وإن أشیر إلیہ بالأصابع فلا تعدوہ". (رواہ الترمذی)[2]

---

[1] ترمذی: الزھد (باب ماجاء فی الفتنۃ باللین وعلوبھم) - رقم: ۲۴۰۴۔ [2] ترمذی، صفۃ القیامۃ (حدیث ان لکل شیء شرۃ) رقم: ۲۴۵۳، وقال: حسن صحیح غریب من ھذا الوجہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہر شے کا ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش کے بعد ڈھیلا پن ہوتا ہے، سو اگر صاحب عمل اپنے عمل میں راستی اور توسط پر چلے تو اس کے نباہ کی امید رکھو اور اگر (اتنا مبالغہ کرے کہ) اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ ہونے لگے تو اس کو کچھ شمار میں نہ لاؤ۔"

ف: محققین مجاہدہ میں غلو کرنے سے منع کرتے ہیں، حدیث میں اس کی صریح تعلیم ہے۔ اس غلو میں طبیعت بھی اکتا جاتی ہے اور اصل عمل بھی متروک ہو جاتا ہے اور صحت بھی خراب ہو جاتی ہے، یہ بھی سبب تعطل کا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات جنون تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

۲۹۴- اصلاح، عدم غرور بشرف نسبت

(نسبت کی شرافت سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے)

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: لما نزلت: ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ دعا النبی صلی الله علیه وسلم قریشا. الحدیث. وفیه: "یا فاطمة انقذی نفسک من النار فانی لا املک لک من الله شیئا" (رواه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "وانذر الخ" یعنی اپنے قریب والے خاندان کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو) فرمایا: "اے فاطمہ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، کیونکہ میں تم کو اللہ تعالیٰ سے بچانے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔"

ف: بعضوں کو یہ ناز ہوتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد میں ہیں، یا فلاں خاندان میں بیعت ہوں اور اس بناء پر اصلاح عقائد و اعمال سے بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں، اس دعویٰ اور ناز کی اس حدیث سے جڑ کٹتی ہے۔

---

[1] مسلم، الایمان، باب فی قوله تعالیٰ ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ رقم: ۵۰۸ (۲۰۴) لفظ: واخرجه الترمذی، تفسیر القرآن، سورة الشعراء، رقم: ۳۱۸۵ وقال: حسن صحیح غریب من هذا الوجه، فلفظ: واخرجه النسائی، الوصایا، اذا اوصی لعشیرته الاقربین، رقم: ۳۶۷۳.

۴۹۵ - مسئلہ وصول ثواب الی الغیر (دوسروں کو ثواب پہنچنا)

عن صالح بن درهم يقول: انطلقنا حاجين فإذا رجل فقال لنا: إلى جنبكم قرية يقال لها الأبلة؟ قلنا: نعم، قال: من يضمن لي منكم أن يصلي لي في مسجد العشار ركعتين أو أربعا ويقول هذه لأبي هريرة؟ سمعت خليلي أبا القاسم صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الله عز وجل يبعث من مسجد العشار يوم القيامة شهداء لا يقوم مع شهداء بدر غيرهم". (رواه أبو داود)

ترجمہ: صالح بن درہم سے روایت ہے کہ ہم حج کرنے چلے تو ایک شخص ملے کہنے لگے تمہارے قریب میں کوئی گاؤں ہے جس کو ابلہ کہتے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں ہے، کہنے لگے کوئی شخص تم میں اس بات کی ذمہ داری لے سکتا ہے کہ میری طرف سے مسجد عشار میں (کہ اس گاؤں میں ہے) دو رکعت یا چار رکعت پڑھے اور کہہ دے کہ یہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ہے؟ میں نے اپنے محبوب خلیل صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے قیامت کے دن کچھ شہداء کو اٹھائے گا کہ شہداء بدر کے ساتھ بجز ان کے کوئی نہ اٹھے گا۔"

ف: یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے پڑھنے کے اور اس کہنے کے کہ یہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ہیں بجز اس کے کچھ معنی نہیں کہ اس کا ثواب ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے، اس سے ایصال ثواب کے متعلق دو امر ثابت ہوئے ایک یہ کہ جس طرح عبادت مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے، اسی طرح عبادت بدنیہ کا بھی پہنچتا ہے، دوسرے یہ کہ جس طرح میت کو ثواب پہنچتا ہے اسی طرح زندہ کو بھی پہنچتا ہے، کیوں کہ یہ شخص ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور اس وقت زندہ تھے۔

ف: عادت اہتمام عبادت در امکنہ فاضلہ

(اچھی جگہوں میں عبادت کا اہتمام کرنا)

بعض اہل محبت کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے مشائخ وغیرہم کے رہنے کی یا عبادت کی

سنن أبي داود، الملاحم، ذكر البصرة، رقم ٤٣٠٨، وقال المنذري: وذكره أبو جعفر العقيلي وقال فيه: إبراهيم بن صالح وأبوه غير مشهورين والحديث غير محفوظ. وذكر الدارقطني أن إبراهيم هذا ضعيف.

جگہوں کو متبرک سمجھ کر قصداً وہاں ذکر وطاعت کا اہتمام کرتے ہیں ان مقامات کا متبرک ہونا تو ظاہر ہے اور مقام متبرک میں عبادت کا اہتمام اس حدیث سے ثابت ہے۔

۲۹۶- عادت بتوریہ در خوف فتنہ

(فتنہ کے اندیشہ سے مبہم کلام کرنا)

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد فی بعض طرق المدینۃ، فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اتشہد انی رسول اللہ" فقال: ھو: اتشہد انی رسول اللہ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ، ماذا تری؟" قال: اری عرشاً علی الماء، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "تری عرش ابلیس علی البحر"۔ الحدیث (رواہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد سے (کہ من جملہ دجالین کے ایک دجال تھا) مدینہ کے کسی رستہ میں ملے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "کیا تو میری رسالت کی شہادت دیتا ہے"؟ تو وہ کہتا ہے کہ کیا آپ میری رسالت کی شہادت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "میں اللہ پر اور اس کے سب فرشتوں اور اس کی کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاتا ہوں (پس جو رسول نہیں اس کی رسالت کی شہادت نہیں دیتا مگر آپ نے دفع فتنہ کی مصلحت سے مبہماً فرمایا) اچھا یہ بتلا تجھ کو کیا نظر آتا ہے؟ کہنے لگا کہ ایک تخت پانی پر نظر آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تجھ کو شیطان کا تخت نظر آتا ہے۔"

ف: بعض بزرگ کسی عالم یا کسی جاہل کے فساد سے بچنے کے لئے بعض باتیں مبہم فرما دیتے ہیں جس سے بعض ظاہر پرستوں کو شبہ اخفاء حق کا ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی مصلحت معتد بہا عند الشرع سے ہو تو وہ بالکل اس حدیث کے موافق ہے۔

---

[1] مسلم: الفتن، ذکر ابن صیاد، رقم: ۸۷ (۲۹۲۵)

ف: اصلاح، عدم غرور بکشف و عدم اعتداد کشف خلاف شرع

کشف سے نہ دھوکہ کھانا چاہئے اور نہ اس کو خلاف شرع شمار کرنا چاہئے

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل باطل کو بھی کشف ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر کشف مقبول و محمود نہیں ہوتا، چنانچہ عرش ابلیس کے انکشاف کو معرض مذمت میں فرمایا گیا، پس جو لوگ کشف کو علامت ولایت سمجھتے ہیں یا ہر کشف پر اعتماد کرتے ہیں ان کو یہ حدیث دیکھ کر دونوں امر کی اصلاح واجب ہے۔

۲۹۷- مسئلہ ظہور روح در مکانے بعد موت

(مرنے کے بعد کسی جگہ روح کا ظاہر ہونا)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین مکۃ والمدینۃ فمررنا بواد فقال: "ای واد ھذا؟" فقالوا: وادی الازرق قال: "کانی انظر الی موسیٰ علیہ السلام۔ فذکر من لونہ وشعرہ شیئا ۔ واضعا اصبعیہ فی اذنیہ، لہ جوار الی اللہ بالتلبیۃ مارا بھذا الوادی" قال: ثم سرنا حتی اتینا علی ثنیۃ، فقال: "ای ثنیۃ ھذہ؟" قالوا: ھرشی اولفت. فقال: "کانی انظر الی یونس علیہ السلام علی ناقۃ حمراء، علیہ جبۃ صوف، خطام ناقتہ لیف خلبۃ، مارا بھذا الوادی ملبیا"۔ (رواہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان جا رہے تھے، ہمارا ایک وادی پر گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کون وادی ہے" لوگوں نے عرض کیا کہ وادی ازرق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گویا (اس وقت) موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رنگ اور بالوں کی کچھ کیفیت بیان فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ ان کی یہ حالت ہے کہ اپنی انگلیاں کانوں میں رکھے ہوئے ہیں اور لبیک سے اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہیں اور اس وادی میں گزر رہے ہیں"، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہم

[1] مسلم: الایمان، الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السماوات وفرض الصلوات. رقم: ۴۲۹ (۱۶۶)

چلے یہاں تک کہ ہم ایک گھاٹی پر پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "یہ کون گھاٹی ہے؟" لوگوں نے عرض کیا کہ ہرشیٰ ہے یا لفت ہے، فرمایا: "میں گویا (اس وقت) یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، ایک سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، ان پر صوف کا ایک کرتہ ہے، ان کی اونٹنی کی نکیل پوست خرما کی ہے، اور اس وادی میں گزر رہے ہیں۔"

ف: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام آپ کو نظر آئے، یہ تمثیل روحی تھا، کیونکہ جسد تو ان حضرات کا قبور میں تھا۔

۲۹۸- اصلاح ادب در شان خداوندی

(اللہ تعالیٰ کی شان میں ادب)

عن جبير بن مطعم رضي الله تعالى عنه قال أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم أعرابي فقال: جهدت الأنفس وضاعت العيال ونهكت الأموال وهلكت الأنعام فاستسق الله لنا فإنا نستشفع بك على الله ونستشفع بالله عليك. فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "سبحان الله سبحان الله" فما زال يسبح حتى عرف ذلك في وجوه أصحابه ثم قال: "ويحك إنه لا يستشفع بالله على أحد، شأن الله أعظم من ذلك" الحديث (رواه أبو داود)[1]

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور عرض کیا کہ جانیں مصیبت میں پڑ گئیں اور اہل و عیال بھوکے مرنے لگے اور کھیت وغیرہ برباد ہو گئے اور چوپائے تلف ہونے لگے، سو ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کیجئے ہم آپ کو اللہ کے سامنے سفارشی لاتے ہیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اس کلمہ سے کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارشی لاتے ہیں گھبرا گئے اور)

---

[1] أبو داود، السنة، باب في الجهمية رقم: ۴۷۲۶، وقال المنذري: قال أبو بكر البزار: وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم من وجه من الوجوه إلا من هذا الوجه، ولم يقل فيه محمد بن إسحاق حدثني يعقوب بن عقبة. هذا آخر كلامه، ومحمد بن إسحاق مدلس، وإذا قال المدلس "عن فلان" ولم يقل "حدثنا" أو "سمعت" أو "أخبرنا" لا يحتج بحديثه، وإلى هذا أشار البزار، مع أن ابن إسحاق إذا صرح بالسماع اختلف الحفاظ في الاحتجاج بحديثه، فكيف إذا لم يصرح به.

سبحان اللہ سبحان اللہ فرمانے لگے، اور اس کا اس قدر تکرار کیا کہ اس کا اثر آپ کے اصحاب کے چہرہ میں نمایاں ہونے لگا"۔ پھر فرمایا کہ: "کمبخت مارے اللہ تعالیٰ کو کسی کے سامنے سفارشی نہیں ٹھہراتے، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی شان ہے"۔ (یعنی سفارش میں نیازمندی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کسی کا نیازمند نہیں، اس لئے یہ کلمہ مستلزم احتیاج ہے اس لئے برا ہے)

ف: بعضے درویش حق تعالیٰ کی جناب میں بڑے بے باک ہوتے ہیں، اس حدیث سے ان کو سبق لینا چاہئے کہ جب لازم غیر محترم سے بھی آپ نے اس شدت کے ساتھ تحریم وتشدد فرمایا تو محترم تو کس درجہ مذموم ہوگا اور بعض بے باک نہیں ہوتے مگر جہل کی وجہ سے الفاظ نامناسب کا استعمال کرتے ہیں جیسے اس اعرابی کی حالت تھی۔ اس سے بھی تحاشی کا اہتمام واجب ہے۔ البتہ اس قسم ثانی میں تکفیر نہیں ہو سکتی، جیسے کہ آپ نے اس اعرابی کی تکفیر نہیں فرمائی مگر تعلیم اور انکار بقدر ردع واجب ہے، ہاں جو لوگ غلبۂ حال سے معذور ہیں، وہ قابل مسامحت ہیں بعد زوال غلبہ کے ان کو بھی تنبیہ مناسب ہے۔

۲۹۹۔ توجیہ حکم بموجودیت حق در ہر مکان

(ہر جگہ حق تعالیٰ کے موجود ہونے کا حکم)

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "والذی نفس محمد بيده لو انكم دليتم بحبل الی الارض السفلی لهبط علی الله". الحديث (رواه احمد والترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم اس ذات کی کہ جان محمد کی اس کے قبضہ میں ہے کہ اگر تم ایک رسی سب سے نیچے کی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ تعالیٰ پر جا کر اترے"۔

ف: بہت سے صوفیاء کے کلام میں حق تعالیٰ کے احاطے کے بیان میں ایسے عنوانات پائے جاتے ہیں جن سے احاطہ ذاتی منکشف معلوم ہوتا ہے، اور علماء کو اولاً احاطہ ذاتیہ میں کلام ہوا ہے پھر کیفیت استواء میں بھی ہے، ذات کا عرش پر بلا کیف ہونا اور صفات علم وغیرہ کا متعلق بالکل ہونا

[1] مسند احمد (۲/۳۷۰) ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ الحدید، رقم: ۳۲۹۸، وقال غریب من هذا الوجه.

منصوص ہے، اس لئے صوفیہ کے کلام میں مخالفت نص وقول جمہور کا شبہ ہوتا ہے مگر اس حدیث کا عنوان بالکل صوفیاء کے موافق ہے جو حدیث کی توجیہ ہوگی وہی قول صوفیاء کی ہوگی۔

۳۰۰- حال قبض

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی حدیث طویل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حزن حزنا غدا منہ مراراً کی یتردی من روس شواھق الجبال، فکلما اوفیٰ بذروۃ جبل لکی یلقی نفسہ منہ تبدی لہ جبرئیل فقال: یا محمد انک رسول اللہ حقا، فیسکن لذلک جاشہ وتقر نفسہ. (رواہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابتداء نبوت میں جب کہ وحی میں توقف ہوا) اس درجہ مغموم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادہ سے تشریف لے گئے کہ پہاڑوں کی بلندی پر گر کر جان دے دیں، سو جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے کو گرانے کی غرض سے چڑھتے جبرئیل علیہ السلام آپ کو نظر آتے اور فرماتے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مغموم مت ہو) آپ اللہ کے رسول ہیں سچ مچ، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو سکون ہو جاتا اور جی ٹھہر جاتا۔

ف: واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض ہے، حدیث اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف: متفرقات، عذر صاحب قبض در اہلاکِ نفس

بعض اہل قبض نے تنگ ہو کر خودکشی کر لی ہے، حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عجب نہیں وہ عند اللہ معذور ہوں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس درجہ استقلال کے جب اس کے ارادہ کی نوبت آجاتی تھی تو دوسروں سے ایسی حالت میں وقوع ہی کیا مستبعد ہے، اور ظاہر ہے کہ اس ارادہ پر عتاب منقول نہیں تو ان سے وقوع میں یہی مظنون ہے۔

ف: تعلیم تسلی از شیخ در قبض

شیوخ بھی ایسی حالت میں اسی طرح کی تسلی دیتے ہیں کہ تمہاری حالت محمود ہے اور ا

---

[1] بخاری: التعبیر، اول ما بدیٔ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ رقم: ۶۹۸۲.

اس حالت کی مصلحتیں اور حکمتیں بیان کیا کرتے ہیں جس سے مرید کو بڑا نفع ہوتا ہے۔

۳۰۱-مسئلہ، تحقق صوت غیبی (غیبی آواز کا وجود)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان الحارث بن ھشام سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ! کیف یاتیک الوحی؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "احیانا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس"۔ الحدیث (متفق علیہ[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بعض اوقات مثل آواز جرس کے آتی ہے۔"

ف: بکثرت بزرگوں کے مکاشفات میں صوت غیبی کا ذکر پایا جاتا ہے، حدیث میں اس کی صحت ثابت ہوتی ہے، البتہ حالت مراقبات و اشغال کی ہر صوت کو صوت غیبی سمجھنا یہ غلطی عظیم ہے، چنانچہ شغل الد میں جو صوت منکشف ہوتی ہے، بعضے اس کو صوت غیبی سمجھتے ہیں حالانکہ اکثر یہ صوت خود اپنے ہی اندر ہوا کے تموج سے پیدا ہوتی ہے، اس کو غیبی سمجھنا یہ شاغلان ہند کا اعتقاد تھا اور اسی واسطے اس کا نام انہوں نے "اناذی" بمعنی قدیم رکھا تھا جو غلط در غلط تھا کہ اول تو اس کو غیبی مانا پھر غیبی میں بھی اس کو صوت حق قرار دیا، "تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا" ہمارے صوفیا، اہل حق کا اعتقاد یہ ہے کہ قال الفرید (ع) قول اور لحن نے آواز نے۔ اس کے قول کو نہ لحن ہے اور نہ آواز ہے۔

۳۰۲-قول، من اراد ان یجلس مع اللہ فلیجلس مع اھل التصوف

(جو شخص اللہ کے ساتھ مجالست اختیار کرتا ہے اس کو صوفیا، کی صحبت اختیار کرنی چاہئے)

عن عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل ان النبی صلی اللہ علیہ

---

[1] بخاری: بدء الوحی، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۲، مسلم: الفضائل، عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی البرد، وحین یاتیہ الوحی رقم: ۸۷ (۲۳۳۳) ترمذی: المناقب، کیف کان ینزل الوحی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۶۳۴، وقال: حسن صحیح. نسائی: الافتتاح، جامع ماجاء فی القرآن، رقم: ۹۳۵

وسلم قال: "یا ابابکر! لعلک اغضبتھم لئن کنت اغضبتھم فقد اغضبت ربک"۔ فاتاھم فقال یا اخوتاہ اغضبتکم قالوا: لا، یغفر اللہ لک یا اخی۔ (رواہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک قصہ میں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ نصیحت کی تھی جس سے ایک رئیس کی طرفداری کا شبہ ہوتا تھا) ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ: "اے ابوبکر! کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کر دیا۔ اگر ان کو ناراض کر دیا تو بس اپنے رب کو ناراض کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صاحبوں کے پاس آئے اور کہا کہ اے میرے بھائیو! میں نے تم کو (شاید) ناراض کر دیا (ہو) انہوں نے کہا کہ نہیں اے بھائی اللہ تعالیٰ تم کو بخشے۔

ف: یہ ایک قول صوفیاء میں مشہور ہے، اس حدیث سے اس کی صحت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "لئن اغضبتھم" الخ سے یہ معلوم ہوا کہ مقبولان الٰہی کے ساتھ جو معاملات کیا جائے وہ گویا حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے، پس اس بناء پر یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ مقبولان الٰہی کے ساتھ مجالست ایسی ہی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجالست بطور لفظ مجالست کا اذن دوسری حدیث میں ہے۔ انا جلیس من ذکرنی۔ فقط۔

۳۰۳ـ مسئلہ، وجود ابدال وغیرہم

عن شریح بن عبید قال: ذکر اھل الشام عند علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقیل: العنھم یا امیر المومنین قال: لا، انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بھم العذاب"۔ (رواہ احمد[2])

ترجمہ: شریح بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو اہل شام کا ذکر آیا کسی نے کہا اے امیر المومنین ان پر لعنت کیجئے فرمایا نہیں، میں نے رسول

---

[1] مسلم، فضائل الصحابۃ، فضائل سلمان وبلال وصھیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۲۵۰۴
[2] مسند احمد ۱۱۲/۱، وفی اسنادہ ضعف للانقطاع، شریح بن عبید لم یدرک علیا

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ "ابدال (جو ایک قسم ہے اولیاء اللہ کی) شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس آدمی ہوتے ہیں، جب کوئی شخص ان میں سے مرجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا ابدال دیتا ہے، ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے، اور ان کی برکت سے اعداء پر غلبہ ہوتا ہے اور ان کی برکت سے اہل شام سے عذاب (دنیوی دفع) ہوجاتا ہے"۔

ف: ملفوظات و مکتوبات صوفیاء میں ابدال و اقطاب و اوتاد و غوث وغیرہم القاب اور ان کے مدلولات کے صفات و برکات و تصرفات پائے جاتے ہیں، حدیث میں جب ایک قسم کا اثبات ہے تو دوسرے اقسام بھی مستبعد نہ رہے، ایک نظیر سے دوسری نظیر کی تائید ہوتا امر مسلم و معلوم ہے، برکات تو اس حدیث میں منصوص ہیں اور تصرفات تکوینیہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سے ثابت ہوتے ہیں۔

۳۰۴ - حال، وجد

عن شفی الاصبحی قلت لابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه اسألک بحق وبحق لما حدثتنی حدیثا سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عقلته وعلمته، فقال ابوهریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه. افعل لاحدثنک حدیثا حدثنیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عقلته وعلمته، ثم نشغ ابو هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه نشغة. فمکثنا قلیلا، ثم افاق فقال: لاحدثنک حدیثا حدثنیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی هذا البیت ما معنا احد غیری وغیره، ثم نشغ ابوهریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه نشغة شدیدة، ثم افاق ومسح وجهه، وقال: افعل لاحدثنک حدیثا حدثنیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انا وهو فی هذا البیت ما معنا احد غیری وغیره، ثم نشغ ابوهریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه نشغة شدیدة، ثم مال خارا علی وجهه فاسندته طویلا، ثم افاق فقال. حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ الحدیث (رواه الترمذی[1])

ترجمہ: شفی اصبحی سے روایت ہے کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں آپ سے حق کے لئے اور پھر حق کے لئے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کیجئے جس کو آپ نے خوب سمجھا اور بوجھا ہو، ابوہریرہ رضی

[1] ترمذی: الزهد، الریاء والسمعة، رقم: ۲۳۸۲، وقال: حسن غریب

اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا ضرور کروں گا، میں تم سے ایسی ہی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کروں گا جس کو میں نے سمجھا ہوگا اور بوجھا ہوگا، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چیخ ماری (یہ کیفیت بیتابی کی یا شدت خوف سے ہوئی ہے کہ حدیث کا بلا کسی کمی بیشی کے بیان کرنا بڑی احتیاط کی بات ہے، اور یا شدت شوق سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالست آنکھوں میں پھر گئی) ہم بڑی دیر تک منتظر رہے پھر ان کو افاقہ ہوا اور فرمایا کہ میں تم سے ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان میں بیان فرمائی ہے کہ ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا بجز میرے اور بجز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی زور سے چیخ ماری، پھر ان کو افاقہ ہوا اور پسینہ منہ پر سے پونچھا اور فرمایا کہ میں یہ کام کروں گا، یعنی تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں گا، میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مکان میں تھے، ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا بجز میرے اور آپ کے پھر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی زور کی چیخ ماری پھر آگے کو جھک کر منہ کے بل گر چلے، میں ان کو بڑی دیر تک اپنے سہارے لگائے رکھا، پھر افاقہ ہوا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی۔

ف: حدیث کی دلالت ظاہر ہے اور سلف کو بوجہ قوت تحمل کے اس درجہ کا وجد کم ہوتا تھا لیکن احیاناً ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا۔

۳۰۵- عادت، بیعت ادخال سلسلہ

(سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے بیعت کرنا)

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. "المرء مع من احب وله ما اكتسب" (رواہ الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "آدمی (قیامت میں) اس شخص کے ساتھ ہوگا، جس سے محبت رکھتا ہوا اور ثواب اس چیز کا ملے گا جو عمل کیا ہوگا۔"

[1] ترمذی، الزھد باب (المرء مع من احب) رقم ۲۳۸۶، وقال: حدیث صحیح۔

ف: باوجودیکہ بعض لوگوں کی حالت سے غالباً معاہدات بیعت پر مستقیم نہ رہنا یا مجاہدات وریاضت کا حق بجا نہ لانا معلوم ہو جاتا ہے، مگر بعض اوقات ان کو بھی سلسلہ میں داخل کرلیا جاتا ہے، یہ حدیث اس کی اصل ہو سکتی ہے، کیوں کہ بیعت میں خاصیت یہ ہے کہ اپنے مشائخ سے محبت کا سبب ہو جاتی ہے پس برکات محبت جو حدیث میں مذکور ہیں اس کے حصول کی توقع ہو تی ہے۔

۳۰۶-عادت ،عذر از بیعت صغیر

(کم عمر کو بیعت کرنے سے عذر)

عن عبداللہ بن هشام رضی اللہ تعالی عنه وكان قد ادرك النبی صلی اللہ علیه وسلم، وذهبت به امه زينب بنت حميد الی رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم، فقالت: يا رسول اللہ! بايعه، فقال النبی صلی اللہ عليه وسلم: (هو صغير فمسح رأسه ودعاله". (رواه البخاری)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت پایا، اور ان کی ماں زینب بنت حمید ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی تھیں اور عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! ان کو بیعت کر لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بچہ ہے، پھر آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے دعا کی۔"

ف: اب بھی بزرگوں کا اصل معمول یہی ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ بیعت التزام ہے احکام لازمہ کا اور صغیر پر احکام التزام سے بھی لازم نہیں ہوتے تو بیعت کی حقیقت متحقق نہیں ہو سکتی اور بعض اوقات جو ایسا کر دیتے ہیں وہ محض صورت بیعت ہے برکت کے لئے۔

۳۰۷-اصلاح تحرز از اسباب تہمت

(تہمت کے اسباب سے بچنا)

عن علی بن الحسين قال: قالت صفية رضی اللہ تعالی عنها: كان رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم معتكفاً فاتيته ازوره ليلاً فحدثته، ثم قمت لانقلب فقام معی حتی

---

[1] بخاری: الشركة، الشركة فی الطعام وغيره، رقم: ۲۵۰۱، ۲۵۰۲۔

ثم بلغ باب المسجد مر رجلان من الانصار، فلما رأیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرعا، فقال: "علی رسلکما انہا صفیۃ بنت حیی" فقالا: سبحان اللہ یا رسول اللہ! فقال: "ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم وانی خشیت ان یقذف فی قلوبکما شرا او قال شیئا". (اخرجہ الشیخان وابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علی بن الحسینؓ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) معتکف تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شب کے وقت زیارت کے لئے حاضر ہوئی اور باتیں کرتی رہی، پھر واپس جانے کے لئے اٹھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی (مشایعت کے لئے باب مسجد تک) چلے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازہ پر پہنچے (یہ دروازہ مسجد کے اندر تھا خارج نہ تھا) اس وقت دو شخص انصاری گزرے، جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو تیز چلنے لگے (تاکہ جلدی سے محاذات مسجد سے نکل جائیں: کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی دیکھا تو ایسے وقت میں یہی ادب تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اطمینان سے چلو (کچھ جلدی کی ضرورت نہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ) یہ صفیہ بنت حیی (میری بیوی) ہیں" (کچھ اور وسوسہ نہ لاؤ) ان دونوں نے عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ (کیا نعوذ باللہ آپ پر یہ وسوسہ ہوگا کہ کوئی اجنبی عورت خلوت میں آگئی ہے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شیطان ابن آدم کے بدن میں بجائے خون کے چلتا ہے اور میں اس بات سے ڈرا کہ تمہارے دل میں کوئی بری بات یا یہ فرمایا کہ کوئی چیز (یعنی کوئی خیال) نہ ڈال دے"۔ (جو تمہارے اختیار سے باہر ہو اور خدانخواستہ بڑھتے بڑھتے مرتبہ گمان تک پہنچ جائے اور تمہارے دین کا ضرر ہو)

ف: بعضے درویشوں کے مزاج میں سخت بے احتیاطی ہے کہ باوجود اتباع شریعت کے پھر ان سے ایسے ایسے اقوال وافعال بے دھڑک صادر ہوتے ہیں جس سے عوام کو

۱؎ البخاری: الاعتکاف، هل یخرج المعتکف لحوائجه الی باب المسجد؟ رقم: ۲۰۳۵، مسلم: السلام، بیان انه یستحب لمن رؤی خالیا بامرأة وکانت زوجته او محرما له ان یقول هذه فلانة لیدفع ظن السوء به، رقم: ۲۴ (۲۱۷۵)، ابوداؤد: الصیام، المعتکف یدخل البیت لحاجته، رقم: ۲۴۷۰، وأخرجه ابن ماجة: الصیام، المعتکف یزوره اهله فی المسجد، رقم: ۱۷۷۹.

بدزبانی اور خود ان کے معتقدین کو بھی بدگمانی پیدا ہو جائے، اس حدیث میں اکثر غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں کس قدر مبالغہ کیسا تھ احتیاط فرمائی اور جو واقع میں اتباع شریعت کو ضروری نہیں سمجھتے ان کا تو کیا پوچھنا جیسا کہ آج کل اکثر مرید بھی ایسے ہیں اور پیر بھی ایسے ہی ہیں۔

۳۰۸ - رسم تسبیح

عن صفیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا وبین یدیہا اربعۃ آلاف نواۃ تسبح بھن۔ الحدیث (رواہ ابو داؤد والحاکم)[1]

ترجمہ: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے چار ہزار گٹھلیاں رکھی تھیں کہ ان سے (شمار کرکے) سبحان اللہ کا ورد کر رہی تھیں۔

ف: اکثر ذاکرین کا معمول ہے تسبیح پر اوراد و اذکار پڑھنے کا، یہ حدیث اس کی اصل ہے، کیوں کہ گٹھلیوں میں اور دانوں میں کوئی فرق نہیں، اور دانا کا محض اجتماع کی غرض سے ہے، سو حدیث میں بھی ان گٹھلیوں کا مجتمع ہونا خود ثابت ہے، رہا یہ شبہ کہ ہاتھ میں رکھنے سے صورت ریاء کی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت ریاء سے بچنا ضرور ہے صورت سے بچنا خود ضروری نہیں، چنانچہ خاتمہ کے قریب جو حدیث بروایت طبرانی آتی ہے اس میں تصریح ہے کہ صورت ریاء واجب الاحتراز نہیں ہے۔

۳۰۹ - مسئلہ عدم منافات تنعم بروِلایت را

(سامانِ عیش اور ولایت میں منافات نہیں)

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "لیذکرن اللہ

---

[1] قلنا: ما وجدناہ فی "کتاب السنن" لأبی داؤد، وأخرجہ الترمذی: الدعوات، (باب ثواب سبحان اللہ عدد خلقہ) رقم: ۳۵۵۴، وقال: حدیث غریب. لا نعرفہ من حدیث صفیۃ إلا من ہذا الوجہ من حدیث ہاشم ابن سعید الکوفی، ولیس اسنادہ بمعروف، قلت وانفرد بالتخریج عن بین أصحاب السنۃ کما فی "تحفۃ الأشراف". (۳-۱۵۹۰) ورواہ الحاکم ۱/۵۴۷. وقال: صحیح الاسناد ولم یخرجاہ، ووافقہ الذہبی فی تلخیصہ.

لوم فی الدنیا علی الفرش الممهدة یدخلهم الجنات العلی" (رواہ ابو یعلی[1])

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بہت سے لوگ دنیا میں نرم بستروں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو جنات عالیہ میں داخل فرمائیں گے۔"

ف: اکثر عوام یہ سمجھتے ہیں کہ بزرگی کے لئے خستہ حال ہونا ضروری ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامان امارت کے ساتھ ذکر وطاعت میں استقامت ہو تو ثمرات جو بھی مرتب ہوتے ہیں، البتہ بعض اوقات بعض اسباب سے یا بعض تعلقات کو تجویز شیخ کامل کی بنا پر بمصلحت مجاہدہ وبرائے چندے یا کبھی دواماً ترک کر دینا ضروری ہوتا ہے، سو یہ امر عارض مصلحت سے ہے، فی نفسہ شرائط سے نہیں۔

۱۳۳ - مسئلہ صحت ذکرِ قلبی

اخرج ابو یعلی عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "یفضل الذکر الخفی الذی لا یسمعه الحفظة سبعین ضعفا اذا كان یوم القیمة وجمع اللہ الخلق لحسابهم وجاءت الحفظة بما حفظوا وكتبوا قال لهم: انظروا هل بقی له من شیء فیقولون: ما تركنا شیئاً مما علمناه وحفظناه الا وقد احصیناه وكتبناه فیقول اللہ: ان لك عندی حسنا لا تعلمه وانا اجزیك به وهو الذكر الخفی". وذكره السیوطی فی "البدور السافرة فی احوال الآخرة"

ترجمہ: حضرت ابو یعلیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ذکر خفی جس کو حافظان اعمال ملائکہ بھی نہیں سنتے (ذکر جلی پر) ستر حصے فضیلت رکھتا ہے، جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ خلق کو ان کے حساب کے لئے جمع فرمائیں گے اور حافظان اعمال اپنی یادداشت اور نوشتہ اعمال کو لائیں گے، کہ دیکھو

[1] رواہ ابو یعلی ۲/۱۱۱۰ ص: ۳۵۹ طبع: دار الثقافة العربیة، ذكره الهیثمی فی المجمع (۱۰/۸۱) وقال: اسناده حسن۔ [2] ذكره السیوطی: فی البدور السافرة ورواه ابو یعلی وفیه معاویة بن یحیی الصدفی وهو ضعیف، مجمع الزوائد (۱۰/۸۱) ورواه البیهقی فی شعب الایمان مختصرا وفیه ضعف۔ باب فی محبة اللہ عز وجل فصل فی ادامة ذكر اللہ عز وجل ۱/۴۰۶، رقم ۵۵۵ دار الكتب العلمیة

(علاوہ اعمال تکوینی اصحاب کہف کے) اس شخص کا کوئی عمل تو باقی نہیں رہ گیا وہ عرض کریں گے کہ ہم نے اپنی معلومات اور محفوظات میں سے کوئی چیز بے ضبط کئے ہوئے اور لکھے ہوئے چھوڑی نہیں، اللہ تعالیٰ (اس شخص سے) فرمائیں گے کہ میرے پاس تیرا ایک نیک عمل ہے کہ تجھ کو بھی اس کا (اس وقت) علم نہیں (گو اس کے صدور کے وقت اطلاع تھی، کیوں کہ وہ عمل قصدی ہے اور قصد مستلزم ہے علم کو) اور میں تجھ کو اس کی جزا دوں گا اور وہ ذکر خفی ہے"

ف: بزرگوں کے یہاں کبھی ذکر لسانی کی کبھی ذکر قلبی کی بلا حرکت لسان تعلیم ہوتی ہے بعض اہل ظاہر سمجھتے ہیں کہ جب تک زبان سے حروف ادا نہ ہوں وہ ذکر معتبر نہیں، اس حدیث میں اس ذکر کے معتد بہ اور معتبر ہونے کی تصریح موجود ہے، کیوں کہ تلفظ کے لئے سماع حفظہ لازم ہے اور وہ منتفی ہے پس تلفظ بھی منتفی ہے البتہ بعض احکام میں تلفظ بالاجماع شرط ہے جیسے قراءۃ فی الصلوۃ و نکاح و طلاق و امثالہا۔ رہا یہ کہ وہ عمل نیک تھا مگر اعمال قلبیہ کا علم تو ہوتا ہے تو اس وجہ سے لکھنا ضروری تھا، چنانچہ عزم حسنہ کا لکھا جانا احادیث میں موجود ہے، جواب یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعمال قلب میں سے گو اکثر کی اطلاع ہوتی ہے مگر بعض اس سے مستثنیٰ ہیں مگر بعد ان مورد استثناء کے بقیہ اعمال کو اسی اکثر میں داخل سمجھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

۳۱۱۔ عادت، اکتفاء بر ضروریات

عن ابی الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً مر علی قوم فسلم علیہم، فردوا علیہ السلام، فلما جاوزہم قال رجل منہم: واللہ انی لابغض ہذا فی اللہ، فقال اہل المجلس: بئس ما قلت، اما واللہ لننبئنہ، قم یا فلان - رجلاً منہم - فاخبرہ، قال: فادرکہ رسولہم فاخبرہ بما قال: فانصرف الرجل حتی اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: یا رسول اللہ مررت بمجلس من المسلمین فیہم فلان، فسلمت علیہم، فردوا السلام، فلما جاوزتہم ادرکنی رجل منہم فاخبرنی ان فلاناً قال: واللہ انی لابغض ہذا الرجل فی اللہ، فادعہ فسلہ علی ما یبغضنی؟ فدعاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ عما اخبرہ الرجل، فاعترف بذلک، وقال: قد قلت لہ ذلک یا رسول اللہ قال: "فلم تبغضہ؟" قال: انا جارہ وانا بہ خابر، واللہ مارایتہ یصلی صلوۃ قط الا ہذہ الصلوۃ المکتوبۃ التی یصلیہا البر والفاجر، فقال الرجل: سلہ یا رسول اللہ ہل رانی

قط أخرتها عن وقتها؟ أو أسأت الوضوء لها؟ أو أسأت الركوع والسجود فيها؟ فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فقال: لا، ثم قال: والله ما رأيته يصوم قط إلا هذا الشهر الذي يصومه البر والفاجر، قال: فسله يا رسول الله هل رآني قط أفطرت فيه؟ أو نقصت من حقه شيئا؟ فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: لا، ثم قال: والله ما رأيته يعطي سائلا قط، ولا رأيته ينفق من ماله شيئا في سبيل الله إلا هذه الصدقة التي يؤديها البر والفاجر، قال: فسله يا رسول الله! هل كتمت ذلك؟ قال: لا، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: قم، إن أدري لعله خير منك.[۱] (رواه أحمد)

ترجمہ: حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا ایک مجمع پر گزر ہوا اور ان کو سلام کیا، ان لوگوں نے اس کے سلام کا جواب دیا جب وہ شخص آگے بڑھ گیا تو اس مجمع میں سے ایک شخص نے کہا کہ واللہ مجھ کو اس شخص سے اللہ کے واسطے بغض ہے، اہل مجلس نے کہا کہ تم نے بہت بری بات کہی، واللہ ہم اس کا اظہار کریں گے، ایک شخص کو اپنے میں سے کہا کہ فلانے اٹھ اور اس (گزرنے والے) شخص کو اس کی خبر دے دے، مجلس کے فرستادہ اس شخص سے ملا اور اس قول کی خبر دی، وہ شخص اپنے رستے سے لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں مسلمانوں کی ایک مجلس پر گزرا جس میں فلانا شخص بھی تھا، میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے جواب دیا، جب میں ان سے آگے بڑھ گیا تو ان میں سے ایک شخص میرے پاس پہنچا اور مجھ کو یہ خبر دی کہ فلانے شخص نے یوں کہا واللہ مجھ کو اس شخص سے اللہ کے واسطے بغض ہے، تو اس کو ذرا بلا کر پوچھ لیجئے مجھ سے کس بات پر اس کو بغض ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر اس خبر کی تحقیق کی (کہ تو نے کہا ہے یا نہیں) اس نے اس کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! واقعی میں نے کہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "پھر اس سے تجھ کو بغض کیوں ہے"؟ اس نے کہا کہ میں اس کا پڑوسی ہوں اور مجھ کو اس کے حال کی پوری خبر

[۱] مسند أحمد ۵/۴۵۵، رجاله ثقات. ولكن فيه ضعف لإرساله والصواب أنه من مراسيل ابن شهاب الزهري كما سيأتي بعد الرواية التالية، قال أحمد: سمعت إبراهيم بن سعد حدث بهذا الحديث من حفظه، فقال: عن أبي الطفيل، وحدث به ابنه يعقوب، عن أبيه، ولم يذكر أبا الطفيل لا أحسبه وهم، والصحيح رواية يعقوب

ہے، واللہ میں نے اس کو بجز اس فرض نماز کے (مع توابع) جس کو سب نیک و بد پڑھا کرتے ہیں اور کوئی نماز (نفل وغیرہ) پڑھتے نہیں دیکھا، اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس سے یہ پوچھئے کہ اس نے مجھ کو بھی اس کے وقت سے تاخیر کرتے ہوئے یا اس کا وضو یا اس میں رکوع سجدہ ناقص کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا، وہ بولا نہیں، پھر کہنے لگے کہ واللہ میں نے اس کو بجز اس ماہ (رمضان) کے جس میں سب نیک و بد روزہ رکھتے ہیں اور کوئی روزہ (نفل) رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے کہ مجھ کو بھی اس میں کوتاہی کرتے ہوئے یا اس کا کچھ حق کم کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ نے اس سے پوچھا وہ بولا: نہیں، پھر کہنے لگے واللہ میں نے کبھی اس کو بجز اس زکوٰۃ کے جس کو سب نیک و بد ادا کرتے ہیں کسی سائل کو دیتے یا اللہ کی راہ میں خرچ کرتے نہیں دیکھا، اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے کبھی میں نے مال زکوٰۃ کو پوشیدہ کیا ہے، (یعنی عامل سے چھپا لیا ہو یا یہ معنی کہ پوری زکوٰۃ علانیہ نہ دی ہو) وہ بولا: نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معترض سے فرمایا کہ: "بس جا مجھ کو معلوم نہیں شاید یہ تجھ سے بہتر ہو۔"

ف: اصطلاح فن میں ایسے شخص کو جو عبادات جوارح میں سے محض ضروریات پر کفایت کرے باقی اوقات ذکر و فکر میں مشغول رکھے قلندر کہتے ہیں، اس حدیث سے اس مشرب کا اثبات ہوتا ہے، کیوں کہ اکتفاء علی الضروریات تو حدیث میں منصوص ہے ہی اور دوام ذکر و فکر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ﴿رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله﴾ سے معلوم ہے: کیوں کہ ایسے رجال میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اولیٰ ہیں، پس مجموعہ سے مقصود ثابت ہو گیا، اور ایک مشرب ملامتی ہے یعنی جو کہ اعمال کے اخفاء کا اہتمام کرے، اس کا اثبات حدیث چہل و ششم سے ہوتا ہے، چنانچہ وہاں "ف" اول میں اس کی تقریر ہوئی ہے۔

۳۱۴- حمایت بعض تیز مزاجی

في المسند للديلمي عن انس رضي الله تعالى عنه مرفوعاً: "لا تنكرن الحدة

الا في صالحي امتي او ابرارها" وبهذا السند بلفظ: "ليس احد اولى بالحدة من صاحب القرآن لعز القرآن في جوفه"[1].

ترجمہ: مسند دیلمی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تیزی (جو لطافت طبیعت کی وجہ سے ہو) صرف میری امت کے صلحاء و ابرار میں ہوتی ہے'' اور اسی سند سے باین لفظ بھی روایت ہے کہ: ''کوئی شخص (اس مذکورہ) تیزی کا صاحب قرآن سے زیادہ شایان نہیں بسبب عزت قرآن کے جو اس کے جوف میں ہے۔''

ف: بعض بزرگ زیادہ لطیف المزاج ہوتے ہیں اور اس لطافت کے سبب ان کو نامناسب امور زیادہ ناگوار ہوتے ہیں اور یہ ناگواری ان کے بشرہ یا گفتگو سے ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض اوقات یہ تغیر مزاج حد غضب تک پہنچ جاتا ہے جس سے بعض تنگ چشموں کو ان پر شبہ بدخلقی کا ہوتا ہے، سو بدخلقی وہ ہے کہ حد شرع سے متجاوز ہو جائے، ورنہ نفس حدت کا حدیث مذکور سے خلاف صلاح نہ ہونا ظاہر ہے، اور صحاح میں ایسی روایات ہیں کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے موقع بات پوچھنے تک پر غضب ناک ہوئے ہیں، بزرگوں پر اعتراض کرنے میں مبادرت نہ چاہئے۔

۳۱۳ — حدیث سہ صد و سیزدہم

عن عبداللہ بن مسعود رضي اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال لي رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذنک علی ان ترفع الحجاب وان تسمع سوادي حتی انهاک". (رواہ ابن ماجة)[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تمہارے لئے آنے کی یہی اجازت ہے کہ تم پردہ اٹھا دیا کرو اور میری مخفی بات سن لیا کرو جب تک میں منع نہ کر دوں۔''

۳۱۴ — حدیث سہ صد و چہاردہم

عن الحسین بن علي رضي اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت ابي عن دخول رسول

---

[1] کشف الخفاء ۱/۳۰۲، قلت: وفي اسنادہ ضعف

[2] ابن ماجة السنة، فضل عبداللہ بن مسعود رضي اللہ تعالیٰ عنہ، رجالہ ثقات

الله صلى الله عليه وسلم فقال: كان إذا أوى إلى منزله جزأ دخوله ثلاثة أجزاء: جزءً لله عز وجل، وجزءً لأهله، وجزءً لنفسه، ثم جزأ جزءه بينه وبين الناس، فيرد ذلك بالخاصة على العامة ولا يدخر عنهم شيئاً، وكان من سيرته في جزء الأمة إيثار أهل الفضل. الحديث رواه الترمذي في الشمائل[1]

ترجمہ: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تشریف لے جانے کی حالت کے متعلق پوچھا (کہ آپ جب گھر تشریف لاتے تو کیا کرتے تھے) انہوں نے فرمایا کہ اپنے گھر میں تشریف لاتے تو اپنے اندر آنے کے حصہ کو تین حصے فرماتے، ایک حصہ وقت کا اللہ کے کام کے لئے (مثل نوافل وغیرہ) اور ایک حصہ اپنے گھر والوں (سے بولنے چالنے) کے لئے اور ایک حصہ اپنے نفس (کے آرام) کے لئے، اور پھر اپنے حصہ کو اپنے (ضروری کاموں) اور لوگوں کے (نفع پہنچنے کے) درمیان میں تقسیم فرمادیتے (یعنی کچھ وقت اپنے لئے صرف کرتے اور کچھ لوگوں کے کام میں) سو اس حصہ کو (جو کہ اپنے وقت میں سے لوگوں کے لئے نکالتے تھے) خواص کے ذریعہ سے عام لوگوں پر صرف فرماتے اور لوگوں سے کوئی چیز (کام کی) اٹھا نہ رکھتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ امت کے حصہ میں (جو باہر صرف ہوتا تھا) یہ تھی کہ اہل فضیلت کو ترجیح دینا وغیرہ وغیرہ جو حدیث میں مذکور ہے۔

۳۱۵ - عادت ضبط اوقات وبازداشتن عوام در وقت خلوت ونشانیدن بواب

(اوقات کو منضبط رکھنا تنہائی کے اوقات میں عوام سے نہ ملنا اور دربان کو دروازہ پر بٹھا دینا)

عن أبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم في حائط من حيطان المدينة، فجاء رجل فاستفتح، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "افتح له وبشره بالجنة" ففتحت له فإذا أبو بكر فبشرته بما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فحمد الله. الحديث. وفيه: مجيء عمر رضي

---

[1] رواہ الترمذی فی الشمائل باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰہ تعالیٰ عنہ و عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کذلک۔ (متفق علیہ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں تھا، ایک شخص آیا اور دروازہ کھلوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "دروازہ کھول دو اور اس شخص کو جنت کی بشارت دے دو۔" میں نے دروازہ کھولا تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی خوش خبری دے دی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، اسی طرح حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشریف لانا مذکور ہے۔

ف: بزرگوں کا عموماً معمول ہے کہ اپنے اوقات منضبط رکھتے ہیں جن میں کچھ وقت خلوت کا بھی ہوتا ہے، جس میں عوام سے نہیں ملتے اور کبھی کسی خادم کو بھی بٹھلا دیتے ہیں کہ عوام کو ہجوم سے روکے اور کبھی اسی وقت میں خواص کو کسی خصوصیت سے اجازت دے دیتے ہیں، اہل بطالت ان معمولات پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں اور بزرگوں پر شبہ ترفع کا یا ترجیح بلا مرجح کا اور مثل اس کے کرتے ہیں، بعضے خاص خادموں کو جاتا ہوا دیکھ کر خود بھی جا گھستے ہیں اور اس کے ماذون ہونے سے اپنے ماذون ہونے پر استدلال کرتے ہیں، یہ حدیثیں ان سب امور کا صاف صاف فیصلہ کر رہی ہیں۔

حدیث ثانی سے ضبط اوقات و اہتمام خلوت اور صرف خواص کو آنے دینا، اور حدیث اول سے خادم کے ماذون ہونے کا عام کے ماذون ہونے کو مستلزم نہ ہونا، اور حدیث ثالث سے بواب کا بٹھلانا صاف معلوم ہوتا ہے، البتہ کسی کی ضرورت شدیدہ فوریہ کے وقت پھر ملاقات سے عذر کرنا برا ہے، ورنہ علاوہ احادیث کے خود قرآن مجید کی آیت ﴿وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا﴾ اس کی اجازت دیتی ہے کہ کسی وقت ملاقات سے عذر کر دینا بھی جائز ہے، اسی طرح حدیث "انزلوا الناس منازلھم"[2]

خواص کی ترجیح کو علاوہ مر جز تمقاق ہے، یہ تمام شبہات ناواقفی سے ہوتے ہیں۔

---

[1] بخاری الادب، من نکت العود فی الماء والطین رقم ۶۲۱۶، مسلم فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم ۲۸:۲۴۰۳، ترمذی، المناقب، باب رحدیث تبشیرہ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان بالجنۃ علی بلوی تصیبہ) رقم ۳۷۱۰، وقال: حسن صحیح۔ [2] ابو داؤد الادب، تنزیل الناس منازلھم رقم ۴۸۴۲ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۳۱۶-عادت، جہر بالذکر

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رواہ البخاری)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جب کہ لوگ فرضوں سے فارغ ہو جاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔

ف: چشتیہ پر بعضے شبہ عدم ثبوت جہر بالذکر کا کرتے ہیں حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے، البتہ حاشیہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ مراد حدیث میں اس کا التزام بعد الصلوٰۃ نہیں ہے۔

۳۱۷-متفرقات، امکان مکث بلاغذاء معتاد

(عادتاً کھانے پینے والی چیزوں کے بغیر زندہ رہنا)

عن اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی حدیث الدجال قالت: قلت: یا رسول اللہ واللہ انا لنعجن عجینتنا فما نخبزہ حتی نجوع فکیف بالمؤمنین یومئذ؟ قال: "یجزیھم مایجزی اھل السماء من التسبیح والتقدیس"۔ (رواہ احمد)[2]

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دجال کے قصہ میں (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نکلنے کا اور اس کے زمانہ میں قحط پڑنے کا ذکر فرمایا تھا) مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! واللہ ابھی ہم آٹا گوندھ کر رکھتے ہیں اور اس کو پکانے نہیں پاتے کہ بھوک لگ جاتی ہے (جس سے بیتاب ہو جاتے ہیں) سو اس روز مسلمانوں کا کیا حال ہوگا (جب کہ اس کے باطنین پر قحط شدید ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مسلمانوں کو (غذا کی جگہ) وہ چیز کافی ہو جائے گی جو اہل آسمان کو کافی ہوتی ہے یعنی تسبیح و تقدیس۔"

ف: بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے خلوت میں مدتوں کھانا نہیں کھایا، وہاں جمود علی الظاہر ہے سوچے سمجھے ایسے امور کے منکر ہو جاتے ہیں حدیث سے صاف ظاہر

---

[1] البخاری: الاذان - الذکر بعد الصلاۃ۔ رقم: ۸۴۱۔

[2] مسند احمد (۶/۴۵۳) وفی اسنادہ ضعف لضعف شہر بن حوشب وبقیہ رجالہ ثقات۔ قال: البوصیری: ولہ شاھد من حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا۔

ہے کہ بعض اوقات صرف ذکر وشغل بھی غذا کا کام دے سکتا ہے۔

۳۱۸- تعلیم بُعد از مظانِ فتنہ (فتنوں کی جگہوں سے دور رہنا)

عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من سمع بالدجال فلینأ منہ، فواللہ ان الرجل لیأتیہ وھو یحسب انہ مؤمن فیتبعہ مما یبعث بہ من الشبہات" (رواہ ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص دجال کی خبر سنے اس کو چاہیے کہ اس سے دور چلا جائے، واللہ بعض شخص اپنے کو مسلمان سمجھ کر اس کے پاس آئے گا (کہ اس کا تماشہ دیکھے یا اس سے مناظرہ کرے) پھر بہت سے شبہات پیدا ہو کر اس کا تابع ہو جائے گا۔"

ف: بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی مدعی تصوف مضل ہو تو غیر کامل کو اس کے پاس بغرض رد بھی نہیں جانا چاہیے بعض اوقات اس کے تصرفات و عجائب سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حدیث میں یہی تعلیم صریح ہے اور اس میں دجال اکبر و دجال اصغر برابر ہے۔

۳۱۹- دجال کی زمین میں مدت قیام

عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ذکر الدجال قلنا: یا رسول اللہ! وما لبثہ فی الارض؟ قال: "اربعون یوما، یوم کسنۃ ویوم کشہر ویوم کجمعۃ وسائر ایامہ کایامکم"۔ (رواہ مسلم[2])

۳۲۰- مسئلہ بسط وطی زمان (زمانہ کا پھیلنا اور سکڑنا)

عن اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "یمکث الدجال فی الارض اربعین سنۃ، السنۃ کالشہر والشہر کالجمعۃ والجمعۃ کالیوم والیوم کاضطرام السعفۃ فی النار"۔ (رواہ فی شرح السنۃ[3])

---

[1] ابوداؤد: الملاحم، خروج الدجال، رقم ۴۳۱۹، وسکت عنہ المنذری۔

[2] مسلم: الفتن، ذکر الدجال، رقم ۱۱۰ (۲۹۴۳) [3] رواہ البغوی فی شرح السنۃ، الفتن، الدجال لعنہ اللہ رقم: ۳۱۵۹، مسند احمد: ۶/۴۵۴، وفی اسنادہ ضعف لضعف شہر بن حوشب وبقیۃ رجالہ ثقات غیر ابن خثیم فہو مختلف فیہ حسن الحدیث

ترجمہ حدیث اول: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر دجال میں روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے رہنے کی زمین میں کتنی مدت ہے؟ فرمایا: "چالیس دن، ایک دن برس روز کے برابر ہوگا اور ایک دن مہینہ کے برابر اور ایک دن ہفتہ کے برابر اور باقی ایام معمولی دنوں کے برابر ہوں گے۔"

ترجمہ حدیث دوم: حضرت اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "دجال زمین میں چالیس برس رہے گا، برس تو مہینے کے برابر ہوگا اور مہینہ ہفتہ کے برابر ہوگا اور ہفتہ دن کے برابر ہوگا اور دن ایسا ہوگا جیسے آگ سے لکڑیاں جل اٹھتی ہیں۔"

ف: دونوں حدیثوں میں منجملہ وجوہ دفع تعارض کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کسی کو وہ زمانہ طویل معلوم ہوگا اور کسی کو قصیر اور واقع میں اس کی مقدار معین ہوگی تو حدیث سے بسط و طے زمان دونوں ثابت ہو جائیں گے، اور اول حدیث میں روایات میں یہ بھی ہے کہ جو دن سال کے برابر ہوگا اس میں ایک سال کی نمازیں واجب ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن واقع میں بھی ایک ہی سال ہے، جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ دن خاص ایک ہی سال کا ہو اور باقی ایام میں اوپر کی تقریر جاری کی جائے، بہر حال ان حدیثوں کی دلالت مدعا پر درجہ احتمال میں ہے، آگے ایک حدیث طے زمان میں صریح ہے۔

۳۲۱ — مسئلہ، زمانہ کا سکڑنا

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ، ماطول ھذا الیوم؟ فقال: "والذی نفسی بیدہ انہ لیخفف علی المؤمنین حتی یکون اھون علیہ من الصلوۃ المکتوبۃ یصلیھا فی الدنیا"۔[1] (رواہ البیہقی فی کتاب البعث والنشور)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کی نسبت جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی (مراد قیامت کا دن ہے بڑا عجب) پوچھا گیا کہ

[1] مسند احمد: ۳/۷۵، واسنادہ حسن علی ضعف فی رواتہ.

اس دن کا کس قدر طول ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ مومن اہل ایمان پر ایسا ہوگا کہ فرض نماز جو دنیا میں پڑھتا ہے اس سے بھی ہلکا ہوگا۔"

ف: اس پر تو دلالت حدیث کی ظاہر ہے اور طول وبسط کے امکان میں کچھ تفاوت نہیں، پس بسط بھی اسی طرح ہوسکتا ہے۔

۳۴۲- اصلاح در اہتمام جماعت

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه عذر". قالوا: وما العذر؟ قال: "خوف أو مرض لم تقبل منه الصلوة التي صلى". (رواه أبو داود والدار قطني[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جو شخص مؤذن کی آواز سنے اور اس کو اس مؤذن کی اتباع سے (یعنی جماعت میں آنے سے) کوئی عذر مانع نہ ہو تو اس کی وہ نماز جو اس نے پڑھی ہے مقبول نہیں ہوتی" صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ عذر کیا ہے؟ فرمایا: "خوف ہو یا کوئی مرض ہو۔"

ف: آج کل اکثر لوگ بدون عذر جماعت کی مطلق پرواہ نہیں کرتے، اس حدیث کی رو سے ان کی نمازیں مقبول نہیں ہوتیں اور ظاہر ہے کہ جس کی نماز عمر بھر مردود ہو وہ ولی ہونے کے قابل کب ہوسکتا ہے۔

۳۴۳- عادت در استعانت بخادم در وضوء (وضو میں خادم سے مدد لینا)

عن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه أنه غزا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المغيرة: فتبرز رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل الغائط، فحملت معه إداوة قبل الفجر، فلما رجع أخذت أهريق على يديه فغسل يديه ووجهه وغسل ذراعيه ثم مسح بناصيته ثم أهويت لأنزع خفيه. الحديث مختصراً. (رواه مسلم[2])

---

[1] أبو داود: الصلاة، التشديد في ترك الجماعة رقم: ٥٥١. قال المنذري: في إسناده: أبو جناب يحيى بن أبي حية الكلبي، وهو ضعيف. وأخرجه ابن ماجة: بنحوه، وإسناده أمثل، وفيه نظر. قلت: وأخرجه ابن ماجة، الصلاة، التغليظ في التخلف عن الجماعة، رقم: ٧٩٣، ورواه الدارقطني في سننه: الصلاة، الحث لجار المسجد على الصلاة فيه إلا من عذر. رقم: ١٥٤٢. [2] مسلم: الصلاة، تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الإمام ولم يخافوا مفسدة بالتقديم. رقم: ١٠٥ (٢٧٤)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے میدان میں استنجاء کے لئے چلے، میں پانی کا ظرف چھاگل لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہولیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹے تو میں (وضو کرانے کے واسطے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور چہرہ دھویا اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا (اسی روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ عمامہ کا یعنی عمامہ جتنے حصہ میں ہوتا ہے یعنی بقیہ سر کا مسح کیا) پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اتارنے کے لئے جھکا، یہ حدیث مختصر ہے۔

ف: بعض بزرگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات خادم ان کو وضو کراتا ہے، بعض کوتاہ بین اس کو کبر سمجھتے ہیں یہ محض بدگمانی ہے حدیث سے اس کا جواز بلا کسی کراہت کے ثابت ہے۔

۳۴۴۔ مسئلہ نقض وضوء در سقوط از وجد

(حالت وجد میں گر جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے)

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ان الوضوء على من نام مضطجعا فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله". (رواه الترمذي وابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "وضوء اس پر واجب ہے جو لیٹ کر سو جائے، کیونکہ جب لیٹے گا تو اس کے جوڑ بند ڈھیلے ہو جائیں گے۔" (اور اس میں ریح کا خروج مستبعد نہیں ہے)

ف: اکثر صوفیاء اس سے بے خبر ہیں کہ وجد میں بے ہوش ہو کر گر پڑیں یا گر کر بے ہوش ہو جائیں تو وضو کا اعادہ واجب ہے کہ اس حالت میں استرخاء مفاصل مثل سونے کی حالت کے ہو جاتا ہے، فقہاء نے غشی میں نقض وضو کی تصریح فرمائی ہے۔

---

[1] ابوداؤد: الطهارة، الوضوء من النوم، رقم: ۲۰۲ قال أبوداؤد: قوله "الوضوء على من نام مضطجعا" هو حديث منكر، لم يروه الا يزيد ابو خالد الدالاني عن قتادة، ترمذي: الطهارة، ما جاء في الوضوء من النوم، رقم: ۷۷

۳۲۵۔ ترک تعظیم موذی

(تعظیم کا جو طریقہ شیخ کو ناگوار ہو اس کا ترک ضروری ہے)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک. (رواہ الترمذی وقال: ھذا حدیث حسن صحیح)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ تھا باوجود اس کے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو اٹھتے نہ تھے، کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار ہوتا ہے۔

ف: حدیث سے معلوم ہوا کہ ادب اور تعظیم اور خدمت کا جو طریق اپنے کسی بزرگ کو گراں اور ناگوار ہو اس کا ترک کردینا ضروری ہے، آج کل اتباع عرف اس قدر غالب ہے کہ بزرگوں کی راحت کا خیال نہیں کرتے بلکہ رسم کے تکلفات اور تعظیم میں مبالغہ اور خدمت میں اصرار کو بڑا ذریعہ قرب و سعادت کا سمجھتے ہیں، جیسے کسی کا بدن دبانا، کسی کی جوتیاں اٹھانا، اس کی پشت کی طرف بیٹھ جانا، بخصوص اس اعتقاد سے کہ اس کی پشت کی طرف وظیفہ یا نماز پڑھنے سے زیادہ مقبولیت ہوگی یہ تو بالکل بت پرستی کے مشابہ ہے، یہ بلائیں آج کل بہت شائع ہیں۔

۳۲۶۔ مسئلہ عدم تنافی مزاح با کمال (مذاق اور کمال میں منافات نہیں)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قالوا: یا رسول اللہ انک تداعبنا قال: "انی لا اقول الا حقا". (رواہ الترمذی)[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں، فرمایا: "میں بجز حق کے کوئی بات نہیں کہتا"۔ (یعنی خوش طبعی میں کسی امر باطل و نامشروع مثل کذب و ایذاء مسلم کا مرتکب نہیں ہوتا)

---

[1] ترمذی: الادب، کراھیۃ قیام الرجل للرجل، رقم: ۲۷۵۴، وقال: حسن صحیح غریب من ھذا الوجہ [2] ترمذی: البر والصلۃ، ما جاء فی المزاح، رقم: ۱۹۹۰، وقال: حسن صحیح

۳۲۸ – تعلیم ، عدم جزم برؤیا (خواب پر یقین نہ کرنا)

عن محمد بن سیرین قال: الرؤیا ثلاث: حدیث النفس، وتخویف الشیطان، وبشری من اللہ. (متفق علیہ)[1]

وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إذا رأی أحدکم الرؤیا یکرھھا فلیبصق عن یسارہ ثلاثا ولیستعذ من الشیطان ثلاثا، ولیتحول عن جنبہ الذی کان علیہ". (رواہ مسلم)

ترجمہ: محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: حدیث النفس (یعنی خیالات) اور تخویف شیطان (یعنی شیطان بوجہ عداوت کے بغرض تحزین کے مکروہ امور دکھاتا ہے) اور بشارت من اللہ۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب کوئی تم میں کوئی برا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھتکار دے اور تین بار اعوذ باللہ پڑھ لے اور جس کروٹ پر تھا اس کو بدل دے"

ف: بعض ناواقفان سلوک کو دیکھا ہے کہ خواب پر ان کو بہت ہی نظر ہوتی ہے اچھے خوابوں کی کمی ہو جاتی ہے تو اس کو علامت بعد من اللہ کی سمجھ کر مغموم اور متفکر ہوتے ہیں اچھے خواب نظر آ جاتے ہیں تو اس کو منتہائے مقصود سمجھ کر ناز کرتے ہیں، کوئی واقعہ نظر آ جاتا ہے تو اس پر پورا اعتماد کر لیتے ہیں، کوئی برا خواب نظر آ جاتا ہے تو اس کی پریشانی میں گرفتار ہو جاتے ہیں، حدیث میں ان سب خیالات کا غلط ہونا مصرح ہو گیا اور برے خواب کے ضرر سے بچنے کا طریقہ بھی فرما دیا گیا، غرض خواب اتنی بڑی چیز نہیں جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، اصل فکر حالت بیداری کی چاہئے کہ وہ مرضی عند اللہ ہے یا غیر مرضی، کسی کا شعر بہت ہی پسند آتا ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

---

[1] بخاری، التعبیر، القید فی المنام، رقم: ۷۰۱۷، مسلم، الرؤیا، کون الرؤیا من اللہ وانها جزء من النبوۃ رقم: ۶(۲۲۶۳) لفظا، وأخرجہ الترمذی الرؤیا، رؤیا المؤمن جزء من ستۃ وأربعین جزءا من النبوۃ رقم: ۲۲۷۰، وقال: حسن صحیح کلھم عن محمد بن سیرین عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

۳۲۹ - قول، ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید

(پیر کا دکھلاوا مرید کے اخلاص سے بہتر ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً: "اذکروا اللہ ذکرا یقول المنافقون انکم تراؤون". (رواہ الطبرانی کما فی الجامع)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "حق تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ منافقین یوں کہنے لگیں کہ تم ریاکار ہو۔"

ف: مطلب یہ ہے کہ کثرت سے ذکر کرو اور ظاہر ہے کہ کثرت کی حالت میں خفاء نہیں رہ سکتا اور اظہار میں بعض منافقین ریاء کا طعن کیا ہی کرتے ہیں، پس اس حدیث میں ایسے اظہار کا جس کو ناواقف ریا کہیں اور واقع میں وہ ریاء نہ ہو، مطلوب ہونا مذکور ہے، اور مطلوبیت کے لئے خیریت لازم ہے، اور خیر میں چونکہ معنی تفضیل کے ہیں تو اس کے لئے مفضل علیہ کو بھی ضرورت ہوگی اور مفضل علیہ مقابل ہوگا مفضل کا، اور مفضل ہے ریاء بالمعنی المذکور تو مفضل علیہ عدم ریاء ہوگا جس کو اخلاص کہا جاتا ہے، پس ثابت ہوا کہ بعض ریاء بعض اخلاص سے خیر ہے، اور دلائل خارجیہ سے شیخ کے اظہار میں مصالح خاصہ ہوتے ہیں اس عموم میں ریاء الشیخ کا اخلاص مرید سے خیر ہونا ثابت ہو گیا خوب سمجھ لو۔

۳۳۰ - متفرقات، فکر اصلاح الاکابر

(اکابر کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے)

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم شدید الحر نحو بقیع الغرقد، فکان الناس یمشون خلفہ، فلما سمع صوت النعال وقر ذلک فی نفسہ فجلس حتی قدمھم امامہ لئلا یقع فی نفسہ شیء من الکبر. (رواہ ابن ماجۃ)[2]

---

[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر ١٢/ ١٤٠، رقم: ١٢٧٨٦، وقال الہیثمی فی المجمع (١٠/ ٧٦) فیہ الحسن بن ابی جعفر الجعفری وھو ضعیف۔ [2] ابن ماجۃ السنۃ، من کرہ ان یوطأ عقباہ رقم: ٢٤٥، قال البوصیری فی زوائد ابن ماجۃ ھذا اسناد ضعیف لضعف الرواۃ قال ابن معین: علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامۃ ھی ضعاف کلھا.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تیز گرمی کے دن میں بقیع کی طرف چلے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتیوں کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر یہ امر گراں گزرا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، یہاں تک کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تاکہ کوئی اثر بڑائی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں نہ واقع ہو جائے۔

ف: اور اسی حدیث کے اس مضمون پر اصل رسالہ کو ختم کرتا ہوں، کیوں کہ خاتمہ تنبیہ ہی کے مضمون پر مناسب ہوتا ہے تا کہ رسالہ جن علوم و اعمال کو متضمن ہے یہ تخویف ان کی موافقت و امتثال کے لئے بیدار کر دے، نیز اس میں تاسی و اقتداء قرآن مجید کا بھی ہے کہ سب سے آخر آیت اس کی یہ ہے: ﴿واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله ثم توفی کل نفس ما کسبت وهم لا یظلمون﴾ پس عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث میں غور کرنے سے ناقص تو ناقص کاملین کی بھی آنکھیں کھلتی ہیں اور ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو زعم کمال کے بعد اپنی نگرانی حال سے بے فکر ہو جاتے ہیں خوب سمجھنا چاہئے کہ اکابر کو فارغ ہو کر نہ بیٹھنا چاہئے مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہئے اور یہی خیریت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿فلا یامن مکر الله الا القوم الخسرون﴾. ولنعم ما قیل:

غافل مرو کہ مرکب مرداں مرد را — در سنگلاخ بادیہ پے ہا بریدہ اند

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش — ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

اللھم اعطنا علی الاستقامۃ مع القبول والکرامۃ فی الدنیا ویوم القیامۃ.

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین.

النکت الدقیقۃ
مما یتعلق بالحقیقۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ عرض ہے کہ ہر علم وعمل جب کہ اس کو شریعت کے ساتھ موازنہ کیا جائے تین قسم سے خالی نہیں، ایک قسم یہ ہے کہ شریعت اس کا اثبات کرے، دوسری قسم یہ ہے کہ شریعت اس کی نفی کرے، تیسرے یہ کہ شریعت اس کے اثبات ونفی سے ساکت ہو، اول کو مدلول شرعی کہیں گے، دوسرے کو مردود شرعی، تیسرے کو نہ مدلول شرعی نہ مردود شرعی بلکہ مقرر بقاعدہ کلیہ مروی ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الحلال ما احل اللہ فی کتابہ، والحرام ماحرم اللہ فی کتابہ (ای شرعہ) وماسکت عنہ فھو عفو. (رواہ ابن ماجۃ والترمذی)[1] ماذون شرعی کہیں گے۔

صوفیہ کے علوم واعمال بھی انہیں اقسام پر منقسم ہیں جن میں سے قسمین اولین کا ایک معتدبہ ذخیرہ رسالہ حقیقۃ الطریقۃ میں مدون کردیا گیا ہے اور چونکہ قسم ثالث استدلال جزئی کا محتمل ہے اور محتاج، اس لئے رسالہ اس سے خالی رہا اور بوجہ اس کے کہ قواعد شرعیہ کلیہ اس کی اباحت پر دال ہیں، دلائل جزئیہ کا اس پر دال نہ ہونا کچھ مضر نہیں، مثال کے لئے ایک مسئلہ علمیہ اور ایک عملیہ فرض کرتا ہوں مثلاً لطائف جو عالم امر سے ہیں ان کا تعلق جسد کے خاص خاص مقامات سے بتلایا جاتا ہے، اور مثلاً ایک شغل میں نظر پردۂ بینی پر جمائی جاتی ہے، سو اس علم کے لئے کشف اور اس عمل کے لئے تجربہ کافی ہے، کیونکہ یہ کشف وتجربہ بوجہ معارض دلیل شرعی نہ ہونے کے ایسا ہے جیسے زید کے آنے کا علم اور حب ایارج کا

---

[1] ترمذی: اللباس، لبس الفراء، رقم: ۱۷۲٦، وقال: حدیث غریب لانعرفہ الا من ھذا الوجہ، ابن ماجۃ: الاطعمۃ، اکل الجبن والسمن، رقم: ۳۳٦۷، کلاھما عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کذا فی "تحفۃ الاشراف" (۴۴۹٦)، لاعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

استعمال جس کے لئے نص شرعی کی حاجت نہیں، بلکہ ایسے امور اگر کسی مصلحت وضرورت معتد بہا کی بناء پر دوسری قوموں سے بھی ماخوذ ہوں، بشرطیکہ ان کا شعار نہ ہو تب بھی مضائقہ نہیں جیسے کہ حاشیہ بخاری میں (ہب) سے کہ در حمد واہب کا ہے۔ منقول ہے: قال سلمان الفارسی یا رسول اللہ انا کنا بفارس اذا حوصرنا خندقنا علینا فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحفرہ. الحدیث[1] لیکن اگر ایسے امور کو کسی نص کے مدلول سے کسی درجہ میں گو وہ بعید ہی ہو اتفاقی توافق ہو جائے آپ گونہ تائید سے خالی نہیں، گو اس توافق کو استدلال نہ کہیں گے، جس طرح تحسین اولین کے اثبات ونفی کو کہا جاتا ہے، مگر احتیاط اس کہا جائے ہوگا اور اہل ظاہر میں بھی یہ طرز بلا نکیر جاری رہا ہے۔

ہدایہ کے قول متعلق بدفن المیت بحیال القبلۃ کے تحت میں صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں: "ویستانس لہ بحدیث ابی داؤد والنسائی ان رجلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکبائر فقال: ھی تسع الی ان قال واستحلال البیت الحرام قبلتکم احیاء وامواتا"[2] پس قریب ختم رسالہ حقیقۃ الطریقۃ کے خیال میں آیا ہے کہ اگر تصوف کے لئے بعض ایسے امور بھی جن کی طرف احادیث میں مرتبہ احتیاط میں تلویح واقع ہے وارد کر کے اس کو رسالہ کا تابع بنا دیا جائے تو اہل نظر کے لئے ایک گونہ لطف وحظ سے خالی نہیں، نیز اس نمونہ پر بقیہ امور کے لئے مناسبات کا تتبع سہل ہو سکے گا، اس لئے ان اوراق میں مثال کے طور پر چند ایسے ہی مضامین وارد کرتا ہوں، اس طرح کہ اول وہ مضمون کسی کتاب فن سے نقل کروں گا اور پھر اس حدیث مناسب کو لکھوں گا اور چونکہ ایسے مضامین محض نکات ولطائف ہوتے ہیں جو کہ توابع حقیقت ہیں نہ کہ عین حقیقت اور مدلولات حقیقیہ، اس لئے اس حصہ کا نام "النکت الدقیقۃ مما یتعلق بالحقیقۃ" رکھتا ہوں، اور اسی فرق کی وجہ سے جو کہ سبب ہوا ہے نام جداگانہ رکھنے کا، اس کی ترتیب بھی اصل سے بدل دی ہے کہ وہاں حدیث مقدم تھی اور مسئلہ مؤخر، اور یہاں اس کا عکس تا کہ اصل اور

---

[1] تاریخ الطبری ۲:۱۰، فتح الباری، باب غزوۃ الخندق۔ [2] ابو داؤد، الوصایا، التشدید فی اکل مال الیتیم، رقم: ۲۸۷۵، نسائی: (۷:۸۹) عن عبید بن عمیر عن ابیہ۔

تائج میں خوب تمایز رہے۔ اور چونکہ استدلال یا استغنا کی بے ضرورت دونوں جگہ موثر ہے؛ البتہ یہ ممکن ہے کہ کوئی مضمون استدلالی ہو تو وہ استدلال کے اس حصہ میں آجائے جیسا یہ ممکن ہے کہ کسی اشتباہ کے سبب کوئی مضمون استغنائی حصہ حقیقت میں آگیا ہو۔ وانی اتوب الی اللہ من کل خطئی وذللی وھو ولی کل علم وعمل"

مضمون اول فی نفی ماء القلوب: اندک سر را بجانب پشت کج کرد وتصور کند کہ ہمہ خطرات ما سوی اللہ را پس پشت انداختم (یعنی سر کو پیٹھ کی جانب جھکا کر یہ تصور کرے کہ ما سوا اللہ کے تمام خطرات کو میں نے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے)

حدیث: عن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشیر باصبعہ اذا دعا. (رواہ ابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا (یعنی تشہد) کے وقت اپنی انگلی سے (توحید کا) اشارہ فرماتے تھے۔

ف: پشت کو کج کرنا اس تصور کی شکل بناتا ہے کہ ہمہ خطرات را پس پشت انداختم اسی طرح اشارہ بالسبابہ اس اعتقاد توحید کی صورت بناتا ہے پس دونوں میں ہیئت جسمانیہ سے مافی القلب پر دلالت کرنا امر مشترک ہے۔

مضمون دوم: فیہ ایضاً۔ بر فضاء دل ضرب کند
(دل پر ضرب لگانا)

حدیث: عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل، فلما رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا. (رواہ مسلم)[2]

ترجمہ: حضرت ابی کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث طویل میں (جو کہ اصل رسالہ میں نمبر: ۲۸۲ میں گزر چکی ہے) مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھی جو مجھ پر غالب ہو رہی تھی، (یعنی وسوسہ تکذیب) آپ صلی اللہ علیہ

---

[1] ابوداؤد: الصلاۃ، الاشارۃ فی التشہد، رقم: ۹۸۹، لفظا واخرجہ النسائی، الصلاۃ، باب بسط الیسری علی الرکبۃ، رقم: ۱۲۷۰۔ [2] مسلم: صلاۃ المسافرین (فضائل القرآن) بیان ان القرآن نزل علی سبعۃ احرف وبیان معناھا، رقم: ۲۷۳ (۸۲۰)

وسلم نے میرے سینے میں ہاتھ مارا، میں پسینہ پسینہ ہوگیا۔

ف۔ ضرب میں ذکر کی اہمیت یہی ہے کہ قلب میں اثر پہنچے، حدیث میں بھی اس ضرب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی غرض تھی اور اس میں کوئی معتد بہ فرق نہیں کہ اپنی ضرب سے قلب میں اثر پہنچے یا دوسرے کی ضرب سے۔

مضمون سوم: نیز ایضاً۔ لفظ الا اللہ را بحدت وقوت ملازم گوید۔ (الا اللہ کو طاقت وقوت کے ساتھ کہتا رہے)

حدیث: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی خطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ قولہ علیہ السلام "ولا یختلیٰ خلاھا" فقال العباس. یا رسول اللہ الا الاذخر فانہ لقینھم وبیوتھم فقال: "الا الاذخر" (متفق علیہ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس خطبہ میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن پڑھا ہے آپ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ "اس کا (یعنی حرم شریف کا) گھاس نہ کاٹا جائے" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مگر اذخر (یہ ایک گھاس ہے) کہ لوہاروں کے اور گھروں (کی تعمیرات) کے کام آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ: "بجز اذخر" (یعنی انہوں نے اس کے مستثنیٰ کرنے کی درخواست کی آپ نے مستثنیٰ فرمادیا)

ف: صرف الا اللہ کے ذکر پر بعض کا یہ اعتراض ہے کہ مستثنیٰ بدون مستثنیٰ منہ اور عامل کے عبارت بے معنی ہے، ایسا ذکر بے معنی نہ معتد بہ ہے نہ موجب اجر، پس عبث ہوا پھر کیوں اختیار کیا گیا؟ سو حدیث سے جواز حذف عامل ومستثنیٰ منہ کا وقت قیام قرینہ کے معلوم ہوتا ہے، جس طرح کہ کبھی اس کا عکس بھی مستعمل ہوتا ہے، یعنی صرف مستثنیٰ کو حذف کردیا جائے چنانچہ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں صحبت حکام کی مذمت میں ارشاد ہے۔

حدیث: "کذلک لایجتنی من قربھم الا" کانہ یعنی الخطایا (مشکوۃ)[2]

جس کی تفسیر محمد بن الصباح نے کی ہے کانہ یعنی الخطایا ہے۔

---

[1] اخرجہ البخاری فی المغازی، باب بلا ترجمۃ، رقم: ۴۳۱۳، اخرجہ مسلم فی الحج، باب تحریم مکۃ وتحریم صیدھا، وخلاھا، رقم: ۳۳۰۵، ۱۳۵۳، [2] اخرجہ ابن ماجۃ: فی المقدمۃ، الانتفاع بالعلم والعمل بہ ۲۵۵۔ قال البوصیری فی الزوائد: فیہ عبید اللہ بن ابی بردۃ وھو لایعرف۔

پس الا اللہ میں بھی اگر اس قرینہ سے کہ اس کے قبل لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہو چکا ہے بقرینہ عقیدۂ ذاکر کے مستثنیٰ منہ اور عامل محذوف کر دیا تو کیا حرج ہوا۔

اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے قبل جو لا الٰہ الا اللہ کہا گیا ہے اس میں صرف الا اللہ کو تاکید کے لئے مکرر لایا گیا پس اس کا عامل اور مستثنیٰ منہ ہر بار مراد ہوگا اور تاکید کے لئے جو تکرار کیا جاتا ہے کوئی دلیل اس کی تحدید پر قائم نہیں جس قدر اہتمام ہوگا اتنا تکرار مستحسن ومقتضائے مقام ہوگا چنانچہ بعض روایات میں بعض مضامین کی نسبت ہے

فما زال یکررھا حتی وددنا انہ سکت او نحوہ۔

مضمون چہارم: فیہ ایضاً بعد از ان ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ[1]

حدیث: عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لاتقوم الساعۃ حتی لایقال فی الارض اللہ اللہ" وفی روایۃ. قال: "لاتقوم الساعۃ علی احد یقول اللہ اللہ". (رواہ مسلم)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایسی حالت ہو جائے گی کہ دنیا میں اللہ اللہ نہ کہا جائے گا" اور ایک روایت میں ہے کہ "قیامت ایسے کسی شخص پر قائم نہ ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہوگا"۔

بعض کا اس طریق ذکر پر اعتراض ہے کہ صرف اللہ اللہ لفظ مفرد ہے اس لئے نہ کسی معنی خبری کو مفید ہے نہ معنی انشائی کو پھر اس ذکر بے معنی سے کیا فائدہ مگر حدیث میں خود ای افراد کے ساتھ اس پاک نام کو منقول بتایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اس کا تکرار بھی مشروع ہے اور معنی کچھ خبر اور انشاء میں منحصر نہیں اگر اس سے تبرک واستحضار محض ہی مقصود ہو تو بے معنی اور غیر مفید کیوں ہوگا ارشاد خداوندی:

﴿واذکر اسم ربک﴾ ظاہر الفاظ محض اسم کے ذکر کو بھی عام ہے۔

---

[1] مسلم فی الایمان: ذھاب الایمان فی آخر الزمان، رقم: ۲۳۴۔ [2] وتعبیری کی توجیہ ہو سکتی ہے کہ حرف ندا محذوف ہو اور جملہ شائع یکون الندا، لخرق والعلۃ فیہ لاسم لہ فافہم ۱۲

مضمون پنجم: فیہ ایضاً۔ پاس انفاس این است کہ مکان و زمان را در یابد یعنی دربرآمدن نفس و فرو رفتن نفس طالب ذاکر باشد و چنداں مشغول باشد کہ دم ذاکر گردد۔

(پاس انفاس یہ ہے کہ زمان و مکان کی حفاظت کرے یعنی سانس کے آنے اور جانے میں سالک ذاکر رہے اور اتنا مشغول ہو جائے کہ سانس ہی ذکر کرنے لگے)

حدیث: عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شان اہل الجنۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یلہمون التسبیح والتحمید کما تلہمون النفس"۔ (رواہ مسلم)[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہل جنت کے حال میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ان کو تسبیح و تحمید کا اسی طرح القاء و اجراء ہوگا جس طرح تم کو سانس کا القاء و اجراء ہوتا ہے"۔ (یعنی بلا قصد و بلا تکلف)

ف: حدیث میں مدح ہے اہل جنت کی کہ ان کو ذکر اللہ سانس کی طرح جاری ہو جائے گا، تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ پاس انفاس سے یہی کیفیت ذکر اللہ کے جاری ہونے کی ہو جاتی ہے، کیونکہ جب کثرت مشق سے ہر سانس کے ساتھ عادت ذکر کی ہوگئی اور سانس ہے اضطراری اور دونوں کی مقارنت بوجہ عادت کے مثل امر طبعی کے ہوگئی، پس جب سانس آوے گا اضطراراً ذکر بھی صادر ہوگا، اور گو مطلق کثرت سے بھی یہ امر ہو جاتا ہے مگر پاس انفاس سے سہل و احسن و اوکد وجوہ حاصل ہوتا ہے، پس حدیث کی رو سے اہل جنت و شاغلین پاس انفاس کی حالت باہم نہایت مشابہ ہے۔

مضمون ششم: فیہ ایضاً حبس دم در ذکر الخ

(ذکر میں سانس روکنا)

حدیث: عن مطرف بن عبداللہ بن الشخیر عن ابیہ قال: اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی ولجوفہ ازیز کازیز المرجل یعنی یبکی۔ (رواہ النسائی)[2]

ترجمہ: حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے

---

[1] رواہ مسلم: فی الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا، فی صفات الجنۃ واہلہا، وتسبیحہم فیہا بکرۃ وعشیاً۔ ۵۸۳۵

[2] رواہ النسائی: السہو، البکاء فی الصلاۃ رقم: ۱۲۱۵

تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں ایک ایسی آواز تھی جیسی (پکنے کے وقت) ہانڈی کی آواز ہوتی ہے، آپ رو رہے تھے۔ (یہ حدیث اصل رسالہ میں نمبر: ۲۰۷ میں گزری ہے)

ف: تجربہ سے معلوم ہے کہ یہ کیفیت غلبہ بکا اور اس کے ضبط سے ہوتی ہے اور یہ بھی تجربہ اکثریہ سے ثابت ہے کہ غلبہ کے وقت ضبط کرنے سے سانس رک جاتا ہے، پس جو امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے لازم آ گیا اس کے محمود و نافع ہونے میں تو شبہ ہو ہی نہیں سکتا، پس اگر کوئی اس کا تحصیلاً و اکتساباً التزام و اہتمام کرے تو کیا حرج ہے۔

مضمون ہفتم: فیہ ایضاً۔ شغل سلطانا نصیرا طریقش آنکہ نظر بر نوک بینی خود دوزد آن۔ طریق شغل سلطانا محمودا و دریں شغل نظر خود را درمیان فرق جبہ یعنی ابروی خود میدارند۔ (شغل سلطانا نصیرا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ نگاہ اپنی ناک کے کنارے پر جمائے۔ شغل سلطانا محمودا: اس شغل میں اپنی نگاہ کو دونوں بھنووں کے درمیان ماتھے کی سیدھ میں رکھے)

حدیث: عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "یا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اجعل بصرک حیث تسجد" (رواہ البیہقی)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے انس! اپنی نگاہ کو سجدہ کی جگہ رکھو" (یہ حدیث اصل رسالہ میں نمبر: ۵۰۷ میں گزر چکی ہے)

ف: سجدہ میں موضع سجود سے ناک اور پیشانی مراد ہوتی ہے اور دو مماس جسموں میں سے جب ایک پر نظر کرو گے لامحالہ دوسرے پر بھی نظر واقع ہوگی جبکہ سجدہ میں بھی موضع سجود پر نظر کی گئی تو ناک اور پیشانی پر بھی نظر پہنچے گی تمام یا ناتمام، اور ناک کی ابتداء نوک بینی سے اور پیشانی کی ابتداء درمیان دو ابرو سے ہے، پس ان دونوں پر اصل اعضاء سے پہلے نظر پڑے گی، اشتغال مذکورہ میں یہی دو موقع ہیں نظر کرنے کے جب یہ خاص حالت میں حدیث سے مشروع ہے تو دوسرے اوقات میں قیاس سے مشروع ہوئی اور فقہاء نے بھی سجدہ میں نوک بینی پر نظر رکھنے کو لکھا ہے، کذا فی الدر المختار۔

مضمون ہشتم: فیہ ایضاً طریق شغل خطرات ذاکر را از جمیع ما سوائے وجود خود بکلی ہمت متوجہ شود یعنی چنانکہ آمد در وقت نفس از ہر چیز سوائے اللہ جدا ساختن الی قولہ و چند

[1] رواہ البیہقی فی السنن، الصلاۃ، لا یجاوز بصرہ موضع سجودہ ۲/۲۸۳

و اسم ذکر اللہ از ہر بن مو جاری شود۔ (سر سے پیر تک انسان کا بال بال، اور اس کا پورا وجود مکمل طور پر متوجہ ہے۔ یعنی یہ جانے کہ ہر ہر سانس کے آنے جانے کے وقت ہر ہر بال کی جڑ سے اللہ ہو جاری ہے یہاں تک کہ چند دنوں میں ہر بال کی جڑ سے اللہ ہو جاری ہو جائے گا)

حدیث: عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الدعاء وفیہ: "ان ترزقنی القرآن العظیم والعلم وان تخلطہ بلحمی ودمی وسمعی وبصری". الحدیث (رواہ رزین)[1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ دعا سکھائی اور اس دعاء میں یہ بھی ہے کہ: "مجھ کو قرآن مجید اور (اس کا) علم عطا فرمائیے اور اس کو میرے گوشت اور خون اور کان اور چشم میں پیوست اور مخلوط کر دیجئے" ([illegible] ۱۲۵_۱۲۶)

حدیث دیگر: عن ھانی بن ھانی رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ملئ عمار ایمانا الی مشاشہ" (رواہ ابن ماجۃ)[2]

ترجمہ: حضرت ہانی بن ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ: "عمار ہڈیوں کی جڑ تک ایمان سے بھرا ہے۔"

ف: حدیث اول میں دعا ہے "تخلیط القرآن بجمیع الاعضاء والاجزاء" کی، اور حدیث میں ہے "ان اللہ لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہ" پس اس حدیث سے اس دعاء کے وقت اس خلط کا تصور و استحضار ضروری ہوا، اور اللہ کا کلام اور اس اللہ کا نام اس تصور میں مساوی ہیں، پس ہر بن مو سے "اللہ ہو" کے جاری ہونے کا تصور اس سے نافع ہونا ثابت ہو گیا جو طریقہ ہے اس شغل کا، اور حدیث دوم سے ایمان کا رگ و ریشہ میں سرایت کرنا مذکور ہے، اور یہ ان ثمرات ایمان میں ہیں اور ذکر اللہ آثار ایمان سے ہے، پس اس کی صحت سرایت بھی اس سے ثابت ہوئی جو کہ ثمرہ ہے اس شغل کا جو اس عبارت میں مذکور تھا "ذکر اللہ از ہر بن مو جاری شود" فافہم۔

مضمون ہم پنجم: طریقہ شغل سرمدی: چشم و گوش و لب را بہ پنبہ بند نماید (آنکھ، کان کو انگلیوں سے بند کرلے)

---

۱ الجامع لاخلاق الراوی عن ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نحوہ: [illegible]

۲ ابن ماجۃ: فضل عمار بن یاسر رقم: ۱۴۷

حدیث: عن نافع قال: كنت مع ابن عمر رضي الله تعالى عنه في طريق فسمع مزمارا، فوضع اصبعيه في اذنيه، ونأى عن الطريق الى الجانب الآخر. ثم قال لي بعد ان بعد يا نافع! هل تسمع شيئا؟ قلت: لا، فرفع اصبعيه من اذنيه قال. كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمع صوت يراع فصنع مثل ما صنعت قال نافع: وكنت اذ ذاك صغيرا (رواه احمد وابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ راستہ میں تھا، رستے میں انہوں نے بانسری کی آواز سنی تو اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھ لیں اور راستہ سے دوسری جانب کو دور ہٹ گئے پھر دور جا کر مجھ سے کہا کہ اے نافع اب بھی کچھ سنائی دیتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، انہوں نے دونوں انگلیاں اپنے کانوں پر سے اٹھالیں، اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بانسری کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا، نافع کہتے ہیں کہ میں اس وقت کم سن تھا۔

ف: باجے کی آواز آنے کے وقت کانوں میں انگلیاں دینا واجب نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کہ وہ آپ کے ہمراہ تھے اس کا حکم نہیں فرمایا، البتہ یہ واجب ہے کہ قصداً ادھر کان نہ لگائے اور دل سے نہ سنے بہر حال کانوں میں انگلیاں اس وجہ سے دیں کہ اس سے قلب کی جمعیت اور حضور میں خلل نہ آئے اور تشویش نہ پیدا ہو، بس اسی غرض کے لیے شغل میں حواس بند کئے جاتے ہیں کہ جمعیت اور حضور میسر ہو اور مدرکات مختلفۃ الانواع سے جو تشویش ہو جاتی ہے اس کا انسداد ہو، اور کان کا بند کرنا جب ثابت ہے تو دوسرے حواس کو اس پر قیاس کر لیا جائے گا کہ علت مشترک ہے۔

مضمون: بعض نے ابتداء لطائف ستہ کی اور تعیین مواضع ان کی در جسم انسان کی پر ظلمت و پر انوار و مشتمل بر بسیار برکات ان کی، اول لطیفہ قلبی کہ مقام او دو انگشت فروتر از پستان چپ است مائل بہ پہلو، الخ عالم مرکز قلب ہے دو پہلو سری و خفی و اخفیٰ۔ (لطائف چھ ہیں یعنی انسان کے جسم میں چھ مقامات خصوصی و انوار اور بہت ساری برکات سے پر ہیں اول لطیفہ قلب کا اس کا مقام ہم کیسے پتہ نا)

[1] اخرجه ابوداؤد. في الأدب، كراهة الغناء والزمر ۲۹۲/۴، رقم: ۴۹۲۴، واحمد ۸/۲، ۳۸، قال المنذري: قال ابو علي اللؤلؤي سمعت ابا داؤد يقول: وهو حديث منكر

سے عبارت ہے اور پانچوں ان میں سے عالم امر والے قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ پر مشتمل ہیں)

حدیث: عن النعمان بن بشیر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله، واذا فسدت فسد الجسد کله، الا وهی القلب". (اخرجه الخمسة)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یاد رکھو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ سنورتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے یاد رکھو وہ قلب ہے۔" (یہ حدیث اصل رسالہ میں نمبر: ۲۱۳ میں گزر چکی ہے)

ف: یہ مسئلہ تو مکشوف ہے کہ انسان کے بعض اجزاء مجرد عن المادہ بھی ہیں عالم امر سے، چونکہ عبارت قدسیہ بالا میں واقع ہے یہی مراد ہے اور یہ اجزاء مجردہ لطائف کہلاتے ہیں، اور یہ مکشوف ہے کہ ان لطائف کا خاص خاص تعلق جسد مادی کے بعض بعض اجزاء سے ہے چنانچہ لطیفہ قلب کا تعلق مضغہ قلب سے ہے۔ وعلیٰ ہٰذا۔

حدیث میں قلب کو مضغہ جسد یہ فرمانا اس تعلق مذکور کے حکم کا مؤید ہے بعض اجزاء جسم کشفی کا مؤید، مختص ہو جانا قرینۂ غالبہ سے ہے بقیہ اجزاء کی صحت پر۔

مضمون یازدہم: فی ایضاح طریق دفع مرض بتصور کند کہ مرض کی گیرودگی کعقدہ و بند عین کی انگلی۔

(مرض کو دور کرنے کا طریقہ: تصور کرے کہ مرض کو بگاڑتا ہے کھولتا ہے اور نظر عین پر سے ہٹاتا ہے)

حدیث: عن ابی امامة بن سهل بن حنیف فی قصة اصابة عین عامر بن ربیعة سهل بن حنیف قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعامر: "علام یقتل احدکم اخاه الا برکت علیه". (رواه فی شرح السنة)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قصے کے ضمن میں

---

۱ بخاری: الایمان، فضل من استبرأ لدینه، رقم: ۵۲، مسلم: البیوع، اخذ الحلال وترک الشبهات، رقم: ۱۰۷ (۱۵۹۹)، ابوداؤد: البیوع، اجتناب الشبهات، رقم: ۳۳۲۹، ولیس فیه "الا وان فی الجسد مضغة"۔ ترمذی: البیوع، ترک الشبهات، رقم: ۱۲۰۵ مثل ابی داؤد رقم: ۳۳۲۹ مطلقا۔ واخرجه ابن ماجه الفتن، الوقوف عند الشبهات رقم: ۳۹۸۴

۲ رواه فی شرح السنة: الطب والرقی، ما یرتجی فیه من الرقی: ۶/۲۴۲۹، رقم: ۳۲۴۸۔ واخرجه الحاکم فی المستدرک: وقال هذا حدیث صحیح الاسناد۔

جس میں عامر بن ربیعہ کی سہل بن حنیف کو نظر لگ گئی تھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر سے فرمایا: ''کس لئے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے؟ (جس وقت تم نے ان کو نہاتا ہوا دیکھ کر ان کی لطافت جسم کی تعریف کی تھی جس سے نظر لگ گئی اس وقت) تم نے ان پر بارک اللہ کیوں نہیں کہہ دیا تھا'' (کہ نظر نہ لگتی کذا فی المرقاۃ)

ف: سلب مرض قوت نفسانیہ سے کیا جاتا ہے سو اس کا مؤثر ہونا خود نظر لگنے سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے اس سے سلب مرض کی صحت عقلیہ ثابت ہوتی ہے اور ''بارک اللہ علیک'' اس کے روکنے کے لئے کہنا یہ بھی درحقیقت استعمال ہے قوت نفسانیہ کا کہ اس میں بلا واسطہ کھلانے، پلانے، جھاڑنے، پھونکنے کے دور ہی سے اثر ہوا، یہی قوت نفسانیہ ہے، اس کلمہ دعائیہ سے اس کی فاعلیت اور قوی ہوگئی، اور جس ضرر کا انسداد جائز ہے اس ضرر کا دفع بھی بالاولی جائز ہے، اس سے اس تصرف سلب کی صحت شرعیہ ثابت ہوتی ہے، پس سلب مرض کی صحت عقلیہ وصحت شرعیہ ہر دو اس حدیث سے ثابت ہوگئیں۔

مضمون دوازدہم: وفیہ ایضاً طریق دریافتن خطرہ نفس، خود را از حدیث نفس از ہر خطرہ خالی ساختہ بدل بسوئے قلب او متوجہ شود ہر چہ از خیر وشر در خاطر خطور کند پس بداند کہ از وست۔ (اندیشہ نفس کو معلوم کرنے کا طریقہ: اپنے کو اپنے وسوسے سے اور نفس کو ہر وسوسے سے خالی کر کے دل سے اس کے قلب کی طرف متوجہ ہو، اچھائی برائی میں سے جو بھی دل میں آئے اسے یہی سمجھے کہ اسی کی طرف سے ہے)

حدیث: عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ صلی صلوٰۃ الصبح، فقرأ الروم فالتبس علیہ، فلما صلی قال: ''ما بال اقوام یصلون معنا لایحسنون الطھور، فانما یلبس علینا القرآن اولئک''. (رواہ النسائی)[1]

ترجمہ: ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی اور اس میں سورۂ روم پڑھی اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشابہ لگا، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا: ''لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور وضو بھی اچھی طرح نہیں کرتے سو ان ہی لوگوں کی وجہ سے ہم کو قرآن میں تشابہ لگتا ہے۔''

ف: غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شخص کا وضوء اچھی طرح نہ کرنا، اس قصہ میں

[1] رواہ النسائی: فی کتاب الافتتاح، القراءۃ فی الصبح بالروم ۹۳۸.

وہی صریح سے معلوم نہیں ہوا، صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قتاب ہونے سے استدلال فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ نقصان وضرر کی کدورت نے آپ کے قلب کو خلجان وتشویش میں ڈالا، یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک جلیس کو جب کہ وہ صافی القلب ہو کسی تعلق وقرب سے دوسرے جلیس کا خیر وشر بدون اظہار مقصد درک ہو سکتا ہے، اور یہ لطافت خطرہ کا بھی متبع ہے کہ کسی وقت توجہ کی بھی ضرورت ہو، اور کسی وقت جسمانی قرب بھی نہ ہو، مگر اس قسم کے تصرفات کا جیسے دفع مرض یا دریافت خطرہ اہل کمال قصد کم کرتے ہیں، کذا فی ضیاء القلوب۔

مضمون سیزدہم: فیہا یعنی طریق تلاوت قرآن شریف، دل را از جمیع خطرات خالی کردہ در حین قرأت خیال کند کہ زبان ودہن ولسان دل متوجہ بہ حق برود برای تکلم کند بعد ازاں تصور کند کہ ہر بن موی جسد قاری برائے قرأت قرآن زبان گردیدہ واز ہر بن مو الفاظ می آیند ودریں ملاحظہ در حین قرأت مستغرق گردد چوں دریں ملکہ حاصل آید بعد ازاں دروقت قرأت تصور کند کہ حق تعالی بزبان قاری میگوید ومن می شنوم۔ (قرآن کریم کی تلاوت کا طریقہ: دل کو تمام وسوسوں سے خالی کرکے تلاوت کرتے ہوئے یہ خیال کرے کہ زبان، دل ودونوں برابر تلفظ کر رہے ہیں، اس کے بعد یہ تصور کرے کہ پڑھنے والے کے بدن کا ہر ہر بال تلاوت قرآن کے لئے زبان بنا ہوا ہے اور ہر ہر بال سے الفاظ نکل رہے ہیں، تلاوت کے وقت اس خیال میں ڈوب جائے، جب یہ ملکہ حاصل ہو جائے اس کے بعد تلاوت کے وقت تصور کرے کہ باری تعالی پڑھنے والے کی زبان میں پڑھ رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں)

حدیث: عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یقول اللہ تعالی: من شغلہ القرآن عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین"۔ (اخرجہ الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "حق تعالی فرماتے ہیں جو شخص ایسا ہو کہ قرآن مجید اس کو مجھ سے کوئی چیز مانگنے سے (یعنی دعا کرنے سے) مشغول کر دے (یعنی فرصت نہ لینے دے) میں جس قدر اور سائلوں کو دوں گا اس شخص کو سب سے زیادہ دوں گا" (یہ حدیث اس رسالہ میں نمبر ۲۳ میں گزر چکی ہے)

حدیث: عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ: ﴿لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ﴾

[1] الترمذی: فضائل القرآن، باب، رقم: ۲۹۲۶، وقال: حدیث غریب

قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعالج من التنزيل شدة وكان مما يحرك شفتيه فأنزل الله تعالى: ﴿لا تحرك به لسانك﴾ إلى قوله ﴿فإذا قرأناه فاتبع قرآنه﴾ فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذلك إذا أتاه جبرئيل استمع فإذا انطلق جبرئيل قرأه النبي صلى الله عليه وسلم كما قرأه. (رواه البخاري)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں "لا تحرک" الخ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن کے وقت بڑی تکلیف اٹھاتے تھے یعنی (ان الفاظ کو سن کر ان کو ضبط کرنے کے لئے) اپنے لبوں کو (اور زبان) کو حرکت دیتے تھے، (یعنی خود بھی ساتھ پڑھتے جاتے تھے، کہ پھر ایک بار زبان سے کہہ لوں گا تو یاد ہو جائیں گے، ورنہ شاید بھول جاؤں ادھر سننا ادھر دہرانا تکلیف ظاہری ہے) پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اس میں عجلت کرنے کی غرض سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے (اس مضمون تک کہ) جب ہم قرآن پڑھا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ ہمارے حکم سے پڑھا کرے) اس کے بعد جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لاتے تو آپ غور سے سنتے، اور جب وہ چلے جاتے تو اسی طرح پڑھتے جس طرح انہوں نے پڑھا تو آپ اس کے پڑھنے کی طرف دل سے لگے رہا کیجئے۔ (خود اعادہ کی ضرورت نہیں)

ف: دعا کی فی نفسہ عبادت ہے جب قرآن والے کے لئے کثرت تلاوت سے ادھر متوجہ ہونا بدرجہ حدیث اول محمود ہوا تو اور خیالات وامور منہ حدیث معترض ہونا تو بدرجہ اولیٰ محمود ہوگا، پس تلاوت میں اس قدر غرق ہو جانا بھی حاصل ہے طریق اول کا دل را از جمیع خطرات الی قوله مستغرق کردو۔

اور دوسری حدیث میں جو آیت میں ﴿فاذا قرأناه﴾ اس میں قرأت جبرئیل کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا، چنانچہ اذا اتاه جبرئیل استمع سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قاری جبرئیل تھے تو وجہ اس نسبت کی ان کی قرأت کا باذن تعالیٰ ہونا ہے پس ہر قاری جب ماذون من اللہ ہے کہ دولت علیہ الصوص ہی ہیں اپنی قرأت کے منسوب الی الحق ہونے کا تصور اس کو جائز ہوگا اور یہی حاصل ہے طریق اخیر کا چوں در یں ملک الخ۔

---

[1] بخاری: بدء الوحی، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مضمون چہاردہم فی خاصیة ارتباط انبیاء بعض اولیاء: مشرب ومذاق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں ان کو محمدی المشرب کہتے ہیں، اسی طرح آدمی المشرب و ابراہیمی المشرب و موسوی المشرب اور بعض تحت قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان کا نام عیسوی المشرب ہے۔

حدیث: عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "احب شیء الی اللہ الغرباء" قیل: ومن الغرباء؟ قال: "الفرارون بدینھم یبعثھم اللہ یوم القیامة مع عیسی بن مریم". (رواہ ابو نعیم فی الحلیة)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "سب اشیاء سے زیادہ پیارے اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو غرباء یعنی بے یار و بے مددگار ہیں" پوچھا گیا یا رسول اللہ! بے یار و مددگار کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اپنے دین کو لئے ہوئے (اس کو بچاتے ہوئے) بھاگے بھاگے پھرتے ہیں، (تو جہاں جائیں گے ظاہر ہے کہ اجنبی پردیسی ہوں گے جو اصل معنی ہیں غرباء کے اور پردیسی اکثر بے یار و مددگار ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قیامت کے روز حضرت عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ اٹھائے گا۔"

ف: اولیاء میں سے کسی کے موسوی المشرب کسی کے عیسوی المشرب ہونے کے جو حاصل معنی ہیں وہ اس حدیث سے بخوبی ثابت ہیں یعنی مناسبت فی الصفات اور یہ سب باعتبار اصل ہونے کے محمدی ہیں۔

مضمون پانزدہم: رسم الباس خرقہ وقت عطا خلافت۔

حدیث: عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یا عثمان ان ولاک اللہ ھذا الامر یوماً فارادک المنافقون ان تخلع قمیصک الذی قمصک اللہ فلا تخلعه" (رواہ ابن ماجة)[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ تم کو اس حکومت کا کسی وقت اختیار دے پھر منافقین تم سے وہ پیراہن اتروانا چاہیں جو تم کو اللہ تعالیٰ نے پہنایا ہو تو تم اس کو مت اتارنا" (مطلب

[1] ابو نعیم فی الحلیة: ۱، ۲۵، حدیث: ۵۵، الزھد للامام احمد: ۱۲۹

[2] رواہ ابن ماجة: فی المقدمة، فضل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه: ۱۱۲

یہ ہے کہ وہ تم سے خلافت کے چھوڑ دینے کی درخواست کریں تو تم خلافت مت چھوڑ دینا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل ہو گئے مگر اس ارشاد کے پابند رہے)

ف: ولی امر ہونے کو قمیص سے تعبیر کرنا جس مناسبت پر مبنی ہے اس سے اس کی مشروعیت بھی نکلتی ہے کہ امور دینیہ کی تولیت عطا کرنے کے وقت قمیص کسی پہنا دیا جائے جیسا کہ بعضے بزرگوں کا معمول ہے کہ خلافت دینے کے وقت خرقہ و پیراہن پہناتے ہیں، اور درۃ المعارف میں طبرانی سے عمامہ باندھنے کی اصل منقول ہے "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایولی والیا حتی یعممه ویرخی سدلها من جانبه الایمن نحو الاذن"[1]

مضمون شانزدہم: علامت خاص مقرر نمودن برائے اہل سلسلہ خود چنانکہ معمول بعضے بزرگان شنیدہ شد۔

حدیث: عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال- العمائم تیجان للعرب (رواہ ابو داؤد[2])

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عمامے عرب کا تاج ہیں۔

ف: اس میں ترغیب ہے عمامہ باندھنے کی عرب اور متشبہین بالعرب کو ایک خاص عنوان سے کہ وہ عرب کی علامت خاص ہے، پس اس علامت کو محفوظ رکھنا چاہئے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی خاص طریق کے لوگ بمصلحت باہمی شناخت اور بقاء اتحاد و اختصاص کے اپنے مجمع کی کوئی خاص علامت مقرر کر لیں بشرطیکہ حدود شرعیہ سے خروج نہ ہو تو جائز ہے، ایک بزرگ ہمارے نواح میں بھی گزرے ہیں انہوں نے اپنے سلسلہ والوں کے لئے ایک خاص طور کا رومال رکھنا مقرر فرما دیا تھا چنانچہ اب تک ان صاحبوں میں معمول ہے۔

مضمون هفدهم: وحدة الوجود بالتفسير الذى ذكر فى مفتح كليد مثنوى تحت شعر مولوى رحمه الله:

جملہ معشوق ست و عاشق پردہ زندہ معشوق ست و عاشق مردہ

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۲۲/۸ حدیث: ۷۲۳ قال الهيثمي: فيه جميع بن ثوب وهو متروك۔ [2] قلت. لم نجده فى ابى داؤد، انما اورده السيوطى فى الجامع الصغير، وعزاه الى الديلمي ورمزه

حدیث: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اصدق کلمۃ قالہا الشاعر کلمۃ لبید: الا کل شیء ما خلا اللہ باطل"۔ (متفق علیہ[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شعراء کے تمام کلاموں میں سب سے زیادہ سچا لبید کا قول ہے: الا کل شیء الخ" یعنی یاد رکھو اللہ کے سوا سب چیزیں باطل ہیں۔ (تفسیر اس کی آگے مکشوف ہے ای فانی مضمحل)

ف: فانی ہونے کے معنی تو ظاہر ہیں کہ آئندہ معدوم ہو جائیں گے اور مضمحل ہونے کا باعتبار حالت موجودہ کے بھی حکم کر سکتے ہیں یعنی جو موجود کالمعدوم ہو اور باطل کا محل اسی معنی پر ہے بلکہ بعید نہیں یہی حقیقت ہے وحدۃ الوجود کی، شرح عقائد نسفیہ میں آیت: ﴿کل شیء ھالک الا وجھہ﴾ کی یہی تفسیر کی ہے اور قرآن مجید میں جو باطل ہونے کی نفی فرمائی ہے: ﴿ما خلقت ھذا باطلا﴾ وہ بمعنی عبث ہے جس کی کتاب و سنت میں کچھ تعرض نہیں۔

مضمون مشہور: کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔

حدیث: عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ان اللہ جمیل" (رواہ مسلم[2])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ جمیل ہے"

ف: چونکہ جمال عادۃً مقتضی ہوتا ہے ظہور کو یعنی ظہور اس کے مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ حکیم ہیں کہ مناسب کی رعایت فرماتے ہیں: اس لئے حکمت مقتضی ہوئی کہ ذات وصفات کا ظہور فرمائیں اور ذات وصفات کا ظہور ہوتا ہے افعال سے جو متعلق ہیں خلق کے۔ پس مقتضی ظہور ہونا مقتضی تخلیق ہوتا ہے اور اسی ظہور سے معرفت ہوتی ہے، یہی اقتضاء ظہور اقتضاء معرفہ بھی ہے، اسی اقتضاء کو حب سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اس ظہور سے پہلے خفا ظاہر ہے۔ یہی حکم بالاجمال ہے کہ حدیث میں ہے بواسطہ ان مقدمات کے قول مشہور مذکور

[1] اخرجہ البخاری: فی الادب، ما یجوز من الشعر والرجز والحداء وما یکرہ منہ، ۶۱۴۷
[2] مسلم: فی الایمان، تحریم الکبر وبیانہ ۱۴۷

صوفیاء کا ثابت ہوتا ہے خوب سمجھ لو۔

حدیث: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:
"من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی" (متفق علیہ[1][2])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا: کیوں کہ شیطان میری صورت میں نہیں بن سکتا۔"

ف: بعض صوفیاء کے کلام میں بعض عبارتیں بعنوان حدیث پائی جاتی ہیں جن پر اکثر اہل ظاہر ان حضرات کو وضاع حدیث سمجھتے ہیں مگر معاذ اللہ: جو وہ ایسے کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہوں، بلکہ توجیہ اس کی یا تو یہ ہے کہ کشف یا منام میں انہوں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ارشادات سنے ہوں اس لئے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا، خود محدثین نے احادیث منامیہ کو لفظ حدیث سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ امام صغانی نے مشارق میں یہ حدیث "اذا وضع العشاء" الخ منام کے طریق سے نقل کی ہے، اسی طرح احادیث کشفیہ کو حدیث کہا گیا ہے، البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو اور محققین کے کلام میں جو اس قسم کے مضامین پائے جاتے ہیں اس میں یہ بات محقق ہوتی ہے کہ کوئی نص ان کی موافق ہوتے ہیں، حدیث بالا اس توجیہ کے صحیح و معتبر ہونے پر دال ہے کبھی وہ روایت بالمعنی ہو سکتی ہے جیسے اس سے اوپر "کنت کنزا مخفیا" کا مضمون مذکور ہوا ہے کہ وہ روایت بالمعنی ہو سکتی ہے "ان اللہ جمیل" کی، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حسن ظن سے کسی کتاب میں دیکھ کر یا کسی راوی سے جو بظاہر صالح تھا سن کر اس کو صحیح سمجھ لیا اور نقل کر دیا، تنقید احادیث ان حضرات کا فن نہیں اس لئے یہ غلطی معفو عنہ ہے۔

مضمون بستم۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

حدیث: عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
"لاینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ" قیل: یا رسول اللہ وما یذل نفسہ؟ قال: "ان

---

[1] اخرجہ البخاری: فی تعبیر الرؤیا، من رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام، رقم: ۶۹۹۳
[2] مسلم: فی الرؤیا، قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رآنی فی المنام فقد رآنی، رقم: ۱۰ (۲۲۶۶)

یتعرض بالبلاء لما لا یطیقہ".[1] (رواہ الترمذی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "مومن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے" عرض کیا یا رسول اللہ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: "ذلیل کرنا نفس کو یہ ہے کہ جس بلا کا تحمل نہ ہو سکے اس کا سامنا کرے"

ف: اذلال نفس اور عدم معرفت قدر نفس کے معنی ایک ہی ہیں اور عدم معرفت قدر نفس بھی ایک توجیہ ہے عدم معرفت نفس کی، اس بناء پر یذل نفسہ کے معنی ہوئے لا یعرف نفسہ، آگے اس عدم معرفت نفس کی تفسیر ہے تعرض مالا یطاق من البلاء، اور ایسی بلاؤں میں سے اعظم بلا عدم معرفت رب ہے، تو اس بناء پر عدم معرفت نفس کا ایک اور تحقق عدم معرفت رب بھی ہوا تو لامحالہ معرفت نفس مستلزم ہوئی معرفت رب کو جو حاصل ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا، یہی مضمون قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے: ﴿ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ﴾ اس طرح سے کہ من استفہامیہ بمعنی لا نافیہ ہے، اور یرغب بوجہ صلہ عن کے معنی میں یعرض و یترک کے ہے اور ملۃ ابراہیم اور معرفت رب کا ایک حاصل ہے، اور سفہ بمعنی جہل کا اور لم یعرف کا ایک حاصل ہے، پس حاصل معنی یہ ہوا "لا یترک معرفۃ ربہ الا من لم یعرف نفسہ" اور نفی و استثناء سے اثبات ہوتا ہے حکم مدخول نفی کا مستثنیٰ کے لئے، پس حاصل الحاصل یہ ہوا یترک معرفۃ ربہ من لم یعرف نفسہ، اور اس سے بطرز عکس النقیض لازم آیا من عرف نفسہ لم یترک معرفۃ ربہ بل عرف ربہ اور حدیث مذکور سے اس کا اثبات مخصوص اسی صورت کے ساتھ ہے جب معرفت نفس کی توجیہ معرفت قدر سے کی جائے اور آیت میں چونکہ لفظ سفہ بمعنی جہل عام ہے اس سے ہر تاویل پر اثبات ہوتا ہے قول مذکور کا خواہ عدم معرفت قدر لیا جائے یعنی اس نے اپنے نفس کی اہانت کی کہ اس کو دوزخ میں ڈالا یا عدم معرفت صفات نفس لیا جائے یعنی اس نے اپنے تذلل و عجز و ضعف کا مشاہدہ نہ کیا ورنہ حق تعالیٰ کی عظمت وقدرت وکمال کا مشاہدہ ہو جاتا، خوب سمجھ لو۔

---

[1] ترمذی: الفتن، باب لا یتعرض من البلاء لما لا یطیق، رقم: ۲۲۵۴، وقال: حسن غریب، وفی نسخۃ المعرفۃ: حسن صحیح

خاتمہ

الحمد للہ کہ کراسہ تکشف دقیقہ کہ ملحقات حقیقۃ الطریقۃ سے ہے بخیر ختم کو پہنچا، کل حدیثیں حقیقۃ الطریقۃ میں تین سو اکتیس ہیں اور تکشف دقیقہ میں بیس، اس طرح کہ تین حدیثیں تمہید میں اور بیس مضامین سے ہر مضمون پر اقل درجہ ایک حدیث تو ضرور ہے اور ہشتم و پانزدہم میں دو دو حدیثیں ہیں یہ بائیس ہوئیں مگر مضمون دوم و ششم و ہشتم و دہم میں جو حدیثیں لائی گئی ہیں وہ اصل رسالہ حقیقۃ میں آچکی ہیں اس لئے ان چار کو خارج کرکے بائیس میں سے اٹھارہ رہ گئیں، اور تمہید کی تین ملا کر اکیس ہو گئیں اور یہ تین سو اکتیس کے ساتھ مل کر جو اصل رسالہ میں ہیں ساڑھے تین سو ایک اوپر ہو گئیں جن کو احقر نے بحذف کسر ایک شعر میں ضبط بھی کر دیا ہے:

سہ صد پنجہ حدیث آمد دریں

شد مرتب ایں عجائب سفر دیں

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات،

والصلوٰۃ علی نبیہ محمد صاحب الشفاعات

وصحبہ وعترتہ اصحاب السعادات وکان ہذا

فی اوسط ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

تنبیہ آخری متعلق مجموعہ رسائل

ان رسائل ومضامین کے بھروسہ شیخ سے مستغنی نہ ہو جائیں تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ فوائد باطن کیلئے شیخ کی تعلیم کا اجمالی بمنزلہ جزو غیر علت تامہ کے ہے اور باقی کتب ورسائل بمنزلہ شرائط ابتدائیہ یا متممہ کے ہیں۔ اسی احتراز و توقف کی وجہ سے یہ مضامین جمع کئے گئے ہیں اور اس کے بعد بھی وصول الی المقصود کا مدار اعظم شیخ کامل کا اتباع ہے جا بجا اصل دلیل تو اس دعوی کی تجربہ ہے لیکن مرتبہ بیان میں اگر اس مضمون کی تفصیل کا شوق ہو تو حصہ دوم کلید مثنوی صفحہ ۱۵۵ سطر ۲۳ سے صفحہ ۱۶۵ سطر ۸ تک مطالعہ کیا جائے۔ اول بندہ نے اس مضمون کو مسائل السلوک میں داخل کیا تھا مگر بوجہ تطویل کے اس سے خارج کر کے مجموعہ ہذا کے ختم پر اس پر تنبیہ کر دی گئی۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين ابد الآبدين ودهر الداهرين ولنلحق بآخر المجموع هذه ابيات[1] دعائية مجربة بان يكررها الطالب المسكين في جلواته وخلواته منقولة عن عشرة ظروس وهي هذه

يا من يرى ما في الضمير ويسمع	انت المعد لكل ما يتوقع
يا من يرجى للشدائد كلها	يا من اليه المشتكى والمفزع
يا من خزائن رزقه في امر كن	امنن فان الخير عندك اجمع
مالي سوى فقري اليك وسيلة	فبالافتقار اليك فقري ادفع
مالي سوى قرعي لبابك حيلة	فلئن رددت فاي باب اقرع
ومن الذي ادعو واهتف باسمه	ان كان فضلك عن فقيرك يمنع
حاشا لجودك ان تقنط عاصيا	الفضل اجزل والمواهب اوسع
ثم الصلوة على النبي وآله	خير الانام ومن به يستشفع

تم مجموع التكشف عن مهمات التصوف

---

[1] ومن عجائب الاتفاق التي لم تقصد قبل ان الاشعار الثلثة من هذا المجموع قد ختمت على المنظوم من الكلام الاول على الهندي المناسب للابتداء المبتدى والثاني (الموافق) على الفارسي المناسب للمتوسط والثالث على العربي المناسب للمنتهى ۱۲ منه